U5468 ₹72-

Title - BEDARI-E-HIND ; KARNAAMA-E-MAHATMA GANDHI

Creator - Lala Mutasaddi Lal Hind

Publisher - Printing Works (Delhi).

Date - 1927.

Pages - 400

Subjects - Gandhi Ji - Musalman ; Gandhi, Mohan Das Karam Chand - Sawanch-o-Tanqeed.

بیداریِ ہند

یعنی

کارنامہ مہاتما گاندھی

جلد اوّل

مؤلفہ
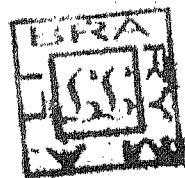
لالہ متصدی لعل ہندی

میرٹھ

مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس دہلی
باہتمام ٹھاکر داس اینڈ سنز
۱۹۲۲ء

محبانِ وطن

دار الاشاعت بیداری ہند میرٹھ

قیمت جلد اوّل دو روپیہ

یہ صحیفہ جو بیداریِ ہند کے نام سے پیش کیا جاتا ہے ینگ انڈیا کا سلیس اردو ترجمہ اور تحریک عدم تعاون کی مکمل تاریخ ہے یہ اُس مایۂ نازہستی کا کارنامہ ہے جنہے ہزار ہا سال کے مست خواب ہندوستانیوں کو ایک جنبش لب سے بیدار کر دیا تھا اور انکے سینے حب الوطنی کے نور سے منور کر دیئے تھے ؛

آج دنیا کی ہر زبان میں اس کتاب کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ یورپ اور امریکہ کے قدردان مصنفین اس کتاب کے مضامین کو الہامی قرار دیتے ہیں افسوس کہ اردو علم ادب میں اسکا کوئی ترجمہ موجود نہ تھا۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے اس حقیر نے اُن مضامین کو (جو مہاتما گاندھی نے سنہ ۱۹۱۹ء سے سنہ ۱۹۲۲ء تک اپنے مشہور اخبار میں تحریر فرمائے ہیں) دو جلدوں میں تقسیم کیا ہے تاکہ آئندہ نسلیں اس دورِ جدید کے پیشوا کی یاد ہمیشہ اپنے دل میں تازہ رکھیں ؛

اس کی ہر ایک جلد کی ابتدا میں دنیا کے مدبرین اور مشہور اہل قلم کے وہ خیالات درج کیئے گئے ہیں جو انھوں نے مہاتما گاندھی اور انکی تعلیمات کے متعلق ظاہر کیئے ہیں۔ یہ ایک نیا باب ہے جسکے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ اہل عالم اس برگزیدہ ہستی اور اسکے اُصولوں کے متعلق کیا عقائد اور جذبات رکھتے ہیں۔ پہلی جلد ہدیۂ ناظرین کیجاتی ہے اور دوسری زیر طبع ہے جو بہت جلد تیار ہو کر شائقین کے پیش نظر ہوگی ؛

دوسری جلد پہلی جلد سے زیادہ دلچسپ اور ضخیم ہوگی کیونکہ وہ اُس عظیم الشان دور سے شروع ہوتی ہے جبکہ عدم تعاون کا آفتاب نصف النہار پر تھا اور اُس کا پیغام ہر دنیا کے سامنے زندگی کے دلکش مناظر پیش کر رہا تھا ؛

اس میں ذیل کے مضامین اپنی خصوصیت کی وجہ سے بے مثل ہیں اور خاص توجہ اور فکر کے مستحق ہیں :-

شہزادے کی آمد کا بائیکاٹ - مہاتماجی کی شملہ میں وائسرائے سے ملاقات - علی برادران کی معذرت - تلک سوراج فنڈ - سول نافرمانی - عدم ادائیگی ٹیکس - فیصلہ باردولی - واقعہ چوراچوری - بغاوت موپلہ - سوراج ایک سال کے اندر - مہاتماجی کی گرفتاری - ان کا تاریخی مقدمہ - مقدمہ پر دنیا کے اخبارات کی رائے - مہاتما گاندھی کی علالت - اپنڈیسائٹس جراحی - مہاتماجی کی رہائی - پیغامات مسرت - آل انڈیا کانگریس کمیٹی احمد آباد میں مہاتما گاندھی کی نئی تجاویز - قوم کی حالت پر اشک فشانی - دور تاریک - ہندو مسلم نفاق کے سیاہ بادل - مہاتما گاندھی کے غمزدہ دل سے نکلا ہوا ۲۹ مئی سنہ ۱۹۲۴ء کا طویل مضمون - اکیس روز کا روحانی برت - دہلی کی اتحاد کانفرنس - بلگام کانگریس میں مہاتما گاندھی کا خطبۂ صدارت ؛

نیازمند متصدی لعل ہندی

فہرست مضامین

(قیمت دو روپیہ) ملنے کا پتہ دارالاشاعت بیداری ہند میرٹھ

کرانے میں مدد دے گا، اس کے ساتھ مشرق میں ایک ایسا انسان[۱] پیدا ہوگا جو اس زمانہ میں سب سے بلند مرتبہ ہوگا اور دنیا کو نیا راستہ دکھائے گا جیسا کہ بدھ بھگوان نے ہندوستان کو، افلاطون نے یونان کو، موسیٰؑ نے یہودیوں کو، محمدؐ صاحب نے عرب کو، کولمبس نے نئی دنیا کو دکھایا تھا۔ مگر اُس کی طاقت اُن سب سے بڑھکر ہوگی۔ وہ اپنا کام کر رہا ہے۔ اور جب وہ اپنے آپ کو دنیا کے سامنے پیش کریگا تو دنیا کی مذہبی، پولیٹکل، سوشل، اخلاقی حالت ہیں، دنیا کی فلاسفی ہیں، اور لوگوں کے جذبات میں ایک ایسا عظیم الشان انقلاب ہوگا جس کو اس سے پیشتر دنیا کی آنکھوں نے نہ کبھی دیکھا ہوگا اور نہ کبھی کانوں سے سُنا ہوگا۔ اُس کے پاس تکمیل مقصد کے لیئے لاکھوں ذرائع ہوں گے اور جس قدر روپیہ وہ طلب کرے گا اُس کو مل جائیگا، اُس کے پاس دولت کی کبھی کمی نہ ہوگی اور وہ پریم و محبت کا پرچار کریگا۔ کروڑں اُس کے پیروکار ہوں گے اور ان کی تعداد ریگ کے ذرّوں کی طرح بے شمار ہوگی اور اس کے اصول سمندر کی لہروں کی طرح اتنے زبردست ہوں گے کہ ان کا مقابلہ کرنے کی کوئی تاب نہ لاسکے گا۔ وہ تنہا اپنے کام کو شروع کرے گا، مگر اُس کی امداد کے لیئے کروڑوں آدمی تیار ہو جائیں گے، آخر میں ایک انقلاب ہوگا اور ہندوستان آزاد ہو جائیگا۔

وہ امن و امان کا دیوتا ہوگا، اُس کے دامن حیات پر خون کا دھبہ نہ لگے گا، اُسے دنیا میں کوئی بددعا نہ دے گا۔ بیواؤں کی چیخ و پکار کی آواز کان میں نہ آئیگی، یتیم بچے انتقام کی آگ میں نہ جلیں گے اُس کی طاقت کا انحصار لوگوں کی جہالت پر نہ ہوگا، بلکہ وہ اُن کی جہالت پر راج کرے گا۔

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) مصروف رہتا تھا اور بےحد مصروفیتوں کے باعث اپنی ہستی کو بھول جاتا تھا۔
لینن میں مکمل خودضبطی کا مادّہ تھا اور اُسکی فصیح البیانی اور بلاغت کو سمجھنا ہر شخص کے لیے آسان کام نہ تھا پھر بھی دنیا کے مستقبل کی آواز پر خلقت جمع ہو جاتی تھی۔
لینن نے ایک دفعہ کہا میں پیغمبر نہیں ہوں لیکن اتنی بات یقینی ہے سرمایہ دارانہ حکومت جس کی مثال ایک برطانیہ ہے آہستہ آہستہ مر رہی ہے، پُرانی طرزِ حکومت اور سوسائٹی ضرور نیست و نابود ہوکر رہے گی اور دنیا میں آزادی کا ڈنکا بجے گا۔ ۱۲

[۱] "مہاتما گاندھی کے دنیا میں آنے کی بشارت ہے"۔ ۱۲

ہندوستان کا ستارہ چمکا

گوتم بدھ کے ڈھائی ہزار سال بعد کرشن بھگوان نے گیتا میں جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کیا، اور ۲ اکتوبر ۱۸۶۹ء کو شہر پوربندر[1] میں آزادی کا پیغمبر، دورِ جدید کا پیشوا، اہنسا کا اوتار، صداقت کا دیوتا، روحانی تخت و تاج کا وارث "مہاتما گاندھی" ایک عالی خاندان ویش کے گھر پیدا ہوا۔

فریب کا طلسم ٹوٹا، سیاہ کاری کے بادل پھٹے اور ایک روشنی نمودار ہوئی جس نے دنیا کو بیدار کر دیا اور مُردہ دلوں کو امیدوں سے بھر دیا۔

ساکنانِ فلک شاد ہوئے، دیوتاؤں نے پوجا کی، فرشتوں نے پھول برسائے قدسیوں نے جشن منایا، زہرہ نے جمہوریت کا ایسا راگ گایا کہ ہر سیارہ وجد میں آیا۔

سمندر نے موتی نثار کیے، دستِ فیاض نے زمین کے پوشیدہ خزانوں کے منہ کھول دیے۔ آبشاروں میں پانی آیا۔ نہریں لبریز ہوئیں، سوکھے کھیت ہرے ہوئے، مُرجھائے ہوئے درخت پھولے اور پھلے۔ خشک سالی دور ہوئی، خلقت مسرور ہوئی، طاؤسوں نے رقص کیا۔ جنگل میں منگل ہوا، سارا گجرات گوکل ہوا۔ غریب خوشحال ہوئے، مزدور اور کسان مالا مال ہوئے، اور فرطِ مسرت میں سب نے ہم آہنگ ہو کر یہ گیت گایا۔

آیا وطن کا شیدا بھارت کے بھاگ جاگے — پوری ہوئی تمنا بھارت کے بھاگ جاگے
گجرات تجکو بھایا بھارت میں پھر تو آیا — دھن دھن تجھے کنہیا بھارت کے بھاگ جاگے
بھارت میں پھر بہیں گی شیر و شکر کی نہریں — ہوگا اناج سستا بھارت کے بھاگ جاگے
مزدور سب مگن میں خوش سارے اہلِ فن ہیں — اُجرت ہوئی دوبالا بھارت کے بھاگ جاگے
ننگے نہ اب رہیں گے ہندوستاں کے بچے — گھر گھر چلے گا چرخا بھارت کے بھاگ جاگے
ہم نیند میں تھے غافل تو نے ہمیں جگایا — اور راستہ دکھایا بھارت کے بھاگ جاگے
ہم فتحمند ہونگے جھنڈا بلند ہوگا — آزاد ہند ہوگا بھارت کے بھاگ جاگے
ہو کر رہیں گی پوری ہندی کی آرزوئیں — گاندھی ہوا ہے پیدا بھارت کے بھاگ جاگے

لہٰذا جو انکشافات ایسی ہستیوں کے عالمِ وجود میں آنے کے وقت ہوتے ہیں وہ سب ظہور میں آئے اور آپکا پیارا نام "موہن داس گاندھی" رکھا گیا لیکن دربارِ حقیقی سے "مہاتما" کا خطاب عطا ہوا جو دنیا میں مقبول ہوا اور ہر طرف سے مہاتما گاندھی مہاتما گاندھی کی صدائیں آنے لگیں۔

(ستسدی لعل ہندی)

[1] شہر پوربندر کاٹھیاواڑ گجرات میں سمندر کے کنارے ایک ریاست ہے۔ اسکو سداما پوری بھی کہتے ہیں۔ ۱۲

اب اُس میں خود پسندی کی اک شان پیدا ہوگئی اور دنیا کی کوئی طاقت اُسکو اُسکے ارادے سے باز نہ رکھ سکی

ریاست پوربندر میں جہاں مہاتما گاندھی پیدا ہوئے ان کے والد[1] بعہدۂ وزارت ممتاز تھے لیکن مہاتما جی کی پیدائش کے چند سال بعد ہی ملازمت چھوڑ کر مع خاندان ریاست راجکوٹ چلے آئے اور یہاں بھی والی ریاست نے وہی عہدہ اُن کو پیش کیا۔ ایک مرتبہ ریاست نے اُن کو کچھ جاگیر عطا کرنی چاہی لیکن انہوں نے رشوت سمجھکر اُس کے لینے سے تامل کیا۔

وہ یہاں کچھ عرصہ بیمار رہنے کے بعد سورگباش ہوگئے اور مہاتما گاندھی نے ان کی بڑی خدمت کی اور اُسی وقت سے اُن میں انسانی خدمت کا جذبہ پیدا ہوا اور اس طرح باپ کے تمام اوصاف ورثہ میں ملے۔

مہاتما گاندھی کی والدہ دھرم کی بہت شیدائی تھیں، وہ ویشنو تھیں لیکن جین دھرم پر بڑا اعتقاد تھا، بیوہ ہونے کے بعد مذہبی زندگی کو دربھی عقیدتمندی کے ساتھ اختیار کیا۔ وہ بھگوت گیتا، رامائن وغیرہ کے مطالعہ میں مشغول رہتی تھیں اور جین سادھوؤں کی سیوا کیا کرتی تھیں جس نے مہاتما گاندھی کے لیئے ایک خاص فضا پیدا کردی اور لڑکپن ہی میں رام، کرشن، پرہلاد، ہریش چندر اور مہابھارت کے سورماؤں کے کارناموں سے واقف ہوگئے۔ اور یہ سارا نتیجہ خیز اثر اُن کی والدہ کا تھا جو تمام زندگی اُن کے ساتھ وابستہ رہا۔

یہ امر بھی مہاتما گاندھی کی اوائل عمر میں ہی ظاہر ہوچکا تھا کہ وہ ارادہ کا نہایت پختہ ہے اور آسانی کے ساتھ سرنگوں نہیں کیا جاسکتا۔ جوں جوں عمر بڑھتی گئی یہ بات پایۂ تصدیق کو پہنچتی گئی کہ نہ صرف اُن معاملات میں جو اخلاقی نتائج پیدا کرنے والے ہوں بلکہ روزمرہ کی تمام باتوں میں خواہ وہ چھوٹی ہوں یا بڑی بغیر اس کی پروا کیئے کہ اس سے اس کی ذات پر یا دوسرے لوگوں پر کیا کیا مشکلات نازل ہوں گی وہ وہی راستہ اختیار کرے گا جس کا اُس نے فیصلہ کرلیا ہے۔

اب یہ معاملہ صرف ارادہ کی پختگی تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ خود پسندی کی ایک شان بھی اُس میں پیدا ہوگئی اور جس کام کا اُس نے ارادہ کرلیا پھر دنیا کی کوئی چیز اُس کو عمل میں لانے سے باز نہ رکھ سکی۔

جب وہ اُنیس سال کا ہوا تو اُس نے اپنے تمام رشتہ داروں اور والدہ کی خواہشات کے خلاف

[1] مہاتما گاندھی کے والد کا نام کرمچند تھا، اور اسی لیئے مہاتما جی اپنے نام کے ساتھ (جیسا کہ گجرات کا دستور ہے) ایم کے گاندھی (یعنی موہن داس کرمچند گاندھی) لکھتے ہیں۔ ۱۲

انگلستان جانے اور بیرسٹری پاس کرنے کا ارادہ کیا۔

اُن کی والدہ اُن کو ایک جین سادھو کے پاس لے گئیں اور اُن کے سامنے یہ عہد کرایا کہ وہاں گوشت شراب اور عورتوں سے پرہیز کرنا ہوگا۔

وہ ۱۸۸۸ء میں انگلستان کو روانہ ہوگئے اور وہاں تین سال تک رہے۔ وہاں ابتدا میں وہ ایک انگریز جنٹلمین کی طرح زندگی بسر کرنے لگے۔ لباس اور آرائش میں نہایت نفاست اور احتیاط ملحوظ رہی۔ فصاحت۔ موسیقی۔ رقص اور بیلہ بجانا سیکھنے لگے۔ اور فرانسیسی زبان حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ لیکن سنجیدہ طبیعت نے یکلخت پلٹا کھایا اور انہوں نے تمام فضولیات کو خیرباد کہہ دیا اور قانونی مطالعہ میں مشغول ہوگئے اور پہلے سے کہیں زیادہ مذہبی زندگی بسر کرنے لگے۔ بھگوت گیتا کا بھی مطالعہ شروع کردیا، اور ایک دوست کے اصرار سے انجیل کا بھی مطالعہ کیا۔ وہ اکثر اپنا کھانا خود پکا لیا کرتے تھے اور جو عہد لندن آتے وقت ان کی والدہ نے ان سے کرایا تھا اُس پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہے۔ اور اس نے ان کو بہت سے غاروں میں گرنے سے بچایا۔ وہ اس پرہیزگاری کے باعث ویجی ٹیرین سوسائٹی کے ممبر ہوگئے اور تھیوسوفیکل سوسائٹی میں بھی تعارف پیدا کیا۔ وہ بعض کلیساؤں کی عبادت میں بھی شریک ہوئے۔ اور مشہور پرچارکوں کے وعظ کو بھی سنا اور دادا بھائی نوروجی سے بھی ملے۔ اور اس طرح انگلستان کے دوران قیام میں انہوں نے بہت قیمتی تجربہ حاصل کیا۔ اور اُن تمام دوستانہ مراسم نے اُن کے سامنے ایک نئی دنیا کا دروازہ کھول دیا۔ ان کی نظر وسیع ہوگئی اور مذہب ان کے لیئے ایک نئی چیز بن گیا۔ اور اس طرح مہاتما گاندھی کا انگلستان کا سفر نہایت مسرت آمیز رہا۔

وہ امتحان میں کامیاب ہونے کے بعد ہندوستان واپس آئے اور بمبئی میں بیرسٹری شروع کردی۔ یہاں آکر ان کی شناسائی ایک ایسے شخص سے ہوئی جس کی تعلیم اور ذاتی مثال کا اثر مہاتما گاندھی پر سب سے زیادہ ہوا۔ یہ شخص کاٹھیاواڑ کا رہنے والا ایک جینی نوجوان تھا اس کی عمر تقریباً اتنی ہی تھی جتنی کہ مہاتما جی کی اور اُن نوجوانوں میں جو اُس زمانہ میں جین قوم کی بلندی اور ترقی میں تہ دل سے کوشاں تھے۔ راج چند راوجی سب سے زیادہ اعلیٰ صفات سے مزین تھا۔ وہ شاعر تھا اور اسی وجہ سے اُس کو عام طور پر راج چندر کوی کہتے ہیں۔ اس کا حافظہ حیرت انگیز تھا اور اس سے بھی زیادہ اس کا کمال بحیثیت مذہبی عالم کے تھا، وہ اگرچہ تینتیس ۳۳ سال کی عمر میں انتقال کرگیا لیکن بہت سی تصانیف چھوڑ گیا، اور لوگوں کے دلوں پر اس کا گہرا اثر پڑا۔ وہ گجرات کے جینیوں میں بالکل ایک نئی روح پھونک گیا۔ ایک نصب العین اور اس یقین کے ساتھ کہ نیک زندگی بسر کرنا دھرم کا سب سے زیادہ لازمی جزو ہے۔ اس نے مہاتما گاندھی کی سرگرم طبیعت سے اپیل کی اور مہاتما جی نے اس شخص سے اپنے مذہبی اور اخلاقی تصورات کا مرقع حاصل کیا جس میں سچائی۔ اہنسا اور پرہیزگاری کی تصویریں شامل ہیں اور

یہ وہی عکس ہے جس پر مہاتما گاندھی اس قدر زور دیتے ہیں۔

جس وقت مہاتما گاندھی جنوبی افریقہ میں عیسائیت پر سنجیدگی کے ساتھ غور کر رہے تھے تو ان کی راج چندر کوی سے بڑی اہم خط کتابت ہوئی اور یہی وہ خط کتابت تھی جس نے مہاتما گاندھی کو اُس میں شامل ہونے سے باز رکھا۔

مہاتما گاندھی اس شخص کی نسبت فرماتے ہیں" جتنا زیادہ میں اس شخص کی زندگی اور تصنیفات کے متعلق غور کرتا ہوں اسی قدر زیادہ مجھے یہ یقین ہوتا ہے کہ وہ اپنے زمانہ میں بہترین ہندوستانی تھا اور یقیناً مذہبی معاملات میں۔ میں اُسکو ٹالسٹائی سے بھی بہت زیادہ اعلیٰ و ارفع خیال کرتا ہوں"۔

مہاتما گاندھی کو بیس ۲۰ سال جنوبی افریقہ میں رہنا پڑا اور متواتر آٹھ سال کی جدوجہد کے بعد اُن کی تحریک کامیاب ہوئی

۱۸۹۳ء میں جبکہ مہاتما گاندھی بمبئی میں قانون اور مذہب کے مطالعہ میں مصروف تھے اور وکالت تیزی کے ساتھ ترقی کر رہی تھی تو جنوبی افریقہ کے ہندوستانیوں کی طرف سے اُن کو دعوت آئی اور انہوں نے اُسے منظور کر لیا کیونکہ یہ اُن کے لیئے ناممکن تھا کہ ان کے دور اُفتادہ بھائی مصیبت میں ہوں اور انہیں امداد کے لیئے بُلائیں اور وہ پس و پیش کریں۔

مہاتما گاندھی جس وقت افریقہ پہنچے تو تمام ہندوستانیوں نے بالاتفاق اُن کو اپنا رہنما تسلیم کیا اور اس طرح اُن کی زندگی میں ایک نئے باب کا آغاز ہوا۔ یہ ایک ایسا دور تھا جو نہ صرف ان کے لیئے اور جنوبی افریقہ کی جماعت کے لیئے معنی خیز تھا بلکہ تمام ہندوستان اس میں شامل تھا۔

انہوں نے پہلا کام یہ کیا کہ وہاں کے ہندوستانیوں کو تعلیم دینے کے لیئے ایک اخبار موسوم "انڈین اوپینین" جاری کیا۔

دوسرا اہم کام اک آشرم کا قیام تھا جو کہ ڈربن میں تھوڑی زمین خرید کر زمانۂ قدیم کے رشیوں کے طریق پر قائم کیا گیا جہاں ہندوستانیوں کو سادہ زندگی بسر کرنے اور محنت و مشقت کی قدر و قیمت سے واقف ہونے کی تعلیم دی جاتی تھی۔

جب وہاں کی ہندوستانی رعایا گورنمنٹ کی ناانصافیوں اور سخت گیریوں سے عاجز آگئی تو انہوں نے اپنے رہنما کے زیر اثر ۶ ستمبر ۱۹۰۶ء کو یہ ارادہ کر لیا کہ سر جھکانے اور ہتھیار ڈالنے کی بجائے قید اور اس کے علاوہ جو مصیبت بھی نازل ہو اُس کو خوشی سے برداشت کریں اس طرح جنوبی افریقہ میں ستیہ گرہ کی تحریک پیدا ہوئی اور یہ اک ایسی تحریک تھی جسنے مہاتما گاندھی کو تمام دنیا میں مشہور کر دیا۔

جبکہ ہندوستانی شادیوں کے آئینی ہونے پر وہاں اعتراض کیا جا رہا تھا تو جیل خانہ جانے والی عورتوں میں مہاتما جی کی استری (ماتا کستورا بائی) سب سے پہلی خاتون ہیں جنہوں نے اپنے شوہر کی سرگرمیوں میں اُتنی ہی ہمت اور دلیری سے حصہ لیا جس کا نمونہ سیتا۔ ساوتری اور تارامتی نے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ اس جنگ کی آخری منزل پر پہنچنے کا وہ وقت تھا جبکہ مہاتما گاندھی دو ہزار سے زائد آدمیوں کی رہنمائی کرتے ہوئے ٹرانسوال کی طرف روانہ ہوئے تاکہ یونین گورنمنٹ کو منصفانہ شرائط طے کرانے پر مجبور کریں اس گروہ میں ۱۲۲ عورتیں اور پچاس بچے بھی شامل تھے اور جو بغیر کسی رسد یا ضروری سامان کے بخوشی سفر کی منزلیں طے کر رہے تھے۔

یہ ایک عزم کا شاندار نظارہ تھا یہ اک قربانی کی زندہ مثال تھی جس کو دیکھکر ایک سنگدل اور مغرور انسان بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔

وہاں پہنچکر ایک تحقیقاتی کمیشن کا مطالبہ کیا گیا اور بالآخر اس کا تقرر ہوا۔ اس کمیشن نے اپنا کام خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا اور یونین گورنمنٹ نے تحقیقاتی کمیشن کی تمام سفارشات کو منظور کر لیا ایشیاٹک ایکٹ مع اپنی تمام حاسدانہ نسلی امتیازات کے منسوخ کر دیا گیا۔ پُرانے ہندوستانیوں اُن کی عورتوں اور جوان لڑکوں پر جو سالانہ محصول لیا جاتا تھا وہ برطرف کر دیا گیا اور ہندوستانی شادیوں کو تسلیم کر لیا گیا۔

اس طرح یہ تحریک آٹھ سال کی جد وجہد کے بعد کامیاب ہوئی اور جب یہ جنگ ختم ہو گئی کہ (جسکی وجہ سے مہاتما گاندھی کو بیس سال تک افریقہ میں رہنا پڑا) تو اُنہوں نے ہندوستان واپس آنے کا ارادہ کیا۔ کیونکہ

بھارت ماتا اک اور زبردست جنگ کے لیئے ان کا انتظار کر رہی تھی اور ان کو بھی اپنے ہموطنوں کو ایک تازہ پیغام پہنچانا تھا

مہاتما گاندھی سنہ ۱۹۱۴ء کے اختتام پر ہندوستان آنے کے لیئے جہاز پر سوار ہوئے اور جب وہ ہندوستان میں پہنچے تو برادران وطن نے بیمثل شان کے ساتھ اُن کا خیر مقدم کیا۔

جب وہ یہاں آئے تو یورپ میں جنگ[ف] شروع ہو چکی تھی اور محبان وطن اپنے حقوق کیلیئے بیتاب تھے۔ لیکن ابتدا میں اُنہوں نے عملی سیاسیات میں حصہ لینے سے اس بنا پر انکار کر دیا کہ جب تک وہ ملک کی حالت کا صحیح اندازہ نہیں لگائیں گے کوئی اعلان نہیں کریں گے۔ اُنہوں نے احمد آباد میں دریائے سابرمتی کے کنارے ستیہ گرہ آشرم کی بنیاد رکھی اور ملک کے مختلف حصوں

ف جنگ عظیم اول یورپ ۲۸ جولائی سے درمیان اگست ۱۹۱۴ء میں شروع ہوئی تھی۔

میں دورے کرنے شروع کر دیئے تاکہ لوگوں کی حقیقی حالت کا مطالعہ کر سکیں، جس جگہ وہ گئے ان کا پُرجوش خیر مقدم کیا گیا اور انہوں نے بھی اپنے آپ کو غریب سے غریب آدمی کا دوست ثابت کیا۔

انہوں نے ریلوں میں تیسرے درجہ میں سفر کیا اور اُس میں سوار ہونے والے مسافروں کی تکالیف کو دیکھا اور اس ناانصافی کو محسوس کیا کہ وہی غریب طبقہ جس سے ریلوے کمپنی کو سب سے زیادہ مالی نفع ہوتا ہے ان کو کس طرح بھیڑ بکریوں کی طرح گاڑیوں میں بھر دیا جاتا ہے۔

انہوں نے شراب خانوں کو بھی دیکھا اور شراب کی بھٹیوں کو بھی دیکھا اور افسوس کیا کہ حکومت روپیہ کے لیے کیسی کیسی ذلت آمیز اور گنہگارانہ تجارت کو روا رکھتی ہے۔

انہوں نے انصاف کرنے والی عدالتوں اور ان کے زیر اثر وکلاء کے طرز عمل کو بھی دیکھا اور اُس قانون کا بھی ملاحظہ کیا جس کے ذریعہ سیدھے سادے غریب ہندوستانیوں کو دام تزویر میں پھنسا کر تباہ اور برباد کیا جا رہا ہے۔

انہوں نے اسکولوں اور کالجوں کو بھی دیکھا اور وہاں کے تعلیم پانے والے طلباء سے بھی ملے اور اُس طرزِ تعلیم پر بھی غور کیا جس کے ذریعہ ملک کے نوجوان غلامانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور کیے جاتے ہیں انہوں نے کہا کہ یہ تمام درسگاہیں محض کلرک تیار کرنے کی فیکٹریاں ہیں۔ اس تعلیم میں ملک کی بہتری کی کوئی صفت نہیں۔

انہوں نے امیروں اور ساہوکاروں کے محلات بھی دیکھے اور اُن کسانوں اور مزدوروں کے جھونپڑوں پر بھی نظر ڈالی جن کی لوٹ کھسوٹ سے یہ عمارتیں تیار ہوئی تھیں۔

انہوں نے اُس بدقسمت جماعت کو بھی دیکھا جو ہندوؤں میں نیچ ذات اور اچھوتوں کے نام سے پکاری جاتی ہے۔ انہوں نے اپنے ہم وطنوں کو یاد دلایا کہ ان کو انگریزوں کے غرور اور تکبر کی شکایت کرنے کا اُس وقت تک کوئی حق حاصل نہیں جب تک کہ وہ اپنے بھائیوں سے نفرت کرتے اور ان کو سوشل زندگی کے ابتدائی حقوق سے محروم رکھتے ہیں۔

انہوں نے ہندوستان میں گشت لگا کر یہ دیکھا کہ بہت تھوڑے آدمی ایسے ہیں جو راحت و اطمینان کی زندگی بسر کرتے ہیں لیکن بڑی تعداد اُن لوگوں کی ہے جن کو پیٹ بھر کھانا اور جسم چھپانے کو کپڑا نہیں ملتا۔

انہوں نے رنج کے ساتھ تسلیم کیا کہ برطانیہ کے تعلق نے عوام میں افلاس پیدا کر دیا ہے۔ انہوں نے معلوم کیا کہ لنکاشائر نے ہندوستان کے مزدوروں کی جگہ لے لی ہے اور وہاں کی مشینوں نے یہاں کے کاریگروں کے لیئے کوئی کام نہیں چھوڑا ہے۔ انہوں نے دیکھا کہ اس تہذیب کا زہریلا

اثر ہندوستان میں بھی پھیل رہا ہے۔ انہوں نے بمبئی، احمد آباد، ناگپور اور بنگال میں جاکر جدید صنعت وحرفت کی بدنما عمارتیں دیکھیں اور ان میں کام کرنے والے کاریگروں کے رہنے کے نام نہاد مکان بھی دیکھے اور ان کی عورتوں اور بچوں کی خستہ حالت بھی دیکھی۔

انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ اس دوزخی دھوئیں نے ایسے نفیس شہروں کو کتنا گندہ اور کثیف بنا دیا ہے اور یہاں کے باشندوں کی صحت کو کس قدر خراب کر دیا ہے۔ انہوں نے ایک مرتبہ کہا:۔

"اے خدا ہندوستان کو اس جدید تہذیب کی لعنت سے بچا۔"

انہوں نے بمبئی۔ کلکتہ۔ مدراس وغیرہ بڑے بڑے شہروں میں غلغلہ انگیز تقریریں کیں۔ اور جہاں وہ گئے ہندوستانی اور یوروپین مجمعوں میں ایک باعزت مہمان کی طرح ان کا استقبال کیا گیا۔

ان تمام تقریروں میں سب سے زیادہ دلچسپ وہ ہے جو انہوں نے (اقتصادیات بمقابلہ اخلاقی ترقی) کے موضوع پر الہ آباد میں کی۔

مہاتما گاندھی نے افریقہ میں جو دولت پیدا کی وہ اپنے ہم وطنوں کی بہتری میں وہیں خرچ کردی اور جب وہ ہندوستان آنے لگے تو ان کی وکالت کی آمدنی تین ہزار پونڈ سالانہ تھی جس کو انہوں نے ترک کر کے تمام عمر غریب رہنے کا عہد کر لیا تھا۔

اس تقریر میں انہوں نے پیغمبرانہ شان کے ساتھ اپنے ہم وطنوں کو مادی دولت کو اپنا مقصد نگاہ بنانے کے متعلق تنبیہ کی اور ان کو یاد دلایا کہ "بڑے بڑے مصلحین جنہوں نے لوگوں کی زندگیوں کی اصلاح کرنے میں بہت کچھ کام کیا وہ سب کے سب اُن لوگوں میں سے تھے جنہوں نے دیدہ دانستہ افلاس کو پسند کیا۔ میں رہنماؤں سے یہ تمنا کروں گا کہ وہ ہم کو دنیا میں باعتبار اخلاق بلند پایہ ہونے کا سبق سکھائیں۔"

کوئی قوم اس وقت تک اپنے آپ کو قوم نہیں بنا سکتی جبتک کہ اس میں فولاد کی مانند سچائی نہ آجائے اور دنیا اُن کے وعدوں کو ناقابلِ جنبش خیال نہ کرے

مہاتما گاندھی کا اصول تھا کہ وہ سلطنت کے خطرہ کے وقت کسی سیاسی جد وجہد کو روا نہیں رکھتے تھے بلکہ اُس کی مصیبت میں ساتھ دینے کو تیار ہو جاتے تھے جس کا ثبوت انہوں نے جنوبی افریقہ میں کئی مرتبہ دیا۔ مگر کسی سرکاری افسر کے ظلم یا عدم رواداری کے خلاف صدائے

احتجاج بلند کرنے کو وہ وفاداری کے خلاف نہیں سمجھتے تھے بلکہ اس کو عین وفاداری اور حاکم و محکوم دونوں کی بہتری سمجھتے تھے۔ اس بنا پر دوران جنگ میں انہوں نے فوج کے لیئے رنگروٹ بھرتی کرنے اور معاشرتی اصلاح پر زور دینے میں خود کو مصروف رکھا اور حکام کی ناانصافی کو جس جگہ دیکھا وہیں اس پر حملہ کیا اور جن لوگوں کو مظلوم خیال کیا فوراً ان کے ساتھ تکلیف اُٹھانے کو تیار ہو گئے۔ مہاتما گاندھی نے ۱۹۱۷ء میں چمپارن میں بہار کے مزدوروں کے حالات کی بذاتِ خود تحقیقات کی لیکن اُن کو گورنمنٹ کی طرف سے اس ضلع سے چلے جانے کا اس بنا پر نوٹس دیا گیا کہ انکی موجودگی سے امن عامّہ کو خطرہ ہے۔

لیکن اس نوٹس کی تعمیل سے مہاتماجی نے صاف انکار کر دیا اور عدم تعمیل کی سزاؤں کو بھگتنے کے لیئے اپنی آمادگی کا اظہار کیا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مزدوروں کی شکایات کی تحقیقات کے لیئے ایک کمیشن مقرر کیا گیا جس کے ایک ممبر مہاتماجی بھی تھے۔ یہ بات ہر شخص کو معلوم ہوگئی کہ اس معاملہ میں صرف زبردست شرارتیں ہی نہ تھیں بلکہ مزدور سسٹم میں بعض باتیں ناقابلِ علاج اور پوشیدہ طور پر غلط تھیں۔

دوسرا واقعہ ۱۹۱۸ء میں کیرا کے قحط کا ہے حکام کا یہ خیال تھا کہ فصل کی پیداوار اتنی کم نہ تھی جسکی وجہ سے سرکاری مالگزاری کو ملتوی کر دیا جاتا، اور کسانوں کی جانب سے یہ مطالبہ کیا جاتا تھا کہ حکومت نے فصل کا بالکل غلط اندازہ لگایا ہے اور نقصان حکومت کے اندازہ سے بہت زیادہ ہے۔

مہاتما گاندھی اور دوسرے صاحبان نے یہ یقین کر کے کہ کسان واقعی محصول ادا کرنے کے لیئے ناقابل ہیں، اس معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لیا اور مختلف طریقوں سے حکام پر یہ زور ڈالا کہ جس حد تک قحط غالب آچکا ہے ان حالات کا دوبارہ معائنہ کریں۔ کمشنر نے اس بات پر ناراض ہو کر کہ انتظامی معاملات میں باہر کے لوگوں نے کیوں دخل دیا دوبارہ جانچ کرنے سے انکار کر دیا، اور مالگزاری کی وصولیابی ملتوی کرنے کو تیار نہ ہوا۔ یہ طاقتور کے مقابلہ میں کمزور کا مقابلہ تھا۔

مہاتما گاندھی کو یقین تھا کہ یہ وصولیابی غلط اور خلافِ قانون ہے۔ انہوں نے کاشتکاروں سے حلف لیا کہ وہ مالگزاری ادا کرنے سے انکار کر دیں۔ دو ہزار پانچسو آدمیوں نے یہ حلف اُٹھایا اور ترغیبوں اور دھمکیوں کے باوجود وہ اس پر ثابت قدم رہے، نتیجہ یہ ہوا کہ ایک سال کے لیئے مالگزاری ملتوی کی گئی۔

اُسی سال احمد آباد کے کارخانوں میں مزدوروں نے اسٹرائک کی۔ اس معاملہ میں مہاتما گاندھی کا طرزِ عمل اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ سچائی اور عہد کا ان کو کتنا زبردست خیال تھا، ایک تحقیقات کے بعد جس میں مہاتما گاندھی اور دو اور ثالث شامل تھے اس نتیجہ پر پہنچے کہ مزدوروں

کی بعض شرائط جائز ہیں، ان کی رہنمائی میں کارخانہ کے مزدوروں نے یہ عہد کیا کہ وہ اس سے کم شرائط کو منظور نہیں کریں گے۔

بائیس دن کے بعد مزدوروں میں کمزوری پیدا ہونے لگی اور ان میں سے بعض کارخانہ کے مالکوں کی پیش کردہ شرائط پر کام پر واپس جانے کے لیے تیار ہو گئے۔

مہاتما گاندھی کو یہ بات ناقابل برداشت معلوم ہوئی کہ مشکلات اور تکالیف کے وقت وہ آدمی اپنے عہد کو توڑ دیں جس کا اقرار وہ ایشور کے سامنے کر چکے ہوں۔

اس مقابلہ کو مضبوط کرنے کے لیئے مہاتما گاندھی نے یہ عہد کیا کہ میرے دوستوں کا فیصلہ خواہ کچھ ہو لیکن وہ اُس وقت تک برت نہیں توڑیں گے جب تک کہ کارخانہ کے مالک مطلوبہ شرائط کو منظور نہ کر لیں۔ انہوں نے کہا مجھے پورا پورا یقین ہے کہ انسانوں کی کوئی جماعت اُس وقت تک اپنے آپ کو قوم نہیں بنا سکتی اور کوئی زبردست کام انجام نہیں دے سکتی جب تک کہ اس میں فولاد کی طرح پختہ سچائی نہ آ جائے اور جب تک کہ دنیا ان کے وعدوں کو ناقابل جنبش اور ناقابل شکست خیال نہ کر لے۔

ہماری آزادی کا دروازہ فرانس کی سرزمین پر ہے

مہاتما گاندھی نے نظامِ حکومت کے نقائص معلوم کرنے کے باوجود برطانیہ کے متعلق کوئی متعصبانہ فیصلہ نہیں کیا اور تلخ تجربات کے بعد بھی وہ برطانوی انصاف پر یقین کرتے رہے کہ اگر برطانیہ کے باشندوں کو ہندوستان کا مسئلہ سمجھا دیا جائے تو ہمارا مطالبہ فوراً منظور کر لیا جائیگا۔ ان کی کبھی یہ خواہش نہیں ہوئی کہ ہندوستان کی قسمت انگلستان سے جدا کر دی جائے۔ لیکن وہ اس بات کے ضرور خواہشمند تھے کہ ہندوستان کو بھی وہی آزادی نصیب ہو جو کہ سلطنت کے دوسرے حصہ دار حاصل کر چکے ہیں تاکہ ہندوستان کو بھی اقوامِ عالم میں حقیقی جگہ مل جائے۔

اس لیئے جنگ کے زمانہ میں انہوں نے برطانیہ کی دل سے حمایت کی اور ذاتی طور پر بہت سی خدمات انجام دیں اور ایک بڑی تعداد رنگروٹوں کی بھرتی کی اور ایک خط وائسرائے کو بھی لکھا کہ:۔

"اگر میں اپنے ہم وطنوں کے قدموں کو پیچھے ہٹا سکا تو میں ان سے کہوں گا کہ ذمہ دار حکومت اور ہوم رول کے متعلق کانگرس کے جس قدر رزولیوشن ہیں ان کو دورانِ جنگ میں واپس لے لیں میں ہندوستان کو مجبور کروں گا کہ وہ سلطنت کے انتہائی خطرناک وقت میں اپنے تمام جری فرزندوں کو قربانی کے لیئے پیش کرے۔ میں جانتا ہوں کہ ان خدمات سے ہندوستان سلطنت کا سب سے زیادہ وفادار حصہ دار بن جائیگا اور

نسلی امتیازات محض افسانۂ ماضی رہجائیں گے ۔"
انہوں نے اپنے ہم وطنوں سے بہ آوازِ بلند کہا کہ " ہماری آزادی کا دروازہ فرانس کی سرزمین پر ہے " ملک کو میرا یہ مشورہ ہے کہ وہ برطانیہ کی فتح کے لیئے انگریزوں کے دوش بدوش بلا شرط جنگ میں شریک ہو ۔
اس " آواز " پر تمام ہندوستان سلطنت کی مدد کے لیئے کھڑا ہو گیا ۔ وہی افراد اور وہی تعلیم یافتہ طبقے جو ملک میں سیاسی تحریکوں کا آغاز کرتے اور ان میں حصہ لینے کی وجہ سے گورنمنٹ کے مخالف خیال کیئے جاتے تھے وہی سب سے پہلے اپنے تمام اثر کو گورنمنٹ کی طرفداری میں صرف کرنے کے لیئے آمادہ ہو گئے ۔
تمام ملک نے سلطنت کی ضرورت کے وقت اپنے فرزندوں کو سرفروشی کے لیے میدانِ جنگ میں بھیجا اور نقد، چندہ وغیرہ سے اس کی مدد کی ۔ " ہندوستان کی خدمات تسلیم کی گئیں " نہ صرف وائسرائے اور ہندوستان کے دیگر افسران نے بلکہ انگلستان کے وزیرِ اعظم اور دوسرے مدبرین نے بھی ان خدمات کا بڑے زوردار الفاظ میں اعتراف کیا ۔
جنگ کے مقاصد نے (جو کہ دنیا کو جمہوریت کے لیئے تیار کرنے اور کمزور قوموں کی حفاظت کرنے اور تمام قوموں کو آزادی اور حکومت خود اختیاری عطا کرنے کے لیئے بہ آوازِ بلند ظاہر کیئے گئے تھے) ہندوستانیوں کے دلوں میں زبردست امیدیں پیدا کر دیں ۔ وہ اس بات کا انتظار کرنے لگے کہ کب جنگ ختم ہو اور ہندوستان محکومیت سے نجات پالے ۔ وہ یہ بھی امید کرنے لگے کہ دنیا میں ہمارے ملک کا رتبہ بلند ہو اور ہم سلطنت برطانیہ میں مساوی حصہ دار کی حیثیت حاصل کریں ۔
انہی آرزوؤں اور امیدوں میں مسٹر مانٹیگو وزیر ہند نے ماہ اگست ۱۹۱۷ء میں ایک اعلان شائع کیا ۔ اس اعلان نے ہندوستانیوں کی مزید ہمت افزائی کی ۔ اس اعلان میں یہ وعدہ کیا گیا کہ ملکی انتظام میں ہندوستانیوں کو مکمل ذمہ دار حکومت دی جائیگی اور درجۂ تکمیل تک پہنچانے کے حق کو برطانوی پارلیمنٹ کے لیئے محفوظ رکھا گیا ۔
۱۸-۱۹۱۷ء کے موسمِ سرما میں مسٹر مانٹیگو اصلاحات کے متعلق ہندوستانیوں سے تبادلۂ خیالات کی غرض سے ہندوستان تشریف لائے ۔ ملک میں دورہ لگاتے اور لوگوں کی کثیر تعداد سے ملاقات کرتے اور متعدد جماعتوں کو شرفِ باریابی دینے کے بعد مسٹر مانٹیگو وزیر ہند اور لارڈ چیمسفورڈ وائسرائے ہند نے ۸ جولائی ۱۹۱۸ء کو دستوری اصلاحات پر اپنی رپورٹ شائع کی ۔

باریک بین مبصّر کی نظر سے یہ بات بھی پوشیدہ نہ تھی کہ جنگ کے مقاصد جو شاندار الفاظ میں ظاہر کیے گئے ہیں محض ہندوستان کی امداد حاصل کرنے کے لیئے ہیں

سنہ ۱۹۱۸ء کے اوائل میں جنگ عظیم ایک ایسے دور میں گزر رہی تھی جو اتحادیوں کے لیئے بہت زیادہ خطرناک تھا اور جرمنی پیشقدمی پوری رفتار پر تھی پیرس صرف پانچ میل رہ گیا تھا اور ایمڈن جہاز ساحلِ ہند پر گولے پھینک رہا تھا۔

مزید امداد اور متحدہ جدوجہد حاصل کرنے کی غرض سے مسٹر لائڈ جارج وزیر اعظم نے ۲ اپریل سنہ ۱۹۱۸ء کو ہندوستان میں ایک اعلان بھیجا جس میں بتایا تھا کہ " جرمنی کے حکمرانوں کا ارادہ صرف یورپ پر ہی ظلم کا دور دورہ قائم کرنے کا نہیں ہے بلکہ ایشیا بھی اس میں شامل ہے انہوں نے درخواست کی کہ آزادی اور قانون کا ہر ایک خواہشمند اس خطرہ کو روکنے میں حصّہ لے جو مشرق میں پھیل رہا ہے اور تمام دنیا کو بتدریج نگلنا چاہتا ہے۔ انہوں نے یہ امید ظاہر کی کہ ہندوستان جس شہرت و امتیاز کو پہلے ہی حاصل کر چکا ہے اس میں مزید اضافہ کرے اور ایک ایسی فصیل بن جائے جو بد امنی اور ظلم کی لہر سے ایشیا کو محفوظ رکھ سکے "۔

اس کے جواب میں وائسرائے نے ہندوستانیوں کی طرف سے یہ یقین دلایا کہ " مادر وطن کی سرزمین کو محفوظ رکھتے، دشمن کی تمام ظالمانہ اور بداندیشانہ کوششوں کو بیکار کرنے، اور انصاف و عزت کے اُن اصولوں کی آخری فتح حاصل کرنے کے لیے جس کے لیئے سلطنتِ برطانیہ کھڑی ہوئی ہے پوری جدوجہد اور مکمل قربانیاں کی جاویں گی "

۲۷ اپریل سنہ ۱۹۱۸ء کو دہلی میں جنگی کانفرنس ہوئی جس میں ملکِ معظم کا اعلان پڑھ کر سنایا گیا کہ " سلطنت کی احتیاج کے وقت ہندوستان کے لیئے ترقی کا ایک موقع ہے "

اور اسی قسم کی بہت سی کانفرنسیں دوسرے صوبوں میں بھی ہوئیں۔ مہاتما گاندھی بھی دہلی میں اس جنگی کانفرنس میں شریک ہوئے اور وفاداری کے رزولیوشن کی تائید کی۔ اس " تائید " کا نتیجہ یہ ہوا کہ آدمیوں اور روپیہ کی فراہمی ایک بڑے پیمانہ پر ہوئی۔

بابو راجندر پرشاد سوطن ینگ انڈیا میں تحریر فرماتے ہیں:-

"ہمنے نو لاکھ بچاسی ہزار آدمی لڑنے والے دیئے جن میں سے پانچ لاکھ باون ہزار سمندر پار بھیجے گئے اور تقریباً سات لاکھ اکیانوے ہزار دوران جنگ میں بھرتی کیے گئے۔ ان کے علاوہ چار لاکھ بہتر ہزار آدمی ہم نے ایسے دیے جو لڑنے والے نہ تھے ان میں سے تین لاکھ اکیانوے ہزار سمندر پار بھیجے گئے اور تقریباً چار لاکھ ستائیس ہزار آدمی دوران جنگ میں اور بھرتی کیے گئے۔

اس طرح پر آدمیوں کی مجموعی تعداد چودہ لاکھ ستاون ہزار ہے۔ ان میں سے نو لاکھ تینتالیس ہزار آدمیوں نے سمندر پار جاکر خدمات انجام دیں۔ اور تقریباً ایک لاکھ چھ ہزار پانچسو چورانوے آدمی مارے گئے۔

جانوروں کی تعداد جو ہندوستان سے بھیجے گئے ایک لاکھ پچھتر ہزار ہے۔ دوران جنگ میں ایک ہزار آٹھ سو پچیس میل ریل کی پٹری دو سو اُنتیس موٹریں پانچ ہزار نو سو نواسی گاڑیاں باہر بھیجی گئیں۔ دریاؤں اور سمندروں کے لیے چار سو چالیس مختلف قسم کی اشیاء جنگی ضروریات کے لیے مہیا کی گئیں۔

نقد روپیہ کی رقم تقریباً ایک سو تیس ملین پونڈ یا دو سو کروڑ یعنی دو ارب روپیہ ہے۔ جو ہم نے دیا۔"

جبکہ ہندوستان سلطنت کی خاطر ملک معظم کے ان الفاظ پر یقین کرتے ہوئے کہ: "سلطنت کی ضرورت کے وقت ہندوستان کو ایک موقع ہے" اتنی زبردست قربانیاں کر رہا تھا اُس وقت ایک باریک بین مبصر سے یہ آثار پوشیدہ نہ تھے کہ اس مقدس جنگ کے مقاصد جو بڑے شاندار الفاظ میں ظاہر کیئے گئے ہیں محض زمانہ جنگ میں ہندوستان کی امداد حاصل کرنے کی غرض سے وضع کیے گئے ہیں۔

مسز بیسنٹ کی نظر بندی نے ملک کو زبردست صدمہ پہنچایا نیز اُن لوگوں کی نظر بندی نے جو ڈفنس آف انڈیا ایکٹ (قانون تحفظ ہند) کی رو سے خطرناک قرار دیے گئے تھے اور جو بغیر سماعت مقدمہ کے نظر بند کر دیے گئے تھے ملک کو اس غلطی کی طرف سے بیدار کر دیا جو اُس نے ایکٹ مذکور کے رزولیوشن کو خاموشی کے ساتھ منظور کر کے ظاہر کی تھی۔ ان تمام باتوں سے بڑھ چڑھ کر اس کمیٹی کی رپورٹ ظاہر ہوئی جو سر سڈنے[1] رولٹ کے زیر صدارت ملک کی انقلابی تحریک کے متعلق رپورٹ پیش کرنے اور اُس کا علاج تجویز کرنے کے لیے مقرر کی گئی تھی۔

[1] انسر ہوجد رولٹ ایکٹ - ۱۲

۱۹ جولائی ۱۹۱۹ء کو رپورٹ مذکور شائع ہوئی اس میں ڈفنس آف انڈیا ایکٹ کی دفعات کو دوامی بنانے کی سفارش کی گئی۔

سازشی جرائم میں اسیسروں اور جوری کے ذریعہ سماعتِ مقدمہ کو برطرف کر دیا گیا۔ ایک طرف مقدمہ کی ابتدائی کارروائی کا اختیار چھین لیا اور دوسری طرف سزا دہی کے بعد حق اپیل سلب کر لیا گیا اور ایسی شہادتوں کی اجازت دیدی جو قانون کے ماتحت نہ آویں۔ اور بعض حالات میں عدالتِ مجاز نے ان شہادتوں کے بیانات کو قلمبند بھی نہ کیا۔ اور ان سب سے زیادہ ایگزیکیٹیو (حکومتِ انتظامیہ) کے لیئے نہ صرف انفرادی آزادی کو ضمانتوں کے ذریعہ سے مقید کرتے، کسی خاص مقام پر نظر بند کرنے، یا جلا وطن کرنے۔ اشتہارات، شرکت جلسہ۔ مضمون نویسی سے باز رکھنے کے ہی اختیارات اور حقوق مخصوص نہیں کیے گئے بلکہ گرفتاری اور قید کے اختیارات بھی دیدیے۔

ڈفنس آف انڈیا ایکٹ کی ایسی دفعات اور اس کے ذریعہ جو اختیارات عطا کیئے گئے تھے اُن کے غلط استعمال نے ملک پر ظاہر کر دیا کہ اس سے ان کا کیا مطلب تھا۔ اس کارروائی سے تمام ملک میں خوف و ہراس پیدا ہو گیا۔

جب ۱۹۱۸ء کے موسم خزاں میں عارضی صلح کا اعلان کیا گیا تو سارا ہندوستان اس خیال سے اضطراب اور غصہ میں بھرا ہوا تھا کہ "سلطنت کی ضرورت رفع ہونے کے بعد اس کو دھوکہ دیا گیا"۔ قدرتاً یہ شک پیدا ہو گیا کہ جن اصلاحات کا وعدہ کیا گیا تھا وہ ملتوی کر دی جائینگی اور شہریوں کے حقوق اس حیلہ کی بنا پر چھین لیئے جائیں گے کہ ملک میں انقلابی سازش کا وجود ہے۔

بالآخر جب فروری ۱۹۱۹ء کو قانون رولٹ کو جس میں رولٹ کمیٹی کی سفارشات موجود تھیں سر ولیم ونسنٹ نے دہلی امپیریل لیجسلیٹو کونسل میں پیش کیا تو تمام ملک اس زبردست زاری سے چیخ اٹھا۔ یہ ملک کے طول و عرض میں ایک ایسی شورش کا آغاز تھا جس کی نظیر ہندوستان میں اس سے پہلے نہیں ملتی۔ اس وسیع جزیرہ نما کے ہر حصہ میں لاتعداد جلسے بطور احتجاج منعقد کیے گئے اور خاص کونسل میں ایک بھی ہندوستانی ایسا نہ تھا جس نے خاموش رائے کے ذریعہ ان دفعات کی تائید کی ہو۔

لیکن یہ تمام باتیں بے سود رہیں اور گورنمنٹ نے سرکاری رایوں کی مدد سے مارچ ۱۹۱۹ء کے تیسرے ہفتہ میں ان میں سے ایک مسودہ قانون منظور کر دیا۔

اس قانون کے نفاذ کا یہ نتیجہ ہوا کہ امپیریل لیجسلیٹو کونسل کے چند ممبران نے گورنمنٹ کی اس

دست درازی کے خلاف بطور احتجاج اپنی نشستوں سے استعفےٰ دیدیا اور مہاتما گاندھی نے جنگ ستیہ آگرہ جاری کرنے کا اعلان کردیا۔

ستیہ آگرہ کے اقرار نامہ پر کثیر تعداد میں دستخط ہونے شروع ہوگئے۔ دستخط کنندگان سے یہ مطالبہ تھا کہ وہ قوانین مذکورۂ بالا اور دیگر قوانین جن کو آئندہ قائم ہونے والی کمیٹی منتخب کرے ان کی تعمیل سے انکار کردیں اور یہ اقرار کریں کہ اس جنگ میں ہم ایمانداری کے ساتھ صداقت پر کاربند رہیں گے اور کسی کی جان و مال یا ذات خاص پر تشدد سے کام نہ لیں گے۔

۲۳ مارچ کو مہاتما گاندھی نے اپنا اعلان شایع کیا اور ۶ اپریل کی تاریخ تمام ہندوستان میں ہرتال منانے کے لیئے مقرر کی گئی۔ اور وہ تمام دن روزہ۔ برت۔ نماز۔ دعا اور پرارتھنا کے لیئے مخصوص کیا گیا۔

۶ اپریل کو تمام ہندوستان میں ایسی مکمل ہرتال ہوئی جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔ اہل وطن نے اپنی حیرت انگیز بیداری کا ثبوت دیا اور مہاتما جی نے دیکھ لیا کہ ملک قربانی کے لیئے تیار ہے۔

دنیا کا سب سے بڑا انسان

کمیونسٹ چرچ نیویارک امریکہ کے مشہور پادری تقدس مآب جے۔ ایچ ہومز[۱] نے ایک وعظ کے دوران میں دنیا کی بزرگ ترین ہستیوں سے مہاتما گاندھی کا مقابلہ کرتے ہوئے فرمایا:-

"میں ایک ایسے مسئلہ کے متعلق تقریر کرنے والا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ وہ خالی از دلچسپی نہ ہوگا وہ سوال یہ ہے کہ:- زمانۂ حال کا سب سے بڑا انسان کون ہے؟"

جستجو آج یہ ہو رہی ہے — کون سب سے بڑا آدمی ہے
جو کہ دنیا میں سب سے بڑا ہو — جس کا ثانی نہ اب تک ہوا ہو
کون ہے ایسا انسان اعلےٰ — جو کہ انسانیت سے ہو بالا
بے ریا، بے غرض، پاک، امن — دل ہو نورِ حقیقت سے روشن

چاہیئے ہم کو اک ایسی ہستی
جس میں مطلق نہ ہو خود پرستی

اور وہ سچا فدائے وطن ہو — قوم کی جس کے دل میں لگن ہو
قوم کے نام پر مرنے والا — قوم کے کام پر مرنے والا
عزم کا اور ارادے کا پکا — بات کا اور وعدے کا پکا
جو قدم کو نہ پیچھے ہٹائے — جو کہے منہ سے وہ کر دکھائے

اے خدا ایسا اک آدمی دے
قوم کو جو نئی زندگی دے

امن کی ہے جہاں کو تمنا — کشت و خوں سے ہے بیزار دنیا
پھونک ڈالے ہزاروں نشیمن — آدمی آدمی کا ہے دشمن
ہے یہ حرص و ہوس کا نتیجہ — آج لاکھوں ہیں خاتون بیوہ
جنگ میں جو کہ مارا گیا ہے — اُن کے بچوں کا وارث خدا ہے

بھیج مصلح کوئی اے الٰہی
دور ہو تا یہ رسم تباہی

[۱] مسٹر موصوف کے مضامین کا سلسلہ دو مضمونوں پر ختم ہوتا ہے۔ ایک مضمون اس جلد میں درج کیا جاتا ہے۔ اس کے چند ابیات نظم میں لکھے جاتے ہیں۔ دوسرا مضمون جلد دوم میں ملاحظہ فرمائیے۔ [illegible]

تھا یہی شکوہ نارسائی ہی | غیب سے ایک آواز آئی
جس نے جو کچھ کہ ڈھونڈا وہ پایا | گوہر مدعا ہاتھ آیا
ایسا انسان بھی بالیقیں ہے | جس کا ثانی جہاں میں نہیں ہے
کوئی ہے اور نہ اب تک ہوا ہے | آج زندہ وہ نام خدا ہے

ہے وہ موہن کرم چند گاندھی
قوم کی جس نے ہمت ہے باندھی

ہند کا ہے وہ روشن ستارہ | قوم کی زندگی کا سہارا
بحر آفات کا آشنا ہے | ڈوبتی کشتی کا ناخدا ہے
بیکسوں کا مددگار ہے وہ | اور غریبوں کا غمخوار ہے وہ
آگیا ہے وہ یوسف وطن میں | پھر وہی شور ہے انجمن میں

اس کے دم سے وطن شاد ہوگا
ایک دن ہند آزاد ہوگا

سچ ہے جس نے کہ خود کو مٹایا | زندگی کا مزا اس نے پایا
جو کہ مرنے کو پیدا ہوا ہے | شیفتہ ملک اور قوم کا ہے
سب میں زندہ وہی آدمی ہے | جس کی وقف وطن زندگی ہے
خدمت قوم میں جو فنا ہے | وہ ہی دنیا میں سب سے بڑا ہے

رکھ ابھی اس کو زندہ خدایا
جس نے ہندی کو رستہ بتایا

مسٹر ہومز نے فرمایا میرے خیال میں فوراً تین ایسی ہستیاں آتی ہیں جو باعتبار اپنی ابتدا، اور چال چلن کے ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں اور مجھے یقین ہے کہ اس پوزیشن کے لیئے نااہل ثابت نہ ہوں گی۔

ان میں سے پہلا انسان جس کا میں نام لوں گا وہ اک فرانس کا رہنے والا رومین[۱] رولینڈ ہے۔ رولینڈ کی عظمت عملی میدان میں نہیں بلکہ میدان تخیل میں پوشیدہ ہے۔

رومین رولینڈ ٹالسٹائی کی طرح سادہ زندگی بسر کرتا ہے۔ وہ ٹالسٹائی کی مانند ایک خوبصورت

[۱] آپ یورپ کے مشہور انشاپردازوں میں سے ہیں۔ آپ نے ایک کتاب کی صورت میں مہاتما گاندھی کے متعلق اظہار خیال فرمایا ہے اور ان کے اصول پر عالمانہ تنقید کی ہے۔ اس کتاب سے ایک مضمون "فلسفۂ مہاتما گاندھی" نامی اخذ کر کے اس سے آگے درج کتاب کیا گیا ہے۔ ۱۲

اور طاقتور روح کے ساتھ زبردست دماغ کا بھی مالک ہے اور اُس کا وجود روحانی و اخلاقی تخیل کی اعلیٰ ترین سلطنت میں ہے جہاں صرف محبت، زندگی کا مکمل قانون تسلیم کیا جاتا ہے اور کرۂ ارض پر اس قانون کی تعمیل نسل انسانی کے ساتھ عالمگیر برادری قائم کرنے سے ہوتی ہے۔

دوسرا نام جس کو میں اس بحث میں پیش کرنا چاہتا ہوں وہ جمہوریہ سویٹ کے وزیر اعظم نکولائی لینن کا ہے۔ دنیا کی کوئی ہستی آج اس شخص سے زیادہ ذاتی طاقت و قوت کی مالک نہیں۔ ٹائمز اس کا حوالہ دیتے ہوئے کہتا ہے :-

"عالمگیر جنگ نے جن ہستیوں کو بلندی و رفعت دی ہے ان میں سے (لینن) سب سے زیادہ قابل توجہ ہے"

لیکن ہمیں ہنوز سب سے بڑا انسان معلوم نہیں ہوا تخیل پرست رولینڈ عملی میدان میں ناقص ہے لینن میدان تخیل میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ ہمیں جس ہستی کی ضرورت ہے وہ عالمگیر انسان ہونا چاہیئے۔ جس میں پورے توازن کے ساتھ فرانسیسی رولینڈ اور روسی لینن کی اعلیٰ صفات موجود ہوں۔ وہ ایک ایسا انسان ہونا چاہیئے جو عامل بھی ہو اور تخیل پرست بھی۔ جو کام کرنے والا بھی ہو اور خواب دیکھنے والا بھی۔ جو پیغمبر کی حیثیت میں آسمانی خواب بھی دیکھتا ہو اور اس آسمانی خواب سے بے اعتنائی بھی نہ کرے کیا دنیا میں اس طرح کا کوئی انسان موجود ہے؟

میں یقین کرتا ہوں کہ دنیا میں ایسی ہستی موجود ہے اور بلا شک آج وہ دنیا کا سب سے بڑا انسان ہے۔ اور اب تک جس قدر سب سے بڑے انسان گزرے ہیں ان میں سے ایک ہے۔ میں نے اوّل اوّل اس شخص کا حال "ہیرٹ جنرل" میں پروفیسر گلبرٹ مرے کے ایک مضمون کے ذریعہ معلوم کیا تھا لیکن اس کے بعد گزشتہ چند ماہ تک اس شخص کے متعلق مزید معلومات حاصل نہیں ہوئیں حتیٰ کہ ایک دن میری میز پر کاغذ سے لپٹا ہوا ایک پمفلٹ ملا جس میں اس شخص کی تقریروں اور تحریروں کے اقتباسات درج تھے۔ یہ ایک بالکل خفیف سی اطلاع تھی۔ لیکن جب میں نے اس پمفلٹ کا مطالعہ کیا تو میں نے وہی بات محسوس کی جو جان کیٹ نے "ایلیڈ" کے "چیپ مین" والے ترجمہ کو پڑھکر محسوس کی تھی۔

میرے ذہن میں جو شخص ہے وہ ہندوستان میں برطانی حکومت کے خلاف موجودہ زبردست انقلابی تحریک کا رہنما موہن داس کرم چند گاندھی ہے۔ ان کے ہموطن ان کو مہاتما سمجھتے ہیں اور اسی اعتبار سے ان کی تعظیم کرتے ہیں۔ مجھے تعجب ہے کہ آپ میں کتنے ایسے اشخاص ہیں جنہوں نے ان کا حال سنا ہے یا ان کی زندگی کی کہانی کا مطالعہ کیا ہے۔ میں جس وقت اس کہانی کو بیان کروں تو آپ غور سے سنیں اور دیکھیں کہ آیا میں اس کہانی کے مرد میدان کو "دنیا کا سب سے بڑا انسان" کہنے میں حق بجانب ہوں یا نہیں۔

پچاس سال کا عرصہ گزرا گاندھی ہندوستان میں ایک مالدار، ہوشیار اور مہذب خاندان

میں پیدا ہوا تھا۔ ان کی نشو ونما اسی طرح پر ہوئی جیسے کہ ایسے خاندان کے فرزندوں کی ہوا کرتی ہے کہ وہ ہر اس چیز کو حاصل کر سکتے ہیں جس کو دولت خرید سکے یا شفیق والدین کا تخیل ذہن میں لا سکے۔ ۱۸۸۹ء میں وہ قانون کا مطالعہ کرنے کی غرض سے انگلستان تشریف لائے۔ انہوں نے باقاعدہ ڈگری حاصل کر لی۔ ہندوستان واپس گئے۔ اور بمبئی میں ایک کامیاب بیرسٹر ثابت ہوئے۔ وہ پہلے ہی اس بات کو معلوم کر چکے تھے کہ مذہب ان کی زندگی میں ایک زبردست حصہ لینے والا ہے۔ انگلستان کے سفر سے قبل وہ شراب۔ گوشت، اور غیر عورتوں سے پرہیز کرنے کا حلف جین دھرم کے موافق اُٹھا چکے تھے۔ ہندوستان واپس آنے پر ان میں درویشانہ خیالات نے زور پکڑا اور یہ معلوم کر کے کہ دولت ان کی روحانیت کے نصب العین کے خلاف ہے انہوں نے اپنی دولت کو نیک کاموں میں صرف کر دیا اور ایک نہایت معمولی وظیفہ اپنے لیے رہنے دیا۔ اس کے بعد انہوں نے افلاس کا حلف اُٹھایا اور اب ایک معمولی حیثیت اختیار کر لی۔ اس کے بعد انہوں نے خاموش مقابلہ کی تعلیم کو تسلیم کر لیا جس کو وہ "ہندو دھرم کی جڑ" کہتے ہیں اور لہذا یہ خیال کرتے ہوئے کہ "قانون بذریعہ تشدد حق بات کا انفاذ کرتا ہے" بحالت وکالت ترک کر دی۔ جب ۱۹۱۲ء میں گلبرٹ مرے نے انگلستان میں ان سے ملاقات کی تو وہ صرف چاول کھاتے اور سادہ پانی پیتے تھے۔ اور لکڑی کے فرش پر بغیر بستر کے سوتے تھے۔ پروفیسر مرے کہتے ہیں "ان کی گفتگو ایک مہذب اور تعلیم یافتہ آدمی کی طرح تھی جس میں بعض اوقات درویشانہ جھلک بھی آجاتی تھی۔" یقیناً گاندھی درویش ہو گیا تھا۔ وہ اپنے اندر سے عیش پسندی کے ہر آخری نقش و نگار کو مٹا چکا تھا۔ اوائل زندگی سے ہی وہ اور طرح کا انسان تھا جس نے خدمت خلق کے لیے اپنی ہر روحانی اور جسمانی قوتوں کو صرف کیا۔

ان کی پبلک زندگی دو مخصوص زمانوں میں تقسیم ہوتی ہے۔ پہلا دور ۱۸۹۳ء سے ۱۹۱۳ء تک ہے جو جنوبی افریقہ کے ساتھ وابستہ ہے۔ دوسرا دور جس کا تعلق ہندوستان سے ہے ۱۹۱۳ء سے لیکر آج کے دن تک ہے۔

جنوبی افریقہ میں گزشتہ صدی کے آخری سالوں میں ایک لاکھ پچاس ہزار ہندوستانی آباد تھے اور ناٹال میں بالخصوص ان کی کثرت تھی۔ ان غیر ملکی لوگوں کی موجودگی نے بجنسہ وہی حالت پیدا کر دی تھی جو آجکل کیلیفورنیا میں جاپانیوں کی کثرت آمد سے پیدا ہو گئی ہے۔ دوسرے الفاظ میں رنگ کا سوال بہت زور پکڑ گیا تھا اور جنوبی افریقہ کی گورنمنٹ نے پہلے تو اس طرح اس کا مقابلہ کرنے کا ارادہ کیا کہ ہندوستان سے مزید تارکان وطن کا داخلہ ممنوع قرار دے اور دوئم یہ کہ جو ہندوستانی پہلے ہی وہاں موجود تھے ان کو بھی خارج البلد کر دے۔ آخری کارروائی قانوناً نہ کی جا سکی۔ اس سے ایک عہد نامہ کی خلاف ورزی کرنا پڑتی تھی۔ اور ناٹال نے اس کی زبردست مخالفت کی کیونکہ وہاں کے

صنعتی کاروبار کا انحصار ان قلیوں کی محنت پر تھا نیز حکومت ہند نے بھی اس پر اعتراض کیا لیکن پہلی تجویز (قانون اخراج) پاس کرنے کے بعد آسانی کے ساتھ جاری کی جا سکی۔ اس کے ہوتے ہی ایک طویل اور سخت جنگ چھڑ گئی جنوبی افریقہ کے سفید چمڑے والوں نے اپنی خواہشات کے خلاف ناکام ہو کر وہی طرزِ عمل اختیار کیا جو سفید لوگ ایسی صورتِ حالات میں دنیا کے ہر حصہ میں کیا کرتے ہیں یعنی ان لوگوں پر ظلم کرنا اور ان کو تکلیف دینا شروع کر دیا جن کو وہ بزعم خود اپنے سے کم درجہ کا خیال کرتے ہیں بالآخر انہوں نے ارادہ کر لیا کہ تمام ہندوستانی اور بالخصوص ان ہندوستانیوں کے لیئے جو مزدور طبقہ سے اعلیٰ درجہ میں شمار کیے جاتے تھے زندگی کو اس قدر تکلیف دہ کر دیا جاوے جس قدر کہ ظلم اور بغض و عداوت کر سکتا تھا۔ لہٰذا ہندوستانیوں پر خاص محصولات کا اضافہ کر دیا گیا۔ ان کو ذلت آمیز طریق پر مجبور کیا گیا کہ اپنے آپ کو رجسٹر میں درج کرائیں۔ ان سے انگوٹھے کے نشانات لگوائے گئے گویا کہ وہ مجرم تھے علانیہ ان کی توہین کی جاتی تھی اور ان میں تفرقہ ڈالا جاتا تھا۔ ایسے موقعوں پر جہاں کہ قانون آسانی کے ساتھ استعمال نہیں کیا جا سکتا تھا جنوبی افریقہ کے گورے لوگ وہی عمل کرتے تھے جو ہم اس قدر فخر کے ساتھ یہاں امریکہ میں کرتے ہیں یعنی حب الوطنی کے پردے میں ہندوستانیوں کو لوٹا جاتا تھا اور ان کے گھروں میں آگ لگا دی جاتی تھی اور طرح طرح سے ان کو ستایا جاتا تھا۔

غرضکہ ان بدقسمت ہندوستانیوں کو ایذا پہنچانے اور اس ملک سے بڑی خوفناک اور افسوسناک حالت کے ساتھ خارج البلد کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا جاتا تھا۔

سنہ ۱۸۹۳ء میں جنوبی افریقہ کے ہندوستانیوں نے مہاتما گاندھی سے اپیل کی اور وہاں آنے اور ان کی امداد کرنے کے لیئے کہا۔ انہوں نے فوراً ان لوگوں کی آواز پر آمادگی کا اظہار کیا کیونکہ ان کا یقین تھا کہ اگر ان کے ہم وطن کہیں تکالیف برداشت کریں تو ان کے ساتھ تکالیف میں شریک ہونا ان کا فرض و نیز استحقاق تھا۔ لہٰذا سنہ ۱۸۹۳ء میں وہ نٹال آئے اور وہاں بجز ایک مختصر سے وقفہ کے سنہ ۱۹۱۴ء تک قیام پذیر رہے چونکہ اس وقت تک وہ بیرسٹر تھے اس لیئے انہوں نے (قانون اخراج ہندیاں) کے خلاف جنگ شروع کر دی اور آئینی وجوہ کی بنا پر تری نفت اور غیر متصفانہ مخالفت کے مقابلہ میں اس جنگ کو فتح کیا۔ بعد ازاں حق پسندانہ سیاسی اور معاشرتی حالت تسلیم کرنے کی خوفناک جنگ کا آغاز ہوا یہ ایک ایسی جنگ تھی جو شروع سے اخیر تک خاموش مقابلہ کے ہتھیاروں سے لڑی گئی۔ اسی طویل جنگ کے کل عرصہ میں ایک مرتبہ بھی تشدد کا استعمال نہ کیا گیا اور نہ انتقامی تخریب ہی اس پر غالب آ سکی۔

اپنے ہم وطنوں کے لیڈر اور مشیر کی حیثیت سے کام کرتے ہوئے مہاتما گاندھی نے ڈربن کے باہر ایک کھلے میدان میں ایک آشرم قائم کیا یہاں انہوں نے ہندوستانیوں کو تنگ کیا۔ اپنی روزی خود پیدا

کرنے کی غرض سے یہاں ان کو آباد کیا اور غریب رہنے کا مستحکم عہد لے کر ان کو وابستہ کیا یہاں سالہا سال تک ان منظم مقابلہ کرنے والوں نے لگاتار حرمان نصیبی اور اکثر حملوں کو برداشت کرتے ہوئے اس جنگ کو گورنمنٹ کے خلاف جاری رکھا۔ میں خیال کرتا ہوں کہ یہ جنگ دراصل ایک اسٹرائک تھی کیونکہ ہندوستانیوں نے شہروں اور قصبوں میں مزدوری کرنے سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جمہوریہ افریقہ کی معاشرتی اور صنعتی زندگی مفلوج ہو گئی۔ یہ ہڑتال ویسی ہی تھی جیسے کہ موسےٰ نے اسرائیلیوں کے لیئے فرعون کی سرزمین سے باہر اور وسیع صحراؤں میں جاتے وقت اعلان کیا تھا لیکن (ہندوستانیوں کی) یہ اسٹرائک (اگر اس کو اسٹرائک کہا جائے) تو ایک اعتبار سے تاریخ انسانی کے ہر گزشتہ اسٹرائک سے مختلف تھی۔ عام طور پر اس قسم کی تحریکوں میں مقابلہ کرنے والے اپنے مخالف کی مشکلات سے فوراً فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرتے ہیں اور اس فائدہ کو حاصل کرکے اپنے مطالبہ کا سختی کے ساتھ دباؤ ڈالتے ہیں لیکن مہاتما گاندھی نے اس کے بالکل برعکس راہ اختیار کی جب کبھی اس جنگ کے دوران میں گورنمنٹ ناگہانی آفات میں پھنسی مہاتما گاندھی نے بجائے اس کے کہ بے رحمی کے ساتھ اس جنگ کو فتحمندی کی طرف ڈھکیلتے فوراً عارضی صلح کر لی اور اپنے دشمن کی امداد کے لیئے آموجود ہوا بطور مثال کے سنہ ۱۸۹۹ء میں جنگ بوئر چھڑی مہاتما گاندھی نے فوراً ہڑتال کو ملتوی کر دیا۔ اور ایک انڈین ریڈ کراس یونٹ مرتب کی جس نے جنگ کی تمام مدت میں خدمات انجام دیں اور جس کا دو مرتبہ سرکاری عدالت میں حوالہ دیا گیا ہے اور گولیوں کی بوچھار میں بہادرانہ کارناموں کے صلہ میں علانیہ اس کا شکریہ ادا کیا گیا۔ سنہ ۱۹۰۴ء میں بمقام جوہانسبرگ میں پلیگ پھیلی اسی وقت ہڑتال بند کر دی اور مہاتما گاندھی نے شہر میں ہسپتال قائم کیئے اور بیماروں کی تیمارداری میں مصروف ہو گئے۔ سنہ ۱۹۰۶ء میں ناٹال کے اندر دیسیوں نے بغاوت کی۔ ہڑتال پھر ملتوی کر دی گئی اور مہاتما گاندھی نے بذات خود مجروحین کے اُٹھانے کے لیئے ایک دستہ مرتب کرکے اس دستہ کی کمان اپنے ہاتھ میں لی۔ اس دستہ کا کام بہت خطرناک اور تکلیف دہ تھا اس موقع پر گورنر ناٹال نے بذات خود علانیہ ان کا شکریہ ادا کیا۔ پھر خاموش مقابلہ کی تحریک کو دوبارہ اختیار کرنے پر تھوڑے ہی عرصہ بعد وہ جوہانسبرگ کی جیل میں ڈال دیئے گئے۔ اس موقع پر میرے لیے یہ بتانا بالکل ناممکن ہے کہ عفو اور مقابلہ کے اس دوران میں مہاتما گاندھی پر کیا کیا مظالم اور اس کی کیسی کیسی بے حرمتی کی گئی۔ بے شمار مرتبہ وہ جیل خانہ میں ڈالا گیا۔ قید تنہائی میں اس طرح رکھا گیا کہ اس کے ہاتھ اور پاؤں قفس زنداں کی سلاخوں میں باندھ دیئے گئے جب اس طرح بھی مظالم سے دل نہ بھرا تو پھر علانیہ اس کی بے حرمتی کی گئی اور انتہا درجہ دردانگیز طریق پر اس کو تکلیف پہنچائی گئی اور ذلیل کیا گیا لیکن کوئی چیز ایسی نہ تھی جس سے اُس کی ہمت میں لغزش آئے یا اُس کا استقلال منتشر ہو یا اُس کے صبر کا پیالہ لبریز ہو

یا اُس کے جذبات عفو اور محبت میں فرق آسکے۔

آخر کار تیس سال کی آزمائش اور تکالیف کے بعد وہ فتحمند ہوا سنہ ۱۹۱۳ء میں لارڈ ہارڈنگ نے ہندوستانی معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لیا اور امپیریل کمیشن نے قریب قریب تمام متنازعہ فیہ معاملات میں مہاتما گاندھی سے موافقت کی۔ اور اس کے مطالبات کو سرکاری طور پر تسلیم کر لیا گیا۔ مجھے کسی جنگ کی اس سے زیادہ تعجب انگیز مثال معلوم نہیں جو بغیر تشدد اور ظلم کے محض صبر و تحمل سے فتح کی گئی ہو۔ اور جس میں ان تمام سزاؤں پر غصہ کا اظہار نہ کیا گیا ہو جو دشمن کی طرف سے ظاہر ہو سکتی تھیں حتے کہ دشمن خود ان سزاؤں پر نادم ہو گیا۔

مہاتما گاندھی کی زندگی کا دوسرا دور سنہ ۱۹۱۸ء سے شروع ہوتا ہے۔ درحقیقت اس دور کا تعلق ہندوستان کی انقلابی تحریک سے ہے جو اُس کی غیر حاضری میں آہستہ آہستہ ترقی کر رہی تھی۔ اپنی واپسی پر انہوں نے فوراً اس تحریک کی باگ اپنے ہاتھوں میں لے لی۔ لیکن سنہ ۱۹۱۴ء میں جرمنی سے جنگ چھڑ جانے پر انگریزی حکومت کے خلاف تمام کارروائیوں کو ملتوی کر دیا اُن کی دلیل یہ تھی کہ ایسے وقت میں انگلستان پر ضرب لگانا اُسکی پشت پر ضرب لگانے کی مترادف ہے اور کسی قوم کو ایسے بزدلانہ طریق پر ضرب لگانا اتنا ہی بڑا ہے جتنا نہ کہ کسی ایک شخص کی پشت پر ضرب لگانا۔ لہٰذا جنگ کے دوران میں مہاتما گاندھی نے ہر اُن ذرائع سے سلطنت کی سرگرم امداد کی جو ان کے مذہب کے منافی نہ تھے۔ جس وقت جنگ ختم ہوئی تو اس عرصہ میں ہندوستانیوں پر انگریزی مظالم کی زیادتیوں سے متاثر ہو کر مہاتما گاندھی نے دوبارہ بغاوت کا جھنڈا بلند کیا اور عظیم الشان تحریک عدم تعاون کی تنظیم کی جس نے آج سلطنت برطانیہ کی بنیادوں کو ہلا دیا ہے۔ ہمارے سامنے اس وقت ایک انقلاب ہے جو گاندھی کی رہنمائی میں جاری ہے۔ لیکن تاریخ کو جتنے انقلابات کا علم ہے یہ انقلاب اُن سب سے مختلف ہے، اس کا امتیاز چار خصوصیات پر مشتمل ہے:-

اولاً یہ ایک ایسی تحریک ہے جو ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت کے خلاف براہ راست شروع کی گئی ہے۔ گاندھی کے ارادہ میں کوئی خفیہ بات نہیں۔ وہ اپنے ہم وطنوں کو اس ناانصافی اور ظلم سے آزاد کرانا چاہتا ہے۔ جو غیر ملکی حکومت میں مضمر ہے۔ وہ کہتا ہے "جس وقت تک گورنمنٹ ناانصافی پر عامل رہتی ہے اس کو چاہیے کہ مجھے اپنا دشمن خیال کرے" اس کے علاوہ اس نے اعلان کیا ہے "میں اس حکومت کو مفلوج کرنے کا خواہشمند ہوں حتے کہ اس کے نارضامند ہاتھوں کو مروڑ کر ہم انصاف حاصل کر لیں۔ میں اسی چیز کے لیے کھڑا ہوا ہوں" آگے چل کر وہ کہتا ہے "میں غور و خوض کرنے کے بعد گورنمنٹ کی مخالفت کرتا ہوں اور مخالفت کی حد یہاں تک ہے کہ گورنمنٹ

کے خاص وجود کو خطرہ میں ڈالنے کی کوشش میں ہوں"۔

گاندھی بالکل صاف طور سے اس بات کو دیکھتا ہے کہ یہ تحریک معنویانہ ہے۔ اگر اس کو تعزیرات ہند کی سازشی دفعہ کے ماتحت ملزم گردانا جائے تو وہ کہتا ہے کہ "میں ناٹ گلٹی (مجرم نہیں ہوں)" کا عذر پیش نہیں کرسکتا۔ "کیونکہ میری تقریریں ایسی بے چینی پیدا کرنے کے لیئے وضع کی گئی ہیں جن سے عوام الناس ایک ایسی حکومت کی امداد اور اس کے ساتھ تعاون کرنے میں شرمندگی محسوس کریں جس نے اعتماد و احترام اور امداد کے جملہ استحقاقات کو زائل کردیا ہے"۔

انگریزی حکومت سے اتنی سخت مخالفت کے باوجود اس تحریک میں انگریزوں کے خلاف نفرت کا خیال نہیں ہے۔ ہم میں سے اکثر لوگ جنگ جرمن کے دوران میں اس امر پر مائل ہوئے کہ حکومت کو اس کی رعایا کے ذریعہ سے پریشان کیا جاوے لیکن گاندھی کسی زمانہ میں بھی اس گناہ کا مجرم نہیں ہوا۔ گاندھی کہتا ہے "میں انگریزوں کو بتلاتا ہوں کہ مجھے ان سے محبت ہے اور میں انکی تعاون کا خواہشمند ہوں"، لیکن یہ تعاون ایسی شرائط پر نہیں ہونا چاہیئے جو "خودداری اور مکمل مساوات کے منافی ہوں"۔

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ گاندھی کی تحریک ایک ایسا انقلاب ہے جس میں کسی قسم کی طاقت یا تشدد کی مطلق گنجائش نہیں۔ "عدم تشدد" اس کا سب سے زیادہ مابہ الامتیاز مقولہ ہے۔ کیونکہ جیسا کہ ہمیں معلوم ہے۔ گاندھی مقابلہ نہ کرنے والوں میں سے ہے اور جس طرح افریقہ میں اس کا عمل رہا اسی طرح ہندوستان میں بھی وہ یا تو پُرامن ذرائع سے فتح حاصل کرے گا اور یا بالکل اس کا خیال چھوڑ دے گا۔ اس کا مقولہ ہے کہ "تشدد یورپ میں خواہ کیسے ہی نتائج کیوں نہ پیدا کرے ہندوستان میں ہمیں اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ ہمیں اپنی لڑائیاں زیادہ صاف ہتھیاروں سے زیادہ شریفانہ میدان جنگ میں لڑنی چاہئیں۔ اسطرح ہمیں ان کی خدا ناترسی کا خداشناسی سے، ان کے جھوٹ کا سچائی سے اور ان کی مکاری اور فریب کا صفائی اور سادگی کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہیئے۔ نیز ان کے خوفزدہ کرنے اور دلوں میں ہول پیدا کرنے کا مقابلہ بہادری، تحمل اور ایثار کے ساتھ کیا جاوے۔ آگے چلکر گاندھی کہتا ہے "ہمیں اُن لوگوں کے خلاف بھی تشدد استعمال نہ کرنا چاہیئے جو ہماری جماعت میں شامل نہیں ہوتے"۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر لینن اپنے طرز میں یہ ذرائع اختیار کرتا۔

گاندھی اپنے مقلدین کو ہدایت کرتا ہے کہ "وہ ہر انگریز اور ہر اُس افسر کی زندگی کو جو حکومت کا ملازم ہو اتنا ہی مقدس خیال کریں جتنا کہ اپنے قریب سے قریب عزیزوں کی زندگی کو سمجھتے ہیں"۔ خیال کرو کہ اگر سن فین اس مقولہ پر عمل کرتے تو آئرلینڈ پر اس کا کیا اثر ہوتا؟ گاندھی کہتا ہے

کہ "جس وقت ہندوستان تلوار کی تعلیم کو قبول کرے گا بحیثیت ہندوستانی میری زندگی فوراً
ختم ہو جائے گی۔ اور ہندوستان میرے لیے باعثِ فخر نہ رہے گا"

گاندھی کہتا ہے کہ "میں عدم تشدد کی پیروی اس لیے نہیں کرتا کہ ہندوستانی کمزور ہیں۔
بلکہ اس لیے کرتا ہوں کہ ہندوستان اتنا مضبوط اور اس قابل ہے کہ وہ عدم تشدد کے تمام خطرات
کو اچھی طرح برداشت کر سکتا ہے"۔

گاندھی کہتا ہے کہ "میں عدم تشدد کو طاقتور کا ہتھیار سمجھ کر اس میں یقین رکھتا ہوں نہ کہ کمزور
کا ہتھیار سمجھ کر۔ میرا یقین ہے کہ وہی انسان سب سے زیادہ طاقتور ہے اور وہی سب سے بہادر
سپاہی ہے جو دشمن کے سامنے غیر مسلح سینہ سپر کر کے اپنی جان قربان کر دے" دوبارہ وہ کہتا
ہے کہ "میں ہندوستان کو اس کی طاقت اور قوت کی بنا پر عدم تشدد پر عمل درآمد کرنے کیلئے
کہتا ہوں اُسے کسی ہتھیار کی ضرورت نہیں اور چونکہ ہم خیال کرتے ہیں کہ ہماری ہستی محض ایک
مضغۂ گوشت ہے لہٰذا ہمیں ہتھیاروں کی ضرورت پڑتی ہے لیکن میں ہندوستان کو یہ تسلیم
کرانا چاہتا ہوں کہ وہ ایک ایسی روح کا مالک ہے جو کبھی فنا نہیں ہو سکتی۔ اور وہ ہر جسمانی کمزوری
سے بالاتر ہو کر ہر ایک حیوانی طاقت پر غالب آ سکتا ہے اور دنیا کی تمام جسمانی طاقتوں کا مقابلہ
کر سکتا ہے۔

درحقیقت گاندھی اصول عدم مقابلہ کی سچائی پر یقین رکھتے ہوئے اس کی اشاعت اور
اس پر عمل کرتا ہے۔ وہ اعلان کرتا ہے کہ "جس انصاف کی بنیاد تشدد پر ہو وہ دنیا میں کسی شخص کے
لیے بھی موزوں نہیں بلکہ مناسب اور صحیح انصاف وہی ہے جس کا دارومدار ذاتی قربانی پر ہو"
اس کا مقولہ ہے "عدم تشدد صحیح اور شریفانہ اصول ہے۔ معاف کرنے میں سزا دینے کے
مقابلہ میں زیادہ شانِ مردانگی پنہاں ہے۔ عفو بصفت سپاہی کا زیور ہے۔ ع

(در عفو لذتیست کہ در انتقام نیست)

میرے خیال میں گاندھی نے اسی قسم کے خیالات سے متاثر ہو کر اس تحریک کو "دھرم یدھ"
کے نام سے موسوم کیا ہے۔ علاوہ ازیں وہ یہ بتاتا ہے "عدم مقابلہ کا اصول نہ صرف سچائی پر
مبنی ہے بلکہ مصلحت بھی اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ اس اصول کو اختیار کیا جائے اور یہی اصول
دیرپا فتح کرنے کا واحد یقینی طریقہ ہے" وہ کہتا ہے "شرط کامیابی یہ ہے کہ عدم تشدد کا پورے
طور سے اطمینان کر لیا جائے" اس کے بعد وہ کہتا ہے "ہندوستان جان و مال تباہ کرنے
کی جارحانہ پالیسی اختیار کر سکتا تھا لیکن یہ اس کے لیے مفید نہ تھی ہمیں صرف ایک ہتھیار
کی ضرورت ہے اور وہ اپنی جان پر تکالیف اور مصائب و آلام کا برداشت کرنا ہے"

اصول عدم تشدد کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے اس کی حقیقت گاندھی کے نزدیک ہر اُس شخص پر عیاں ہے جو عالم روحانیت کے قوانین کو سمجھتا ہے "اگر ہم اس پرامن اور سچی تعلیم کے راز کا احساس کرنے لگیں تو ہمیں معلوم ہو جائیگا کہ تلوار اُٹھانے والوں کے خلاف ہمیں کسی خشمناک لفظ کہنے یا اپنی چھوٹی سی اُنگلی اُٹھانے کی بھی ضرورت نہ پڑے گی۔ تاہم محض عدم تشدد ہی (اس تحریک میں) کافی نہیں ہوسکتا۔ نان ریزسٹنس (عدم مقابلہ) کا مطلب محض مصائب و تکالیف برداشت کرنے سے کسی قدر زیادہ ہے۔ اس میں جارحانہ پالیسی کی بھی ضرورت ہے اور یہی جارحانہ پالیسی ہے جس کو گاندھی نے "عدم تعاون" میں داخل کر لیا ہے۔ گاندھی اپنے جملہ مقلدین سے سفارش کرتا ہے کہ وہ اُن تمام سیاسی یا معاشرتی کاموں سے قطع تعلق کریں جو ہندوستان میں انگریزی راج کو قائم رکھنے میں از بس ضروری ہیں۔ وہ اس امر پر تاکید کرتا ہے کہ ہندوستانی ہر انگریزی چیز کا بائیکاٹ کر کے نظام سلطنت کو بے حس کر دیں اور مشورہ دیتا ہے کہ اس کے ہموطن مقامی کونسلوں میں بیٹھنے سے انکار کر دیں دیسی وکلا عدالتوں میں وکالت نہ کریں۔ والدین اپنے بچوں کو اسکولوں سے واپس بلالیں۔ اور خطاب یافتگان اپنے خطاب واپس کر دیں۔ حال ہی میں پرنس آف ویلز کے دورہ کے موقع پر گاندھی نے تمام ہندوستانیوں پر زور دیا کہ وہ شاہی سیاح کے استقبال میں حصہ لینے سے انکار کر دیں۔

الغرض نوبت بایںجا رسید کہ انگریزی مال کے بائیکاٹ کا سوال انڈین نیشنل کانگریس میں زیر غور ہے لیکن گاندھی اس تجویز سے کلیتاً متفق نہیں درحقیقت اگر اس پالیسی کو موثر طریقہ سے وسیع پیمانہ پر چلایا گیا تو یہ ہندوستان میں انگریزی حکومت کو اُکھاڑ پھینکے گی اور رفتہ رفتہ گورنمنٹ کو اسی طرح بےحس کر دے گی جس طرح زہر کے پیالے نے بتدریج حکیم سقراط کے اعضا جسم میں موت کی سردی پہنچائی تھی اور آخر میں دنیا کا سب سے زبردست پرامن انقلاب فتحمند ہوگا۔

سب سے آخر میں گاندھی اُسی طرز اور روش کی اخلاقی اور روحانی زندگی حاصل کرنے کی تلاش میں ہے جو ہندوستانی خیالات، ہندوستانی رسم و رواج اور ہندوستانی نصب العین کے مطابق ہو۔ مغربی اثر، صنعت و حرفت میں مغرب کی غلامی، مغربی مادہ پرستی و دولت پرستی اور مغربی ڈھنگ کی جنگ و جدل کو ہندوستان سے خارج کیا جاوے۔ گاندھی کی جد و جہد میں پہلا قدم یہ ہے کہ اُن تمام پردوں کو اُٹھا دیا جائے جو ایک ہندوستانی کو دوسرے ہندوستانی سے جدا کرتے ہیں اور وہ ایک برادرانہ سلسلہ میں پروئے جائیں پس وہ ذات اور قومیت کے امتیازات اور مذہبی اختلافات کو کالعدم کرنے کی تلاش میں ہے۔ ہندوؤں کو مسلمانوں کے ساتھ اور مسلمانوں کو ہندوؤں کے ساتھ پرامن طریق پر رہنا چاہیئے۔ گاندھی کہتا ہے "مجھے کامل یقین ہے کہ ہندوستان کے پاس تمام دنیا کے لیئے ایک پیغام ہے"، اُس کا نصب العین کسی ملک یا کسی خاص نسل تک محدود نہیں بلکہ وہ

بنی نوع انسان کے اعلیٰ ترین امیدوں سے اشتراک عمل کرنے کا خواہشمند ہے۔ گاندھی آوازِ بلند کہتا ہے کہ "میرا دھرم جغرافیائی حدود میں مقید نہیں۔ اگر مجھے اپنے دھرم پر پختہ یقین ہے تو وہ مجھے اپنے وطن ہندوستان کی محبت سے بھی بالاکر کے تمام دنیا کی محبت میرے دل میں جاگزین کر دیگا۔" یہ ہیں مہاتما گاندھی۔ اور یہ اعلیٰ اسپرٹ رکھتے ہوئے وہ عوام الناس میں زندگی بسر کرتا ہے۔ جب وہ ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف جاتا ہے تو تیس ہزار اور بعض اوقات پچاس ہزار کا مجمع اس کے الفاظ سننے کے لیے جمع ہو جاتا ہے۔ جب کبھی وہ رات بسر کرنے کے لیئے کسی گاؤں یا کھلے مقام پر قیام کرتا ہے تو گروہ کے گروہ اس کے پاس اسی طرح آتے ہیں جیسے کسی متبرک زیارت گاہ پر جاتے ہیں جیسا کہ ہندوستانی اُس کو خیال کرتے ہیں وہ مکمل اور عالمگیر انسان ہے۔ ذاتی چال چلن کے لحاظ سے وہ بالکل سادہ اور بے دماغ ہے۔ اپنی سیاسی جد و جہد میں وہ اتنا ہی سخت عملی انسان ہے جتنا کہ لینن۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ رومن رولینڈ کی طرح تخیل پسند بھی ہے۔

جب میں رولینڈ کا خیال کرتا ہوں تو تالستائی میرے ذہن میں آجاتا ہے۔ اور جب لینن کا خیال کرتا ہوں تو نپولین میرے دماغ میں اپنا نقشہ جماتا ہے۔ لیکن جب میں گاندھی کا خیال کرتا ہوں تو عیسےٰ کی تصویر میرے سامنے آجاتی ہے۔ گاندھی عیسےٰ ہی کی سی زندگی بسر کرتا ہے۔ اسکی زبان سے خاص اُس کے دل کے الفاظ نکلتے ہیں۔ وہ تکلیفیں برداشت کرتا ہے۔ اور پھر کوشش کرتا ہے۔ ایک دن آئیگا جبکہ وہ عیسےٰ کی طرح اپنے وطن پر قربان ہو کر حیات جاوید حاصل کرے گا۔

کیا تم کو یاد ہے کہ عیسےٰ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ایک دن جبکہ وہ سفر کر رہا تھا اس نے اپنے مریدوں کو جھگڑتے ہوئے سنا۔ اُس نے اُن سے کہا "راستہ میں تم کیا بحث کر رہے تھے؟" اُنہوں نے جواب دیا کہ وہ اس بات پر مباحثہ کر رہے تھے کہ سب سے بڑا کون ہے۔ عیسےٰ نے کہا "جو شخص سب کا خدمت گزار ہوگا وہی تم میں سب سے بڑا ہوگا۔"

مہاتما گاندھی تنہائی میں وہ ہی خاموش آواز سنتا ہے جو اس پر حکومت کرتی ہے

فرانس کا مشہور بلند پرواز مصنف "رومین رولینڈ"[1] رقمطراز ہے:-

گاندھی ایک قلیل القامت اور کمزور انسان ہے۔ چہرہ کتابی۔ ابروئے چشم اطمینان بخش اور باہر کو نکلے ہوئے بڑے بڑے کان ہیں۔ سر پر ایک سفید ٹوپی جسم ایک سفید موٹے لباس سے ڈھکا ہوا۔ اور پا برہنہ زندگی بسر کرتا ہے۔ اُس کی غذا چاول، تازہ پھل اور سادے پانی تک محدود ہے۔ فرش پر سوتا ہے اور اس کے سونے کا وقت بہت قلیل ہے لیکن کام بے تکان کرتا ہے۔ بہ حیثیت جسمانی کسی شمار میں نہیں۔ پہلی نظر میں جو چیز ہمارے دلوں کو متاثر کرتی ہے" وہ اس کی بے انتہا محبت اور زبردست صبر و تحمل کا اظہار ہے"۔ ۱۹۱۳ء میں جب پیرسن نے اُس کو جنوبی افریقہ میں دیکھا تو فرانسس (اسیسی) کی یاد اُسکے ذہن میں تازہ ہوگئی۔ وہ اپنے دشمنوں پر مہربان اور طرزِ عمل میں خلیق ہے۔ اس کی حیا و شرم کی کوئی حد نہیں۔ وہ ہر بات میں اس درجہ محتاط ہے کہ ہمیشہ پس و پیش کرتا ہے اور صاف کہدیتا ہے کہ "میں غلطی پر ہوں" وہ اپنی غلطیوں کو کبھی پوشیدہ نہیں رکھتا۔ سمجھوتے نہیں کرتا کسی حکمت عملی سے کام نہیں لیتا۔ فصاحت کے تاثرات سے پرہیز کرتا ہے یا یوں سمجھیئے کہ اسکا خیال تک بھی دل میں نہیں لاتا۔ اُسکی شخصیت دلوں میں خاص اثر پیدا کرتی ہے لیکن عام مظاہروں سے اُس کو نفرت ہے۔ یہ ایسے موقع ہوتے ہیں کہ اگر اس کے دوست مولانا شوکت علی جیسے موٹے تازے تجیم شحیم تمام خطرات کے مقابلہ میں سینہ سپر نہ ہو جایا کریں تو اُس کا تنِ لاغر پیروں میں روندے جانے کے خطرہ میں ہوتا ہے۔ یہ عظیم الشان ہستی دراصل ان مجمعوں سے کبیدہ خاطر رہتی ہے جو اس کی مدح سرائی کرتے ہیں"۔ اس کا دل کثرتِ تعداد پر

---

[1] آپ متعدد غیر فانی تصانیف کے مصنف ہیں۔ امریکہ کے مشہور پادری جے۔ ایچ ہومز نے اپنے ایک مضمون میں (جو کہ اس سے پہلے درج کتاب ہو چکا ہے) آپ کو دنیا کے منتخب آدمیوں میں شمار کیا ہے۔ آپ جنگِ عظیم کے دوران میں ہمدردی نوع انسان کے جرم میں حکومت کی جانب سے اپنے وطن مالوف سے جلا وطن کر دیئے گئے تھے۔ مندرجۂ بالا مضمون آپ کی کتاب "مہاتما گاندھی" سے اخذ کیا گیا ہے۔ ۱۲

بھروسہ نہیں رکھتا اور عوام مطلق العنان کی ہنگامہ آرائیوں سے نفرت کرتا ہے مخصوص اور محدود جماعت کے درمیان بیٹھکر وہ آسانی اور آرام محسوس کرتا ہے۔ اس سے بھی زیادہ تنہائی اس کے لیئے مسرت بخش ہے اور اس تنہائی میں وہ وہی "خاموش (اور باریک) آواز" سنتا ہے جو اُس پر حکومت کرتی ہے۔ یہ وہی شخص ہے جس نے تیس کروڑ انسانوں کو حرکت دیکر میدان عمل میں لا کھڑا کیا اور سلطنت برطانیہ کی بنیادوں کو ہلا دیا اور دو ہزار سال کے بعد سیاسیات انسانی میں سب سے زیادہ طاقتور اخلاقی تحریک کی بنیاد ڈالی۔

یہ بات قابل لحاظ ہے کہ گاندھی نے رولٹ ایکٹ کے خلاف تحریک بغاوت میں جب رہنمائی کی باگ اپنے ہاتھ میں لی تو اُس وقت اُس کا منشاء یہ تھا کہ تحریک مذکور کو دور تشدد سے علیحدہ رکھا جاوے۔ وہ جانتا تھا کہ ہندوستان میں بغاوت شروع ہو چکی تھی اور ایسے وقت میں اُس کو رہبری کی ضرورت تھی۔ سیاسیات ہند کی رفتار کو سمجھنے کے لیئے یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ گاندھی کا فلسفہ دو نمایاں عناصر سے مرکب ہے۔ اولاً مذہبی صفات جو پختہ اور وسیع ہیں دوئم "معاشرتی عمل" جن کو وہ حقیقی صورت حالات اور ملکی رائے کے موافق کرکے انہیں عالمگیر بنیادوں پر قائم کرتا ہے۔ وہ فطرتاً مذہبی آدمی ہے اور صرف ضرورتاً سیاسی ہے۔ جب واقعات کے انقلاب اور ملک کے دیگر رہناؤں کی عدم موجودگی نے اُسے اس امر پر مجبور کیا کہ اس تلاطم سے جہاز کو نکال لے جانے کا فرض وہ اپنے کندھوں پر اُٹھائے تو اُس کی سرگرمیوں کی سیاسی اور عملی نوعیت مصدق اور نمایاں ہو گئی۔ لیکن اس عمارت کا ضروری حصہ ایک ایسے وسیع اور عمیق تہ خانہ کی صورت میں رہا جس پر جلدی میں ایک عمارت بنانی پڑی جو کہ ایک عظیم الشان مندر کی تعمیر کے لیئے وقف تھا۔ صرف یہ تہ خانہ ہی دیرپا ہے۔ اسکے علاوہ کل عمارت عارضی ہے اور دور تغیرات کے استعمال کے لیئے تیار کی گئی ہے۔ اس ذہن دوز مندر کی نوعیت کا صاف طور پر سمجھنا نہایت ضروری ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں گاندھی الہامات سے مستفیض ہوتا ہے اور اپنے بیرونی عمل کے لیئے ہر روز تازہ ہمت اور نئی طاقت حاصل کرتا ہے۔

گاندھی عقیدتمندانہ طور پر اپنے ہموطن ہندوؤں کے مذہب کا ماننے والا ہے لیکن اس کا یہ عقیدہ نہ تو ایک عالم کی مانند ہے جو ادبی شوق کی بنا پر کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں اور نہ اُن راسخ الاعتقاد لوگوں کی طرح جو تمام روایات کو اندھا دھند مان لیتے ہیں۔ اس کے مذہبی عقائد پر اُس کا ضمیر اور اُس کی عقل حاوی ہے۔ وہ کہتا ہے میں مذہب کو ہوا نہ بناؤں گا اور نہ اس کے مقدس نام کی آڑ میں کسی بُرائی کو حق بجانب ٹھہراؤں گا۔ اگر میں کسی شخص کی عقل سے اپیل کرکے اس کو مطمئن نہیں کرسکتا تو ہرگز میں اُس کو اپنا ہمراہ نہ کہوں گا۔ یہاں تک کہ اگر قدیم شاستر میری عقل کو

اپیل نہیں کرتے تو میں ان کے تقدس سے انکار کر دوں گا" وہ تسلیم نہیں کرتا کہ محض ہندو دہرم ہی سچا ہے بلکہ تمام مذاہب میں سچائی موجود ہے۔ وہ کہتا ہے میں تنہا ویدوں کو ہی خدا کا کلام خیال نہیں کرتا۔ میرا خیال ہے کہ انجیل، قرآن اور ژنداوستا بھی ویسی ہی الہامی کتابیں ہیں جسقدر کہ وید۔ ہندو مذہب میں تمام دنیا کے پیغمبروں کی پرستش کی گنجایش ہے۔ ہندو دھرم تعلیم دیتا ہے کہ ہر شخص اپنے عقیدے یا دہرم کے مطابق خدا کی پرستش کرے اور تمام مذاہب کے ساتھ بہ صلح و امن زندگی بسر کرے۔ اس نے اُن غلطیوں اور بُرائیوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جو صدہا سال کے دوران میں ہندو دہرم میں داخل ہو گئی ہیں اور اُن کو بالفاظ ذیل مذموم قرار دیتا ہے:۔

"میں ہندو دہرم کے متعلق اپنے احساسات کو اس سے زیادہ بیان نہیں کرسکتا جتنا کہ اپنی دہرم پتنی کے متعلق بیان کر سکتا ہوں۔ جسقدر وہ مجھے محبت میں سرشار کر سکتی ہے اس قدر اور کوئی نہیں کر سکتا۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ اس میں کوئی نقص ہی نہیں۔ میں جرأت کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ جسقدر نقائص میں اسکے اندر دیکھ سکتا ہوں، اُن سے بہت زیادہ نقائص اس میں موجود ہیں۔ بایں ہمہ میرے اور اُس کے درمیان ایک ایسی زنجیر موجود ہے جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتی۔ بجنسہ میں ہندو دھرم کے متعلق باوجود اُسکے تمام نقائص کے زبردست احساس رکھتا ہوں۔ مجھے دنیا کی کوئی چیز اس قدر جوش میں نہیں لا سکتی جتنا کہ تلسی داس کی رامائن یا کرشن بھگوان کی گیتا۔ ہندو دہرم کی یہی دو کتابیں ہیں جن کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ میں علم رکھتا ہوں۔ بڑے بڑے تیرتھوں میں آج کل جو جو بُرائیاں موجود ہیں میں اُن سے واقف ہوں۔ تاہم میں اُن سے محبت کرتا ہوں۔ میں ازا بتدا تا انتہا ایک مصلح ہوں لیکن میرا جوش کبھی اس بات پہ مائل نہیں ہوتا کہ میں ہندو دھرم کی اصُولی باتوں سے انکار کر دوں۔"

تو پھر وہ اصولی حقائق کیا ہیں جن سے گاندھی اپنی وابستگی کا اظہار کرتا ہے؟۔ ان حقائق کو اُس نے ایک مضمون مورخہ ۶ر اکتوبر ۱۹۲۱ء میں صاف طور پر یوں بیان کیا ہے۔

(۱) میں وید، اُپنشد، پوران اور اُن تمام کتابوں پر عقیدہ رکھتا ہوں جو ہندو شاستروں کے نام سے مشہور ہیں۔ اسلئے اوتار اور مسئلہ تناسخ پر بھی میرا یقین کامل ہے۔

(۲) میں ورن آشرم دہرم پر وید کے بتلائے ہوئے معنی کے لحاظ سے یقین رکھتا ہوں نہ کہ موجودہ عام اور ناقص مفہوم کے اعتبار سے۔

(۳) میں گائے کے تحفظ میں یقین رکھتا ہوں لیکن میرا یہ یقین عوام کے مقابلہ میں کہیں زیادہ وسیع مفہوم لئے ہوئے ہے۔

(۴) میں مورتی پوجن کے خلاف نہیں ہوں۔

ہر وہ یورپین جو مذکورہ بالا سطور کو جانچتا ہے غالباً محسوس کریگا کہ یہ دماغ جس نے ان سطور کو لکھا ہے ہمارے دماغوں سا

سے اتنا مختلف اور مذہبی معاشرتی تعلیمات میں اس درجہ پیوستہ ہے کہ اس قسم کے خیالات سمجھنے کی کوشش کرنا محض بے سود ہے تاہم وہ ان سطور کو پڑھ کر مندرجہ ذیل سطور کا بھی مطالعہ کرلے۔ وہ کہتا ہے میں ہندو دھرم کے اصولوں پر بے کم و کاست یقین رکھتا ہوں یعنی یہ کہ جس شخص نے اصول عدم تشدد (اہنسا) اصول صداقت (ستیہ) اور اصول ضبط و تحمل (برہمچریہ) میں درجۂ کمال حاصل نہ کرلیا ہو اور تمام دولت سے دست بردار نہ ہو گیا ہو وہ صحیح طور پر شاستروں سے واقف ہی نہیں۔ اس مقام پر اس ہندو کا خیال انجیل مقدس سے ملتا جلتا ہے گاندھی اس تعلق سے پوری طرح واقف تھا۔ جب ایک انگریز پادری نے اس سے سوال کیا کہ کونسی کتابوں نے اس پر سب سے زیادہ اثر کیا تو اس نے جواب دیا "نئے عہدنامے" اس کی کتاب "مذہب اخلاق" عیسےٰ کے ایک مقولہ پر ختم ہوتی ہے۔

ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اس ایشیائی عقیدتمند کی نشو ونما ٹالسٹائی کی تعلیمات پر ہوئی ہے اس نے "رسکن" اور "افلاطون" کا ترجمہ کیا۔ وہ "تھیورو" پر بھروسہ کرتا ہے "میزینی" کی تعریف میں رطب اللسان ہے "ایڈورڈ کارپینٹر" کا مطالعہ کرتا ہے اور اس کے خیالات یورپ امریکہ والوں کے خیالات سے فیض یافتہ ہیں پھر کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ اگر ایک یورپین خلوص کے ساتھ اس سے ملنے کی تکلیف گوارا کرے تو کیوں وہ اس زبردست انسان کے خیالات میں بیگانگی محسوس کریگا اور وہ گاندھی کے مضامین کے گہرے معانی کو سمجھیگا جو بنظر اول ہر یورپین کو حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔ ہندوستان اور یورپ کے مذہبی احساس میں دو باتیں خاص طور پر ایک ناقابل عبور خلیج پیدا کرتی ہیں اول گائے سے عقیدتمندی۔ دوئم ذاتوں کا رواج لیکن ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ آیا گاندھی خود ان دونوں باتوں کا کیا مفہوم سمجھتا ہے۔

درحقیقت یہ دونو باتیں گاندھی کے مجموعہ تعلیمات میں ادنیٰ یا غیر ضروری نہیں۔ گائے کی حفاظت ہندو دھرم کی ایک خصوصیت ہے۔ گاندھی اسکے اندر ارتقاء انسانی کے اعلیٰ ترین انکشافات دیکھتا ہے۔ اور کیوں؟ اسلئے کہ گائے انسان کی تمام ماتحت دنیا کا ایک نشان ہے جس سے انسان رشتۂ اتحاد جوڑتا ہے۔ یہ نشان انسانوں اور چوپاؤں کے درمیان بھائی بندی ظاہر کرتا ہے۔

گاندھی اپنے لفظوں میں یوں کہتا ہے "یہ اصول انسان کو اس کی حدود سے آگے لیجاتا ہے اور انسان اور ہر ذی روح کے درمیان یکسانیت پیدا کرتا ہے۔"

اگر گائے کو تمام دیگر حیوانات پر ترجیح دیکر منتخب کیا گیا ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ گائے ہندوستان میں انسان کی ساتھی اور زرخیزی و فراوانی کا ذریعہ ہے اور گاندھی اس مسکین جانور کے [illegible] کی ایک طویل نظم دیکھتا ہے لیکن اس عقیدہ [illegible] گاندھی سے زیادہ اور کوئی شخص ہندوستان کے ان لوگوں کی ظالمانہ عقیدتمندی کی مذمت نہیں کرتا جو خدا کی بے زبان مخلوق کے متعلق جذبۂ رحم پیدا کئے بغیر محض کتب مقدسہ کے حروف کی تقلید کرتے ہیں۔

اگر اس اصول کو ایک مرتبہ سمجھ لیا جاوے (اور عیسیٰ کے عزیب الشان فرانسس سے بہتر اس اصل کو کس نے سمجھا ہے) تو پھر کوئی شخص اس اہمیت پر تعجب نہیں کر سکتا جو گاندھی اپنے عقیدے کے اس مضمون کو دیتا ہے جب وقت وہ یہ کہتا ہے کہ گائے کا تحفظ تمام دنیا کے لئے ہندوستان کا ایک بیش بہا ہدیہ ہے تو اُس کا یہ کہنا غلط نہیں ہے۔ انجیل کے اس حکم میں کہ "تو اپنے ہمسایہ سے بھی اسی طرح محبت کر جس طرح اپنی ذات سے کرتا ہے" گاندھی ان الفاظ کا اور اضافہ کرتا ہے " ہر ذی روح تیرا ہمسایہ ہے" اور تو اُس سے بھی اسی طرح محبت کر جسطرح کہ اپنی ذات سے کرتا ہے۔

ذات پات کے رواج کا سمجھنا اور اُس کو تسلیم کرنا یورپ والوں کے لیئے غالباً اس سے بھی زیادہ دشوار ہے میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ اگر میں اس کے متعلق گاندھی کے نقطۂ خیال کو واضح طور پر بیان کر دوں تو یورپین لوگوں کو اس مسئلہ کے تسلیم کرانے میں کامیاب ہو جاؤنگا لیکن گاندھی نے جس طرح اس مسئلہ کا انکشاف کیا ہے اس سے صاف طور پر یہ کلیہ قائم ہوتا ہے کہ اس رواج کے اندر کسی قسم کا غرور یا معاشرتی فوقیت کا خیال پوشیدہ نہیں بلکہ ہر رتبہ اور ہر منصب کے افراد کو محض مخصوص فرائض سپرد کر دیئے گئے ہیں "میری رائے ہیں" ورن آشرم دھرم" انسانی فطرت کے اندر ایک پیدائشی چیز ہے اور ہندو مذہب نے اس کو ایک علم بنا دیا ہے"۔

لیکن گاندھی ذاتوں کی تعداد کو محض چار تک محدود کرتا ہے:۔ ۱۔ برہمن (جو علم اور روحانیت سے تعلق رکھنے والا فرقہ ہے) ۲۔ کشتری (یعنی فوجی اور حکمراں جماعت) ۳۔ ویشس (تجارت پیشہ جماعت) ۴۔ شودر (اہل صنعت و حرفت و خدمت)

ان ذاتوں میں وہ اعلیٰ یا ادنیٰ تسلیم نہیں کرتا وہ کہتا ہے کہ یہ صرف مختلف پیشے ہیں اور اسکے سوا کچھ نہیں۔ ان میں چند فرائض ہیں جن کو انجام دینا پڑتا ہے لیکن کوئی ایسی رعایت یا فوقیت کسی کو کسی پر نہیں ہے جس سے فائدہ اٹھایا جاوے۔ اور یہ بات ہندو ذہنیت کے بالکل خلاف ہے کہ کوئی شخص اپنے منصب کو اعلیٰ سمجھ کر شیخی بگھارے اور دوسرے کو ادنیٰ قرار دے۔ تمام انسان خدا کی مخلوقات کی خدمت گزاری کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ برہمن اپنے علم سے چھتری اپنی محافظانہ طاقت سے۔ ویشس اپنی تجارتی قابلیت سے۔ اور شودر اپنی جسمانی محنت سے اس خدمت کو پورا کرے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ برہمن جسمانی محنت یا اپنی اور دوسروں کی حفاظت کے فرض سے سبکدوش ہو گیا۔ برہمن گویا خصوصیت سے علم دوست انسان ہونا چاہیئے اور خاندان و تربیت کے لحاظ سے برہمن ہی دوسروں تک علم پہونچانے کے لئے سب سے زیادہ موزوں ہے۔ دوسری جانب ایک شودر کو کوئی بات اس امر کے لئے مانع نہیں کہ جسقدر علم وہ حاصل کرنا چاہے حاصل کرے۔ صرف اتنی بات ہے کہ وہ اپنے جسم کے ذریعہ بہترین طریقہ پر مخلوق خدا کی خدمت سرانجام دے سکتا ہے اور اُس کے لئے ضروری نہیں کہ خدمتگزاری کے لئے دوسروں کی

لیکن ہندوستان کی وجہ جو ... ... اور

دوسری قومیں ہی داغ دار نظر آتی ہیں۔

جو مخصوص صفات ہوں اُن پر حسد کرے۔ لیکن وہ برہمن جو اپنے علم کی وجہ سے برتری کا دعویٰ کرے برہمن نہیں رہتا اور نہ اسکو کچھ گیان ہوتا ہے۔ ورن آشرم دھرم کے معنی ذاتی ضبط و تحمل، حفاظت و نگہبانی۔ اور طاقت و قوت کے استعمال میں احتیاط برتنے کے ہیں"

ورن آشرم دھرم کی بنیاد رعایتی حقوق پر نہیں بلکہ خودی پر قائم ہے۔ اسکے علاوہ ہمیں یہ بات بھی فراموش نہ کرنی چاہئے۔ قدرت تناسخ ارواح کے عقیدہ میں توازن قائم رکھتی ہے۔ چنانچہ مسلسل زندگیوں کے دوران میں ایک برہمن شودر ہو جاتا ہے اور شودر برہمن بن جاتا ہے۔

پاریہ یعنی پنچ ذاتوں کا مسئلہ دوسری ذاتوں سے تعلق نہیں رکھتا۔ ان ذاتوں کے مشاغل مختلف ہیں۔ لیکن رُتبہ مساوی ہے۔ آگے چلکر ہمیں معلوم ہوگا کہ گاندھی کتنی سرگرمی اور لگاتار محنت کے ساتھ اس معاشرتی عدم مساوات کے خلاف جنگ آزما ہے۔ اور یہی اُس کے مشن کا سب سے زیادہ اثر خیز پہلو ہے۔ گاندھی کی نگاہ میں یہ عدم مساوات ہندوستان کے لئے باعث شرم ہے۔ سچی تعلیم کی تذلیل اور بدنامی کا دھبہ ہے۔ اور اسی سے اسکو سب سے زیادہ دُکھ پہونچتا ہے۔

وہ کہتا ہے میں نہیں چاہتا کہ دوبارہ جنم لوں لیکن اگر درحقیقت دوسری مرتبہ میرا جنم ہو تو میری تمنا ہے کہ اچھوت ذات میں پیدا ہوں تا کہ ان کی مشکلات میں حصہ لوں اور اُن کو آزاد کرانے میں جدوجہد کر سکوں۔ گاندھی نے اچھوت ذات کی ایک صغیر سن لڑکی کو متبنّیٰ کر لیا ہے اور اس خوبصورت ہفت سالہ چھوٹی لڑکی کے متعلق وہ بڑے لُطف و کرم کے ساتھ اظہار خیال کرتا ہے۔

میں اس بات کو ظاہر کرنے کے لئے کافی بحث کر چکا ہوں کہ اس عقیدہ کی تہ میں ایک فرشتہ نصال دل موجود ہے۔ یہ اک زیادہ رحم دل ٹالسٹائی ہے جو زیادہ آسانی سے مطمئن ہو سکتا ہے اور اگر مجھے اجازت دی جائے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ گاندھی روسی فلاسفر (ٹالسٹائی) کے مقابلہ میں فطرتاً زیادہ عیسائی ہے۔ کیونکہ ٹالسٹائی فطرت سے نہیں بلکہ خواہش سے عیسائی ہے۔ گاندھی پر ٹالسٹائی کا حقیقی اثر اُس مذمت سے ظاہر ہوتا ہے جو اُسنے "مغربی تہذیب کے خلاف کی ہے" روزیونگ زمانہ سے اب تک یورپ کے آزاد اندیش دماغوں نے موجودہ تہذیب پر الزام لگایا ہے۔ بیدار شدہ ایشیا کو اس الزام کی ملفوظات میں صرف ایک خوفناک ہتھیار کی تلاش تھی جسکو وہ مغلا آوروں کے خلاف استعمال کر سکے۔ گاندھی نے بھی اسکو فراموش نہ کیا اور اپنی کتاب سوراج ہند میں اس قسم کی کتابوں کی ایک فہرست درج کی ہے جنکے بہت سے مصنف خود انگریز ہیں۔

لیکن سب سے زیادہ ناقابل تردید وہ کتاب ہے جسکو یورپین تہذیب نے خود دنیا کی مختلف نسلوں کے خون سے تحریر کیا ہے اور یہی وہ چیز ہے جس نے اس منافقی، غارتگری، اور خونخواری کا حیرت انگیز انکشاف کیا ہے جسکا اظہار گذشتہ جنگ میں دنیا کی آنکھوں کے سامنے بڑی بے حیائی کے ساتھ کیا گیا۔ یورپ کی بے شرمی اور بے حیائی اتنی بڑھ گئی تھی کہ اُس نے اپنی عریانی دکھانے کو واقعہ اور ایشیائی آدمیوں کو دعوت کیا۔

انہوں نے اس برہنگی کو دیکھ لیا ہے اور وہ اسکے متعلق اندازہ بھی لگا چکے ہیں۔

"آج یورپ پر جو تہذیب مسلط ہے اُسکی شیطانی نوعیت گذشتہ جنگ سے ظاہر ہو گئی ہے نیکی کے نام پر فاتحین نے اخلاق عامّہ کے ہر حصول کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ کسی جھوٹ کو اتنا بُرا خیال نہ کیا گیا کہ زبان کو اُس کے اظہار سے روکا جاتا۔ ان تمام جرائم کے پس پردہ ایک زبردست اخلاق شکن غرض پوشیدہ تھی۔ یورپ عیسٰی پرست نہیں میمن[1] پرست ہے۔"

ہندوستان اور جاپان دونوں جگہ اس قسم کے خیالات کا بارہا اظہار کیا جا چکا ہے اور اُن لوگوں کے دلوں میں بھی جو ایسے حقائق کا علانیہ اظہار خلاف مصلحت سمجھتے ہیں یہ یقین پختگی کے ساتھ کندہ ہو چکا ہے۔ اور یہ ۱۹۱۸ء کی فتح کا کچھ کم تباہ کن نتیجہ نہیں ہے۔ گاندھی تو ۱۹۱۴ء سے قبل ہی مغربی تہذیب کی اصلیت کو دیکھ چکا تھا۔ یہ جنوبی افریقہ کی بیس سالہ زندگی میں اسکے سامنے بے نقاب ہو گئی تھی۔ اس نے اپنی کتاب سوراج ہند مصنفہ ۱۹۰۸ء میں تہذیب جدید کو زبردست بُرائی کے نام سے موسوم کر کے اُسکی مذمت کی ہے۔

گاندھی کہتا ہے کہ تہذیب کا محض نام باقی ہے۔ ایک ہنود مقولہ کے بموجب یہ زمانہ کلجگ یعنی تاریک زمانہ کہلاتا ہے۔ اس دور میں مادّی عظمت کو ہی زندگی کا واحد مقصد خیال کیا جاتا ہے۔ اس زمانہ نے یورپ کے آدمی کو دولت پر فریفتہ اور اس کا غلام بنا دیا اور اس کو تمام امن و امان اور خانگی زندگی سے محروم کر دیا۔ یہ زمانہ کمزور اور مزدور پیشہ جماعتوں کے لئے دوزخ ہے۔ اور یہ دور نسل انسانی کی قوتوں کو کھوکھلا کرنیوالا ہے یہ شیطانی تہذیب بہت جلد اپنی ہی آگ میں جلکر خاک ہو جائے گی۔ یہی تہذیب ہندوستان کی حقیقی دشمن ہے۔ یہ انگریزوں سے بھی زیادہ دشمن ہے۔ انگریز بذات خود فرداً فرداً سیاہ دل واقع نہیں ہوئے، بلکہ اپنی تہذیب کے زہریلے مادہ سے اثر پذیر ہو کر اُسکے دیوانے بن گئے ہیں۔ گاندھی اپنے اُن ہموطنوں کی رائے سے بھی اختلاف رکھتا ہے جو ہندوستان کو تہذیب کے موجودہ مفہوم میں مہذب سلطنت بنانیکی خاطر انگریزوں کو نکالنا چاہتے ہیں۔ نہیں! بلکہ زبردست اور واحد جدوجہد مغربی تہذیب کے خلاف ہونی چاہیئے۔

گاندھی تین طبقوں کی بڑے زور کے ساتھ مذمت کرتا ہے۔ اول وکلاء، دوئم ڈاکٹر اور سوئم انگریزی زبان کی تعلیم دینے والے اُستاد۔ مؤخر الذکر کے متعلق گاندھی کی مخالفت اس وجہ سے ہے کہ یہی لوگ ہیں جنہوں نے ہندوستانیوں کو ان کی مادری زبان اور قومی خیالات سے بے علم رکھا اور فرزندان ہند پر قومی زوال نازل کرانے کے باعث ہوئے۔ مزید براں اسکولوں کے اُستاد دل کی اصلاح اور چال چلن کی طرف بالکل توجہ نہیں کرتے، اور دستکاری کے خلاف ہیں۔ یہ واقعہ ایک جرم سے کم نہیں ہے کہ اُن تمام لوگوں کو یکساں ادبی تعلیم دی جاتی ہے جنہیں اسّی فیصدی زراعت پیشہ اور دس فیصدی دستکار رہیں۔ وکیل کا پیشہ بھی اخلاق شکن پیشہ ہے۔ ہندوستان میں عدالتیں برطانوی طاقت کا ایک آلہ ہیں جو ہندوستانیوں

---

[1] دولت کا بت

کے درمیان ایک نااتفاقی پھیلاتی ہیں اور لڑائی جھگڑوں میں اضافہ کرتی رہتی ہیں۔ جہاں تک ڈاکٹروں کا تعلق ہے گاندھی اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ اول اول اُس نے اس پیشہ میں کشش محسوس کی تھی لیکن پھر جلد ہی معلوم کر لیا کہ یہ بھی باعزت پیشہ نہیں ہے۔ مغربی طریقۂ ادویہ محض جسم کو بیماریوں سے شفا دینے کی کوشش کرتا ہے لیکن اُن بیماریوں کے اصلی اسباب علل کی تحقیق نہیں کرتا جو درحقیقت انسان کی نفسانی خواہشات اور بُرائیوں پر مشتمل ہیں۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مغربی طریقۂ علاج چونکہ ناپاک خیال لوگوں کو بغیر کسی زبردست خطرہ میں ڈالے ناپاک زندگی بسر کرنے کے قابل بناتا ہے۔ لہذا یہ بُرائی کی بہت افزائی کرتا ہے اس سے لوگوں کے اخلاق خراب ہوتے ہیں اور اس کی سیاہ جادوگری کا نشہ عوام کو کمزور کرتا ہے۔

اس خراب طریقۂ ادویہ کی بجائے گاندھی ایک صحیح دافع امراض علاج پیش کرتا ہے جس کی نوعیت اُس نے اپنے ایک ہر دلعزیز رسالہ رہنمائے صحت میں درج کی ہے۔ یہ کتاب اس کے بیس سالہ تجربہ پر مبنی ہے۔ اور علم اخلاق و نیز علم طب پر لکھی گئی ہے "کیونکہ بیماری محض ہمارے اعمال کا ہی نتیجہ نہیں ہوتی بلکہ ہمارے خیالات سے بھی پیدا ہوتی ہے" اور امراض کے دفعیہ کے لئے قواعد کا بتانا مقابلتاً ایک آسان کام ہے کیونکہ تمام بیماریوں کی اصلیت ایک ہی ہوتی ہے یعنی یہ کہ انسان صحت کے متعلق قانون قدرت کی پابندی نہیں کرتا۔ "جسم خدا کا گھر ہے اسکو پاک و صاف رکھنا چاہئے" گاندھی کی اس تعلیم میں دانشمندی کا بیّن اظہار ہے۔ اگرچہ مغربی طریقۂ علاج کے خلاف غصہ کا پہلو اور علم اخلاق کے متعلق زاہدانہ نقطۂ نگاہ کی طرف رجحان پایا جاتا ہے

تہذیب جدید (یعنی عہد فولاد) کا دل آہنی کلیں ہیں۔ اور اس دیوتا و بت کو [illegible] ہے۔ گاندھی کا یہ پختہ عہد ہے کہ وہ ہندوستان کو کلوں کی غلامی سے آزاد دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ اس بات کو زیادہ پسند کریگا کہ ہندوستان ولایت کے بازار کا غلام بنا رہے بہ نسبت اسکے کہ اپنی آزادی کا خیال کلوں کی غلامی کے ساتھ کرے" ہمارے لئے یہ بہتر ہے کہ روپیہ مانچسٹر کو بھیجدیں بہ نسبت اسکے کہ یہاں کلوں کی تعداد میں اضافہ کریں۔ ایک ہندوستانی مزدور کی حیثیت ایک امریکن مزدور سے زیادہ نہ ہوگی۔ مشین انسانوں کو غلام بناتی ہے اور روپیہ انسان کو عیاش کی طرح بے یار و مددگار رکھ دیتا ہے"۔ (سوراج ہند)

لیکن نئی روشنی کے ہندوستانیوں سے دریافت کیا گیا [illegible] ریلوے اور جدید صنعت و حرفت کے بغیر ہندوستان کی کیا حالت ہوگی؟ گاندھی جواب دیتا ہے کیا ان اشیاء کے بغیر ہندوستان نے زمانہ ماضی میں اپنا کام نہیں چلایا"

ہزار ہا برس سے ہندوستان مختلف سلطنتوں کی بدلنے والی لہروں کے درمیان غیر متزلزل رہا ہے ہر چیز گذر گئی لیکن ہندوستان نے نفس پر قابو پانے کا سبق سیکھ لیا ہے۔ اُس نے بڑے بڑے شہروں یا مشینوں کو حاصل کرنے کی خواہش نہیں کی۔ ہمارے زمانے کے جیسے [illegible] قدیم ویسی تعلیم نے اُن [illegible]

(۱) [illegible]

اور عقلمندی مکمل کہہ دی تھی۔ اب ہمیں اس قدیم سادگی کی طرف رجوع کرتا ہے۔ یہ رجوعیت ایک چھلانگ میں نہیں بلکہ بتدریج اور صبر وتحمل کے ساتھ انفرادی رہبران کے قدم بقدم چلکر پوری ہونی چاہیئے۔"

مذکورہ بالا باتیں گاندھی کے خیالات کا مغز ہیں اور کافی متانت سے لبریز ہیں اور یہ عقیدۂ ترقی اور سائینس کے منافی ہیں۔ زمانہ وسطیٰ کا یہ اعتقاد جذبۂ انسانی کی آتش فشاں تحریک سے ٹکرانے اور پاش پاش ہونے کے خطرہ میں ہے لیکن "جذبۂ انسانی" کے بجائے "انسان کا ایک جذبہ" کہنا زیادہ موزون ہوگا کیونکہ اگر کوئی شخص میری طرح اس عالمگیر جذبہ کے ساز ہم آہنگ کو سمجھتا ہے تو اُسے معلوم ہوگا کہ یہ بہت سی آوازوں سے ملکر بنا ہے اور ہر آواز اپنی ہی راہ پر چلتی ہے۔

ہمارا نوخیز مغرب ابھی پورے طور پر نہیں سمجھتا کہ ہمیشہ اسنے ہی اس ساز کی رہنمائی نہیں کی ہے۔ درصل اُصول ترقی کا قانون تاریکیوں مخالف تحریکوں اور دورِ جدید کی تبدیلیوں کا تابع ہے اور "تہذیب انسان" کی تاریخ سے درحقیقت جملہ تہذیبوں کی تاریخ مراد ہے نہ کہ محض کسی واحد تہذیب کی تاریخ۔

آج دُنیا میں مہاتما گاندھی کا کوئی ثانی نہیں

مسٹر پیسیول نامہ نگار اخبار ڈیلی ٹیلیگراف لنڈن رقمطراز ہے:۔

میں نے ایک طویل وقت مہاتما گاندھی کے ساتھ ملاقات اور گفتگو کرنے میں صرف کیا اور آخر اس جدوجہد کے متعلق اندازہ لگانے میں کامیاب ہوگیا جسمیں وہ اپنی زندگی کا ہر ایک لمحہ صرف کر رہے ہیں۔

لیکن جن لوگوں نے اس عجیب شخص سے کبھی ملاقات نہیں کی اُن کو میرا بیان ناممکن معلوم ہوگا۔ سچ پوچھیئے تو وہ اپنے خیال کا اکیلا شخص ہے۔ اسکو ایسے مشیروں اور کارکنوں کی ضرورت نہیں ہے جو اس کے عملی مشورہ اور اسکے کام میں خلل انداز ہوں خواہ وہ کارکن اسکے ساتھ مل کر کام کریں یا اُسے چھوڑ دیں اسکے کام میں فرق نہیں آتا۔ اسکی اپیل ہندوستان کی آبادی کے ادنیٰ ترین طبقہ کے آدمیوں سے ہے اور اسکی طاقت اسی میں مضمر ہے۔

اسکی تعلیم زمانہ قدیم کی ایک قیاسی تعمیر بنانے والی ہے جسکی بنا عالمگیر محبت پر ہے۔ وہ دل کو تلقین کرتا اور دماغ کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اسلئے دنیا کو ایک تباہی سے بچانا اسکی کامیابی کا نتیجہ ہوگا۔ آج دنیا میں اس کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ میں نے مہاتما جی کو ایک چھوٹے سے کمرے میں فرش پر بیٹھے ہوئے اور ہاتھ سے بنے ہوئے سفید کپڑے میں ملبوس دیکھا۔ انھوں نے خوش آمدید تبسم سے میری طرف منہ پھیرا۔ ان کا سر تخیلات والے انسان کے سر کا نمونہ ہے۔ دماغ وضعدار اور عمدہ طرز کا ہے۔ چہرہ لانبا اور نوک دار ٹھوڑی ہے۔ آنکھیں گہری محبت آمیز اور دانشمندانہ ہیں۔ وہ نہایت نرمی سے

گفتگو کرتے ہیں۔ ان کی آواز اس عجیب تعلیم کو طاقت بخشتی ہے جسکے لئے انھوں نے اپنی زندگی وقف کردی ہے
اُن کے قومی اور اخلاقی جہاد کا اہم ترین حصّہ یہ ہے کہ طمانچہ مارنیوالے کے سامنے دوسرا گال بھی کردیا جائے۔ یہ سمجھ
لینا چاہئے کہ ابتداہی سے انکی تعلیم پر مسیحی اثر پڑا ہے اور یہی ان کی زندگی کا نمایاں پہلو ہورہا ہے۔ اور روزانہ
سرگرمیوں کا طرز عمل بھی اسی نمونہ پر بنا ہے۔ میرے اس ریمارک کے جواب میں کہ مسیح نے سیاسات سے پرہیز
کیا تھا۔ مہاتما گاندھی نے فرمایا میرا یہ خیال نہیں۔ اور اگر یہ درست ہے تو اس پہلو سے ان میں سچائی کم تھی۔ مہاتما
گاندھی کو دنیا کا مستقبل ایسا شاندار اور ممکن نظر آرہا ہے جسکی حکومت رحم انصاف اور محبت پر مبنی ہوگی۔ مہاتما
گاندھی نے جب مجھ سے کہا کہ ان کا اعتقاد غیر متزلزل اور خالص ہے تو مجھے ان کے اور انگریزوں کے درمیان مصالحت
کی امید کم ہوتی گئی۔ انہوں نے کہا کہ انگلستان کی قابل نفرت تہذیب اور حکومت جانی چاہئے میں نے کہا جب
ہمارا کام ختم ہو جائیگا تو ہندوستان کی حالت غیر محفوظ ہو جائیگی۔ مہاتما جی نے جواب دیا۔ جبوقت ہندوستان
میں انگریزوں کو نکالنے کے لئے کافی اتحاد ہو جائیگا تو وہ بیرونی حملوں سے بھی اپنی حفاظت کرسکتا ہے۔ عالمگیر محبت
اور روحانی طاقت اسکے ساحل کو ہمیشہ محفوظ رکھے گی۔ لڑائی کا سامان تیار کرنے سے لڑائی ہوتی ہے۔ میں نے
کہا ہندو اور مسلمانوں کے درمیان جو مذہبی مخالفت ہے اس کا کیا ہوگا؟ مہاتما جی نے فرمایا اسکے متعلق کوئی دقت
پیش نہیں آئیگی اور کوئی وقت آئی تو میں اسکے قبول کرنے کو تیار ہونگا۔ اگر ہندوستان لڑائی میں مشغول ہو جائے
تو یہ اس بات کا ثبوت ہوگا کہ ہندوستان میں کوئی برائی ہے اور وہ جو کچھ ہوگا بہتری کے لئے ہوگا۔ میں نے پوچھا
آپ کا لینن کے متعلق کیا خیال ہے؟ انھوں نے جواب دیا لینن کے متعلق مجھے کافی علم نہیں ہے لیکن میں برطانوی
حکومت پر بالشوزم کو ترجیح دونگا۔ مہاتما نے اس بات کو تسلیم کیا کہ مغربی اور مشرقی معیار میں مصالحت نہیں
ہوسکتی۔ میں نے پوچھا کیا آپ کو انگریزوں میں کوئی بات بھی اچھی نظر نہیں آتی؟ انھوں نے کہا میری تحریک انفرادی
طور پر انگریزوں کے خلاف نہیں ہے۔ میں مانتا ہوں کہ بہت سے انگریزوں نے ہندوستان کے لئے بے غرضانہ
خدمات کی رضامندی ظاہر کی ہے۔ مثلاً بریڈلا، چارلز ایش، ویڈربرن، مانٹیگو۔ میں نے دریافت کیا تو پھر اب
اصلاحات کی کیوں مخالفت کرتے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ جو انصاف ان کو کرنا چاہئے تھا وہ ان لوگوں نے نہیں
کیا۔ جن کے سپرد یہ کام کیا گیا تھا۔ میں نہیں مانتا کہ کونسلوں میں قائم مقام بھیجکر میں اپنی جد و جہد کو جاری رکھ
سکتا تھا۔ میں نے پوچھا کیا آپ نہیں دیکھتے کہ آپ کی عدم تشدد کی تحریک کا نتیجہ تشدد ہوگا۔ اور اس کے
آپ ہی ذمہ دار ٹھہرائے جائیں گے۔ مہاتما جی نے کہا جب تک انگریزوں کی طرف سے ابتدا نہو گی اسوقت
تک کوئی تکلیف نہ ہوگی۔

گاندھی کی زبان خُدا کی زبان ہے اور اُسکی آواز خُدا کی آواز ہے

از قلم مسٹر بلنش واٹسن امریکہ

دو ہزار سال کا عرصہ گذرا کہ ایک شخص نے کہا تھا کہ جو شخص تلوار استعمال کرتا ہے وہ تلوار ہی سے قتل کیا جاتا ہے یعنی اس نے دنیا کے کانوں میں یہ بات پہونچانی چاہی تھی کہ جنگ گناہ ہے اور قتل گناہ کبیرہ ہے کیونکہ انسانی زندگی ایک مقدس شے ہے۔ دنیا اس آواز کو اب تک سنتی رہی لیکن اس کی طرف توجہ نہیں دی اور نہ اسکے سمجھنے کی کبھی کوشش کی۔ اسکے یہ معنی ہیں کہ وہ دنیا میں اس سے پہلے آیا جبکہ دنیا کے لوگ اسکی نصیحت پر عمل کرنے کے لئے تیار نہ تھے چونکہ دنیا عمل کے لئے تیار نہ تھی اسلئے اسکو صلیب پر چڑھا دیا۔

دنیا سے میرا مطلب کل ہی نوع انسان سے نہیں کیونکہ ان میں چند لوگ ایسے تھے جو مسیح کی تعلیم کو سمجھتے تھے اور اسپر عمل کرنے کی کوشش کرتے تھے لیکن دنیا کے عین دوسرے کنارے پر دور دراز ملک ہندوستان میں ایک شخص وہی تعلیم دے رہا ہے جو حضرت مسیح نے دی تھی۔ وہ کہتا ہے کہ اپنے حریفوں سے الفت پیدا کرو اور اپنے دشمنوں کے ساتھ محبت سے پیش آؤ اور جو تم سے نفرت کرے اسکے ساتھ نیکی کرو اور دوسروں کے ساتھ وہی برتاؤ رکھو جیسی کہ تم ان سے توقع رکھتے ہو۔ مسیح کی طرح وہ شخص فضائے آسمانی میں چکر لگا رہا ہے اور اپنے گرد آدمیوں کو جمع کر کے کہتا ہے کہ میری تقلید کرو اور لوگ نہ صرف سینکڑوں کی بلکہ لاکھوں کی تعداد میں جمع ہوتے ہیں اور عمل کرتے ہیں۔ ہندوستان کے باشندے اپنے ملک کا انتظام خود کرنا چاہتے ہیں جس طرح کہ اس ملک میں ہم کرتے ہیں اور جیسا کہ کئی صدی پہلے وہ کیا کرتے تھے۔

پہلا امر یہ ہے کہ جب کوئی قوم آزاد ہونا چاہتی ہے تو وہ جنگ کرنے کے لئے اپنی فوجیں جمع کرتی ہے اور دوسروں کو قتل کرتی ہے۔ وہ لوگ بھول جاتے ہیں کہ حضرت مسیح نے کیا فرمایا تھا وہ بھول جاتے ہیں کہ ہم سب بھائی بھائی ہیں اور خدا ہمارا باپ ہے۔ اب ہندوستان کا رہنما مہاتما گاندھی لوگوں کو وہی پیغام سنا رہا ہے کہ جو تلوار ہاتھ میں لیگا تلوار کے ہاتھ سے مارا جائیگا اور اگر آپ کو یقین نہ ہو تو جاؤ دیکھو ہندوستان میں سلطنت برطانیہ جو عرصہ ۱۷۰ سال سے اسکی مرضی کے خلاف اسپر قابض ہے کبھی کسی فاتح جنرل سے اتنا ہراساں نہیں ہوئی جتنا کہ اس شخص سے۔ آپ سوال کرینگے کہ اسکی وجہ کیا ہے؟ آؤ میں بتاؤں۔ گاندھی کہتا ہے کہ موجودہ گورنمنٹ یا وہ افراد جو بہر حکومت کے لئے بھیجے جاتے ہیں اُن سے کوئی سروکار نہ رکھو لیکن ان کو اذیت مت دو۔ ان کے خلاف ہاتھ نہ اٹھاؤ بلکہ ان سے محبت کرو۔ یہی وجہ ہے کہ انگریزی حکومت اس راہنما کی رہنمائی سے خوف کھاتی ہے۔ جب کوئی شخص باوجود ان تمام برائیوں کے جو تم اسکے ساتھ کر رہے ہو تم سے محبت کئے جائے اسوقت

تم بھی اس سے نفرت نہیں کر سکتے اور لازمی تم کو بھی اس سے محبت کرنی پڑے گی۔ کوئی سوسائیٹی یا جماعت جسکی جڑوں میں نفرت اور عداوت کا مادہ بھرا ہوا ہے بہت دیر تک کھڑی نہیں رہ سکتی وہ ضرور ایک دن گر جائیگی کیونکہ نفرت تباہ کن ہے لیکن اسکے برعکس وہ سوسائیٹی یا جماعت جو محبت اور نیک نیتی کے تار میں بندھی ہے زیادہ طاقتور ہے کیونکہ محبت تعمیر کن ہے۔ مہاتما گاندھی اپنے ہموطنوں سے کہتے ہیں اگر تم میرے اصولوں پر چلو گے تو آزاد ہو جاؤ گے اور جب یہ چھوٹا سا بھورے رنگ کا آدمی میز پر رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھکر یہ لفظ کہتا ہے تو کوئی شخص اس سے اختلاف رائے کی طاقت نہیں رکھتا اور کوئی اسکی پرنور آنکھوں کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا اور کوئی دل میں خیال تک نہیں لا سکتا کہ وہ غلط کہہ رہا ہے۔ ایسا کیوں ہے اسلئے کہ اس کی روح کے اندر ایک خاص طاقت موجود ہے اور یہ طاقت خدا کی طاقت ہے اور اس کی زبان خدا کی زبان ہے۔

حکومت انگریزی جس سے میری مراد کوئی فرد واحد انگریز نہیں (شاید اسے معلوم نہو) لیکن وہ مہاتما گاندھی سے اسلئے خوف کھاتی ہے کہ وہ ایک خدائی آواز کے ساتھ پکار رہا ہے جسطرح یسوع مسیح نے اس سے کئی سو سال پہلے گلیلی جھیل کے کنارے خدا کا پیغام سنایا تھا کیا ہندوستانی اپنے ارادوں پر قائم رہیں گے کیا گاندھی کامیاب ہوگا؟ اور کیا دنیا یہ سبق سیکھے گی کہ جنگ محض تباہی ہے اور قاتلوں کا کام ہے اور مسیح کا بتایا ہوا راستہ ہی سیدھا اور ہموار راستہ ہے اور محبت ہی دنیا میں سب سے بڑی چیز ہے۔ آؤ ہم ہندوستان اور گاندھی کا مطالعہ کریں"

مہاتما گاندھی اک یقین اپنے ساتھ دنیا میں لائے ہیں

مسٹر سی ایف اینڈریوز تحریر فرماتے ہیں:-

سنگ مرمر اور سونے سے بھرے ہوئے شہروں کی طرف سے منہ پھیر کر مسیح نے غریب آدمیوں کو ہمدردی کا پیغام دیتے ہوئے کہا تھا کہ "اے مزدوری کرنے والو اور بوجھ اٹھانے والو! تم میرے پاس آؤ۔ میں تمھیں امن کا پیغام دونگا، میرا جوا اپنے کندھوں پر لیلو۔ تم مجھے اپنا رہنما مانو تمھاری روح کو یقین حاصل ہوگا۔ مسیح کا یہ پیغام دنیاوی طاقت حاصل کرنے کے لئے نہیں تھا بلکہ روحانی لطف حاصل کرنے کے لئے تھا۔ انھوں نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ تم خدا اور خدا کے بندوں کی خدمت کرنی سیکھو، زرپرست مت بنو، تم اس کا فکر نہ کرو کہ تمھارے کھانے پینے کو کہاں سے آئیگا اور تمھارے کپڑے کہاں سے آوینگے۔ جو ہری ہری گھاس سے کھیتوں کو سبز کرتا ہے وہی تمھارے کھانے اور کپڑے کا انتظام کریگا۔ ان الفاظ کو کہے ہوئے سینکڑوں برس گذر گئے، روما سلطنت مٹی میں مل گئی، اسکے بڑے بڑے شہنشاہوں کے نام لوگ بھول گئے لیکن عیسیٰ کا نام بھلا کون بھول سکتا ہے قسطنطنیہ کی

رومی بادشاہت اور اسکے بڑے بڑے شہروں پر نظر ڈالو، ایک طرف آپ کو دولت کی بادشاہی نظر آویگی تو دوسری طرف غلام اور مزدوروں کے مصائب۔ اس شان و شوکت سے اپنی نگاہ دور ہٹا کر عرب کے ریگستان کی طرف لے آئیے۔ وہاں آزاد کرہ ہوا میں غریبی کے ساتھ محمدؐ صاحب کو رہتے ہوئے آپ پاوینگے۔
لوگ اس بات پر تعجب کرتے ہیں کہ عرب کے باشندوں نے سیریا، شام اور مصر کو کس طرح فتح کیا۔ لیکن اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں۔ ان کی کامیابی کی کنجی ان کی سادہ زندگی تھی اور وہ ہر ایک تکلیف کو خوشی خوشی برداشت کرتے تھے۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ موجودہ تہذیب اور عیش و عشرت آدمی کے لئے ضروری ہیں وہ سادہ زندگی اور روحانی آزادی کی قدر نہیں کر سکتے۔
مہاتما گاندھی اسوقت لوگوں کو یہی صداقت دکھانا چاہتے ہیں۔ وہ یہ کام ایسے حیرت انگیز طریقہ سے کر رہے ہیں جسکا نام بھی پہلے نہیں سنا تھا۔ ان کی آواز میں ایک خاص طاقت معلوم ہوتی ہے۔ گویا عیسےٰ کہہ رہے ہیں کہ پرور دگار اور دولت دونوں کی خدمت تم ایک ساتھ نہیں کر سکتے۔ مالک تمھارے ساتھ ہے۔ پہلے اسکے دربار کا دروازہ تلاش کرو یہی صداقت کا اصلی راز ہے جو ہر ایک زمانہ میں نئی طاقت کے ساتھ انسان کی ترقی کے لئے ظاہر ہوتا ہے۔ اس یقین کو مہاتما گاندھی دوبارہ انسانی دنیا میں لے آئے ہیں۔ مشرق مغرب دونوں طرف سے یہی آواز آرہی ہے کہ اس زمانہ کی جو دولت مند تہذیب ہے اس سے غریبوں پر ظلم ہوتا ہے اور کمزور ممالک لوٹے جاتے ہیں۔ غریبوں کو ننگا کر کے روئی حاصل کی جاتی ہے اور مزدوروں پر ظلم کر کے کپڑے بنائے جاتے ہیں۔ یہ وہی تہذیب ہے جس سے روم کی بربادی ہوئی۔ بہت سے سمجھدار لوگ اس تہذیب سے اُکتا گئے ہیں اور اس بات کی فکر میں ہیں کہ کوئی ایسا رستہ ملے جس سے اصلی انسانی محبت قائم ہو ان کو یہی دکھائی دیتا ہے اور یہی سوجھتا ہے کہ اسکا سب سے پہلا عمل وہی سادہ زندگی ہے جو پہلے زمانہ کے لوگوں میں تھا۔ ترقی کا یہی بڑا اصول مہاتما گاندھی نے اختیار کیا ہے۔ مغرب کے سیاست داں اور تاریخ کا مطالعہ کرنیوالے بھی اب اسکو آہستہ آہستہ سمجھ رہے ہیں۔ مہاتما گاندھی نے حکومت اور تہذیب کے ان نقلی نمونوں کو دور پھینک دیا ہے اور سچائی کی زندگی دنیا میں دوبارہ ظاہر ہو رہی ہے اور یہی سبب ہے کہ مہاتما گاندھی ہندوستان کی نسلوں میں ایک نئی امید پیدا کرنے میں کامیاب ہوگئے ہیں کیونکہ قدیم زمانہ میں ہندوستانیوں کی زندگی قدرتی تھی اور سادہ تھی اور یہی ان کا پشتہا پشت کا سب سے بڑا خزانہ تھا۔ انھیں اس زندگی سے محبت تھی اور اس میں خوش تھے۔ کئی بار ان پر بیرونی حملے ہوئے لیکن یہ اپنی اُسی آن بان سے آباد تھے۔ یہ اپنے وطن کے ہر ایک سمندر اور پہاڑ سے سچی محبت رکھتے تھے، اور اسکی مٹی کو بھی مقدس مانتے تھے۔ لیکن مغرب سے جو بادشاہت آئی وہ اس ملک کو تباہی کی طرف لیگئی اور اسکی زندگی کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اس نے اس مقدس گھریلو کام پر بھی چوٹ لگائی جسکو چرخہ کہتے ہیں اور جسکے ذریعہ وہ اپنے کپڑے تیار کر لیا کرتے تھے۔ اسلئے مہاتما گاندھی موجودہ مشینوں کے ساتھ اپنی ساری طاقت سے جنگ کر رہے ہیں۔ جنوبی افریقہ میں جو ہالت سبرگ سے اکیس میل کے

فاصلہ پر ٹالسٹائی آشرم ہے۔ یہی مہاتما گاندھی کا پہلا میدان عمل ہے۔ مہاتما گاندھی جسوقت اس آشرم میں رہتے تھے اُسوقت ٹالسٹائی کے مضامین کا ان کی زندگی پر بڑا بھاری اثر پڑا تھا۔ یہ زندگی سادہ کھانے سادہ لباس پہننے اور اطمینان بخش خیالات میں مست رہنے کی وجہ سے فرشتوں کی مجلس جیسی زندگی تھی۔ مہاتما گاندھی جوان تھے اور جسم سے مضبوط تھے اور جو بانسبرگ کے اپنے بڑے مکان میں رہتے تھے وہ سب کیلئے کھلا رہتا تھا، اسوقت وہ وکالت کرتے تھے۔ اور بہت دولت کما چکے تھے لیکن یہ زندگی اُن کو بالکل بے مزہ اور بے لطف معلوم ہوئی۔ اس آشرم میں سب سے حیرت انگیز بات یہ تھی کہ انکے ساتھ جو اور اچھے تعلیم یافتہ اور آرام پسند لوگ رہتے تھے وہ یہاں ہل کدال اور پھاوڑہ لیکر کھیتوں میں کام کرتے تھے انہیں انہیں بڑا لطف آتا تھا اور اس کام سے وہ ہمیشہ روٹی کما کر کھاتے تھے۔ یہ لوگ ریل گاڑی اور دوسرے آرام کے طریقوں کو بُرا جانتے تھے، یہ لوگ ایک ہی دن میں جوہانسبرگ پیدل جاتے اور پیدل ہی واپس آجاتے تھے، مہاتما گاندھی جسمانی محنت میں سب سے بازی لیجاتے تھے۔ انہیں اب جو ریل اور موٹر میں سواری کرنی پڑتی ہے اس سے انھیں بہت دُکھ ہوتا ہے۔

اب دوسرے آشرم میں چلئے۔ یہ آشرم نٹال کے قریب فینکس میں مہاتما گاندھی نے قائم کیا ہے۔ میں اس آشرم میں بہت دنوں رہا ہوں۔ وہ دن میری زندگی میں نہایت لطف کے تھے اور مجھے وہ بار بار یاد آتے ہیں۔ یہ مقام ڈربن کے تجارتی شہر سے سولہ میل کے فاصلہ پر ہے۔ تھوڑے سے صاف ستھرے اور سادے گھر ہیں جن کے چاروں طرف کھلی زمین ہے جہاں کھیتی ہوتی ہے درمیان مکانوں میں لائبریری ہے جہاں بچوں کی تعلیم دیجاتی ہے پاس ہی پانی کا صاف شفاف چشمہ ہے۔ اسکے نزدیک دستی چھاپہ خانہ ہے، یہ اس فینکس آشرم کے بیرونی نظارہ کا نقشہ ہے۔ اس آشرم کے ایک منظر کا تذکرہ میں کرنا چاہتا ہوں جسکی خوبصورت تصویر میری آنکھوں کے سامنے سے کبھی دور نہیں ہو سکتی۔ رات کا وقت ہے کھانا پینا ہو چکا ہے ہم لوگ سب مہاتما جی کے اردگرد بیٹھے ہوئے ہیں۔ انکی گود میں ایک مسلمان بچہ سو رہا ہے۔ اس بچہ کو مہاتما جی نے اپنا بچہ سمجھ کر پالا ہے۔ اسکے نزدیک زولو[1] قوم کی ایک لڑکی ہے یہ لڑکی عیسائی ہے اور پہاڑیوں کی دوسری طرف ایک پادری مشن سے آئی ہے یہ فینکس آشرم کو اپنا گھر سمجھنے لگی ہے کیا نگ بھی وہاں موجود ہے اور دو چھوٹے ہندوستانی بچوں کو اپنے گھٹنوں پر لئے بیٹھے ہیں کیا نگ سے یہاں سب محبت کرتے ہیں شام کے وقت عبادت ہوتی ہے اور مہاتما خود اسکو شروع کرتے ہیں۔ سب لڑکے ملکر گجراتی بھجن گاتے ہیں اور آخر میں ہم سب ملکر Lead Kindly light گاتے ہیں جسکا مطلب یہ ہے کہ اے خدا ہماری رہنمائی کر۔ اور پھر سب سو جاتے ہیں۔ میں نٹال میں عیسائی گرجوں میں گیا ہوں جہاں اگر زولو لڑکی جاتی تو نکال دی جاتی۔ کیونکہ اسکا رنگ گورا نہیں بلکہ سیاہ تھا لیکن مہاتما جی کا آشرم شانتی اور بندگی کا آشرم تھا وہاں تمام انسانی

[1] زولو۔ جنوبی افریقہ کی ایک قوم ہے۔

قوم ایک بھی اور ذات پاک کے تمام جھگڑے اتحاد میں ڈوب گئے تھے۔ میں بڑی تیزی کے ساتھ تیسرے اشرم میں چلتا ہوں جو ہندوستان میں سابرمتی کا ستیہ آگرہ آشرم احمد آباد کے اس وسیع شہر کے نزدیک ہے جہاں مشین، کارخانے، بھاپ اور دھوئیں سے آدمی بے جان اور کمزور ہوگئے ہیں اور انکی زندگی مصنوعی ہوگئی ہے۔ احمد آباد اور اشرم میں کتنا فرق ہے، ایک گندہ شہر ہے جسکو مشینوں اور کارخانوں کے دھوئیں نے اور خراب کر دیا ہے اور کارخانوں میں کام کرنے والے مزدور کس طرح اپنے دن کاٹ رہے ہیں۔ دوسری طرف سابرمتی[1] کے خوبصورت کنارے پر اشرم میں کھڈیاں چل رہی ہیں ہر جگہ صفائی ہے اندر باہر کوئی نمائش نہیں۔ اس اشرم میں سوت کاتنے اور کپڑا بننے کا کام اعلیٰ پیمانہ پر ہوتا ہے۔ اس اشرم میں جو تعلیم دی جاتی ہے اسمیں گجراتی اور ہندی کی زبان میں بہت وقت خرچ کیا جاتا ہے۔ نظارہ تبدیل ہوا ہے۔ پرانی عظمتوں کی جگہ نئی عظمتیں آگئی ہیں لیکن باقی سب کچھ وہی ہے جو میں نے جنوبی افریقہ کی آشرموں میں دیکھا ہے۔ وہی انسانوں کی آپس میں محبت ہے وہی سادگی ہے۔ زندگی کا وہی معیار محنت ہے۔ کام میں مشغول رہنے اور عیش و عشرت سے بچنے کی وہی خواہش ہے۔ سابرمتی اشرم میں میں نے جو نظارہ دیکھا ہے وہ یہی ہے کہ مہاتما گاندھی بیٹھے ہوئے ہیں اور انکے ارد گرد سب بچے جمع ہیں اور سب کے سب کودتے اچھلتے ہنستے اور چلاتے ہیں، عجیب لطف ہے اور اسی لطف میں مہاتما جی مست ہیں۔

ہندوستان کو اب بھی یہ فخر ہے کہ اسکی سرزمین مہاتما گاندھی جیسے سورمے پیدا کرتی ہے

لالہ کشن چند زیبا ایک ذیل کا واقعہ حوالہ قلم فرماتے ہیں:-

فروری سنہ ۱۹۱۶ء میں لارڈ ہارڈنگ وائسرائے ہند بنارس ہندو یونیورسٹی کا سنگ بنیاد رکھنے کے لئے بنارس تشریف لائے۔ اس تقریب میں ایک شاندار جلسہ منعقد ہوا، اس میں بڑے بڑے لیڈروں کے علاوہ ہندوستان کے راجگان بھی شامل ہوئے۔ مشاہیر کی تقاریر کے بعد مہاتما گاندھی سے بھی استدعا کی گئی کہ وہ بھی اظہار خیال کریں۔ آپنے پہلے تو معذرت چاہی لیکن سب کے اصرار پر آپ کو تقریر کرنی پڑی تھا۔ آپ نے فرمایا:-

بڑی شرم کی بات ہے کہ مجھے آپکے سامنے انگریزی میں تقریر کرنی پڑی۔ ہندوستان میں انگریزی زبان کے ذریعہ تعلیم دیجاتی ہے جس سے ہمارا ملک پستی کی طرف جارہا ہے۔ اگر گذشتہ پچاس سال سے ہم لوگوں کو ہماری زبان میں تعلیم دی جاتی تو ہم اپنے مقصد کے قریب پہونچ گئے ہوتے۔ بنارس جیسی مقدس

[1] سابرمتی دریا ہے جو شہر احمد آباد کے قریب بہتا ہے۔

سرزمین پر ہندوستان کے ہردل عزیز وائسرائے تشریف لائیں اور ان کی حفاظت جان کے لئے اتنا بڑا انتظام کیا جائے۔ یہ کیسے شرم کی بات ہے۔ خونریزی کے ذریعہ پھانسی پر لٹکنا کوئی عزت کی موت نہیں اور دھرم شاستر کے خلاف ہے۔ جن لوگوں کا خیال ہے کہ اگر بنگال میں بم نہ چلتے تو بنگال کا ٹکڑا بنگال سے پیوستہ ہوتا پارٹیشن بنگال منسوخ نہ ہوتی۔

کانگریس اور لیگ ہندوستان کے سوراج کا خاکہ کاغذ کے پرزوں پر تیار کر رہے ہیں ان کا پہلا کام یہ ہے کہ وہ خود سوراج کے قابل نہیں۔

جب ہم مندروں دیو استھانوں اور اپنے گھروں کو ہی پاک وصاف نہیں رکھ سکتے تو ہم ملک پر کیسے حکومت کر سکینگے (راجگان کی طرف اشارہ کرکے) آج اس جلسہ میں ہندوستان کی اصلی حالت سے ناواقف اگر کوئی غیر ممالک کا باشندہ یہاں آکر ان زیورات سے محبت کرنے والوں کو دیکھے تو اسے کیا اثر ہوگا۔ وہ یہی خیال دل میں لیکر یہاں سے جائیگا کہ ہندوستان کی برابر دنیا میں کوئی دوسرا ملک دولتمند نہیں کیونکہ راجگان اپنے جسموں کو قیمتی جواہرات سے آراستہ کئے ہوئے ہیں۔ جب تک ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو جائیں اور سوراجیہ حاصل نہ کرلیں تب تک ان قیمتی جواہر کے خزانوں کو ہندوستانی رعایا کی حفاظت میں چھوڑ دینا چاہیئے۔ جاپان کے دولتمند لوگوں نے اس زمین اور جواہرات کو جن کو وہ پشتہا پشت سے اپنے عیش آرام میں استعمال کر رہے تھے ملک کی ضرورت کے لئے دیدیا تھا"

پارٹیشن آف بنگال کے تذکرے پر مسز اینی بیسنٹ نے صدر سے کہا کہ مہاتما جی کی تقریر کو روکدیا جائے لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ الغرض کھری کھری باتیں سنکر بہت سے لوگ آگ بگولا ہو گئے۔

اینی بیسنٹ راجگان کے ساتھ کانا پھوسی کرتی ہوئی باہر چلدیں اور راجگان ایک ایک کرکے جلسہ سے چلدئے۔ خود مہاراجہ دربھنگہ جو اس جلسہ کے صدر تھے کرسی صدارت چھوڑ کر چلتے بنے۔ مہاتما گاندھی سوائے اسکے کہ اپنے ملک کی حالت پر افسوس کرکے رہ جاتے اور کیا کر سکتے تھے۔

ہندوستان خواہ ترقی کی سب سے بلند چوٹی پر چڑھ جائے یا پستی کی طرف چلا جائے لیکن اس سرزمین کو اب بھی یہ فخر حاصل ہے کہ مہاتما گاندھی جیسے سوریر پیدا کرتی ہے۔

جو کام میرے لئے خراب ہے وہ ایک بھنگی کے لئے بھی خراب ہے

مسٹر ڈبلیو پیرسن تحریر فرماتے ہیں:

میں مسٹر گاندھی سے ۱۹۱۲ء میں جنوبی افریقہ میں ملا تھا اس وقت وہ گورنمنٹ کے خاموش مقابلہ

میں ہندوستانیوں کے راہ نما تھے اور جیل سے رہا کیے گئے تھے۔ مجھکو اُن کے درشن کا پہلا نظارہ یاد ہے جسوقت ہمارا جہاز سمندر کے کنارے پر آیا آپ اُسوقت ہندوستانیوں کے درمیان کھڑے ہوئے تھے۔ پوشاک گھر کے بنے ہوئے سادہ کپڑے کی تھی۔ سر اور پاؤں ننگے تھے۔ جب کوئی آپ سے ملتا ہے تو آپ کا چہرہ محبت سے لبریز ہوجاتا ہے۔ میں نے آپ کو گنّوں کے کھیتوں میں قلیوں کی طرح کام کرتے دیکھا۔ اسوقت مجھے فرانسس کی یاد آگئی۔ جب کبھی آپ کو ریل کے سفر کا موقع ہوتا ہے تو آپ عام لوگوں کی طرح تیسرے درجہ میں سوار ہوتے ہیں۔ اگر سفر ضروری نہ ہو تو پیدل چلنا بہتر سمجھتے ہیں۔ جنوبی افریقہ میں ایک کمیشن ہندوستانیوں کی تکالیف کی تحقیقات کے لئے مقرر ہوا۔ آپ نے اس میں شہادت دینے سے صاف انکار کر دیا کیونکہ اسکے ممبر ہندوستانیوں کے مشورے سے انتخاب نہیں ہوئے تھے۔ مسٹر گوکھلے جن کے دل میں مہاتماجی کی بڑی عزت تھی وہ برابر تار پر تار دے رہے تھے کہ شہادت نہ دینا ہندوستانیوں کے مطالبہ کی کمزوری ہے لیکن آپ اپنے ارادہ پر مستقل رہے۔ آپکا یقین تھا کہ ہندوستانیوں کے مشورہ کے بغیر کمیشن مقرر کرنا جسکو ان کے حقوق کا فیصلہ کرنا ہے۔ ہندوستانیوں کی توہین کرنا ہے۔ سنہ ۱۹۱۲ء میں جب جنوبی افریقہ کی گورنمنٹ کے خلاف گوروں کی ہڑتال شروع ہوگئی آپنے اپنا کام ملتوی کر دیا اسلئے کہ جب تک گورنمنٹ گوروں کے مطالبات سے فارغ نہ ہولے۔ ہمیں گورنمنٹ کو پریشان نہیں کرنا چاہئے۔ جنرل اسمٹس اس بہادری کی تعریف کرنے لگے گو وہ اسکو سیاسی چال سمجھتے تھے۔

جانسبرگ میں مسٹر گاندھی کی وکالت اچھی چلتی تھی اور سالانہ آمدنی پندرہ ہزار ڈالر کے قریب تھی لیکن ہموطنوں کے مصائب کا حال سنکر آپ نے وکالت ترک کر دی اور جتنی دولت جمع تھی وہ فنیکس ڈربن کے نزدیک ایک گاؤں آباد کرنے میں خرچ کردی۔ جہاں لوگ آرام کی سادہ زندگی بسر کرسکیں۔ آپنے کہا کہ غریبی کی زندگی مجھے ہموطنوں کی خدمت کے لئے پوری آزادی مہیا کرے گی۔ میں آپ کے آشرم میں گیا وہاں ہر اک کو دستکر کے لئے کچھ کام کرنا پڑتا تھا، آپ کا خاص وصف وہاں اوروں کی نسبت زیادہ کام کرنا تھا میں نے کئی دفعہ اعتراض کیا کہ آپ اتنی ملکی ذمہ داریوں کے باوجود بھی اپنا قیمتی وقت خدمتگاروں والے کام میں خرچ کر دیتے ہیں۔ مسٹر گوکھلے نے فنیکس میں آپ کو معمولی کام کرتے اور جھاڑو دیتے ہوئے دیکھا اور کئی دفعہ مذاقیہ اس کا ذکر کیا۔ آپنے کہا جو کام کرنا ہے کرنا ہے۔ اس میں اونچ نیچ کا کوئی سوال نہیں۔ جو کام میرے لئے خراب ہے وہ ایک بھنگی کے لئے بھی خراب ہے۔ جیسا وہ آدمی ہے ویسا ہی میں ہوں یہ ہے عملی زندگی! جس قربانی کے لئے وہ دوسروں کو کہتے ہیں اسکے لئے وہ سب سے پہلے خود تیار ہوتے ہیں۔ یہ ہے اخلاقی طاقت اور صداقت کا راز جسکی ایک طرف دنیا کی سب سے بڑی بادشاہی ہے۔ اور دوسری طرف یہ ہستی۔

مہاتما گاندھی کو یقین تھا کہ پاخانہ صاف کرنے سے اعلیٰ اور کوئی کام نہیں ہے

مسٹر مارٹن و مسٹر کارڈن امریکہ کے دو مشہور مصنف و مضمون نگار تحریر فرماتے ہیں:-

دو سال پہلے ہماری مہاتما گاندھی سے لاہور میں ملاقات ہوئی تھی وہ ایک چھوٹے سے کمرے میں علالت طبع کی وجہ سے آرام کر رہے تھے، چند مرد و عورتیں ان کی خدمت میں مصروف تھیں۔ ہمیں دیکھ کر انھوں نے نہایت خوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے ہمیں خوش آمدید کہا۔ ان کو دیکھ کر ہمیں مایوسی ہوئی تقریباً دس منٹ تک ہم لوگ حیرت سے سوچتے رہے کہ اس مہاتما کے جسم میں ایسی کونسی چیز ہے جو کہ تیس کروڑ ہندوستانیوں کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔ ساتھ کے کمرے میں بیٹھ کر اگر مہاتما جی کی انگریزی زبان میں تقریر بالفاظ سنی جائے تو ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ کسی کو یہ خیال بھی نہ ہوگا کہ یہ ہندوستانی ہیں۔ آپ کی امن پسندی شہرۂ آفاق ہے۔ آپ وکالت کے زمانہ میں بھی کبھی جھوٹ نہیں بولتے تھے۔ اسی وجہ سے ایک وکیل سب ان کی بات کو بڑی غور سے سنا کرتے تھے۔ دوران مقدمہ میں اگر ان کو ذرا بھی شک ہو جاتا کہ میرے موکل نے مجھے جھوٹ بتایا ہے تو آپ مقدمہ کو درمیان ہی میں چھوڑ کر چلے جاتے۔ آپ غیر معمولی طور پر ذہانت ہیں، بات کرتے وقت آپ نہایت نرم اور شیریں الفاظ کا استعمال کرتے ہیں، آپ خوش مزاج بھی ہیں۔ آپ نہایت منکسر المزاج اور پاکیزہ خیال ہیں، آپ کو اپنی عظمت اور برتری کا ذرا بھی گمان نہیں۔

جنوبی افریقہ میں ۱۹۰۲ء میں آپ کو ایک پٹھان نے سخت مجروح کیا لیکن آپ نے اس کے خلاف مقدمہ چلانا منظور نہ کیا۔ اس سے آپ کو بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ اگلے سال اس پٹھان نے مہاتما جی کو مطلع کیا کہ میں آپ کا پیرو کار ہو گیا ہوں میں آپ کی تعمیل میں سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔ آپ کا فرمان ہے کہ دشمنوں سے بھی اچھا برتاؤ کرو، میں اس پر عمل کرتا ہوں۔ دس منٹ کی گفتگو میں مہاتما جی ہمیں بہت عزیز ہو گئے اور ہم ان کے دام محبت میں مکمل طور پر پھنس گئے۔ ہم لوگ مہاتما جی سے رخصت ہو کر اپنے بنگلہ پر واپس آئے تو ہمارے لئے تمام دنیا بدلی ہوئی دکھائی دینے لگی۔ ہم پر یہ بات آشکارا ہوئی کہ ہم درحقیقت ایک اور ہی چیز ہیں۔ لاہور میں ہم کو بجز مہاتما جی کے اور کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ ہم کو اس مہاتما نے اتنا فریفتہ کر لیا کہ ہم لوگ بالکل بے خبر ہو گئے تھے زندگی میں ایسا حسب عمل کرنے والا [illegible] نہیں ملا۔ مہاتما جی جب افریقہ [illegible] جیل میں گئے تب ایک جیلر آپ کے پاس [illegible] پاخانہ صاف کرنے کے لئے آپ کے [illegible] قیدیوں میں [illegible] آدمی [illegible] مہاتما جی [illegible] کے لئے تیار ہو گئے [illegible] یقین تھا کہ اس

اعلیٰ کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ ہم لوگ مکمل طور پر مہاتما جی کے جادو کے زیر اثر آ گئے ہیں۔ ہمیں نہیں سوجھتا کہ آپکے استقلال کی کتنی وقعت اور کن الفاظ میں تعریف کی جائے۔ واقعی آپ ہر ایک انسان کے لئے قابل رشک ہیں۔ ہم لوگوں کو یہ بھی قدرتی خواہش ہے کہ ہمیں بھی پر ماتما آپکی طرح عقل عطا کرے۔

مہاتما گاندھی آشرم کے بیلوں کیلئے دانہ دَل رہے ہیں کیونکہ وہ کسیکو ایسے کام کیلئے نہیں کہتے جسکو کہ وُہ خود نہیں کرتے

ڈاکٹر ستیہ پال تحریر فرماتے ہیں:۔

احمد آباد کے قریب دریائے سابرمتی بہ رہا ہے، صاف شفاف پانی ہے، موجوں کی روانی سے ایک ایسا راگ پیدا ہو رہا ہے جو شہر میں آنے جانے والوں کو مست کر دیتا ہے۔ شاید اسی دل لبھانے والے گیت کی آرزو میں قدیم زمانہ کے رشیوں اور مہاتماؤں نے اپنے آشرم اپنی کٹیا دریاؤں کے کنارے بنائی تھیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ دریا متبرک قرار دیئے گئے ہیں۔ تھکا ماندہ مسافر جب دریا کے کنارے پہونچ جاتا ہے تو ٹھنڈی ہوا اسکی گرمی دور کر دیتی ہے۔ ٹھنڈا پانی اسکی پیاس کو بجھاتا ہے اور موجوں کی روانی کی سریلی آواز اسکے دل کو راحت دیتی ہے، وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں جنت میں آ گیا ہوں۔ پرانے زمانہ کے رشیوں کی تقلید میں اس صدی کے مہاتما نے بھی سابرمتی کے کنارے اپنی کٹیا بنائی ہے اور تھوڑے فاصلہ پر ایک آشرم بنایا ہے۔ آشرم کیا ہے ایک تپوبن ہے، ایک ریاضت گاہ ہے جہمیں قوم کے نوجوان قوم کی خدمت کے لئے تیار کئے جاتے ہیں۔ یہاں سادہ زندگی اور بلند خیالات کی تعلیم دی جاتی ہے۔

صبح کے چار بجے ہیں، آشرم کی گھنٹی ہو چکی ہے، تمام ودیارتھی اشرم نواسی بستر چھوڑ چکے ہیں۔ ضروریات سے فارغ ہو کر کچھ لوگ اشرم کی صفائی میں لگ گئے ہیں۔ اشرم کی صفائی کی یہ کیفیت ہے کہ محل بھی اسکے آگے ماند ہے۔ کیا مجال ہے کہیں تنکا نظر آجائے۔ یہ صفائی نوکروں سے ممکن نہیں ہے چونکہ یہ فرض ان ہستیوں کے سپرد ہے جو کہ دلی شوق سے اس خدمت کو انجام دیتے ہیں اسلئے ایسی صفائی نظر آتی ہے۔ کیسا بھلا معلوم ہوتا ہے اعلیٰ خاندان کے نور نظر تعلیمیافتہ نوجوان خود جھاڑو لگا رہے ہیں اور انکے ماتھے پر شکن نہیں۔ جبتک ہم میں اسقدر عجز انکسار پیدا نہیں ہوتا اور ہر قسم کی خدمت کے لئے تیار نہیں ہوتے تب تک ہمارا بیڑا پار نہیں ہو سکتا۔ ادھر دیکھئے۔ چند نوجوان اپنے کندھوں پر پانی بھر کر لا رہے ہیں، سارے آشرم میں جو خدمت جسکے سپرد ہے کس شوق سے کر رہے ہیں ایک دوسرے سے مستعدی اور ہمت میں سبقت لے رہا ہے۔ ہمارے شہری کالجوں کے لڑکوں کی یہ کیفیت ہے کہ انکی میز سے اگر پنسل گر جائے تو وہ نوکر کو آواز دیتے ہیں کہ وہ آکر میز پر رکھ جائے۔ ایسے نوجوانوں سے

کبھی ہندوستان کا بھلا ہو سکتا ہے جب تک ریاضت اور مشقت کرنا نہیں سیکھتے وہ سوراج کی جنگ میں کارآمد سپاہی نہیں بن سکتے۔ صبح کے کاروبار سے فارغ ہوکر اشرم میں سب ایک جگہ جمع ہو گئے ہیں۔ یہ وقت پرارتھنا اور دعا کا ہے، آشرم کا سب سے دلکش یہی نظارہ ہے، چھوٹے بڑے سب ایک جگہ موجود ہیں۔ گیتا کے تیسرے ادھیائے کا نہایت پریم اور دلی شردھا سے پاٹھ کیا جا رہا ہے ہر ایک کے دل میں سچی عقیدت اور محبت ہے۔ ماتر بھومی کی سوتنترتا، وطن کی آزادی، ہندوستان میں اپنا راج بھارت درشن میں سوراج، ہندو مسلم اتحاد کے لئے پرارتھنا کی جاتی ہے۔ ہندوستانیوں کی حالت بہتر بنانے کے لئے پرمیشر سے استدعا کی جاتی ہے۔ ہندوستانیوں کے جسم، انکے دل، انکی آتمائیں مضبوط ہوں، اسکے لئے پرمیشر کے آگے سوال کیا جاتا ہے۔ پرمیشر کے گن گائے جاتے ہیں، پرمیشر کی تعریف کی جاتی ہے۔ اس وقت ایک عجیب لطف ہوتا ہے، عجیب بہار ہوتی ہے جس سے مردہ دل بھی تازہ ہو جاتے ہیں۔ دوپہر کے بارہ بج چکے ہیں سب اپنے اپنے کام میں مصروف ہیں، کوئی چرخہ کات رہا ہے، کوئی روئی دھنک رہا ہے، کوئی اور کسی کام میں لگا ہوا ہے، سامنے ایک چھوٹی سی کوٹھری میں مہاتما گاندھی آشرم کے بیلوں کے لئے دانہ دل رہے ہیں، مہاتما جی چکی چلا رہے ہیں، چہرہ پر جلال ہے اور اپنے خیالات میں محو ہیں، مہاتما جی کا جسم گو کمزور ہے لیکن وہ اپنے فرض کو نہایت اچھی طرح نبھا رہے ہیں۔ اشرم کا سردار اگر اشرم کے قواعد کی خلاف ورزی کرے تو پھر اوروں سے کیا توقع ہو سکتی ہے۔ مہاتما جی کی زندگی کا ایک یہی اعلیٰ ترین اصول ہے۔ وہ کسی کو ایسا کام کرنے کے لئے نہیں کہتے جسکو وہ خود نہیں کرتے۔ اسلئے اُن کے اُپدیشوں کا اثر بھی بہت زیادہ ہوتا ہے۔ دو انگریز مہاتما جی کی شہرت سنکر ان کے درشنوں کے لئے بڑی دور سے اشرم میں آئے ہیں۔ انھوں نے اشرم کے ایک کلرک سے کہا کہ وہ مہاتما جی کی ملاقات کے بہت آرزومند ہیں۔ کلرک نے کہا مہاتما جی اسوقت کام کر رہے ہیں، اس وقت وہ کسی سے نہیں مل سکتے، شام کے پانچ بجے بعد ملاقات ہو سکتی ہے انگریز یہ سنکر دنگ رہ گئے، کیونکہ انھوں نے سنا تھا کہ ہندوستانی انگریز کا نام سنکر استقبال کے لئے دوڑ کر آتے ہیں اور یہاں یہ جواب ملا کہ ملاقات کی فرصت نہیں۔ انھوں نے کلرک سے کہا کہ مہاتما جی کے پاس پیغام پہونچا دے۔ کلرک مہاتما جی کی خدمت میں حاضر ہوا، مہاتما جی اپنے خیال میں مست تھے۔ ہاتھ سے چکی چلا رہے تھے لیکن دماغ میں سوراج کے خیالات چکر لگا رہے تھے، کلرک کو اتنی جرات کہاں کہ وہ انکی توجہ اپنی طرف کھینچ سکے، آخر مہاتما جی کی نظر اسپر پڑی اور دریافت کرنے پر کلرک نے عرض کیا کہ دو انگریز آپ کی خدمت میں آئے ہیں اور آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ مہاتما جی نے کہا کیا تمھیں معلوم نہیں ہے کہ میں اسوقت کسی سے ملاقات نہیں کرتا، اُن سے جاکر کہدو میں اسوقت نہیں مل سکتا۔ کلرک یہ جواب لیکر انگریزوں کے پاس گیا، وہ سنکر حیران رہ گئے۔ انھوں نے کلرک سے

کاغذ قلم لیکر اپنا نام، پتہ اور مقصد تحریر کیا اور کلارک کو کہا کہ وہ اسکو مہاتما جی کے پاس پہونچا دے
کلارک خط لیکر مہاتما جی کے پاس گیا، مہاتما جی نے کہا کہ انہیں فرصت نہیں کہ وہ اس خط کو پڑھ سکیں، آخر کلارک نے
خط پڑھ کر سنایا، جب مہاتما جی کو معلوم ہوا کہ انھیں کوئی ضروری کام ہے، اور وہ پانچ بجے احمد آباد کو چھوڑنے
والے ہیں اور جس جہاز میں ان کو سوار ہونا ہے وہ بمبئی سے جلد جانیوالا ہے اسلئے ان کا احمد آباد آشرم میں
ٹھہرنا ناممکن ہے، اس خط میں ان انگریزوں نے نہایت عاجزی کے ساتھ مہاتما جی سے درخواست کی تھی کہ
وہ انھیں ملنے کا ضرور موقع دیں ورنہ انکو حسرت رہ جائیگی کہ وہ ہندوستان کے بے تاج بادشاہ کی زیارت نہ
کرسکے۔ مہاتما جی کا دل متاثر ہوا، اور انہوں نے کلارک کو حکم دیا کہ دو دو اینٹیں ان کی کوٹھری کی دہلیز کے
قریب رکھدے کہ جبپر وہ انگریز آکر بیٹھ جائیں اور ملاقات کے لئے ان دونوں انگریزوں کو بلا بھیجا جنھوں نے
بارہا بادشاہوں سے ملاقات کی ہوگی اور جو دنیا میں اکثر نامور آدمیوں سے ملے ہونگے، آج اس لنگوٹ بند
فقیر کے دیدار کے مشتاق ہیں کہ ملاقات کی اجازت ملتے ہی سرتاپا شوق نہایت تیزی سے مہاتما جی کی کوٹھری
کے پاس پہونچ گئے۔ مہاتما جی نے ان کو اینٹوں پر بیٹھنے کے لئے کہا اور گفتگو شروع ہوگئی اور چکی چلتی رہی۔
مہاتما جی نے ایک لمحہ کے لئے بھی چکی چلانا بند نہیں کیا اور اپنے کام میں لگے رہے اور باتیں کرتے رہے
ہندوستان کی قدیم سلطنت، انگریزوں کا طرز حکومت، ان کے مظالم اور ہندوستان کی مشکلات اور
اسکی دردناک حالت، سب مضامین پر مفصل گفتگو ہوتی رہی۔ مہاتما جی گفتگو میں بہت ماہر ہیں اور دوسرے
پر ان کے کلام کا نہایت عمدہ اثر پڑتا ہے، مخاطب کو قائل کرنے میں انہیں خاص قدرت حاصل ہے ان انگریزوں
کے دل پر مہاتما جی کی بات کا بہت اچھا اثر ہوا، ان کو معلوم ہوا کہ ہندوستان کی کیا حالت ہورہی ہے
تینتیس ۳۳ کروڑ انسانوں کو کس طرح ذلیل خوار کیا جارہا ہے اور کس طرح ان کی ان کے وطن میں بے عزتی کی جاتی
ہے۔ ان انگریزوں کو ہندوستان کے حالات کا کچھ اندازہ ہوا، اخبارات اور کتب کے ذریعہ ہندوستانیوں کے
متعلق جو خیالات ذہن نشین تھے اسمیں کچھ اصلاح ہوئی، گفتگو ختم ہوگی اور مہاتما جی سے نہایت ادب کے ساتھ اجازت
طلب کی اور رخصت ہوئے۔

احمد آباد کے کارخانوں کے مزدور فاقہ مستی سے تنگ آ گئے ہیں اور مہاتما گاندھی بھی انکے ساتھ فاقہ کرتا ہے!

اخبار انڈس لنڈن مہاتما گاندھی کی تصویر ذیل کے مضمون کے ساتھ شائع کرتا ہے:-

یہ لنڈن کے ایک طالب علم کا فوٹو ہے۔ روح وہی ہے لیکن ظاہری حالت اس قدر تبدیل ہوگئی ہے
کہ شناخت کرنا مشکل ہے۔ آج کل ایک دبلے پتلے جسم پر جو آئے دن کے برت اور فاقوں سے زار و نحیف ہوگیا

ہے۔ برف کی طرح سفید ہاتھ کا بنا ہوا لباس ہے، کاش کہ ان کا لباس گیروا ہوتا کیونکہ ان سے بڑھ کر گیروا لباس پہننے کا ہندوستان میں کون مستحق ہے لیکن انھیں سفید لباس پسند ہے خیر اسکا مضائقہ نہیں۔ چند سال ہوئے ایک انگریز نے مہاتما جی سے کہا تھا کہ اکثر انتہائی مذہبی آدمیوں سے میں ملا ہوں ان کو میں نے در پردہ اہل سیاست پایا اور میں جو کہ ایک اہل سیاست کا لباس پہنتا ہوں دل سے مذہبی آدمی ہوں۔ آج ہندوستان نے مہاتما کو انکے سفید لباس میں پہچان لیا ہے اور آئندہ زمانہ کے مورخ اس واقعہ کو ہندوستان کی تاریخ کے طور پر رقم کرینگے کیراستہ آگرہ کی مہم کے بعد ان کے ایک پیرو نے کہا کہ مہاتما جی میرے گرو ہیں مگر مہاتما جی نے کہا کہ میں اس لقب کے لائق نہیں ہوں اور فرمایا کہ ایک بات جو سب سے زیادہ میرے لئے رنجیدہ ہوسکتی ہے یہ ہے کہ جو شخص اپنے تئیں میرا چیلا بیان کرے اسکے کام میری توقع سے کم ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ میں اس رنج سے محفوظ رہوں اسلئے میں درخواست کرتا ہوں کہ اس سے پہلے کہ تم یہ کہو کہ فلاں شخص کے چیلے ہو اسپر دس لاکھ مرتبہ غور کرلو۔ مہاتما گاندھی کی ماتحتی میں جنوبی افریقہ میں جو ہندوستانیوں نے باعزت فتح حاصل کی ہے ایسی فتح ہندوستانیوں کو کسی برٹش جنرل کی ماتحتی میں کسی جگہ حاصل نہیں ہوئی، وہ فتح اس امر کی دلیل ہے کہ وہ اپنے ملک میں بھی فتحمند ہوں گے۔ مہاتما گاندھی وطن میں آکر ایک غریب کسان کی طرح کاشت کرتے ہیں تاکہ جہاں کہیں کاشتکاروں کو کچھ شکایت ہو اسکو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔۔ وہ کہتے ہیں کہ بیگار اور محاصل بیجا کا خاتمہ ہونا چاہئے۔ آخر میں انھوں نے انگریزوں سے دل کی تبدیلی کا مطالبہ کیا اور کہا کہ بغیر اسکے اصلاحات کے کچھ معنی نہ ہونگے۔ افسروں کی حماقت سے چمپارن اور کیرا کے واقعات ہندوستان کی تاریخ میں سنگ نشان بنگئے ہیں اور ہندوستان کے مزدوروں میں بیداری پیدا ہوگئی ہے اور وہ ان کا وہی پرانا دوست ہے جو جنوبی افریقہ سے آیا ہے۔ اور اسکے کام کے طریقے بھی وہی ہیں۔ احمد آباد کے کارخانوں کے مزدور فاقہ مستی سے تنگ آجاتے ہیں مہاتما گاندھی بھی ان کے ساتھ فاقہ کرتا ہے۔ آخر کار کارخانوں کے مالک جھک جاتے ہیں۔ وہ ملک مبارک ہے جہاں سرمایہ دار اسقدر رقیق القلب ہیں اور اسی وجہ سے مہاتما جی کا دعویٰ ہے کہ ہندوستان ہی ایسا ملک ہے جہاں خاموش مقابلہ پایۂ تکمیل تک پہونچ سکتا ہے۔

جب وہ ان جوتیوں کو پہنکر چلتا ہے تو لاکھوں آدمی اسکی عقیدت کا اظہار کرتے ہیں!

ذیل کا خط[1] رسالہ اٹیلانٹک امریکہ میں شائع ہوا

کیا بلا تھی نگہ ہوشربا ساقی کی   اٹھ گئی آنکھ تو کوسوں کوئی ہشیار نہ تھا

[1] یہ چٹھی اس اخبار میں مئی ۱۹۲۹ء میں شائع ہوئی جو کہ ایک امریکن نوجوان کے قلم سے اپنی والدہ کے نام ہندوستان سے ۱۰ اکتوبر کو لکھی گئی۔ یہ امریکن ایک گجراتی ریاست میں اتالیق تھا۔

میری پیاری اماں — آج میں نے مہاتما گاندھی کے درشن کئے ہیں اور آپ کی خدمت میں مشاہدات تحریر کرتا ہوں۔ میں آج سہ پہر کو مکان واپس آرہا تھا۔ میں نے دروازہ کے سامنے ایک گاڑی کھڑی دیکھی۔ میں نے دربان سے پوچھا کون صاحب تشریف لے جارہے ہیں؟ ملازم نے جواب دیا مہاتما جی تشریف لائے ہیں۔ میں نے ڈیوڑھی میں بہت سی جوتیاں دیکھیں جس سے معلوم ہوتا تھا کہ درشن کیلئے بہت سے اصحاب آئے ہوئے ہیں۔ میں نے ایک قیمتی پاپوش کی طرف اشارہ کرکے دربان سے کہا کہ یہ مہاتما جی کی ہیں؟ دربان جو میرے پیچھے پیچھے آرہا تھا کہنے لگا کہ غلط ہے پھر بڑے ادب سے اس نے ایک چھوٹی سی پرانی جوتی کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ یہ مہاتما جی کی ہیں۔ سچ مچ یہ ایک معجزہ تھا کیونکہ جہاں کہیں ان جوتیوں کا مالک ان کو پہن کر چلتا ہے ہزاروں اور لاکھوں آدمی اسکی عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔ میں جلدی اپنا فوٹو کا کیمرہ لینے کے لئے دوڑا، اور اسکو لیکر اندر داخل ہوا۔ میں نے دیکھا کہ مہاتما جی بڑے کمرے میں ایک اونچی جگہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ پاس ہی دیوی بھارتی بیٹھی ہوئی ہیں۔ پہلی دفعہ میں مہاتما جی کو دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔ آپ کی شکل نے اتنا اثر نہ کیا جتنا آپکے لباس نے۔ ایک صاف شفاف قرانگ روم میں دنیا کا سب سے بڑا لیڈر بیٹھا ہوا تھا۔ آپ کے میزبان پورے انگریزی پوشاک میں ملبوس تھے اور مہاتما جی سفید رنگ کے کھدر کی بنی ہوئی قمیص پہنے ہوئے تھے۔ آپ کا سارا لباس غریب آدمیوں کی طرح تھا جسکا یہ مطلب ہے کہ زیادہ کپڑے صحت کے لئے ضروری نہیں اور نیز آپ یہ بھی ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ بھارت ورش بدیشی کپڑے کی مدد کے بغیر اپنی ضرورت پوری کرسکتا ہے۔ آپ ننگے بازو اور پاؤں پھرتے دُبلے پتلے تھے۔ اور آپ کی ساری شکل و شباہت انتہا درجہ کی فقیرانہ تھی، آپ ڈبل روٹی اور پھلوں پر گزارہ کرتے ہیں اور خوراک مقدار میں کم کھاتے ہیں۔ میرے خیال میں آپ کا چہرہ بڑا غیر معمولی ہے آپکا سر خوش وضع ہے اور آپکے سر کے بال کٹے ہوئے ہیں اور سفیدی مائل ہیں۔ آپ کی ناک نوکدار ہے۔ اور مونچھیں گنجان ہیں، ٹھوڑی اعلیٰ ہے۔ میں نے خیال کیا کہ آپ کا اوپر کا دھڑ جولیس سیزر[1] کے مشابہ ہے۔ اسکے بعد مجھے شک گذرا کہ آپ ہوڈن کی تصویر کے اُس ہنستے ہوئے مجسمہ سے ملتے ہیں جو کہ والٹیئر نے کھینچی ہے۔ مہاتما جی اکثر ہنستے رہتے ہیں۔ آپ کے چہرہ پر اتنی جھریاں پڑی رہتی ہیں کہ اکثر آپ کا منہ نظر سے اوجھل ہوجاتا ہے، آپکا چہرہ کشش کی بڑی طاقت رکھتا ہے لیکن میں یہ پورے طور پر فیصلہ نہ کرسکا کہ میں نے آپکو دیکھا تھا کہ نہیں۔ اتنے میں ایک پانچ سالہ بچہ وہاں آنکلا۔ ماتا اسے لیکر آئی اور مہاتما جی کے آگے بٹھادیا۔ میں اس امر کے جاننے کا خواہاں تھا کہ کس طرح یہ ننگا سنیاسی اسے سنبھال سکیگا۔ مجھے اسوقت یہ بات یاد نہ رہی کہ مہاتما کے یہاں بھی بال بچے ہیں۔ آپ نے بچہ کو اچھی طرح سنبھال لیا۔ اسکے سر کو ہلایا اور دیر تک اسے اٹھائے رکھا۔ آپ بچہ کو کھلاتے ہوئے بہت ہی خوش تھے اور بچہ بھی بڑا

---

[1] روم کا مشہور فرمانروا

راضی تھا، یہ نظارہ بڑا دل کش تھا، کیونکہ مہاتما جی کے چہرہ سے محبت ٹپکتی تھی۔ کئی دفعہ ماتا نے اسے لینے کی کوشش کی لیکن مہاتما جی نے اُسے اپنے پاس رکھا اور اس سے ہنس ہنسکر باتیں کرتے رہے۔ مہاتما جی اس بات کو سنکر بہت خوش ہوئے کہ میں کوئیکر فرقہ سے تعلق رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا جنوبی افریقہ میں کئی کوئیکر میرے دوست ہیں۔ ایک صاحب ایسے تھے کہ جو مجھے عیسائی بنانے کے لئے کتابیں دیا کرتے تھے جب سیاسیات کا ذکر چلا تو میں نے پوچھا کہ آپ کے خیال میں آئرلینڈ اور ہندوستان کے مسائل یکساں ہی حیثیت رکھتے ہیں؟ آپ نے کہا یہ بات نہیں ہے۔ انگلستان آئرلینڈ سے مالی فائدہ اٹھانا نہیں چاہتا آئرلینڈ کی اُسے اسلئے ضرورت ہے کہ اسکے ساتھ اُسکا جغرافیائی تعلق ہے۔ انگلستان اپنے دروازہ کے پاس ایک آزاد اور خود مختار ملک کی منظوری نہیں دیسکتا لیکن ہندوستان میں قومی سوال ہے۔ آئرلینڈ میں ایسا نہیں ہے۔ اگر آپ آئرلینڈ کے کسی باشندے سے غیر ملک میں ملیں مثلاً جنوبی افریقہ میں تو آپ اُس کے دوست بن جاتے ہیں اور اسکے ساتھ عزت کا سلوک کرتے ہیں لیکن میرا ذاتی تجربہ ہے کہ آپ جنوبی افریقہ میں ایک ہندوستانی سے ایسا سلوک نہیں کرتے۔ میں نے پوچھا کہ کیا اس قومی امتیاز کے سوال کو نظر انداز کرنا ممکن نہیں ہے؟ اگر آدمی پرماتما کو اپنا باپ سمجھے تو کیا اسکا لازمی نتیجہ یہ نہیں ہے کہ وہ ہر ایک کو اپنا بھائی سمجھے؟ مہاتما جی نے جواب دیا ہاں یہ ممکن ہے اور عیسائی مذہب اسپر عمل کرنے میں ناکامیاب ثابت ہوا ہے کیونکہ قوم نے اسے معلوم کرنے کی کوشش کی ہے لیکن ان کے اندر بھی اس جذبے نے پوری نشو ونما نہیں پائی ساری دنیا کے لئے اُسکے اندر ہمدردی ہے لیکن جانوروں کے لئے انکے دل میں رحم نہیں ہے۔ میں نے اسپر عرض کیا کہ آپکے مذہبی اعتقاد اور ہمارے اعتقاد میں فرق ہے۔ آپ کا دھرم ایک عمارت ہے۔ مہاتما جی نے جواب دیا کہ یہ بھارت ورش کا خاص حق ہے۔ میں نے مہاتما جی سے کہا کہ میں کوئیکر دھرم کو چھوڑ کر رومن کیتھولک ہونے والا ہوں اور اس سے روحانی روشنی کے مسئلہ پر دلچسپ بحث شروع ہو گئی۔

میں نے مہاتما جی سے پوچھا کہ کیا انسان کے ذاتی علم پر اعتبار کرنا اور باقی اصولوں کو چھوڑ دینا معقول ہے مہاتما جی نے کہا ہاں اگر انسان نے ضبط نفس حاصل کر لیا ہے تو یہ بات معقول ہے۔ میں نے پوچھا ضبط نفس سے کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا اگر انسان نے اپنے جذبات پر قابو پا لیا ہے اور اپنے ارادی گناہوں سے نجات حاصل کر لی ہے تو میں ایسے آدمی کو کہونگا کہ اپنے دلوں میں گاندھی کی آواز کو سنو اور اُسی پر پورا اعتبار کرو۔ اور بلا اندیشہ عملی زندگی اختیار کرو۔ میں نے ان کے آگے سر خم کیا اور کہا آپ حق بجانب ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ انسان کے اندر یہ تسلی ہو جائے کہ ذات اپنے کمال کی حالت حاصل کرتی ہے، اور ایسا خیال کرنا حد درجہ کی جوانمردی ہے۔ مہاتما گاندھی نے فرمایا روحانی انکشاف اس آدمی کو حاصل ہوتا ہے جو نیک روش طبیعت کے ساتھ سچائی کی تلاش کرتا ہے اور اس آدمی کو حاصل ہوتا ہے جو کہ اہنسا کا پالن کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ آپ کو ہمیشہ اپنے ضمیر کی پیروی کرنی چاہیئے۔

میں نے ہنسکر کہا کہ آپ تو پورے کونگہ مذہب کے معتقد ہیں۔ آپنے جواب دیا ہماری بہت سی باتیں اور اُصول مشترک ہیں۔ جب مہاتما جی روانہ ہونے لگے، تو میں نے ان سے اجازت طلب کی کہ مجھے تصویر اُتار لینے دیجئے۔ تو آپنے انکار کر دیا میں نے استدعا کی اور کہا کہ یقیناً آپ میرے دوستوں کو اس خوشی سے محروم نہیں کریں گے جن کو میں آپ کی تصویر بطور تحفہ پیش کرونگا۔ اسپر آپ ہنس دئے۔ اور ایک لمحہ تک میری خاطر دھوپ میں کھڑے رہے۔ میں نے تصویر اُتار لی۔ اسکے بعد دنیا کا وہ عجیب و غریب آدمی جسکو ٹیگور دنیا کا سب سے بڑا آدمی کہتا ہے اپنے میزبانوں کی دس ہزار ڈالر کی گاڑی میں بیٹھ گیا اور گاڑی دوڑ کے اندر غائب ہو گئی۔

مہاتما گاندھی کی عظمت کا راز انکی صداقت میں ہے

ریورینڈ ڈبلیو۔ ای۔ ایس ہالینڈ۔ پرنسپل سابق کوٹائم کالج نے اخبار لنڈن گارڈین میں حسب ذیل مضمون شائع کرایا :-

مہاتما گاندھی بحیثیت مجموعی ایک بے رعب، پستہ قامت، کمزور، صوفی منش اور معمولی انسان ہیں۔ وہ ننگے پاؤں رہتے ہیں اور انکے جسم کے اردگرد صرف ایک کپڑا لپٹا رہتا ہے لیکن ان سے پہلی ملاقات کرنے پر ان کی خوبیاں نمایاں ہونے لگتی ہیں، وہ بالکل بے خوف شخص ہیں اور انکی سادہ مزاجی اور بے غرضی درجہ کمال کو پہنچی ہوئی ہے، یہ وہ خوبیاں ہیں جو شاذ و نادر ہی کسی ایک شخص کی ذات میں درج ہوتی ہیں۔ ہندوستانیوں کے دلوں میں انکی جو عظمت اور عزت ہے اسکا راز معلوم کرنیکا بہترین طریقہ یہ ہے کہ پہلے یہ دریافت کیا جائے کہ انہوں نے لوگوں کو کس طرح متاثر کیا۔ جنوبی افریقہ میں انکی تحریک عدم تعاون اپنے انتہائی عروج کو پہنچ گئی تھی۔ گورے کان کنوں نے ہڑتال کر دی اور وہ ہتھیاروں سے کام لینے پر آمادہ ہو گئے۔ یہ ایسا وقت تھا جب گورنمنٹ حد درجہ پریشان تھی اور مہاتما جی جو شرائط چاہتے پورا کرا سکتے تھے۔ لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ تمام جدوجہد بند کر دی اور وہ اُس وقت تک بند رہی جب تک گورنمنٹ نے گورے کان کنوں کے ساتھ معاملہ طے نہ کر لیا اس کارروائی کے یہ معنے تھے کہ وہ زبردستی سے اپنے مطالبات پورے کرانا نہیں چاہتے تھے بلکہ انکی یہ خواہش تھی کہ اگر گورنمنٹ نیک نیتی کے ساتھ ان کے مطالبات کو درست تسلیم کرتی ہو تو منظور کرے ورنہ نامنظور کر دے۔ جب مہاتما گاندھی افریقہ سے ہندوستان میں واپس آئے اور اسکے بعد کلکتہ گئے تو وہاں ایک کھلے میدان میں عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں ۱۲ یا ۱۵ ہزار ہندوستانی ان کے خیر مقدم کے لئے جمع ہوئے تھے۔ پہلے ۲ گھنٹہ تک بنگالی اصحاب نے پُرزور تقریریں کیں۔ جن میں مہاتما گاندھی کی تعریف تھی۔ میں سب سے آگے کی صف میں مہاتما گاندھی

کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ جب بنگالی اصحاب کی معرکہ آرا تقریریں ختم ہوئیں تو مہاتما گاندھی جواب میں تقریر کرنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ لوگوں کو خیال تھا کہ وہ کوئی پرزور اور ولولہ خیز تقریر کریں گے لیکن انکو سخت حیرت ہوئی جب انھوں نے دیکھا کہ وہ صرف ایک جملہ کہہ کر بیٹھ گئے۔ اگر میری یاد غلطی نہیں کرتی تو میں کہہ سکتا ہوں کہ ان کے الفاظ حسب ذیل تھے :- آج کے جلسہ کی کارروائی میں جو کچھ حصہ لے سکتا ہوں وہ یہ ہے کہ میں ذاتی طور پر اظہار خیالات کرتے ہوئے اس امر کا اظہار کر دوں کہ میں نے اپنی زندگی کا اہم ترین سبق ایک ایسے شخص سے سیکھا ہے جسنے ہندوستان کی سرزمین پر کبھی قدم نہیں رکھا۔

مجھ پر مہاتما گاندھی کی اس تقریر کا بہت اثر ہوا۔ اسی روز شام کو میں نے چٹھی لکھی کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر نیاز حاصل کروں اور اگر آپ اس میں کوئی دقت محسوس کریں تو آپ خود کسی روز پانچ بجے شام سے پیشتر مجھ سے کالج میں ملاقات کر لیں۔ دو روز بعد مہاتما گاندھی کالج میں تشریف لائے اور کہا کہ میں ۲۵ منٹ تک ٹھہر سکتا ہوں۔ میرے طالب علموں نے ۱۵ منٹ میں ہار تیار کر لئے۔ اور مہاتما گاندھی اور ان کے دھرم پتنی کے استقبال کا سارا انتظام مکمل ہو گیا۔ ۲ بجکر ۱۵ منٹ پر جلسہ ہوا۔ سب سے پہلے میرے دو طالب علموں نے مختصر سی تقریریں کیں جسمیں مہاتما جی کا خیر مقدم کیا گیا تھا اسکے بعد بندے ماترم کا گیت گایا گیا۔ بعد ازاں مہاتما گاندھی جوابی تقریر کرنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ میں اس مرتبہ کاغذ و پنسل لیکر بیٹھا تھا۔ اس مرتبہ بھی انھوں نے تمہید کے طور پر کچھ نہ کہا اور بالکل بے لاگ تقریر کی کہا نیو! مجھے یقین ہے کہ آپ بھی میرے ساتھ اتفاق کریں گے۔ جب میں یہ کہوں گا کہ جو مقدس گیت "بندے ماترم" آپنے ابھی گایا ہے اسکا ایک مصرعہ بھی موجودہ ہندوستان کی حالت پر صادق نہیں آتا۔ اس میں ہماری مادر وطن کی تعریف کی گئی ہے لیکن وہ تعریف اب اسمیں موجود نہیں ہے۔ صرف ایک صورت ہے جسمیں آپ یہ گیت گا سکتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ آپ ایشور کے سامنے سر جھکا کر دعا کے طور پر اسے گائیں اور اس سے التجا کریں کہ وہ ہندوستان کو ایسا بنا دے جسکی تصویر شاعر نے اپنے الفاظ میں کھینچی ہے۔

مندرجہ بالا الفاظ کہکر انہوں نے اپنی تقریر ختم کر دی میں سمجھتا ہوں کہ میرے طالب علموں کو اس جلسہ کی یاد کبھی فراموش نہ ہوگی۔

دنیا سینٹ فرانسس[1] کی یاد پر فخر کرتی ہے مگر آج اتنا بڑا پیغمبر ہمارے جھنڈے کے نیچے رہتا ہے

مسٹر ایچ۔ این بریلسفورڈ اخبار نیو لیڈر لندن میں رقمطراز ہیں :-

---

[1] یورپ کا مشہور عابد و زاہد۔

میں نے سر جگدیش چندر بوس سے ایک کہانی سُنی تھی جس سے مجھے معلوم ہوا کہ ہندوستان میں مہاتما گاندھی کا کس قدر اثر اور رسوخ ہے۔ سر جی سی بوس اس پہاڑی علاقہ میں سفر کر رہے تھے جس میں بھیل لوگوں کی بڑی آبادی تھی۔ یہ لوگ ہندوستان کے قدیم باشندے ہیں اور اچھوت خیال کئے جاتے ہیں اور قدیم ترین زمانہ سے شکار پر بسر اوقات کرنیوالی نسل سے ہیں۔ ایک جنگل کے کنارے پر سر بوس کا خیمہ لگا ہوا تھا جسکے ارد گرد آگ مشتعل تھی اور یہ بھیل لوگ بیٹھے ہوئے تھے وہاں سر بوس اُن سے باتوں میں مشغول ہوئے۔ انھوں نے بتایا کہ ہم نے شکار کھیلنا بالکل چھوڑ دیا ہے کیونکہ ہم کو یہ اعتقاد ہو گیا ہے کہ یہ کسقدر ظلم ہے اور اب ہم کاشتکاری پر بسر اوقات کرنے کی کوشش میں ہیں۔ سر بوس نے اُن سے دریافت کیا کہ آپ کی اس دیرینہ عادت میں کیسے تبدیلی ہوئی، ان کا جواب صاف اور سادہ تھا کہ ایک دیوتا کا حکم ہے کہ جنگل میں شانتی ہو، انھوں نے کبھی مہاتما جی کے درشن بھی نہیں کئے تھے۔ ان کے لئے اسقدر کافی تھا کہ مہاتما جی کی نیکی اور فرزانگی کی حکایت ان کے کانوں تک پہونچی تھی۔ مہاتما گاندھی کا حکم ہوا اور انہوں نے تعمیل کر دی صرف یہی نہیں بلکہ ان بھیل لوگوں نے مہاتما جی کے فرمان کی اس سے بھی بڑھ کر تعمیل کی ہے۔ انہوں نے اپنے پالتو جانوروں کو بھی مارنا بند کر دیا ہے۔ پہلے انھوں نے کوشش کی کہ ان جانوروں کو فروخت کر ڈالیں، مگر کوئی خریدار نہیں ہوا۔ اب انہوں نے ان جانوروں کو آزاد کر کے اپنی جائداد کی بھاری قربانی کر دی۔ دنیا سینٹ فرانسس کی یاد پر فخر کرتی ہے مگر آج اتنا بڑا پیغمبر ہمارے جھنڈے کے نیچے رہتا ہے۔

مہاتما گاندھی نے ہندو مُسلمانوں کو متحد کر کے سلطنت کی جڑیں ہلا دی ہیں

از قلم مسز ڈروتھی ہیرٹ امریکن

میں نے ہندوستان کی سیر کی ہے اور ٹیگور کی ٹی پارٹی میں مہاتما گاندھی کے درشن کئے ہیں۔ یہ ایک دُبلا پتلا، ہندوستانی، دروازہ کے اندر داخل ہو رہا تھا، وہ ٹیگور کو دیکھکر مسکرایا، سب مہمان خاموش ہو گئے اور انھوں نے سمجھا کہ کوئی خاص شخص آ رہا ہے۔ ڈاکٹر ٹیگور نے کہا۔ میرے دوست مہاتما گاندھی! میں یہ سُنکر دنگ رہ گئی کہ یہ مہاتما گاندھی ہو سکتے ہیں جو انقلابی کہے جاتے ہیں۔ ان کا لباس بالکل سادہ تھا معمولی سلیپر پہنے ہوئے تھے، گاندھی کیپ سر پہ تھی اور کھدر کی دھوتی باندھے ہوئے تھے۔ میری ساری توجہ مہاتما جی کی طرف لگی ہوئی تھی۔ ٹیگور کے لبوں پہ تبسم تھا مگر مہاتما خاموش بیٹھے تھے اس طرح گویا کہ وہ اس دنیا کے آدمی نہیں ہیں، اسکا چہرہ بڑا اثر ہو اور وہ مادی چیزوں کی طرف بالکل مائل نہ تھے، شاید وہ کوئی خواب دیکھ رہے تھے۔ کیا وہ ہندوستان کی آزادی کا خواب تھا۔ کیا وہ سوچ رہے تھے کہ کبھی وہ زمانہ آئے گا

جبکہ ہندوستان کے کروڑوں آدمی چرخہ کاتتے اور کپڑا بن رہے ہونگے اور ہل جوت رہے ہونگے۔ مہاتما جی کو اپنی قوم سے بے انتہا محبت ہے اور ان میں صداقت دل کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ میں امریکن لڑکی ہوں تو وہ مسکرائے اور فرمایا کہ تم خوش قسمت ہو۔ اس اثنا میں انہوں نے ایک درجن سے زیادہ فقرے نہ کہے ہونگے۔ اس ملاقات میں نہ کسی سازش کا ذکر ہوا نہ انقلاب کا نہ کسی اور اہم معاملہ کا۔ سب خاموش تھے اور اس ممتاز شخصیت کا خیال کر رہے تھے جس نے ہندو مسلمانوں کو متحد کر کے سلطنت کی جڑیں ہلا دی ہیں۔ گاندھی اعظم نے میرے موٹر ڈرائیور کے دل پر بھی اثر ڈالا۔ میں نے اسکی طرف دیکھا تو اس کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا اس قدر بشاش کیوں ہے۔ اس نے کہا میں نے مہاتما جی کے درشن کئے ہیں۔ یہ اٹھارہ سال کا مسلمان لڑکا مہاتما کے اثر سے اب پانچوں وقت کی نماز پڑھتا ہے۔ ان کے اثر کا ان کے ہم وطنوں پر اس بات سے اندازہ ہو سکتا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی روز مہاتما جی کی آرزوئیں پوری ہو کر رہیں گی۔

وہ اپنے اور اپنے بچّوں کے جوتوں کی مرمّت اپنے ہاتھ سے کر لیا کرتے تھے

بھائی پرمانند ایک مضمون کے دوران میں تحریر فرماتے ہیں:۔

پندرہ سال کا عرصہ ہوا میں نے مہاتما گاندھی کے درشن جوہانسبرگ ٹرنسوال میں ۱۹۰۵ء میں کئے تھے۔ میں ان کی زندگی کے قواعد دیکھ کر حیران رہ گیا۔

اسوقت وہ بیرسٹری کرتے تھے لیکن زیادہ تر ان کا وقت اور روپیہ پبلک کے کاموں میں صرف ہوتا تھا۔ ان کے مکان پر کوئی نیا یو سیٹا ملازم نہ تھا۔ انکی دھرم پتنی ہی بنگلہ کا سب انتظام کرتی تھیں۔

ان کی سادگی کی یہ انتہا تھی کہ وہ اپنے اور اپنے بچوں کے جوتوں کی مرمت اپنے ہاتھ سے خود کر لیا کرتے تھے اور ان کے سینے کا سب سامان مکان پر فراہم کر رکھا تھا۔

نوٹ:۔ مؤلف نے بھی مہاتما گاندھی کے ہاتھ کا بنا ہوا جوتا کانگرس کی دہلی نمائش میں معائنہ کیا ہے۔

حصّۂ اوّل

دورِ جدید ستیہ گرہ کا آغاز

قومی بیداری کا پہلا دن

یعنی ۶ر اپریل کو تمام ہندوستان میں مکمّل ہڑتال

قلزمِ ہستی سے تو ابھرا ہے مانندِ حباب
اس زیاں خانہ میں تیرا امتحاں ہے زندگی　　اقبال

ہماری زندگی میں ۶ر اپریل کا دن ایسا عظیم الشان دن تھا جو ہندوستان کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیگا یہ وہ مبارک روز تھا جس روز مہاتما گاندھی نے ہندوستان کی سرزمین پر آزادی کا شنکھ بجایا۔ بکثرت سن رسیدہ لوگوں کا اعتراف ہے کہ ایسی خاموش فضا چشمِ فلک نے آجتک مشاہدہ نہیں کی جسکے نظارہ کے لئے فرشتوں کو آسمانوں سے اترنا پڑا اور نعرۂ تحسین بلند کرنا پڑا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ زمین و آسمان سکوت میں ہیں اور نظامِ عالم نے دنیا کا کاروبار ایک روز کے لئے ملتوی کر دیا ہے۔

یہ ایسا جانفزا اور پاک مظاہرہ تھا جسمیں ہر طبقہ ہر اہلِ پیشہ، اعلیٰ ادنیٰ، غریب امیر، تعلیمیافتہ غیر تعلیمیافتہ سب نے حصہ لیا اور تمام ملک میں کوئی شہر قصبہ یا دیہات ایسا نہ تھا جو اس میں شامل نہوا ہو۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ہندوستانی سیکڑوں برس کی غنودگی سے بیدار ہوگئے ہیں اور اپنی پوشیدہ طاقت کو سمجھ گئے ہیں ایک لفظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے اپنی روح کی طاقت کو دوبارہ معلوم کر لیا۔ لیکن کسی غلط فہمی سے دہلی میں ۳۰ر مارچ کو ہڑتال منائی گئی جس میں چند مظاہرہ کرنے والوں اور ریلوے اسٹیشن کے چند ملازموں کے درمیان جھگڑا ہونے کی وجہ سے فساد ہوا۔ فوجی پولیس اور تھوڑی سی فوج بلائی گئی اور بعض لوگ گولی سے مار دیئے گئے۔

مہاتما گاندھی کو جب یہ حال معلوم ہوا تو وہ فوراً ۸ر اپریل کو دہلی اس غرض سے روانہ ہوئے تاکہ وہاں

Passive Resistence کے نام سے جنوبی افریقہ اور سلطنت متحدہ میں جاری تھی، اُس سے امتیاز کیا جا سکے۔

ستیہ گرہ کے اصل معنی سچائی کو مضبوط پکڑنا ہے اور اسلئے اُس کو سچائی کی طاقت کہا جا سکتا ہے میں اسکو پریم اور روح کی طاقت بھی کہتا ہوں۔ ستیہ گرہ کو عملی جامہ پہنا کر میں نے اُس کے ابتدائی مراحل میں یہ معلوم کیا کہ سچائی مخالف سے تشدد کے طرزِ عمل کی اجازت نہیں دیتی۔ بلکہ اسکو غلطی سے باز رکھنے کے لئے ہمدردی اور صبر سے کام لینے کی تلقین کرتی ہے کیونکہ ایک ہی بات جسکو ایک شخص صداقت سمجھتا ہے، دوسرے کے نزدیک وہ غلطی ہو سکتی ہے۔ صبر کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنی ذات پر مصائب کو برداشت کرے۔ پس اصول ستیہ گرہ کے یہ معنی ہیں کہ صداقت کی تائید اپنے اوپر تکالیف برداشت کرکے کیجائے نہ کہ دشمن کو مصائب میں ڈالکر۔

لیکن سیاسی میدان میں عوام کی جانب سے جنگ کرنا اس امر پر مشتمل ہے کہ اُن غلطیوں کی مخالفت کی جائے جو غیر منصفانہ قوانین کی شکل میں ظاہر ہوتی ہیں جب تم عرض و معروض کرنے کے بعد بھی حکمران سے اُن کی غلطیوں کے اقبال کرانے میں قاصر رہو۔ تو پھر اگر تم اس غلطی کے سامنے سر خم کرنا گوارا نہ کرو تو پھر یہی علاج باقی رہجاتا ہے کہ یا تو صرف بذریعہ جسمانی قوت کے اور یا اپنے اوپر تکالیف برداشت کرکے اور قانون شکنی کی سزا اپنے اوپر بُلا کر اُس کو اپنے سامنے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور کرو۔ یہی وجہ ہے کہ ستیہ گرہ کو سول ڈس اوبیڈینس (قانون شکنی) یا سول ریزسٹنس (قانون کا مقابلہ) کہتے ہیں۔ اُس کو سول (مہذبانہ) اسوجہ سے کہتے ہیں کیونکہ یہ کرمنل (فوجداری) نہیں ہے۔ قانون کا توڑنے والا خفیہ طور پر قانون کو توڑتا ہے۔ اور ہمیشہ اس امر کی کوشش کرتا ہے کہ سزا سے بچ جائے لیکن ستیہ گرہ کے اصول کے ماتحت قانون کا توڑنے والا ایسا نہیں کرتا وہ ہمیشہ حکومت کے ماتحت رہتا ہے اُس کے قوانین کی پابندی کرتا ہے۔ اور اُس کی یہ اطاعت کسی خوف کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ سمجھتا ہے کہ سوسائٹی کی بہتری اسی میں مضمر ہے لیکن شاذ و نادر ایسے مواقع بھی درپیش ہوتے ہیں۔ جبکہ بعض غیر منصفانہ قوانین کی پابندی کو وہ اپنی بے عزتی خیال کرتا ہے تب وہ علانیہ مہذب طریقہ پر ایسے قوانین کو توڑتا ہے۔ اور خوشی کے ساتھ اسکی سزا بھگتتا ہے۔ وہ قانون کے نفاذ کرنے والے کے عمل کے خلاف اپنے احتجاج کو وزنی کرنے کی غرض سے اُن دیگر قوانین سے بھی جن کی عدم پابندی سے کوئی اخلاقی برائی پیدا نہ ہوتی ہو، سرتابی کرکے حکومت سے اپنا دست تعاون کھینچ لیتا ہے۔

میری رائے میں ستیہ گرہ کی قوت اور حسن اسقدر زبردست ہے اور اسکا اصول اتنا سادہ ہے کہ بچوں میں بھی اس کی اشاعت کی جا سکتی ہے۔ میں نے ہزارہا مردوں عورتوں اور بچوں میں اسکا پرچار کیا ہے اور اس سے بڑے مفید نتائج برآمد ہوئے ہیں۔

رولٹ بل جس وقت کہ رولٹ بل پاس ہوا۔ تو میں نے محسوس کیا کہ وہ انسانی آزادی کے اسقدر منافی تھا کہ اُسکا پورے طور پر مقابلہ کیا جاوے۔ میں نے دیکھا کہ ہندوستان اُس کی مخالفت میں یک زبان ہے۔

میری رائے میں کیسی ہی شخصی اختیارات کی سلطنت کیوں نہ ہو۔ اسکو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ ایسے قوانین وضع کرے جو عامۃ الناس کی مرضی کے خلاف ہوں۔ چہ جائیکہ ایک ایسی گورنمنٹ جو دستور اساسی کی رہنمائی میں حکومت کرتی ہے جیسی کہ حکومت ہند۔ میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ لوگوں میں پیدا ہونیوالے جوش کو تشدد آمیز راہ سے بچانے اور تصادم سے محفوظ رکھنے کے لئے خاص مشعل ہدایت کی ضرورت ہے۔

۶ اپریل۔ اسلئے میں نے ملک کے سامنے ستیہ گرہ کو ایک سول ڈس اوبیڈینس (معاندانہ مقابلہ) کے پہلو پر زور دیتے ہوئے پیش کیا۔ اور چونکہ یہ پاک اور روحانی تحریک ہے اسلئے میں نے تجویز کیا کہ ۶ اپریل کو برت رکھا جائے دعائیں کیجاویں۔ اور ایک دن کے واسطے تمام کاروبار بند کر دیا جاوے۔ اور اگرچہ پہلے سے کوئی تنظیم یا کسی قسم کی تیاری نہیں کی گئی تھی تاہم ہندوستان کے طول و عرض حتی کہ دیہات تک نے ہماری صدا کا شاندار خیر مقدم کیا۔ اس خیال کے پیدا ہوتے ہی عوام کے سامنے اسکا اظہار کر دیا گیا تھا۔ ۶ اپریل کو پبلک سے کسی قسم کا تشدد سرزد نہیں ہوا اور نہ پولیس سے ہی کوئی ایسا تصادم ہوا جو قابل ذکر ہو۔ ہڑتال بالکل اختیاری اور شریک ہونے والوں کی خوشی پر موقوف تھی۔ میں یہاں وہ خط[۱] منسلک کرتا ہوں جس میں اس کا اعلان کیا گیا ہے۔

میری گرفتاری۔ ۶ اپریل کی ہڑتال کے بعد قوانین شکنی شروع کی گئی۔ ستیہ گرہ سبھا کی کمیٹی نے چند قوانین ایسے چن لئے تھے جنکو توڑا جائے اور ہم نے ممنوعہ کتابوں کو شائع کرنا شروع کر دیا تھا جو نہایت مفید تھے۔ مثلاً میرا ایک مضمون ہوم رول پر تھا اور رسکن کے "دی ڈیفنس اینڈ ڈیتھ آف سقراط"[۲] اور "ان ٹو دس لاسٹ" کے ترجمہ وغیرہ وغیرہ۔

بدنظمی۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ ۶ اپریل کو ہندوستان کو جو نئی زندگی ملی تھی اس کی مثال اس سے پہلے نہیں ملتی۔ عوام جو اب تک خوف زدہ رہتے تھے اب حکومت سے نہیں ڈرتے تھے۔ سزاؤں سے اب عوام انتہائی بے خوفی میں تھے، رہبران قوم نے ان کو کسی قسم کی تعلیم نہیں دی تھی۔ وہ بالکل بے نظم تھے۔ اب ان کو ایک نئی قوت ملی جسکو نہ تو وہ پہچانتے تھے کہ کیا تھی اور نہ یہ سمجھتے تھے کہ کس طرح استعمال کریں۔ دہلی میں بھی ان کو ایک ایسے کثیر التعداد مجمع پر جس نے اب تک کسی قسم کی تربیت نہیں کی تھی، قابو رکھنے میں دشواریاں پیش آئیں۔ امرتسر میں ڈاکٹر ستیہ پال اسلئے بے چین تھے کہ میں وہاں جاؤں اور لوگوں کو ستیہ گرہ کی پر امن نوعیت سمجھاؤں۔

دہلی سے سوامی شردھانند نے اور امرتسر سے ڈاکٹر ستیہ پال نے مجھے بلایا تھا کہ میں وہاں جاؤں اور لوگوں کے جوش کو ٹھنڈا کر کے ستیہ گرہ کی پر امن نوعیت بتاؤں۔ میں اس سے پہلے کبھی امرتسر نہیں گیا تھا۔ اور خاص اس مقصد کے لئے پنجاب سے باہر کسی جگہ نہیں گیا تھا۔ ان دونوں پیغامات کو حکومت نے دیکھا۔ اور وہ اس امر کو بخوبی جانتے تھے کہ میں ان دونوں مقامات پر پر امن مقاصد کے لئے مدعو کیا گیا تھا۔

---

[۱] اس خط میں تحریک کے پاک پہلو پر تاکید کی گئی تھی اور اس امر پر زور دیا گیا تھا کہ کسی طرف سے تشدد استعمال نہ کیا جاوے۔

[۲] حکیم سقراط کے مقدمہ اور اس کی موت کے متعلق گاندھی جی کی مصنفہ مشہور کتاب ہے۔

میں دہلی اور پنجاب کے لئے ۸ر اپریل کو بمبئی سے روانہ ہوا۔ ڈاکٹر ستیہ پال کو جن سے پہلے کبھی میری ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ میں نے تار دیا کہ وہ مجھ سے دہلی میں ملیں لیکن متھرا کے اسٹیشن سے گزرنے کے بعد مجکو ایک حکم ملا کہ جسکی رو سے صوبہ دہلی میں میرا داخلہ ممنوع قرار دیا گیا۔ میں نے محسوس کیا۔ کہ میں اس حکم کی عدم تعمیل پر مجبور ہوں۔ اسلئے میں نے اپنا سفر جاری رکھا۔ پلول کے اسٹیشن پر مجکو ایک حکمنامہ دیا گیا جسکی رو سے پنجاب میں میرا داخلہ ممنوع تھا اور احاطۂ بمبئی میں نظر بند کر دیا گیا تھا۔ پولیس کے ایک دستہ نے مجکو گرفتار کر کے گاڑی سے اُتار لیا۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس جنھوں نے مجکو گرفتار کیا تھا بڑی خوش اخلاقی سے پیش آئے۔ میں سب سے پہلی گاڑی میں متھرا لیجایا گیا۔ اور پھر وہاں سے علی الصبح مال گاڑی میں سوائی مادھو پور پہنچا دیا گیا۔ جہاں مجھے پشاور سے آنے والی بمبئی میل ملا اور سپرنٹنڈنٹ "بورنگ" نے میرا چارج لیا۔ ۱۰ر اپریل کو بمبئی میں رہا کر دیا گیا۔ لیکن احمد آباد، ویرمگام اور عام طور پر گجرات کے لوگ میری گرفتاری کی خبریں سُن چکے تھے وہ غضبناک ہو گئے۔ دوکانیں بند کر دی گئیں جلسے منعقد کئے گئے، قتل و غارت گری کی گرم بازاری ہوئی۔ عمارتوں میں آگ لگائی گئی، تار کاٹے گئے، اور ریل کی پٹریاں کاٹنے کی کوششیں کی گئیں۔

اسباب۔ اس سے قبل میں کیرا[۱] کی رعایا میں کام کر چکا تھا اور ہزارہا عورتوں اور مردوں میں گھُل مِل چکا تھا۔ یہ کام میں نے مس انسویا سارا بائی کے ایما سے اُن کے ہمراہ احمد آباد کے مزدوروں میں کیا تھا۔ مزدور لوگ مس مذکور کے ہمدردانہ کام کو وقعت کی نگاہ سے دیکھتے اور ان سے محبت کرتے تھے۔ اُن کی گرفتاری کی غلط خبر نے احمد آباد کے مزدوروں کو بے انتہا غضبناک کر دیا۔ جس وقت ویرمگام[۲] کے مزدور تعصب میں تھے، تو ہم دونوں اُن سے ملنے کے لئے گئے۔ اور اُن کی خاطر اس معاملہ میں دخل انداز ہوئے۔ یہ میرا پختہ یقین ہے کہ میری گرفتاری کی اطلاع اور مس انسویا سارا بائی کی گرفتاری کی بے بنیاد خبر نے عوام میں غصہ پیدا کر دیا۔ جسکی وجہ سے یہ تمام تشدد اور زیادتیاں سرزد ہوئیں۔ میں قریب قریب تمام ہندوستان میں عملی طور پر عوام الناس میں گھُل مِل چکا ہوں۔ اور اُن سے آزادانہ بات چیت کی ہے۔ میرا یہ یقین نہیں ہے کہ ان زیادتیوں کے پس پردہ کوئی انقلابی تحریک تھی۔ اُن پر مشکل سے بغاوت کا اطلاق کیا جا سکتا ہے۔

حکومت کی تدابیر۔ مجرمین پر حکومت کے خلاف جنگ کرنے کے الزام میں مقدمات چلا کر میری رائے میں گورنمنٹ نے غلطی کی۔ اس کی وجہ سے مجرمین کو نامناسب اور غیر سزاوار تکالیف بھگتنی پڑیں۔ غریب اور نادار احمد آباد پر جو جرمانہ عائد کیا گیا وہ بہت زیادہ تھا۔ اور اُسکے فراہم کرنے کا طریقہ ضرورت سے زیادہ سخت اور اشتعال انگیز تھا۔ مزدوروں پر ۱۷۶۰۰۰ (ایک لاکھ چھتر ہزار) روپیہ کا جرمانہ مجھے حکومت کے انصاف کی طرف سے مشکوک کرتا ہے۔ "بارجدی" کے کسانوں اور نڈیاد کے بنیوں اور پٹی داروں پر اخراجات مقدمہ کا عائد کرنا محض بالکل غیر منصفانہ ہی نہ تھا بلکہ اس سے انتقام کی بُو بھی آتی تھی۔

---

[۱] کیرا ایک مقام ہے جہاں مہاتما جی ستیہ گرہ کر چکے ہیں۔ [۲] ویرمگام

میں خیال کرتا ہوں کہ احمد آباد میں مارشل لا کا نفاذ ناجائز تھا اور اس غیر مآل اندیش انتظام میں بہت
سی معصوم جانیں ضائع ہوئیں۔
اس کے ساتھ ساتھ اُن قیود کے ماتحت جن کا ذکر میں اوپر کر آیا ہوں، مجکو اس میں شک نہیں
کہ احاطہ بمبئی کے حکام نے ایسے وقت میں بہت زیادہ تحمل سے کام لیا جبکہ فضا باہمی شکوک سے لبریز
تھی۔ اور ٹرین کو تباہ کرنے کی کوشش نے جو بجائی امن کے لئے سپاہ لا رہی تھی۔ حکام کو غضبناک کر دیا تھا۔

مہاتما جی کی زبانی شہادت

لارڈ ہنٹر کی جرح

سوال۔ مسٹر گاندھی! میرے خیال میں تحریک ستیہ گرہ کے آپ بانی ہیں۔

جواب۔ ہاں جناب۔

سوال۔ کیا آپ مختصر طور پر اس کی تشریح کریں گے؟

جواب۔ یہ ایک ایسی تحریک ہے جو تشدد آمیز طریقہ جنگ کی جگہ لینے کے لئے بنائی گئی ہے اور اسکی
بنیاد کلیۃً صداقت پر ہے۔ جہاں تک میں اس تحریک کو سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ خانہ داری کے
قانون کو وسیع کر کے سیاسی میدان میں لایا گیا ہے۔ میرے تجربہ نے مجکو اس نتیجہ پر پہنچایا ہے کہ
پبلک شکایات کی تلافی کے لئے تشدد کا وہ خیال جو ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلا ہوا ہے۔
اُس سے بچنے کا واحد طریقہ محض یہی تحریک ہے۔

سوال۔ آپ نے اس کو رولٹ ایکٹ کی مخالفت کے سلسلہ میں اختیار کیا تھا۔ اور اسی سلسلہ میں آپ نے
لوگوں سے ستیہ گرہ کے عہد نامہ پر دستخط کرنے کے لئے کہا تھا۔

جواب۔ ہاں جناب۔

سوال۔ کیا آپ کا یہ ارادہ ہے کہ ہندوستانی آدمی جتنے ہوں ان کا نام فہرست میں داخل کر دیا جائے۔

جواب۔ ہاں۔ بیشک۔ اُن اصول صداقت اور عدم تشدد کی مطابقت میں۔ اگر مجھے ایسے لاکھوں آدمی ملجائیں
جو ان اصولوں پر کاربند ہونے کیلئے تیار ہوں تو ان کو میں داخل کرنے میں پس و پیش نہ کرونگا۔

سوال۔ چونکہ آپ گورنمنٹ کی مرضی کے بجائے ستیہ گرہ کمیٹی کے فیصلہ کو جاری کرنا چاہتے ہیں تو کیا یہ واصل
حکومت کے خلاف معاندانہ تحریک نہیں ہے؟

جواب۔ عوام نے تحریک کو اس طرح نہیں دیکھا ہے۔

سوال۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اس کو گورنمنٹ کے نقطہ نظر سے دیکھیں۔ اگر آپ گورنمنٹ ہوں۔ تو پھر آپ کسی

ایسی تحریک کے متعلق کیا کہینگے جو اس مقصد کے لئے شروع کیگئی ہو۔ کہ ان قوانین کی خلاف ورزی کرے جن کو آپ کی کمیٹی نے منتخب کیا ہے؟

جواب۔ اصول ستیہ گرہ کی تشریح اس طرح نہیں کیجا سکتی۔ اگر میں گورنر ہوتا۔ اور مجھے کسی ایسی انجمن سے دو چار ہونا پڑتا۔ جو صداقت کی تلاش میں تشدد کو برطرف کرکے غیر منصفانہ قوانین کی تلافی کی خواہشمند ہوتی۔ تو اسکا خیر مقدم کرتا اور اس کی ہر ہر فرد کو بہترین قانون پسند انسان سمجھتا۔ اور بحیثیت گورنر کے اُن کو اپنا مشیر بناتا کہ وہ مجھے صحیح راستہ پر چلائیں۔

سوال۔ بعض قوانین کے جائز اور ناجائز ہونے میں لوگوں کو اختلاف ہے۔

جواب۔ یہی خاص وجہ ہے کہ تشدد کو اس تحریک میں سے خارج کر دیا گیا ہے اور ایک ستیہ گرہی اپنے مخالف کو آزادی کا وہی حق دیتا ہے جو وہ اپنے لئے رکھتا ہے۔ وہ اپنی ذات پر تکالیف برداشت کرکے لڑتا ہے۔

لارڈ ہنٹر۔ میں اس تحریک کو اس نقطۂ خیال سے دیکھ رہا تھا کہ آیا اسکی موجودگی میں کیا یہ ممکن ہوگا کہ گورنمنٹ ایسی حالت میں برقرار رہے جبکہ آپ نے اس کے خلاف ایسے افراد کی ایک جماعت بنالی ہو جو گورنمنٹ کے نقطۂ نگاہ سے تو منکر ہو البتہ ایک آزاد کمیٹی کے نقطۂ نگاہ کو مانیں۔

جواب۔ مجھے جنوبی افریقہ میں آٹھ سال تک مسلسل جنگ کرنے کے بعد تجربہ ہوا ہے کہ ایسا ہونا ممکن ہے۔ میں نے جنرل اسمٹس کو جو اس تمام جنگ میں شامل رہے تحریک کے اختتام پر یہ کہتے ہوئے پایا۔ کہ اگر تمام لوگوں کا رویہ ایسا ہی رہتا۔ جیسا کہ ستیہ گرہ کرنیوالوں کا رہا۔ تو پھر انہیں کسی قسم کے خوف کا سبب نہ ہوتا۔

سوال۔ لیکن اس جنگ میں اس طرح کا کوئی اقرار نامہ نہ تھا جیسا کہ یہاں مقرر کیا گیا ہے۔

جواب۔ بلاشبہ وہاں بھی ایسا ہی اقرار نامہ تھا اور گورنمنٹ کا سر عوام الناس کی مرضی کے سامنے خم کرانے کے لئے ہر ستیہ گرہی کو ان تمام قوانین کا مقابلہ کرنا پڑتا تھا جن کو وہ ناجائز تصور کرتا تھا اور جنکی نوعیت مجرمانہ نہیں ہوتی تھی۔

سوال۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ کے عہد کا منشا اُن قوانین کی خلاف ورزی کرنا ہے جنکا فیصلہ ایک کمیٹی کرے۔

جواب۔ جناب عالی۔ یہ درست ہے۔ میں اس امر کو واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اقرار و بیانات کا وہ خاص حصہ انفرادی آزادی کو قابو میں رکھنے کے لئے وضع کیا گیا تھا۔ چونکہ میرا ارادہ اس تحریک کو عام تحریک بنانے کا تھا اسلئے میں نے خیال کیا کہ اس قسم کی کمیٹی بنانا چاہیئے کہ ہم مرتب کر چکے تھے ضروری ہے تاکہ ہر شخص بذات خود قانون نہ بن جائے اور اسلئے ہم نے اس تدبیر پر غور کیا۔ کہ کمیٹی ہی ایسے قوانین کو ظاہر کرنے کے قابل سمجھی جا سکتی ہے جو خلاف ورزی کے لئے موزوں ہو۔

سوال۔ ہم سنتے ہیں کہ بڑے بڑے قابل آدمی آپس میں اختلاف رائے رکھتے ہیں۔ اور ستیہ گرہی بھی یک دوسرے سے اختلاف رکھ سکتے ہیں۔

جواب۔ ہاں۔ میں نے بھی ایسا ہی پایا ہے۔
سوال۔ فرض کرو کہ کوئی ستیہ گرہی کسی قانون کو منصفانہ خیال کرتا ہے اور کمیٹی اس قانون کی پابندی نہیں کرتی، تو ایسی حالت میں اس ستیہ گرہی کو کیا کرنا چاہئے۔
جواب۔ وہ اس قانون کی خلاف ورزی کرنے پر مجبور نہیں۔ ہمارے ہاں ایسے ستیہ گرہی کثیر تعداد میں موجود ہیں۔
سوال۔ کیا یہ کسی قدر خطرناک تحریک نہیں ؟
جواب۔ اگر آپ اس امر کو سمجھ لیں۔ کہ یہ تحریک تشدد سے نجات حاصل کرنیکی غرض سے وضع کیگئی ہے تو آپ بھی میری طرح اُسکا خیال رکھنے میں میرا ساتھ دینگے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ ملک میں اس نوعیت کی تحریک اپنی پاک حالت میں بہرصورت قائم رہنی چاہئے۔
سوال۔ کیا آپ اپنے اقرارنامہ کی رو سے انسانی ضمیر کو مقید نہیں کر رہے ہیں ؟
جواب۔ اقرارنامہ کا مطلب جو کچھ میں سمجھتا ہوں، اُسکے لحاظ سے میرا جواب نفی میں ہے۔ اور اگر یہ مطلب جو میرے ذہن میں ہے غلط ثابت ہوجائے اور پھر دوبارہ مجھے تحریک شروع کرنی پڑے تو میں اپنی غلطی کی اصلاح کرلونگا۔ (لارڈ ہنٹر۔ نہیں نہیں میں آپ کو نصیحت نہیں کرنا چاہتا)
میں چاہتا ہوں کہ ہنٹر کمیٹی کے اس خیال کی اصلاح کردوں کہ ہماری تحریک کوئی خطرناک نہیں ہے۔ یہ کلیتہً اس مقصد کے لئے وضع کی گئی ہے کہ ملک کو تشدد سے نجات مل جائے۔

{ یہاں لارڈ ہنٹر نے اُن تمام واقعات کی تفصیل کی جو رولٹ ایکٹ سے پیشتر موجود تھے ایجیٹ سے ہندوستانیوں کی عام مخالفت وغیرہ وغیرہ اور پھر مہاتما گاندھی سے دریافت کیا کہ قوانین کی مخالفت کرنے سے اُن کا اصل منشا کیا تھا۔ }

مہاتماجی۔ میں رولٹ کمیٹی کی رپورٹ از اول تا آخر پڑھ چکا ہوں۔ اور اُن قوانین کو بھی دیکھ چکا ہوں جو اس میں مضمر ہے۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں۔ کہ ان قوانین کی اجازت وہ واقعات نہیں دیتے تھے جنکو کمیٹی نے پیش کیا تھا۔ میں نے خیال کیا کہ قانون مذکور انسانی آزادی کو مقید کرنے والا تھا۔ اور کوئی خود دار انسان یا قوم ایسے قانون کی اجازت نہیں دیسکتی تھی۔ میں نے مجلس واضع قوانین (لیجسلیٹو کونسل) کی بحث وتمحیص کو دیکھا تو میں نے محسوس کیا کہ رولٹ ایکٹ کی مخالفت ہرطرف سے کیگئی اور جب میں نے اُس کے خلاف شورش برپا دیکھی۔ تو میں نے محسوس کیا کہ میرے لئے بحیثیت ایک خود دار انسان اور ایک وسیع سلطنت کے رکن ہونے کے بجز اسکے اور کوئی راستہ کھلا ہوا نہ تھا کہ میں اس قانون کی مخالفت کروں۔
سوال۔ یہاں تک اس قانون کے مقاصد کا تعلق ہے کیا آپ کو اس حقیقت میں کسی قسم کا شبہ ہے کہ یہ

انقلاب انگیز اور تشدد آمیز جرائم کے انسداد پر مبنی ہے۔

جواب۔ مقاصد بالکل واضح ہیں۔

سوال۔ تو پھر آپ کا اعتراض ان طریقوں پر ہے جو اختیار کئے گئے ہیں؟

جواب۔ بالکل یہی ہے۔

سوال۔ جیسا میں سمجھتا ہوں طریقۂ کار یہ ہے کہ پہلے کے مقابلہ میں اب مجلس منتظمہ کو (ایگزیکٹیو) زیادہ اختیار دے دئے گئے ہیں۔

جواب۔ ایسا ہی ہے۔

سوال۔ لیکن کیا یہ وہی اختیارات نہیں ہیں جو مجلس انتظامیہ کو انڈیا ڈیفینس ایکٹ کے ماتحت ملے ہوئے تھے۔

جواب۔ یہ بالکل صحیح ہے لیکن وہ ایک ہنگامی تدبیر تھی۔ جو ہر شخص کا تعاون حاصل کرنے کی غرض سے اختیار کی گئی تھی۔ تاکہ جنگ عظیم کو کامیابی کے ساتھ جاری رکھنے میں اس تشدد کا انسداد کیا جائے جو کسی جماعت کے کسی طبقہ کی طرف سے ظاہر ہو برخلاف اسکے رولٹ قانون بالکل جداگانہ نوعیت کا ہے اور اب پہلے قانون کے طریقہ عملدرآمد نے رولٹ ایکٹ کے خلاف میرے اعتراضات کو اور زیادہ قوی کر دیا ہے۔

سوال۔ مسٹر گاندھی! رولٹ قانون صرف اسوقت جاری کیا جا سکتا ہے۔ جبکہ لوکل گورنمنٹ کو انارکی کا پورا پورا یقین ہو جاوے۔

جواب۔ میں بحیثیت ایک قانون ساز کے ان اختیارات کو کسی ایسی مجلس منتظمہ (ایگزیکیوٹو) کے ہاتھ میں دینا پسند نہ کرونگا جسکو میں جانتا ہوں۔ کہ کسی وقت میں ہندوستانی معاملات کے اندر اس سے مجنونانہ حرکات سرزد ہوئی ہوں۔

سوال۔ تب اصل میں آپ کا اعتراض یہ ہے کہ حکومت ہند نے ایک واضح مقصد کو عملی جامہ پہنانے میں جو طریقہ استعمال کیا وہ غلط تھا۔ تو پھر کیا آئینی نقطۂ نگاہ سے اس معاملہ کو سلجھانے کا صحیح طریقہ یہ نہیں ہے۔ کہ گورنمنٹ کو اس قانون کی عدم ضرورت کی طرف سے اطمینان دلا کر اس کے اصلاح کی کوشش کی جاوے؟

جواب۔ میں گھنٹے ٹیک کر لارڈ چیمسفورڈ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے و نیز ہر اس افسر سے جس کی ملاقات کا شرف مجھکو حاصل ہوا میں نے اس معاملہ میں پیروی کی لیکن انہوں نے اپنی مجبوری کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ کہ رولٹ کمیٹی کی سفارشات پر عملدرآمد کیا جاویگا۔ ہم نے ان تمام ذرائع کو ختم کر دیا۔ جو ہمارے لئے کھلے ہوئے تھے۔

سوال۔ اگر آپ کا کوئی مخالف آپ سے کسی قسم کی مخالفت رکھتا ہے۔ تو آپ اس کو یکایک مطمئن نہیں کرسکتے

آپ کو درجہ بدرجہ کام کرنا چاہیئے کیا حصول مقصد کے لئے یہ ایک دباؤ ڈالنے والا طریقہ نہیں ہے
کہ پابندیٔ قوانین سے انکار کر دیا جاوے ؟

جواب۔ میں جنابعالی سے مؤدبانہ اختلاف کرتا ہوں۔ میں دیکھتا ہوں کہ میرے باپ نے بھی مجھپر ایک ایسا
قانون عائد کیا ہے جو میرے ضمیر کے خلاف ہے۔ میرے خیال میں اُن سے مؤدبانہ یہ کہنا کہ میں اُنکی
پابندی نہیں کر سکتا کمتر ین دباؤ ڈالنے والا طریقہ ہے۔ اس طریقہ سے میں اپنے باپ کے ساتھ
انصاف کرتا ہوں۔ اور اگر میں یہی بات بغیر کسی بے ادبی کے کہہ دیتا ہوں۔ تو اس کے یہ معنی ہیں کہ
میں اپنی راہ عمل پر مفید ترین طریقہ سے چلا ہوں۔ اور اب تک میں نے اُسی کا پرچار کیا ہے۔ اگر
میرا اس طرح کہنا باپ کی بے ادبی نہیں ہے تو پھر میرے کسی دوست یا گورنمنٹ کی بے ادبی نہیں کہی جا سکتی

لارڈ ہنٹر۔ قانون رولٹ کے خلاف تحریک ستیہ گرہ کا نفاذ کرانے میں آپ نے تمام ہندوستان میں ہڑتال
کرانے کی تجویز منظور کی۔ یوم ہڑتال اس نوعیت کا تھا کہ اس میں کسی قسم کا کام نہ کیا جاوے اور
عوام اپنے رویہ سے یہ ظاہر کریں کہ وہ حکومت کے فعل کو پسندیدہ نظر سے نہیں دیکھتے۔ ہڑتال
کے یہ معنی ہیں۔ کہ تمام ملک میں ہر قسم کا کاروبار بند کر دیا جاوے۔ تو کیا اس سے ایک نازک
حالت پیدا ہو جاوے گی۔

جواب۔ کاروبار کا عرصہ دراز تک بند رہنا ضرور نازک حالت پیدا کر دیگا۔

(یہاں مسٹر گاندھی نے تشریح کر کے بتلایا کہ کس طرح ملک کے بعض حصوں میں ۳۰ مارچ
اور باقی تمام ممالک میں ۶ اپریل کو مکمل ہڑتال ہو گئی اور فرمایا کہ یہ اختلاف کسی
غلط اندازہ کی وجہ سے نہیں ہوا۔ بلکہ اسکی وجہ یہ تھی کہ بعض مقامات میں واسرائے
کی منظوری بابت رولٹ ایکٹ کا علم دوسرے مقامات کے مقابلہ میں پیشتر ہو چکا تھا۔)

سوال۔ آپ اس امر سے اتفاق کرتے ہیں کہ کاروبار کا بند کرنا بالکل خود اختیاری ہونا چاہیئے ؟

جواب۔ ہاں بالکل خود اختیاری اور وہ بھی ان معنوں میں کہ ہڑتال کے دن کسی قسم کی تحریص ترغیب
کی اجازت نہ دی جائے لیکن ہڑتال سے قبل بذریعہ اشتہارات یا پروپگنڈا ترغیب دلانا
ایسی حالت میں بالکل جائز ہوگا کہ اس میں کسی قسم کی جسمانی قوت کا استعمال نہ کیا گیا ہو۔

سوال۔ کیا ہڑتال کے دن تانگے والوں سے مزاحمت کرنے کو آپ ناپسند کرتے ہیں ؟

جواب۔ یقیناً۔

سوال۔ کیا آپ لوگوں کی اس ناپسندیدہ مزاحمت پر پولیس کی مداخلت کو قابل اعتراض تو تصور نہیں کرینگے ؟

جواب۔ ہرگز نہیں۔ اگر وہ اپنے اوپر قابو رکھیں اور صبر سے کام لیکر اپنے فرائض کو انجام دے۔

سوال۔ لیکن آپ اس امر سے تو متفق ہیں کہ تانگوں کا روکنا اور دوسرے لوگوں سے مزاحمت کرنا

ہڑتال کے دن نامناسب تھا ؟

جواب ۔ ستیہ گرہی نقطۂ نگاہ میں اسکو مجرمانہ خیال کرتا ہوں۔

لارڈ ہنٹر ۔ دہلی میں آپ کے ایک سربرآوردہ لفٹنٹ سوامی شردھانند نے (مہاتما جی نے اس موقع پر قطع کلام کرکے فرمایا میں اُن کو اپنا لفٹنٹ نہیں کہونگا بلکہ وہ میرے ساتھ کام کرنیوالے ہیں) آپ کو اس مضمون کا خط لکھا تھا۔ اور کیا انھوں نے اس امر کی طرف اشارہ کیا تھا کہ پنجاب اور دہلی میں جو واقعات پیش آچکے ہیں۔ اسکے بعد یہ بات بالکل عیاں ہوچکی ہے۔ کہ آپ ایسی عام ہڑتال نہیں کرسکتے جسمیں تشدد نہو۔

جواب ۔ میں خط کے مضمون کا اعادہ نہیں کرسکتا۔ میں خیال کرتا ہوں کہ آپ نے جو کچھ دُہرایا ہے۔ سوامی جی نے اس سے کہیں زیادہ لکھا ہے انھوں نے کہا تھا کہ قانون شکنی کی جنگ عوام کو مصیبت میں ڈالے بغیر جاری نہیں رکھی جاسکتی۔ اُنھوں نے اپنے خط میں کوئی حوالہ نہیں دیا تھا۔ جب میں نے سول نافرمانی کو ملتوی کیا تو مجھ میں اور سوامی شردھانند میں اختلاف رائے تھا۔ میں نے اُسکا ملتوی کرنا اسلئے ضروری سمجھا کیونکہ میرے اطمینان کے قابل مجھے عوام پر کافی قابو حاصل نہیں ہوا تھا سوامی شردھانند یہ کہتے تھے کہ ستیہ گرہ بحیثیت عام تحریک کے جاری نہیں کی جاسکتی لیکن میں نے اُن کی رائے سے اتفاق نہیں کیا۔ میں نہیں جانتا کہ وہ اب میری رائے سے متفق نہیں ہیں۔ سول نافرمانی کا التوا اتنا ہی ضروری تھا جتنا خلاف قانون جرائم پر مقدمہ چلانا۔ میں چاہتا ہوں کہ کمیٹی ہنٹر سول نافرمانی اور ہڑتال کے درمیان باریک امتیاز کو سمجھ جائے۔ ہڑتال اس وجہ سے تجویز کی گئی تھی کہ گورنمنٹ اور عوام الناس دونوں کے تخیل کو بیدار کیا جائے۔ اور سول نافرمانی اُن لوگوں کے لئے ایک نظام تھا جو نافرمانی کرنے کے لئے تیار کئے گئے تھے۔ ہندوستانیوں کے دلوں کا بھید سمجھنے کے لئے میرے پاس اس قسم کی جوش انگیز تحریکوں کے سوا اور کوئی ذریعہ نہ تھا۔ اور یہ معلوم کرنے کے لئے کہ میں سول نافرمانی کو کہاں تک جاری رکھنے کے قابل ہوں۔ ہڑتال ہی مجھے ایک سب سے زیادہ مناسب ذریعہ معلوم ہوا ہے۔

سوال ۔ ستیہ گرہ کے پرچار کے دوش بدوش اگر ہڑتال ہوتی رہے تو کیا یہ تشدد کو ترقی دینے کا مترادف نہیں سمجھا جائے گا ؟

جواب ۔ میرا تجربہ اسکے بالکل برعکس ہے۔ ہزاروں انسانوں کو ایک جا جمع ہوتے ہوئے دیکھنا میرے لئے ایک تعجب انگیز منظر تھا۔ عورتیں مرد یہانتک کہ خورد سال اور شیرخوار بچے ایک پرامن جلوس میں نکل رہے تھے، اگر ستیہ گرہ کا پرچار صحیح طریقہ پر نہ کیا جاتا تو پُرامن ہڑتال کا ہونا ممکن نہ تھا۔

لیکن جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں ہڑتال عملاً سول نافرمانی سے مختلف ہے۔

لارڈ ہنٹر کے استفسارات کا مزید جواب دیتے ہوئے مسٹر گاندھی نے اُن واقعات کا اعادہ کیا جو اُنکی "مشہور گرفتاری" پلول پر اپنے روکے جانے اور بحیثیت ایک باقاعدہ گرفتار شدہ آدمی کے بمبئی زیر حراست واپس لائے جانے کی کارروائی کو خاص طور پر ظاہر کیا۔ انہوں نے کہا کہ اُن کو یہ معلوم کر کے تعجب ہوا کہ اُن کی گرفتاری کو بعض علقوں میں "فرضی گرفتاری" بیان کیا گیا تھا۔ پلول پر اُن کو پنجاب کے داخلہ کی ممانعت اور احاطۂ بمبئی میں نظربند رہنے کے متعلق ایک حکمنامہ دیا گیا جس پولیس افسر نے حکمنامہ کی تعمیل کرائی وہ بہت خوش اخلاقی سے پیش آیا۔ جب انہوں نے (مہاتماجی) اس حکمنامہ کی عدم تعمیل کا ارادہ کیا تو پولیس افسر نے اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ اگر راستہ کے ایک معمولی اسٹیشن پر اُن کو گرفتار کیا گیا تو کس قدر دقت پیش آئے گی۔ اُن سے مدلّل بحث کی۔ جب وہ پلول روانہ ہوئے تو اُنہوں نے دہلی کے سپرنٹنڈنٹ پولیس کو معہ افسران و سپاہی دیکھا۔ افسر نے اُنکے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھکر کہا "مسٹر گاندھی! میں آپ کو گرفتار کرتا ہوں" مہاتماجی سے کہا گیا کہ وہ اپنا اسباب جلد اُتارلیں اور اپنی جماعت میں سے اُن لوگوں کو بتائیں۔ جو اُن کے ہمراہ جانا چاہتے ہیں۔ ایسا کیا گیا۔ وہ چند پولیس کانسٹبلوں کی زیر نگرانی دیدیے گئے۔ اور اس امر کو ظاہر کرنے کے لئے یہ ایک باقاعدہ گرفتاری بھی۔ مسٹر گاندھی نے کہا کہ جب وہ اپنا حلق صاف کرنے کے لئے پلیٹ فارم کی ایک سمت میں گئے تو ایک افسر مانع ہوا۔ اس سے اُنکا (مہاتماجی) یہ مطلب نہ تھا کہ پولیس افسر نے اُن کو کوئی گزند پہونچائی۔ بلکہ یہ کہ وہ اپنا فرض منصبی ادا کر رہا تھا

یہاں مہاتماجی نے بیان کیا کہ گرفتار کرنے والے افسر کو یہ علم نہ تھا کہ کس طرح سے وہ روانہ کئے جاوینگے۔ اور کیسے اُن کو سوائی مادھوپور پہونچایا گیا۔ اور وہاں پنجاب میل میں مسٹر بورنگ کی زیرنگرانی اُن کو بٹھایا گیا۔ اور کس طرح طلوع آفتاب پر مسٹر بورنگ نے ایک اور افسر سے مشورہ کرکے اُن سے (مہاتماجی) کہا کہ بمبئی میں وہ آزاد ہیں۔

لارڈ ہنٹر۔ آپ سے جو کچھ خواہش کی تھی وہ صرف اسقدر تھی کہ آپ کو پنجاب اور دہلی میں داخلہ کی ممانعت ہے۔

مسٹر گاندھی۔ نہیں۔ اپنی گرفتاری سے قبل پلول کی طرف اپنا سفر جاری رکھ کر میں ایک جرم کا مرتکب ہوچکا تھا، اسلئے مجھے بمبئی واپس جانے کے لئے نہیں کہا گیا بلکہ زیر حراست بھیجا گیا۔

لارڈ ہنٹر۔ تب اسکا یہ مطلب ہوا کہ بموجب سرکاری حکمنامہ آپ پر ظاہر کردیا گیا تھا۔ کہ آپ کو دہلی، یا پنجاب جانے کی اجازت نہیں۔ اگر آپ بمبئی میں رہیں تو بالکل آزاد رہیں۔

مسٹر گاندھی۔ ہاں۔

لارڈ ہنٹر۔ کیا مسٹر گاندھی یہ صحیح نہیں ہے کہ آپکو جیل میں بند کرنا اور گرفتار کرنا کسی قدر دو مختلف چیزیں ہیں؟

مسٹر گاندھی۔ لیکن یہ کس نے کہا ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ گورنمنٹ کے خلاف جو شکایت ہے وہ محض اسقدر

ہے۔ کہ مجھے ایک پُرامن مشن سے واپس بھیجنے میں حکومت کا کوئی فائدہ نہ تھا۔

لارڈ ہنٹر۔ اگر گورنمنٹ نے ایمانداری سے یہ خیال کیا ہو۔ کہ آپ کو ایک ایسے مقام پر ستیہ گرہ کے پرچار کے لئے داخل ہونے کی اجازت دینا خلاف مصلحت ہے جہاں اس تحریک کی وجہ سے شورش پیدا ہو چکی تھی۔ تو کیا آپ اسپر اعتراض کرینگے ؟

مسٹر گاندھی۔ جو کچھ آپ نے بیان کیا ہے اس نقطۂ نگاہ سے مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔

لارڈ ہنٹر۔ کیا آپکی گرفتاری کے بعد دہلی، پنجاب، اور احمد آباد میں سخت واقعات رونما ہوئے تھے ؟

مسٹر گاندھی۔ ہاں !

لارڈ ہنٹر۔ اب جن معاملات سے ہمیں بحث کرنی ہے وہ احمد آباد کے متعلق ہیں، جیسا کہ ہمیں بتایا گیا ہے احمد آباد میں آپ کارخانہ کے مزدوروں میں بہت ہر دل عزیز ہیں۔

مسٹر گاندھی۔ ہاں۔

لارڈ ہنٹر۔ آپ کی گرفتاری نے ان کے دلوں میں غصّہ پیدا کر دیا جسکی وجہ سے احمد آباد اور ویرگام میں ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲۔ اپریل کے منحوس واقعات رونما ہوئے ؟

مسٹر گاندھی۔ ہاں۔

لارڈ ہنٹر۔ جہاں تک ان واقعات کا تعلق ہے کیا آپ کو اُن کا ذاتی علم نہیں ؟

مسٹر گاندھی۔ نہیں۔

لارڈ ہنٹر۔ میں نہیں جانتا کہ آپ ہمیں ان واقعات کے متعلق کچھ بتا سکینگے۔ تاکہ ہم کوئی رائے قائم کر سکیں ؟

مسٹر گاندھی۔ میں یہ رائے ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہوں کہ میں عوام کی حرکات کو جو خواہ احمد آباد میں خواہ ویرگام میں سرزد ہوئی ہوں قطعاً ناجائز خیال کرتا ہوں۔ میرے خیال میں یہ ایک غم انگیز بات تھی۔ کہ اُنھوں نے اپنے اوپر قابو نہ رکھا لیکن میں یہ بھی کہونگا کہ گورنمنٹ نے اُن لوگوں کی سخت ترین گرفت کی جن میں صحیح طور پر یا غلط طریقہ پر ہر دلعزیز تھا، وہ اس سے کم سخت برتاؤ کے مستحق تھے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ گورنمنٹ کا فیصلہ ناقابل معافی غلطی تھا اور عوام نے کوئی غلطی نہیں کی۔ بلکہ برخلاف اسکے میری یہ رائے ہے کہ گورنمنٹ کے مقابلہ میں عوام کے افعال زیادہ غیر قابل معافی تھے۔

آگے چلکر مہاتما جی نے اُن واقعات کو دُہرایا کہ کس طرح اُنھوں نے بحدِ امکان ان غلطیوں کی تلافی کی کوشش کی۔ اُنھوں نے اپنی ذات کو بالکل حکام کی مرضی پر چھوڑ دیا۔ مسٹر پریٹ اور دیگر افسران سے طول وطویل ملاقاتیں کیں۔ ۱۳؍ اپریل کو وہ ایک جلسہ منعقد کرنا چاہتے تھے لیکن اُن سے کہا گیا کہ اس دن جلسہ کا انعقاد ممکن نہ تھا۔ اس وجہ سے نہیں کہ کرنل فریزر نے کوئی حکم اسکے خلاف دیدیا تھا

بلکہ اسوجہ سے کہ جلسہ کی اطلاع اُس دن تمام لوگوں کو پہونچانی ناممکن تھی۔

جلسہ ۱۴ اپریل کو منعقد ہوا۔ وہاں انھوں نے (مہاتما گاندھی) تمام واقعات کی تصویر کھینچی وہیں اُن کو لفظ "منظم" اور "تعلیم یافتہ" کا استعمال کرنا پڑا جو بار بار اُن کے و نیز عوام کے خلاف پیش کئے جا چکے ہیں تقریر گجراتی زبان میں تھی۔ مسٹر گاندھی نے اپنی گجراتی تقریر کا حوالہ دیتے ہوئے اُمید کی کہ مسٹر چمن لال سیتلواڈ ان کی تائید کرینگے کہ گجراتی الفاظ سے جنکا ترجمہ "منظم" اور "تعلیم یافتہ" لیا گیا ہے میرا اشارہ صرف اُن لوگوں کی طرف تھا۔ جو لکھنا اور پڑھنا جانتے ہوں اور اُنہوں نے اُس وقت کے واقعات کو جیسا سمجھا تھا۔ ویسا ہی اُن الفاظ کا استعمال کیا۔ اور اپنی رائے ظاہر کی۔

اُنہوں نے اس امر پہ زور دیا کہ ان کا مطلب یہ نہ تھا کہ پہلے سے کوئی تنظیم کی گئی تھی، بلکہ اُن کا مطلب یہ تھا کہ واقعات منظم طریقہ پر کئے گئے اُنہوں نے کہا۔ کہ اُن کے تقریر کے اصل الفاظ کو غلط معنی میں نہیں لیا جا سکتا۔ مزید براں اُنہوں نے اس بات پر بھی زور دیا کہ اُن کی تقریر میں محض احمدآباد کا ذکر تھا۔ حتیٰ کہ اُن کو اُس وقت اتنا بھی علم نہ تھا کہ دیہاتوں میں کیا ہوا۔ و نیز یہ کہ وہ اپنی تقریر کے کسی حصہ کو واپس نہیں لینگے۔ اُن کی (مہاتما جی) رائے میں تشدد منظم طریق پر کیا گیا۔ اُسکا یہ مطلب نہیں نکالا جا سکتا کہ پہلے سے کوئی پوشیدہ سازش تھی۔ مہاتما گاندھی نے اس بات پر خاص طور سے زور دیا کہ جس وقت اُنہوں نے یہ الفاظ ادا کئے تھے تو اُن کے مخاطب پولیس افسران نہ تھے بلکہ عوام الناس تھے۔

مسٹر گائڈر کا یہ کہنا کہ مہاتما گاندھی نے ملزمین میں سے کسی کے نام کا اظہار نہیں کیا یہ بتاتا ہے کہ مسٹر گائڈر مہاتما جی کے مشن کو غلط سمجھے ہیں اور انہوں نے لفظ تنظیم کا نامناسب مفہوم لیا ہے عوام نے جو جرائم کا ارتکاب کیا اُسکی وجہ یہ تھی۔ کہ اُن کو مس انسویا کی گرفتاری کی شر انگیز افواہ نے دھوکے میں ڈالدیا تھا۔ وہاں تعلیم یافتہ لوگوں کی ایک ایسی جماعت تھی جن کے دلوں پر ان بیہودہ خیالات کا قبضہ تھا جو متحرک تصاویر (بائسکوپ) احمقانہ ناول اور سیاسی لیڈروں کے ذریعوں سے پیدا ہوئے تھے مہاتما جی نے اس جماعت میں شامل ہو کر ان خیالات کو دور کرنے کی کوشش کی تھی۔ اپنی اس کوشش میں وہ اسقدر کامیاب ہوئے کہ آج سیکڑوں آدمی ایسے موجود ہیں۔ جو اس انقلاب پسند اسکول سے اپنا تعلق قطع کر چکے ہیں۔

آگے چلکر مہاتما جی نے فرمایا کہ انہوں نے جو کچھ کہا تھا اُسکی تشریح اور اصل مفہوم بتا چکے۔ مہاتما جی نے اس امر کے اعتراف کرنے سے انکار کیا کہ ان کا مطلب یہ تھا کہ فسادات کے پس پردہ یونیورسٹی کے لوگ تھے۔ مہاتما جی نے یہ نہیں کہا کہ یونیورسٹی کے لوگ ایسے افعال کے مرتکب ہونے کے قابل نہیں۔ بلکہ یہ کہا کہ اُن کو (مہاتما جی) یہ علم نہ تھا۔ کہ عوام الناس کی رہبری کوئی اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص کر رہا تھا۔

لارڈ ہنٹر۔ کیا آپ کا اس سے یہ مطلب ہے کہ بلوائیوں کا مقصد مشترک تھا؟
مسٹر گاندھی۔ میں یہ نہیں کہتا۔ یہ کہنا مبالغہ آمیز ہوگا۔ لیکن میں خیال کرتا ہوں۔ کہ اشتراکِ مقصد دو یا تین آدمیوں یا جماعتوں تک محدود تھا۔ جنہوں نے ارتکاب جرم کے لئے اُکسایا تھا۔
سوال۔ کیا اس شورش نے یورو پین لوگوں کے خلاف ہونے کی صورت اختیار کر لی تھی؟
جواب۔ وہ یقیناً گورنمنٹ کے خلاف تحریک تھی اور میں خوشی کے ساتھ اس امر کا یقین کر لونگا کہ وہ یورپین لوگوں کے خلاف نہ تھی لیکن میں نے ہنوز اُسکے متعلق کوئی رائے قائم نہیں کی ہے۔
لارڈ ہنٹر۔ میں نہیں جانتا کہ آیا آپ اس سوال کا جواب دینا چاہتے ہیں یا نہیں۔ بہرکیف کیا اصول ستیہ گرہ کے بموجب یہ بات صحیح ہے کہ جو لوگ جرائم کے مرتکب ہوں سول حکام اُن کو سزا دے سکتے ہیں۔
مسٹر گاندھی۔ یہ ایک مشکل سوال ہے کیونکہ سزا کے ذریعہ سے آپ بیرونی دباؤ ڈالنا چاہتے ہیں۔ میں یہ کہنے کے لئے بھی تیار نہیں۔ کہ یہ غلط ہے لیکن اس کے علاوہ اس سے بھی بہتر ایک اور طریقہ ہے بہرحال میں خیال کرتا ہوں کہ یہ کہنا مناسب ہے کہ ایک ستیہ گرہی کسی ایسی سزا کے متعلق جھگڑا نہیں کر سکتا جو کسی ملزم کو دی جاوے۔ اور لہٰذا اس لحاظ سے اسکو گورنمنٹ کے خلاف نہیں کہا جا سکتا۔
لارڈ ہنٹر۔ لیکن کیا بظاہر گورنمنٹ کی امداد اور ایسی خبریں پہنچا کر کہ نا جو ستیہ گرہی کے علم میں ہوں اور جسکے اظہار سے مجرمین سزایاب ہو جائیں۔ اصول ستیہ گرہ کے خلاف ہے۔
مسٹر گاندھی۔ ستیہ گرہ کے اصولوں کے مطابق یہ امر محض اس معمولی سبب کی بنا پر ناجائز ہے۔ کہ ایک ستیہ گرہی کا کام یہ نہیں ہے کہ پولیس کو اُسکے اس طریقۂ کار میں مدد دے جو اس کے لئے کھلا ہوا ہے۔ بلکہ وہ پولیس اور حکام کی امداد لوگوں کو قانون کا زیادہ پابند اور افسران کا احترام کرانے میں کرتا ہے۔
لارڈ ہنٹر۔ فرض کیجئے کہ کسی ستیہ گرہی نے اپنی موجودگی میں ان بلوؤں کے اندر کوئی سخت جرم کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھا تو کیا اس ستیہ گرہی پر کچھ قیود ایسی عائد کی گئی ہیں جن کی بنا پر وہ پولیس کو اس جرم کی اطلاع کرے۔
مسٹر گاندھی۔ میں اس سوال کا جواب اس سے قبل مسٹر گائیڈر کو دے چکا ہوں۔ اور میں خیال کرتا ہوں کہ جناب کو بھی اسکا جواب دینا ضروری ہے۔ میں ملک کے نوجوانوں کی غلط رہبری نہیں کرنا چاہتا لیکن بایں ہمہ ملک کے نوجوان اپنے بھائیوں کے خلاف غلط مخبری نہیں کر سکتے۔ لفظ بھائی کہکر میں یہاں کسی ملک یا قومیت کا امتیاز نہیں پیدا کرتا ہوں۔ ستیہ گرہی اس قسم کے تمام امتیازات سے آزاد ہوتا ہے۔ ستیہ گرہی کی حیثیت کسی قدر وکیل سے ملتی جلتی ہے۔ جو کسی مجرم کے مقدمہ کی پیروی کرتا ہے۔ میں نے خوفناک سے خوفناک مجرموں کو دیکھا ہے۔ اور میں انکساری کے ساتھ دعویٰ

کرتا ہوں کہ میں نے ان کو جرائم سے باز رکھنے کے لئے امداد کی ہے۔ میں اُن کا نام ظاہر نہیں کر سکتا کیونکہ اس سے میرا اعتبار جاتا رہیگا لیکن فرض کیجئے کہ میں اُن کو جرائم سے باز رکھنے میں کامیاب نہوں تو یقیناً میں یہ دوسرا طریقہ اختیار نہیں کرونگا کہ جاکر اُن کے متعلق پولیس کو اطلاع کر دوں مجھے یہ کہنے میں پس و پیش نہیں ہے کہ ستیہ گرہی کے لئے سب سے سچا اور سیدھا طریقہ یہ ہے کہ وہ کسی جرم میں شہادت دینے نہ جاوے، خواہ جرم اُس کی نظروں کے سامنے ہی کیوں نہ ہوا ہو۔ لیکن یہ اصول شاذ و نادر ہی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اور اب میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اگر میں کسی مجرم کو جرم کرتے ہوئے دیکھ لوں تو اُس کے خلاف شہادت نہ دونگا۔

عام حالت کے متعلق اپنی رائے ظاہر کرنیکے سوال کے جواب میں مہاتما گاندھی نے کہا کہ اُن کے دل پر خاص اثر یہ ہے کہ مارشل لا جاری ہے اور گورنمنٹ نے بہت احتیاط اور تحمل سے کام لیا۔ انہوں نے کہا کہ وہ اس امر کو بخوبی سمجھتے ہیں کہ ریل کی پٹری کاٹنے کی کوشش نے ٹرین کی سپاہ کو غضبناک کر دیا اور سپاہ سے غصہ کی مجنونانہ حرکات جو سرزد ہوئیں۔ اسکے متعلق ان کا دل گواہی دیتا ہے کہ وہ قابل معافی ہیں، ان کا خیال تھا کہ فوجی نوٹس جن الفاظ میں بیان کیا گیا، وہ غلط فہمی میں ڈالنے والا تھا۔ دس آدمی چلے جا رہے تھے۔ اور ایک دسواں آدمی جو اُن کی تعداد کو دس بنانا نہیں چاہتا تھا، اُن میں شامل ہو گیا۔ تو اُن تمام پر گولی چلانا مناسب نہ تھا۔ اور غالباً ان لوگوں کو نوٹس دینے سے بھی کوئی فائدہ نہ تھا۔ جو فوجی اعلان سے واقف بھی نہ تھے۔

دو ججوں کے کام کے متعلق سوال کے جواب میں مہاتما جی نے فرمایا کہ گورنمنٹ نے مجرموں کو جنگ کرنے کے جرم میں مقدمات چلانے میں غلطی کی۔ انہوں نے اعتراف کیا کہ ججوں کا عمل قوانین انصاف کے مطابق تھا۔ لیکن جن دفعات کے ماتحت مقدمات چلائے گئے، اُن کو استعمال نہ کرنا چاہئے۔ عامیانہ رائے بہت ہی ناسزا اور غیر مناسب تکالیف کا باعث ہوئی۔ بیچارے احمد آباد پر جو جرمانہ عائد کیا گیا۔ وہ بہت زیادہ تھا۔ اور مزدوروں سے اُسکے فراہم کرنے کا طریقہ ضرورت سے زیادہ سخت اور اشتعال انگیز تھا۔ لارڈ ہنٹر کے اظہار پر انہوں نے مسٹر انبالال کی رائے سے اختلاف کیا اور انہوں نے کہا کہ وہ محسوس کرتے ہیں کہ مسٹر انبالال نے عوام کے خلاف اپنی رائے ظاہر کرنے میں افسوسناک غلطی کی ہے۔ ان کے خیال کے بموجب نڈیاد اور بارجڈی میں مزید پولیس متعین کرنے میں گورنمنٹ قطعاً حق بجانب نہ تھی۔ جرمانہ کے عائد کرنے کے متعلق کلکٹر نڈیاد نے جو دلائل پیش کئے ہیں وہ غیر معقول اور منتقمانہ ہیں۔ مہاتما جی اس بات سے مطمئن تھے کہ نڈیاد کے باشندوں کی سازش اور لوگوں سے نہ تھی جو ریل کی پٹری کاٹنے کے لئے گئے تھے، بلکہ باشندگان نڈیاد نے مجرموں کی سراغرسانی میں گورنمنٹ کی ہر طرح امداد کی اور اس خدمت کے عوض میں

کلکٹر کا اعتراف اور خراج تحسین وصول کیا گیا۔

مسٹر جسٹس رنکن کی جرح

مسٹر جسٹس رنکن نے کہا کہ وہ مسٹر گاندھی سے تاریخوں کے متعلق کچھ دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ اُنکے جواب میں مہاتما جی نے فرمایا کہ ستیہ گرہ کا عہد فروری کے تیسرے ہفتہ میں لیا گیا۔ اور اس اتفاق کیا کہ رولٹ بل نمبر۲ اسوقت تک پاس نہیں ہوا تھا۔

مسٹر جسٹس رنکن۔ لیکن اس سے قبل کہ رولٹ بل نمبر۲ پاس ہو۔ کیا ملک اس تجویز سے گونج رہا تھا کہ کس طرح اسکے خلاف صدائے احتجاج بلند کیجائے۔ اور کیا احتجاج کی ایک شکل یہ تجویز کی گئی تھی کہ مالگزاری ادا کرنا بند کر دی جائے۔

مسٹر گاندھی۔ ہاں۔

سوال۔ کیا مجسٹریٹ کے منظور کردہ احکام کی خلاف ورزی کرنے کا بھی تصفیہ ہو چکا تھا؟

جواب۔ میں نے اس تجویز کی مخالفت کی تھی۔ ہڑتال کرنے یا سول نافرمانی کرنے میں میں نے ان لوگوں سے کہا تھا۔ کہ پولیس کے تمام احکام کی نہایت احتیاط سے تعمیل کیجائے۔

(مسٹر جسٹس رنکن نے مہاتما جی سے کہا کہ کیا وہ اپنے بیان کی تصدیق میں کوئی اپنا پبلک اعلان دکھا سکتے ہیں؟ مہاتما جی کاغذی شہادتیں جو اُن کے قبضہ میں تھیں دکھانے پر تیار ہو گئے)

سوال۔ کیا دہلی جانے میں آپکا مقصد یہ نہ تھا۔ کہ حکام سے متصادم ہوں؟

جواب۔ نہیں۔ مجھے ڈاکٹر ستیہ پال کا ایک خط ملا تھا۔ اور چونکہ دہلی کے لوگ بے قابو ہو چلے تھے اسلئے سوامی شردھانند جی نے مجھے وہاں جانے کے لئے لکھا۔

سوال۔ انہوں نے آپکو اسلئے نہیں بلایا تھا کہ اُن لوگوں کے جوش کو ٹھنڈا کریں جو اُن کے ہاتھوں سے نکل چکے تھے، بلکہ تحریک ستیہ کو ترقی دینے کے لئے۔

جواب۔ نہیں۔ تحریک کو ترقی دینے کے لئے نہیں بلایا تھا۔ اُنہوں نے (سوامی جی) کہا "میں نا کام رہا" اور یہ کہ مجھکو (مہاتما گاندھی) لوگوں کا جوش ٹھنڈا کرنے کے لئے وہاں جانا چاہئے۔ میں وہاں اسلئے نہیں جا رہا تھا۔ کہ عہد ستیہ گرہ کی غرض سے گورنمنٹ کے قوانین کی خلاف ورزی کروں، بلکہ وہاں پہونچکر حکام کو مدد دوں۔

(مسٹر جسٹس رنکن نے مہاتما جی سے اُن کے مشن کے خاص ارادونکی تصدیق میں تحریری شہادتیں طلب کیں)

مسٹر جسٹس رنکن۔ مسٹر گاندھی! کیا آپنے ۱۴ اپریل کی تقریر میں یہ کہا تھا۔ کہ عوام کی حرکات نے آپکو دہلی جانے اور دوبارہ گرفتار ہونے کے ارادہ سے روک دیا۔ میرے خیال میں وہ آپکا سرسری خیال نہ تھا؟

مسٹر گاندھی۔ نہیں۔ وہ میرا سرسری خیال نہ تھا بلکہ میرا عزم بالجزم تھا۔

سوال۔ دوبارہ گرفتار ہونے میں آپ کا کیا مقصد تھا؟
جواب۔ میری اس سے یہ غرض تھی کہ بار بار ستیہ گرہ کیا جاؤں یہاں تک کہ وہ قابلِ اعتراض ایکٹ منسوخ کر دیا جائے۔
سوال۔ میرے خیال میں ستیہ گرہی کا یہ مقصد نہیں ہوتا۔
جواب۔ ہاں ہمیشہ یہ مقصد نہیں ہوتا لیکن میں نے اپنے اوپر تکالیف بلانے کی غرض سے ایسا کیا تھا۔
سوال۔ کیا آپ کا یہ خیال تھا۔ کہ اس سے ملک میں اشتعال پیدا ہو جائیگا۔ اور آپ کی گرفتاری اس قانون کو منسوخ کرانے میں مؤثر ثابت ہوگی؟
جواب۔ بالکل نہیں۔ اگر ایسا خیال ہوتا۔ تو میں فوراً دہلی روانہ ہو جاتا۔ امرتسر اور دیگر مقامات کا مجھے ذرہ برابر علم نہ تھا۔ اور بمبئی پہونچکر اگلے دن مجھے احمد آباد سے فوری پیغامات وصول ہوئے۔
اسکے بعد مہاتما گاندھی نے بتایا کہ سول نافرمانی کیوں ملتوی کیگئی۔ کیوں انہوں نے دوبارہ جاری کرنیکا خیال کیا اور پھر لارڈ چیمسفورڈ کی خواہش کے مطابق جسکا اظہار گورنر بمبئی کی معرفت ہوا، اُسکو دوبارہ جاری کرنے سے باز رہے۔ انہوں نے اس امر پر زور دیا کہ اس اثنا میں لوگوں کو تربیت یافتہ کرنیکی مختلف کوششیں کی گئیں۔ یہاں تک کہ اور اقرار نامہ تجویز کیا گیا۔ جسمیں لوگوں سے پہلے اقرار نامہ کے جزو عدم تشدد اور صداقت پر کاربند رہنے کا عہد لیا گیا۔
سوال۔ کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ ہندوستان میں آپ کی تحریک کے غلط معنی سمجھنے کی وجہ سے عوام میں بے آئینی کی طرف نامناسب رغبت پیدا ہوگئی ہے؟
جواب۔ میں اسکو صحیح تصور نہیں کرتا۔
مسٹر جسٹس رنکن۔ مسٹر گاندھی! میں آئندہ جو سوال کرنیوالا ہوں اُس کی معافی چاہتا ہوں۔ کیا آپ محسوس کرتے ہیں کہ آپ نے ہندوستانیوں کی قانون پسند عقل کو نقصان پہونچایا ہے؟
مسٹر گاندھی۔ میں محسوس کرتا ہوں۔ کہ بعض لوگوں کی سمجھ کو عارضی نقصان پہونچانے کا میں مجرم ہوں۔
مسٹر جسٹس رنکن۔ ہندوستان کے بعض حصے ایسے ہیں، مثلاً پنجاب جہاں کے لوگ آپ کی تحریک کا مفہوم غلط سمجھیں گے۔
مسٹر گاندھی۔ نہیں۔ ہاں بعض لوگ ضرور غلط سمجھیں گے لیکن پنجاب میں ایسے لوگ ہیں جو ستیہ گرہ کو سب سے زیادہ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ اور میں جہاں کہیں بھی گیا ہوں۔ مجھے ایسے لوگ ملے ہیں، جو تشدد آمیز زیادتیوں پر خلوص کے ساتھ اظہار افسوس کرتے ہیں۔
مسٹر جسٹس رنکن۔ مسٹر گاندھی! آپنے کہا تھا کہ خلاف ورزی کے لئے قانون چننے والی کمیٹی سے یہ مطلب تھا کہ قانون شکنی کی اسکیم کو حد سے متجاوز نہ ہونے دیا جائے۔ کیا آپ کا یہ ارادہ تھا کہ ہر صوبہ

میں جداگانہ کمیٹی بنائی جائے۔

مسٹر گاندھی۔ ہاں ہر صوبہ کے لئے ایک کمیٹی کا تقرر تجویز ہوا تھا لیکن ہر جگہ کا صدر میں ہی منتخب کیا گیا۔ تاکہ ہر مقام پر ایک ایسی پالیسی سے کام لیا جاسکے لیکن درحقیقت میں نے اس ضرورت کے لئے یہ خیال کیا تھا۔ کہ مختلف مقامات پر مختلف قوانین کی خلاف ورزی کیجائے۔

(پھر مسٹر گاندھی نے خاموش مقابلہ (پیسو ریزسٹینس) اور سول نافرمانی کا فرق بتایا اور کہا کہ خاموش مقابلہ (پیسو ریزسٹینس) احتجاج کے جملہ ذرائع پر حاوی نہیں)

مسٹر چمن لال سیتلواد کی جرح

مسٹر چمن لال۔ آپ کی تحریک ستیہ گرہ کے متعلق جہانتک میں سمجھتا ہوں اُسکے معنی یہ ہیں کہ صداقت کی پیروی کیجاوے۔ اور اس پیروی میں آپ تکالیف و مصائب کو اپنے اوپر برداشت کرتے ہیں اور دوسرے پر تشدد نہیں کرتے۔

مسٹر گاندھی۔ ہاں جناب۔

سوال۔ صداقت کی تلاش میں انسان کتنی بھی کوشش کیوں نہ کرے لیکن صداقت کے متعلق اس کے خیالات اور دوسرے لوگوں کے خیالات میں ضرور فرق ہوگا پھر صداقت کو کون تجویز کرے؟

جواب۔ ہر شخص خود ہی تجویز کرسکتا ہے۔

سوال۔ لیکن صداقت کے متعلق مختلف لوگوں کی مختلف رائیں ہیں۔ کیا اس سے انتشار پیدا نہوگا؟

جواب۔ میرا ایسا خیال نہیں ہے۔

سوال۔ صداقت کی ایماندارانہ جستجو ہر معاملہ میں جداگانہ نوعیت کی ہوتی ہے۔

جواب۔ یہی وجہ تھی کہ ستیہ گرہ میں عدم تشدد کا جزو ایک ضروری ضمیمہ تھا۔ اُسکے بغیر البتہ انتشار بلکہ اس سے بھی زیادہ خراب حالت ہوتی۔

سوال۔ کیا ان لوگوں کو جو حق و صداقت کے متلاشی ہوں اعلیٰ درجہ کے اخلاقی و دماغی کمالات سے مزین نہ ہونا چاہئے؟

جواب۔ نہیں۔ ہر کس و ناکس سے اس قسم کی امید کرنا ناممکن ہے۔ اگر بالفرض (زید) حق و صداقت کو اپنی کوششوں سے معلوم کرتا ہے اور بکر و عمر اور اُن کے علاوہ دوسرے لوگ اسکو تسلیم کرتے ہیں تو عمرو بکر وغیرہ میں زید کے کمالات کا موجود ہونا ضروری نہیں سمجھونگا۔

سوال۔ اسکے یہ معنی ہیں کہ ایک شخص ایک نتیجہ پر پہونچتا ہے تو دوسرے لوگوں کو جو اُس سے کم درجے کے اخلاقی و دماغی کمالات رکھتے ہیں اسکی اندھا دھند پیروی کرنی چاہیئے؟

جواب۔ آنکھ بند کرکے پیروی نہیں کرنی چاہیئے۔ میں جس بات پر زور دینا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہر اُس شخص

کو جو بذاتِ خود جداگانہ طور پر حق و صداقت کا متلاشی ہو کسی ایسے شخص کی تقلید کرنی چاہیئے جو حق و صداقت کو معلوم کر چکا ہو۔

مسٹر چمن لال ۔ آپ کی اسکیم کے یہ معنی ہیں کہ حق و صداقت وہ لوگ معلوم کریں جنکے اخلاقی و دماغی قویٰ اعلیٰ درجہ کے ہوں، اور لوگوں کی ایک کثیر تعداد آنکھیں بند کر کے اُن کی پیروی کرے۔ کیونکہ وہ خود بوجہ اپنے کمئی علم و کمالات اس قسم کے نتائج پر پہونچنے سے قاصر ہیں۔

مسٹر گاندھی ۔ میں اُن سے بھی ایسی ہی توقع کرونگا جیسی کہ ایک معمولی آدمی سے۔

مسٹر چمن لال ۔ میرے خیال میں اس پروپگنڈا کی قوت کا انحصار اسکے ماننے والوں کی کثرتِ تعداد پر ہے؟

مسٹر گاندھی ۔ نہیں۔ اگر ایک ستیہ گرہی بھی ستیہ گرہ کا صحیح نمونہ بن جائے۔ تو تحریکِ ستیہ گرہ میں کامیابی ممکن ہے۔

سوال ۔ مسٹر گاندھی! آپ نے فرمایا تھا۔ کہ آپ ہنوز اپنے تئیں ایک پختہ اور مکمل ستیہ گرہی نہیں سمجھتے تو غالباً عوام الناس کی کثیر تعداد اس سے بھی کم درجہ کی ستیہ گرہی اوصاف رکھتی ہوگی۔

جواب ۔ نہیں میں اپنے آپ کو غیر معمولی انسان نہیں سمجھتا۔ ایسے آدمی بھی ہو سکتے ہیں۔ جو حق و صداقت کو معلوم کرنے کی مجھ سے زیادہ لیاقت رکھتے ہوں۔ جنوبی افریقہ کے چالیس ہزار جاہل مطلق ہندوستانی اس نتیجہ پر پہونچے کہ وہ ستیہ گرہی ہو سکتے ہیں۔ اور اگر میں اس قابل ہوں کہ ٹرانسوال کے اُن سنسنی خیز مناظر میں آپ کو لے جا سکوں۔ تو آپ کو یہ سُنکر تعجب ہوگا کہ آپ کے ہموطنوں نے جنوبی افریقہ میں کس قدر تحمل کا اظہار کیا۔

سوال ۔ لیکن وہاں سب لوگ متفق تھے۔

جواب ۔ جنوبی افریقہ کے مقابلہ میں یہاں رائے کی پختگی زیادہ پاتا ہوں۔

سوال ۔ لیکن وہاں امرِ متنازعہ بالکل صاف اور فوری تھا۔

جواب ۔ یہاں بھی امرِ متنازعہ بالکل صاف اور ظاہر ہے یعنی رولٹ ایکٹ۔

یہاں پہونچکر مہاتما جی نے اس امر کو واضح کیا کہ کس طرح انہوں نے ستیہ گرہ کو تشدد کے مقابلہ میں ایک لامحدود اور زبردست قوت کی حیثیت میں پیش کیا۔

سوال ۔ کیا تکالیف کے برداشت کرنے اور اس عمل کو جاری رکھنے میں غیر معمولی تحمل کی ضرورت نہیں ہے؟

جواب ۔ نہیں۔ کسی غیر معمولی تحمل کی ضرورت نہیں۔ ہر ایک ماں باوجود ضعیف القویٰ عورت ہونے کے تکالیف برداشت کرتی ہے۔ میں اس امر کو پیش کرتا ہوں کہ آپ کے ہم وطن تحمل پر قابو رکھتے ہیں۔ اور انہوں نے بہت بڑے پیمانہ پر اسکا اظہار بھی کیا ہے۔

سوال۔ احمد آباد کا واقعہ لیجئے کیا انہوں نے وہاں تحمل کا اظہار کیا؟

جواب۔ میرا مطلب محض اتنا ہے کہ تمام ہندوستان میں جہاں کہیں آپ تشدد کی وبا [illegible] پائینگے وہاں آپ لوگوں کی زیادہ تعداد کو تحمل پر ثابت قدم دیکھینگے۔ احمد آباد اور دوسرے مقامات کے واقعات یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہاں ہم نے اپنے اوپر پورا قابو حاصل نہیں کیا تھا۔ گذشتہ سال کیرا کے لوگوں نے باوجود انتہائی اشتعال کے نہایت تحمل سے کام لیا۔

سوال۔ کیا آپ ان تشدد آمیز افعال کو اتفاقی حوادث سے تعبیر کرتے ہیں؟

جواب۔ نہیں۔ میں ان کو اتفاقی نہیں کہتا۔ بلکہ یہ شاذ تھے جب لوگ ستیہ گرہ کا صحیح مفہوم سمجھنے لگینگے تو یہ اور بھی زیادہ شاذ ہو جائینگے۔ میں یہ خیال کرتا ہوں کہ دوسری آزمائش کے لئے ملک نے اس اصول کو بخوبی سمجھ لیا ہے۔ میں یہ بھی محسوس کرتا ہوں کہ ملک ستیہ گرہ کی تحریک میں کو گذر کر اب زیادہ پاک اور اچھا ہو گیا ہے۔

سوال۔ معمولی طور پر آپ کا اصول گورنمنٹ سے تعاون کرنے پسلی منافرت کو دور کرنے اور اپنے اوپر تکالیف برداشت کرنیکی تلقین کرتا ہے لیکن اپنے اوپر مصائب برداشت کرنے سے کیا بدگمانی نہیں پیدا ہوتی؟

جواب۔ یہ میرے تیس ۳۰ سالہ تجربہ کے خلاف ہے کہ لوگ تکالیف برداشت کرنے کی وجہ سے گورنمنٹ سے بدگمان ہو گئے ہوں۔ جنوبی افریقہ میں ایک شدید تنازعہ کے بعد بھی ہندوستانیوں اور گورنمنٹ کے تعلقات بہترین ہیں اور جنرل اسمٹس نے ایک ایسا ایڈریس قبول کیا جبکہ [illegible] ہندوستانیوں نے بطیب خاطر اپنے ووٹ دیئے تھے۔

سوال۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ستیہ گرہ کا عہد کئے بغیر اس تحریک میں حصہ لیا جائے۔

جواب۔ میں ایسے لوگوں سے یہ کہونگا کہ وہ تحریک کے اس جزو میں شریک ہو جاویں جو سول مزاحمت (سول ریزسٹنس) کا ہے۔ عوام الناس تاوقتیکہ عہد نکریں اقرارنامہ کی سول نافرمانی والے جزو میں شریک نہیں ہو سکتے۔ اسلئے اُن لوگوں کے لئے جو سول ریزسٹرس [illegible] بنایا گیا تھا جسمیں اُن سے کہا گیا تھا کہ وہ حق و صداقت کی پیروی کریں [illegible] اور تشدد سے پرہیز کریں۔ اُسوقت میں نے سول ریزسٹنس [illegible] کے لئے یہ بات جائز ہے کہ وہ کسی عہدنامہ کے ایک ہی حصہ پر [illegible] سول ریزسٹنس کے جزو کو خارج کر دیا۔ جو لوگوں کے لئے خاص اس سبب [illegible] حق و صداقت کا جزو اُن کے سامنے رکھدیا۔

اسکے بعد مسٹر چمن لال سیتلواد نے اس سوال کا جواب دیا [illegible]

کرنا بھی اقرارنامہ میں رکھا گیا تھا۔ اور مہاتما گاندھی اور مسز بسینٹ کے باہمی اختلافات کا حوالہ دیا[1]

مہاتما جی نے جواب میں کہا کہ انہوں نے بمبئی میں سنا تھا کہ بسینٹ نے کمیٹی والے جزو کو خارج کرکے باقیماندہ عہد کر لیا تھا لیکن وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے ایسا نہیں کیا۔

سوال۔ کیا انہوں نے یہ نہیں کہا کہ جو شخص رولٹ ایکٹ کی خلاف ورزی کرے اس کو انارکسٹ (انقلاب پسند) ہونا پڑے گا۔

جواب۔ بے شک انہوں نے یہ وجہ پیش کی ہے۔

مسٹر گاندھی نے یہاں توضیح کی کہ سب سے زیادہ قابل غور یہ امر ہے کہ رولٹ ایکٹ جارحانہ سول نافرمانی کو باقاعدگی کے ساتھ چلانے میں معاون ہوگا۔

سوال۔ کیا اسکے پس پردہ یہ خیال نہیں ہے کہ گورنمنٹ کو پریشان کیا جاوے؟

جواب۔ ہرگز نہیں۔ ایک ستیہ گرہی دق کرنے اور پریشان کرنے پر بھروسہ نہیں کرتا۔ بلکہ خلاصی حاصل کرنیکے لئے اس کا بھروسہ اپنے اوپر تکالیف برداشت کرنے پر ہوتا ہے۔

سوال۔ کیا ان صورت حالات کی موجودگی میں ایک باقاعدہ گورنمنٹ کا چلانا ناممکن ہو جائیگا؟

جواب۔ اگر غیر جارحانہ کارروائی کرنے والے لوگ قوانین کی خلاف ورزی کریں تو باقاعدہ گورنمنٹ کا چلانا ناممکن نہیں ہو سکتا لیکن اگر مجکو یہ معلوم ہو جائے۔ کہ گورنمنٹ نے اپنے عقل و حواس کو خیرباد کہہ دیا ہے تو یقیناً میں اس کے قیام کو ناممکن کردونگا۔

سوال۔ آپ اپنے پیغام میں لوگوں کو تشدد سے باز رہنے کے لئے لکھتے ہیں اور پھر بھی تشدد ظہور میں آیا تو کیا اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ معمولی دماغ کے لوگ عدم تشدد کے نظریہ پر مشکل سے عمل پیرا ہو سکتے ہیں۔

جواب۔ سالہا سال تک تشدد پر عامل رہنے کے بعد اب اُن کے لئے اس سے باز رہنا مشکل ہے۔

اس سوال پر کہ آیا فسادات کے منظم ہونے کے ثبوت میں اُن کے پاس کوئی شہادت موجود ہے۔ مہاتما جی نے اثبات میں جواب دیا اور کہا کہ اگرچہ وہ ان لوگوں کا نام تو ظاہر نہ کریں گے جو اس سے تعلق رکھتے ہیں۔ تاہم ثبوت میں جو مواد اُن کے پاس موجود ہے اسکو کمیٹی کے سامنے پیش کرنے میں انہیں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

مسٹر گاندھی نے کہا کہ فسادات کی تنظیم کرنیوالوں نے مالی نقصان کی تجویز کی تھی۔ نہ کہ جانی نقصان کی۔ ۱۰ اور ۱۱ تاریخ کو کچھ تنظیم کی گئی تھی۔ مہاتما جی نے کہا کہ ان کے پاس اُن لوگوں کی شہادتیں

---

[1] اس سے یہ مطلب ہے کہ مسز بسینٹ اس امر پر تیار نہیں ہوئی تھیں کہ خلاف ورزی کیلئے کمیٹی قوانین چنے۔

موجود ہیں کہ جن سے تشدد کرنیکے لئے کہا گیا۔ جنہوں نے تشدد کیا۔ اور جنہوں نے بچشم خود تشدد کے منظر کو دیکھا۔ مہاتما جی نے فرمایا کہ انکے پاس براہِ راست شہادتیں آئیں۔ لوگ اُن کے پاس تلواریں دینے کے لئے آئے۔ لیکن اُن میں (لوگوں) ایسا کرنے کی ہمت نہوئی۔ اُنہوں نے فرمایا۔ کہ وہ بعض مخبروں کو شناخت کر سکتے ہیں لیکن تمام کو نہیں۔ مثلاً قرب وجوار کے گاؤں سے بعض لوگ اُن کے پاس ایسے آئے۔ جنہوں نے اپنے کئے پر اظہار افسوس کیا۔ و نیز یہ کہ جو کچھ اُنہوں نے کیا وہ محض اُن کی (مہاتما جی) خالص محبت کی بنا پر تھا۔

اس سوال کے جواب میں کہ اُنہوں نے (مہاتما جی) یہ کیسے سمجھ لیا کہ جو لوگوں نے کہا وہ سچ ہی تھا۔ مہاتما جی نے کہا مجھ میں اتنی قابلیت موجود ہے۔ کہ جھوٹے اور سچے بیانات میں امتیاز کر سکوں۔ میرا یہ خیال ہے کہ ریل کی پٹری کاٹنے کے معاملہ میں صرف دو یا تین آدمی شامل تھے۔ اور وہ بھی شراب خوار۔ اسلئے میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ فعل کوئی منظم فعل تھا۔ مجھے اس امر کا یقین ہے کہ شہر میں لوگوں کو اس جرم کی مطلق خبر نہ تھی۔ اور اگر اُن کو اسکا علم ہوتا تو وہ اسکو نہ ہونے دیتے۔ میرے اس خیال کی تائید میں وہ لوگ ہیں جنپر مجھکو بہت بھروسہ ہے۔ میں یہ نہیں بتا سکتا۔ کہ جو شخص ریل کی پٹری کاٹنے کے جرم میں ماخوذ ہوا ہے وہ وہی ہے جس نے فی الحقیقت اس جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ کیونکہ میں نے اُسکا نام معلوم نہیں کیا ہے۔

آگے چلکر مہاتما جی نے فرمایا۔ کہ اُنہوں نے تحریک سول نافرمانی کو اسلئے ملتوی کر دیا کہ چونکہ یہ ایک عام تحریک تھی۔ اور موجودہ صورت حالات میں اُس کا نفاذ خلاف مصلحت تھا۔ مہاتما جی لوگوں سے یہ توقع نہیں کرتے۔ کہ وہ ستیہ گرہ کی ماہیت کو سمجھ جائیں۔ بلکہ اُن کی توقع صرف اس قدر ہے کہ عوام یہ محسوس کریں کہ اُن کے لئے زیادہ اچھا یہ ہے۔ کہ اگر وہ تحریک میں شامل نہیں ہو سکتے تو کم از کم تشدد سے پرہیز کریں۔

مسٹر چمن لال نے مہاتما جی سے اُن کا وہ اشتہار پڑھنے کے لئے کہا جسکا عنوان "کب ستیہ گرہ کا دوبارہ نفاذ کیا جائیگا" تھا اور پھر دریافت کیا کہ جسوقت وہ (مہاتما جی) یہ کہہ رہے تھے۔ کہ لوگوں کو ستیہ گرہ دوبارہ جاری کرنے کے لئے تیار ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اُسوقت تک فوجی انتظام مکمل ہو جائیگا۔ انکے اس عمل سے اُن کی یہ خواہش ظاہر نہیں ہو رہی تھی۔ کہ ملک کے تمام حصوں میں فوجی انتظام کر دیا جائے تاکہ لوگ قانون کی خلاف ورزی کرنے میں مصروف ہو جائیں۔ مہاتما جی نے جواب میں کہا کہ اُن کے الفاظ کا یہ مفہوم نہیں۔ وہ ایسی بات کہنے کے مجرم نہیں ہو سکتے اور جیسا کہ اُن سے توقع کیجاتی تھی اُنہوں نے اپنے ساتھیوں کی بڑی مایوسی کے باوجود یکم جولائی کو ستیہ گرہ کا دوبارہ نفاذ محض اسوجہ سے نہیں کیا کہ وائسرائے اور گورنر بمبئی نے ان سے کہا تھا۔ کہ کیا وہ (مہاتما جی)

ہندوستان کو مسلح کیمپ بنوانا چاہتے ہیں۔ اور اگر ایسا نہیں چاہتے تو تحریک بند کردیں۔ اور
لہذا اُنہوں نے تحریک کو ملتوی کردیا۔

احمد آباد کے مزدوروں پر جرمانہ کے سوال کے جواب میں مہاتما جی نے فرمایا۔ کہ جرمانہ فراہم کرنے کا طریقہ اور ٹیکس عائد کرنے کا اصول بالکل خراب تھا۔ نیز فراہمی جرمانہ کا وقت بہت بے موقع و بے محل تھا۔ بعض مثالوں میں جرمانہ ایسے لوگوں پر عائد کیا گیا جن کا فسادات سے کوئی بھی تعلق نہ تھا۔ مہاتما جی نے کہا کہ مستثنیات کے متعلق وہ کچھ نہیں کہنا چاہتے۔ اور نہ وہ اُن اختیارات پر جھگڑا کرنے کے لئے تیار ہیں۔ جو حکام کو عطا کئے گئے تھے۔ اُنہوں نے کہا کہ کلکٹر احمد آباد نے جو ضروری تدابیر اختیار کیں۔ اگر وہ (مہاتما جی) اسکے طرز عمل کی عدم کی تائید نہ کریں تو وہ انصاف نہ کریں گے۔

پنڈت جگت نرائن کی جرح

سوال۔ مہاتما جی! میں خیال کرتا ہوں کہ گورنمنٹ کی تدابیر دافع انارکی کے آپ خلاف نہ ہونگے۔

جواب۔ بیشک نہیں لیکن انارکی کے جرائم کی سزا معمولی قانون کے ماتحت دیجاسکتی ہے

سوال۔ پھر اسکی کیا وجہ ہے کہ آپ نے رولٹ ایکٹ کی مخالفت کی۔

جواب۔ میرا اصل اعتراض رولٹ ایکٹ پر یہ ہے کہ یہ ایکٹ تمام ہندوستانی قوم کی تذلیل ہے

سوال۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ اسمیں بہت سی احتیاطیں ہیں۔

جواب۔ احتیاطوں کے متعلق میں اپنے تجربہ کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ یہ محض دھوکہ دینے والی ہی نہیں ہوتیں۔ بلکہ خطرناک پھندے ہوتے ہیں۔ احتیاط محض ایک دھوکہ ہے۔ اور یہ حکومت کی مجلس انتظامیہ (ایگزیکٹو) کو اور زیادہ ذمہ دار بنالیتی ہے۔

سوال۔ یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ تحریک ستیہ گرہ کا مطلب گورنمنٹ کو پریشان کرنا ہے کیا آپکو یہ خوف نہیں ہے کہ آپ کی تحریک کا ایسا ہی نتیجہ ہوگا۔

جواب۔ ستیہ گرہ کی تحریک گورنمنٹ کو پریشان کرنے کے لئے نہیں شروع کیگئی۔ البتہ اکثر سیاسی ایجیٹیشن اس مقصد سے شروع کئے گئے ہیں۔ اگر کوئی ستیہ گرہی یہ معلوم کرتا ہے کہ اسکی جد وجہد کے نتیجہ میں گورنمنٹ تنگ ہو جائے تو وہ اس کے مقابلہ کرنے میں بھی کشمکش نہ کرے گا۔

سوال۔ آپ اس امر میں تو مجھ سے متفق ہونگے کہ ہر سیاسی ایجیٹیشن کی کامیابی کا دارومدار اس کی پیرو کاروں کی کثرت تعداد پر ہوتا ہے۔

جواب۔ میں کسی سچے مسئلہ میں تعداد کی کثرت کو ضروری نہیں سمجھتا۔ اور ایسے مسئلہ میں ہر شخص خواہ وہ

ذی رتبہ ہو یا کم درجہ کا اپنا مقصد حاصل کر سکتا ہے۔

سوال۔ لیکن آپ یہ کوشش تو ضرور کریں گے کہ جسقدر آدمی آپ کو دستیاب ہو سکیں اُن کو اپنی تحریک میں شامل کر لیں۔

جواب۔ نہیں ایسا نہیں ہے ستیہ گرہی کا دارو مدار حق و صداقت اور اُس کے حصول میں ذاتی قربانی کرنے پر ہوتا ہے۔

سوال۔ لیکن مہاتما جی! سیاست میں تنہا آدمی کی آواز کیسے سُنی جا سکتی ہے؟

جواب۔ یہی بات ہے جسکو میں غلط ثابت کرنا چاہتا ہوں۔

سوال۔ کیا آپ یہ یقین رکھتے ہیں کہ ایک انگریز افسر انفرادی جد و جہد کو دھیان میں لائیگا؟

جواب۔ کیوں نہیں۔ یہ تو میرا تجربہ ہے کیونکہ چند ستیہ گرہیوں کے اشارہ پر لارڈ ہارڈنگ محض معمولی مسٹر رہ گئے۔

سوال۔ اوہ۔ آپ تو ایک غیر معمولی انسان کی مثال دیتے ہیں۔

جواب۔ معمولی قابلیت کے لوگ بھی اپنی اخلاقی قوتوں میں ترقی کر سکتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ میں اپنے ہم وطنوں میں جہالت کو قابلِ افسوس سمجھتا ہوں اور اُن کی تعلیم کو بھی ضروری سمجھتا ہوں لیکن ایک جاہل مطلق انسان میں بھی ستیہ گرہ کا جذبہ ہونا بالکل ناممکن نہیں سمجھتا۔ یہ میرا پُرانا تجربہ ہے

یہاں مہاتما جی نے مختصر طور پر ہڑتال اور ستیہ گرہ کا فرق بتایا۔ اور کہا ہڑتال ستیہ گرہ کا لازمی جزو نہیں ہے۔ اسکا استعمال صرف ضرورت کے وقت ہوتا ہے۔ اسکے بعد مہاتما جی نے فرمایا کہ انہوں نے بار بار کامیابی کے ساتھ ہڑتال کی آزمائش مسٹر ہارنیمن کی جلا وطنی اور تحریک خلافت کے موقعوں پر کی ہے۔

سوال۔ غیر ملکی اور غیر ذمہ دار افسران کے مقابلہ میں آپ کے پاس اور کوئی علاج نہ تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ آپ نے اس تحریک کو شروع کیا۔ کیا یہ بات صحیح نہیں؟

جواب۔ میں یقین کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتا۔ میں ستیہ گرہ کی ضرورت کو آئندہ ذمہ دار سیلف گورنمنٹ کے مقابلہ میں بھی ضروری محسوس کرتا ہوں۔ ہمارے وزراء لاعلمی کی بنا پر یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ وہ دیہی مدافعت کرنے کے قابل ہیں۔ البتہ انگریز افسروں کو اپنی ذاتی حفاظت کے وسائل ملے ہوئے ہیں

سوال۔ لیکن سیلف گورنمنٹ کے جملہ اختیارات کے باوجود ہم وزراء کو علیحدہ کر سکیں گے؟

جواب۔ میں ہمیشہ کے لئے اس معاملہ میں اپنا یقین نہیں کر سکتا۔ انگلستان میں باوجود پبلک کی بے اعتمادی کے وزراء مجلس انتظامیہ میں برقرار رہ سکتے ہیں۔ ایسی ہی صورت یہاں بھی ہو سکتی ہے اور اسلئے میں اس ملک میں بحالت موجودہ بھی ایسی صورتِ حال کا خیال کر سکتا ہوں جس میں ستیہ گرہ کی ضرورت ہو۔

سوال۔ کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ تحریک ستیہ گرہ کے بعد کوئی بے چینی رونما ہوگی؟
جواب۔ میں صرف آپ کے خیال کے خلاف ہی نہیں ہوں بلکہ مجکو بڑی مایوسی ہوگی۔ اگر میری یا انسویا بائی کی گرفتاری پر کسی قسم کی بے چینی پیدا ہوئی لیکن اس بے چینی کو تشدد کی شکل اختیار نہیں کرنی چاہئے۔ دوسروں کو تکلیف میں دیکھ کر ستیہ گرہی کے دل کو دکھ پہونچتا ہے اور ستیہ گرہی یکے بعد دیگرے جیل میں جاوینگے۔ میری دلی تمنا ہے کہ ایسی بے چینی پیدا ہو۔
سوال۔ ۱۱ اپریل کو بمبئی پہونچنے پر آپ نڈیاد کیوں گئے؟
جواب۔ چونکہ وہاں تشدد کا خطرہ تھا اسلئے وہاں گیا۔
سوال۔ یہ کہا جاتا ہے۔ کہ وہاں لوگوں نے آپ کی نصیحت سننے سے انکار کر دیا۔
جواب۔ یہ کہنا بالکل صحیح نہ ہوگا۔ کہ مجمع نے میری نصیحت سننے سے انکار کر دیا۔ وہ لوگ جنھوں نے میری نصیحت کو سنا انھوں نے اُسپر بغیر تجربہ عمل کیا۔
سوال۔ میرے سامنے ایک رپورٹ موجود ہے۔ جو اس موضوع کی ہے کہ آپ اپنے تئیں بیمار ظاہر کرتے ہیں۔ حالانکہ آپ کے پیروں میں تیزی موجود ہے۔
جواب۔ اس کے متعلق میں صرف اسقدر کہہ سکتا ہوں کہ یہ بالکل غلط ہے۔
سوال۔ اسی رپورٹ میں یہ بھی ہے کہ آپ اتنے خوفزدہ ہوئے کہ دیا سلائی کے ایک مکان میں چھپ گئے۔
جواب۔ یہ بھی جھوٹ ہے۔ میں نے بذات خود سوار پولیس کا حملہ مجمع پر ہوتے ہوئے دیکھا۔ میں مسٹر گریفتھ کے پاس اس موضوع پر گفتگو کرنے کی غرض سے گیا تھا۔

مسٹر کیمپ کی جرح

سوال۔ آپ یہ کہتے ہیں کہ احمد آباد میں مارشل لا ضروری نہ تھا؟
جواب۔ ہاں میری یہی رائے ہے۔
سوال۔ لیکن مسٹر گاندھی! اگر فوجی افسران نے اسکو ضروری کہا ہو تو اسوقت آپ کیا کہینگے؟
جواب۔ ان واقعات سے جو میرے قبضہ میں ہیں۔ میں اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ فوجی افسران نے اس حکم کی اجازت نہیں دی۔
سوال۔ آپ کہتے ہیں کہ بعض بے گناہ آدمی بھی مارے گئے۔
جواب۔ یہ میری پختہ رائے ہے۔
سوال۔ کیا آپ کے پاس کوئی اسکا یقینی ثبوت ہے؟
جواب۔ میرے پاس خاص اپنی ذات کو اطمینان دلانے کے لئے کافی ثبوت موجود ہیں۔
سوال۔ کیا آپ نے اسکے متعلق چیف فیلڈ کو کچھ لکھا تھا؟

جواب۔ ہاں۔

سوال۔ کیا مسٹر چیٹ فیلڈ نے آپ سے کہا تھا کہ شکایت کرنے والوں کو اُن کے پاس بھیج دیا جاوے؟

جواب۔ ہاں۔

سوال۔ پھر اُس پر آپ نے کوئی کارروائی کی؟

جواب۔ میں نے کوئی کارروائی نہیں کی کیونکہ جس دن مسٹر چیٹ فیلڈ کو خط لکھا تھا، اُسی دن مارشل لا واپس لے لیا گیا۔ میں مسٹر چیٹ فیلڈ کو ایک شریف افسر سمجھتا ہوں۔ بہت کم افسروں میں میں نے اُن جیسی دوراندیشی ایمانداری دیکھی ہے۔ مجھے کسی ایسی بات کے کہنے پر افسوس ہوگا جو اُن کے طرز عمل پر نکتہ چینی کرتی ہو، لیکن میں جانتا ہوں کہ آپ اس معاملہ پر زیادہ زور نہ دیں۔ میں اس امر کا یقین کر چکا ہوں کہ جس بردباری سے بمبئی گورنمنٹ نے ماہ اپریل میں کام لیا ہے اُس نے شکایت کا کوئی موقعہ نہیں چھوڑا۔

لیکن جب مجھے تمام حالت کی تشریح کرنی ہے تو میں انتہا درجہ کی انکساری کے ساتھ اپنا یہ فرض سمجھتا ہوں کہ گورنمنٹ کی غلطیوں کو بھی بتا دوں۔ میں نے ایسا ہی کیا ہے۔ چند بےگناہ لوگوں کے بارے جانے کا اظہار کرنے سے میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں کوئی شکایت کرنا چاہتا ہوں۔

مسٹر گاندھی! میں مانتا ہوں کہ آپ کی شہادت نہایت ایماندارانہ اور بےلاگ ہے۔ اب میں آپ سے اور زیادہ سوالات کرنا نہیں چاہتا۔

عدم تعاون کا ہتھیار گورنمنٹ کیلئے بھی رعایا کے خلاف ایسا ہی مفید ہے جیسا کہ رعایا کو گورنمنٹ کے خلاف

(تحریک ستیہ گرہ کے عالمگیر ہونے کا ثبوت) ینگ انڈیا ۲۳ جون ۱۹۲۰ء

بین الاقوامی معاملات میں قانون محبت کو تسلیم کرنے کے لئے عرصہ چاہیئے۔ حکومتیں بیچ میں حائل ہیں اور انسانی قلوب کو باہم گر پوشیدہ رکھتی ہیں۔ تاہم اگر ہم اصلیت پر نظر رکھتے ہوئے یوروپ اور مشرقی ایشیا کی تازہ ترین ترقیات پر نظر رکھتے تو فوراً معلوم کر سکتے تھے کہ دنیا اس امر کا احساس کرنے کے لئے نہایت استقلال کے ساتھ گردش کر رہی ہے۔ طاقت و قوت مسائل کے حل کرنے میں جیسے افراد کے درمیان ناکام رہتی ہے اسی طرح قوموں کے درمیان بھی ناکام رہی ہے۔ البتہ عدم تعاون کا اقتصادی استحکام روز بروز بحری و بری قوتوں سے بھی زیادہ قوی تر اور نتیجہ خیز ہوتا جاتا ہے۔ جنگی فتوحات نے فاتح قوموں پر ہمیشہ

بنیا بوجھ ڈالا ہے۔ مفتوح قوموں کا کھانا اور پینا، صنعت اور حرفت فاتح کے لئے بھی اتنا ہی تشویشناک ہے
جتنا کہ خود اُن کے لئے اتحادی قوموں کی تمام سرگرمیاں اور ہنرمندیاں صرف اسی مقصد کے حصول میں
صرف ہو رہی ہیں کہ کس طرح فاتحین کی تزک و شان کو صدمہ پہونچائے بغیر مفتوحین کو اقتصادی طور پر قابل
ادائے قرضہ خوش و خرم اور دنیاوی کاروبار میں مشغول رکھنے کے قابل بنایا جا سکتا ہے۔ امریکہ کی جمہوریت
پسند جماعت کے بین الاقوامی پروگرام کے متعلق جو تار موصول ہوا ہے اُس کی سطور میں ہر شخص دیکھ سکتا
ہے کہ مغرب بعیدہ نے یہ محسوس کرنا شروع کر دیا ہے کہ انجمن اقوام کی آخری منظوری بجز وہی قوت آہنی کی
شیطانی زنجیر نہ ہونی چاہئے بلکہ بین الاقوامی "اخراج از پناہ قانون" کی قوت یعنی قوموں کا عدم تعاون ہونا چاہئے
اس سے قانون محبت کو تسلیم کرنے کی طرف بآسانی قدم بڑھایا جا سکتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک نئی قوت کو ساز
پہنا کر پہیوں پر رکھا گیا ہے پرانی قوتوں کے کپتان اس ایجاد کو ناقابل عمل، نظری اور تخیلانہ وغیرہ تصور کرینگے
ہم کو اس امر کا یقین ہے کہ اوّل اوّل گھوڑوں کا بیوپار کرنے والے نے اسٹیم انجن کا مضحکہ اُڑایا تھا۔ یہاں تک
کہ اُس نے دیکھا کہ اسٹیم انجن گھوڑوں کو بھی ایک مقام سے دوسرے مقام تک لے جا سکتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس
رائج الوقت اسٹیم انجن کے حلقوں میں برقی انجینیر کو مجنوں اور خیال پھیلانے والے کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔
لیکن بالآخر برقی کام تاروں کے ذریعہ سے جاری ہو گیا۔ لہذا اسی طرح اگرچہ یہ ممکن ہے کہ بین الاقوامی محبت کے
تار لگانے میں عرصہ درکار ہو تاہم بین الاقوامی عدم تعاون کو جسمانی جبر و تشدد پر ترجیح دیکر جیسا کہ امریکہ کی
جمہوریت پسند جماعت کا خیال ہے اس مسئلہ کے آخری اور حقیقی حل کی جانب نمایاں ترقی کی جا سکتی ہے۔
اس سلسلہ میں سب سے زیادہ تعجب خیز خبر حالات آئرلینڈ کے متعلق جو کہ واقع ہونے والی ہے اُسکی افواہ ہے۔
معاصر اخبار آبزرور[1] اس یقین کی اشاعت کرتا ہے کہ برطانوی وزارت آئرلینڈ میں مارشل لا کے مقابلہ میں
عدم تعاون کی پالیسی پر غور کر رہی ہے۔ اسکا خیال ہے کہ آئرلینڈ کے اندرونی معاملات کو بالکل نظرانداز کیا جاوے
حتیٰ کہ اُس کے ہوش و حواس درست ہو جاویں۔ وہاں نہ پولیس ہو، نہ سپاہ، نہ تجارت ہو، نہ تعلیم، نہ تقسیم آمدنی
ہو، نہ ریلوے، یہاں تک کہ مکمل انتظامی بائیکاٹ کر دیا جائے تحریک ستیہ گرہ کی دلفریبی جسکا عدم تعاون
ایک ادنیٰ باب ہے یہ ہے کہ دوران جنگ میں یہ جانبین کو بآسانی دستیاب ہو سکتی ہے۔ نیز اسمیں ایسے
تعارضات ہیں کہ خواہ کوئی فریق ہو جسمیں انصاف اور حق و صداقت زیادہ جانب ہو۔ یہ خود بخود حق و صداقت
اور انصاف کا انتظام لینے کے لئے اپنا کام کرتی ہے۔ یہ سرمایہ دار کے ہاتھ میں بھی اتنا ہی وفادار اور طاقتور
ہتھیار ہے جتنا کہ ایک مزدور کے ہاتھ میں۔ یہ حکومت کے ہاتھ میں بھی اتنا ہی طاقتور ہے جتنی کہ رعایا کے ہاتھ میں
اور اگر رعایا ناانصافی اور غلط راستہ پر ہو تو حکومت کو ضبط کرنے میں ستیہ گرہ اتنا ہی کام کرے گی جتنا کہ
رعایا کو غلط کار حکومت کے مقابلہ میں کامیاب کرانے میں کرتی ہے۔ اگر فلاں تحریکوں اور صنعتی شورشوں میں ستیہ گرہ

[1] آبزرور انگریزی زبان کا اخبار ہے۔

کو آلہ کار بنا کر معرکہ آرائی کی جاوے تو اسکا لازمی نتیجہ فوری بدنظمی اور بالآخر شکست ہے۔ فرض کرو کہ رعایا خود حکومت کرنے کے قابل نہیں۔ یا اپنی تحریک میں قربانی کے لئے رضامند نہیں۔ تو کتنا ہی شور و غل کیوں نہ مچایا جاوے، عدم تعاون کے ذریعہ سے کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی حکومت اچھی حکومت ہو منصف مزاج ہو، رعایا کے لئے ضروری ہو، اور اسکے خلاف شکایات جھوٹی یا غیر صحیح ہوں۔ یا غلط فہمی پر مبنی ہوں، یا اتنے پیمانہ کی نہ ہوں، جو دیگر اعتبارات سے حکومت کی نیکیوں کا مقابلہ کر سکیں تو اُس وقت فریقین عدم تعاون اختیار کر سکتے ہیں۔ اور بغیر لعنت و ملامت اور خونریزی کے مسائل کا حل خود بخود نہایت صفائی اور اتفاق کے ساتھ ہو جانیکا ممکن ہے کہ عام طور پر اسکا علم نہ ہو لیکن مسٹر گاندھی کی مدت سے مستحکم یہ رائے ہے کہ ستیہ گرہ کا آلہ عدم تعاون گورنمنٹ کو بھی رعایا کے خلاف اتنا ہی مفید ہے جتنا کہ رعایا کو گورنمنٹ کے خلاف آئرلینڈ کے فسادات کے متعلق جو کارروائی سوچی گئی ہے اگر وہ سچ ہے تو اس سے اصول ستیہ گرہ کی ہمہ گیری کی بڑی خوبصورت تشریح ہو جاویگی۔

جسطرح سورج کی تعریف ہزار زبان والا شیش ناگ نہ کر سکا اسیطرح آفتاب ستیہ گرہ کی تشریح بھی نہیں کی جا سکتی

(ماضی کو بھول جاؤ اور مستقبل کو اختیار کرو) ینگ انڈیا۔ ۵ نومبر ۱۹۱۹ء

گذشتہ سال کے معاملات کی زیادتی و کمی کے متعلق کچھ کہنا مشکل ہے۔ لڑائی کا خاتمہ زیادہ نتیجہ خیز نہوا۔ جن امیدوں کی اس نے پرورش کی تھی وہ پوری نہوئیں۔ صلح جس کے مستقل ہونے کی توقع کی جاتی تھی تمام نہاد رہ گئی۔ وہ جنگ جو مہابھارت سے بھی زیادہ عظیم الشان تھی۔ ایک اس سے بھی زیادہ بڑی لڑائی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ جنگ کے بعد تمام فرانس، امریکہ، اور انگلستان میں جو بد دلی پھیل گئی۔ وہ ہر شخص کو متحیر کرنے کے لئے کافی ہے۔ بعد میں جتنے واقعات رونما ہوئے۔ وہ سب ایک لاینحل معمّا کی شکل اختیار کئے ہوئے ہیں۔ ہندوستان میں ہر جگہ ہم کو مایوسی سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ بڑے وثوق کے ساتھ یہ امید کی جا رہی تھی کہ جنگ ختم ہونے پر ہندوستان کو در اصل کچھ ملیگا لیکن امید سر بسر غلط ثابت ہوئی کیونکہ جہاں تک ہم کو علم ہے شاید اصلاحات نہیں دیجاوینگی۔ اور اگر مل بھی گئیں تو وہ کوڑی کام کی نہونگی۔ کانگریس ایگ اسکیم، دہلی کانگریس اسکیم اور مابعد کی اور دیگر اسکیمیں محض سراب کی خاصیت رکھتی ہیں۔ ہم کو انتظار

کرنا چاہئے۔ اور دیکھنا چاہئے۔ پنجاب باغیانہ سانحوں کا منظر بنا ہوا ہے۔ سینکڑوں بے گناہ جانیں ضائع ہو چکی ہیں، وہاں خوف و ہراس کا دور دورہ ہے۔ حاکم اور محکوم کے درمیان خلیج زیادہ وسیع ہو چکی ہے۔ ایسے حالات کے ماتحت گذشتہ واقعات کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے۔ کیا مایوسی کے اس گہرے اور تاریک بادل کے چاروں طرف کوئی نقرئی حاشیہ تھا؟ ستیہ گرہ کا سورج ۶ اپریل کو تمام ہندوستان پر طلوع ہوا۔ بادل چھٹ گئے اور شعاعیں صاف نظر آنے لگیں لیکن پنجاب اور احمد آباد میں سورج گہن میں آگیا۔ اور اسکا سایہ ابتک ہمارے سروں پر چکر لگا رہا ہے، اور ہنوز ستیہ گرہ آہستہ آہستہ اکثر لوگوں کے قلوب پر طلوع کر رہی ہے۔ بہت مقامات پر ہڑتال امن و امان اور خاموشی کے ساتھ ہوئی۔ مسلمانوں نے روزہ و نماز میں مصروف رہ کر دن گذارا۔ ہندوؤں نے مسلمانوں کے ماتم میں حصہ لیا۔ موخر الذکر کی امیدوں کو تقویت کیا۔ اور ان سے رشتۂ اتحاد کو اور زیادہ مضبوط کر دیا۔ اب اس رشتۂ اتحاد کا توڑنا بہت مشکل ہے۔ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ "گذشتہ سال کا سب سے بڑا واقعہ کیا ہے"؟ تو ہم بلا کشش و پنج کہینگے کہ "حاکم و محکوم کی طرف سے ستیہ گرہ کی منظوری ہے۔ خواہ دانستہ ہو یا نادانستہ ہو" اور اس کے ثبوت میں ہم ۱۷ اکتوبر کو پیش کرینگے۔ ہندوستان کی امید ستیہ گرہ پر منحصر ہے۔ لیکن ستیہ گرہ کیا ہے؟ اسکی تعریف اکثر کیگئی ہے۔ لیکن جس طرح سورج کی تعریف و تشریح ہزار زبان والا شیش ناگ نہ کر سکا۔ اسی طرح آفتاب ستیہ گرہ کی تشریح بھی نہیں کیجا سکتی۔ ہم اگرچہ سورج کو ہمیشہ دیکھتے ہیں لیکن فی الحقیقت ہم اسکے متعلق بہت تھوڑا جانتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس ہم آفتاب ستیہ گرہ کو ہمیشہ دیکھتے ہوئے نظر پڑتے ہیں لیکن اسکی حقیقت کے متعلق بہت کم علم رکھتے ہیں۔ ستیہ گرہ کا میدان سودیشی ہے، سوشل ریفارم ہے اور پولٹیکل ریفارم ہے۔ اور جہانتک انکا انحصار ستیہ گرہ پر ہے (اس سے زیادہ نہیں) ان کا استقلال یقینی ہے۔ ستیہ گرہ کا راستہ عام آمدورفت کے راستہ سے فاصلہ پر ہے۔ اور اسکا معلوم کرنا آسان نہیں ہے چند ہی لوگوں نے اس پر گامزن ہونے کی جرأت کی ہے۔ انکے نقش قدم بھی اسپر صرف دو چند ہیں جو دوڑ دوڑ دار نامعلوم سے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ اس سے ڈرتے ہیں۔ اسپر بھی ہم لوگوں کو اس راستہ پر چلتے ہوئے دیکھتے ہیں وہ شخص جو ستیہ گرہ کے معنی محض سول نافرمانی کے سمجھتا ہے اس نے اسکو ہرگز نہیں سمجھا۔ اسمیں شک نہیں کہ ستیہ گرہ کی باریک مفہوم میں سول نافرمانی کے معنے شامل نہیں لیکن صرف وہی شخص خلاف ورزی قانون کے کمال کو جانتا ہے جس نے پابندی قانون کے کمال پر پہلے پورا عبور کر لیا ہو۔ وہی شخص کسی چیز کو توڑ پھوڑ سکتا ہے جو اسکا بنانا اچھی طرح جانتا ہو۔ شاعر کا قول ہے " صداقت کا راستہ دلیر آدمی کا راستہ ہے" "یہ بزدل کی طاقت سے باہر ہے" سودیشی کو ستیہ گرہ کہتے ہیں۔ سودیشی پر عمل کرنا اور اسکی اشاعت کرنا بزدل کی طاقت سے باہر ہے۔ ہندو مسلم اتحاد کرانا بھی بزدل کے امکان سے باہر ہے۔ یہ بزدل مسلمان کا کام نہیں ہے کہ کسی ہندو کے خنجر سے مجروح ہو کر اپنے دماغی قوئی کو اعتدال میں رکھے۔ اور اسکے برعکس یہ بزدل ہندو کا کام نہیں ہے کہ کسی مسلمان کی نوک سنان سے گھائل ہو کر اپنے دل و دماغ کو قابو میں رکھے۔ اگر

اگر دونوں ہندو مسلمان اس قسم کی رواداری پر قابو پاجائیں، تو سوراج چشم زدن میں حاصل ہو سکتا ہے۔ ستیہ گرہ کے راستہ پر چلنے سے ہم کو کوئی شخص منع نہیں کر سکتا۔ اور چونکہ سودیشی اور ہندو مسلم اتحاد دونوں اس اعتبار سے مذہبی ہیں اسلئے اس راستہ پر چلکر ہندوستان ایک مذہبی کام کریگا۔ اسلئے نئے سال کیلئے ہماری دعا ہے "خداوندا! ہندوستان کو صداقت کے راستہ پر چلا، اسکو سودیشی کا مذہب سکھا۔ تمام ہندو مسلمان، پارسی، عیسائی، یہودی جو ہندوستان میں رہتے ہیں، اُن کو ایک دوسرے سے پیوستہ کردے۔"

تم اہنسا کو سچائی کے ہمراہ شامل کرکے تمام دُنیا کو اپنے قدموں پر گرا سکتے ہو

(قومی ہفتہ) از قلم مہاتما گاندھی۔ ینگ انڈیا۔ ۱۰ مارچ سنہ ۱۹۲۱ء

ہم ۶ اپریل کو نہیں بھول سکتے جس نے تمام ہندوستان میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑا دی اور نہ ہم ۱۳ اپریل کو فراموش کر سکتے ہیں جسنے بے گناہوں کی خوں افشانی کرکے پنجاب کو تمام ہندوستان کے لیئے ایک تیرتھ بنا دیا۔ ۶ اپریل نے ستیہ گرہ کی آمد کو دیکھا۔ ممکن ہے کہ بعض لوگ ستیہ گرہ کے اس حصہ سے اختلاف کریں جو سول نافرمانی پر مشتمل ہے لیکن صداقت، محبت اور عدم تکلیف کی اصلی تعلیم سے کوئی فرد بشر بھی اختلاف نہ کریگا۔ ستیہ کے ساتھ اہنسا کو شامل کرکے تم تمام دنیا کو اپنے قدموں پر گرا سکتے ہو۔ ستیہ گرہ اصل میں اسکے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ سیاسی یعنی قومی زندگی میں حق و صداقت اور نرم دلی کو داخل کیا جاوے۔ اور خواہ کوئی شخص ستیہ گرہ کا عہد کرے یا نہ کرے۔ اسمیں شک کی گنجایش نہیں کہ عوام الناس میں ستیہ گرہ ہمیشہ غالب رہا ہے۔ پنجاب کے تمام دورہ میں میں نے ہزارہا پنجابیوں کے متعلق یہ تجربہ کیا ہے ۶ اپریل نے پھر سودیشی اور ہندو مسلم اتحاد کی اسکیم کے افتتاح کو دیکھا۔ یہ ۶ اپریل ہی تھی جسنے رولٹ ایکٹ کی پوشیدہ اسپرٹ کو پامال کیا اور اسکو ایک مردہ کاغذ بنا دیا۔ ۱۳ اپریل نے محض غم انگیز سانحہ کے منظر کو ہی نہیں دیکھا۔ بلکہ اس منظر میں ہندو مسلم خون کو ایک ہی نالی میں بلا روک ٹوک بہتے ہوئے دیکھا اور ہندو مسلم اتحاد کے عہد نامہ پر مُہر لگا دی۔ ان دونوں قومی واقعوں کا جشن یا یاد کس طرح منائی جاوے۔ میں یہ تجویز کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ جو لوگ کر سکتے ہیں وہ آئندہ ۶ اپریل کو برت رکھیں (یعنی ۲۴ گھنٹہ تک کھانے پینے سے باز رہیں) دعائیں مانگیں۔ اور ۶ بجے شام کو تمام ہندوستان میں پبلک جلسے کیئے جاویں جسمیں رولٹ ایکٹ کی منسوخی کی دعا مانگی جاوے اور اس قومی یقین کا اظہار کیا جاوے کہ ملک میں اُسوقت تک امن و امان قائم نہیں ہو سکتا جب تک رولٹ ایکٹ منسوخ نہ ہوگا محض یہ کہنا کہ رولٹ ایکٹ ایک مردہ کاغذ ہے

کافی نہیں۔ دو ہی صورتیں ہیں کہ یہ ایکٹ یا تو ایک بے عزتی ہے یا نہیں ہے۔ اگر یہ ایک بے عزتی ہے تو اسکو ضرور منسوخ ہونا چاہئے۔ اگر اصلاحات سے قبل منسوخ کر دیا جائے۔ تو یہ گورنمنٹ کی طرف سے خوش اعتمادی پیدا کرنے کا ایک تحفہ ہوگا۔

جو ہفتہ ۶ اپریل سے شروع ہوتا ہے وہ کسی ایسے کام میں صرف ہونا چاہئے جسکا تعلق ۱۳ اپریل کے اندوہناک سانحہ سے ہو۔ اسلئے میں مزید تجویز کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ یہ ہفتہ جلیانوالہ باغ کے میموریل کے واسطے سرمایہ جمع کرنے کے لئے صرف کیا جاوے۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ میموریل کے واسطے دس لاکھ روپیہ جمع کرنا ہے۔ ہر گاؤں اور قصبہ فراہمی زر کے لئے اپنی اسکیم بنا سکتا ہے۔ بشرطیکہ غبن اور بیجا صرف کرنے کی حفاظت کر سکے۔ فراہمی زر ۱۳ اپریل کی شام تک ختم ہو جانا چاہئے۔ پھر ۱۳ اپریل آتی ہے۔ اس یوم الایام میں تمام دن روزہ رکھا جائے۔ اور دعا کیجائے۔ اس دن کو بے اعتمادی اور غصہ سے پاک رکھا جاوے۔ ہمارا منشا بیگناہ اجل رسیدوں کی یاد تازہ کرنا ہے۔ قوم قربانی کے لئے تیار ہوکر ترقی کر سکتی ہے۔ نہ کہ انتقام پر کمربستہ ہوکر۔ میں اُس دن لوگوں کو تمام مہینے کے مظالم بھی یاد دلاؤں گا اور اسپر افسوس محسوس کرونگا۔ ہم اس ہفتہ کا اختتام تمام ہندوستان میں ایسے جلسے منعقد کرکے کریں جن میں شاہی گورنمنٹ اور حکومت ہند دونوں کے لئے اس امر پر زور دینے کی قراردادیں پیش ہوں۔ کہ آئندہ ایسی مؤثر تدابیر عمل میں لائی جاویں جن سے پنجاب جیسے المناک واقعات کا اعادہ ناممکن ہو جاوے۔ میں اس امر پر بھی زور دونگا کہ اس ہفتہ کے دوران میں ہر مرد و عورت اپنے دل میں ہمیشہ سے زیادہ اصول ستیہ گرہ، ہندو مسلم اتحاد اور سودیشی کا کامل احساس کرے۔ ہندو مسلم اتحاد پر تاکید کرنے کے لئے میں مشورہ دونگا۔ کہ ۱۲ اپریل کو بروز جمعہ بوقت سہ پہر تمام ہندوؤں اور مسلمانوں کے مشترکہ جلسے کئے جاویں جن میں اس امر پر زور دیا جائے کہ مسئلہ خلافت کو مسلمانوں کے جذبات کے مطابق طے کیا جاوے۔

اس طرح یہ ہفتہ پاکیزگی حاصل کرنے اپنی آزمائش کرنے قربانی کرنے ضبط نظام اور ترتیب کے ماتحت رہنے اور اپنے قومی جذبات کے اظہار کرنے کا ہفتہ ہونا چاہئے۔ تقریر اور تحریر میں تشدد سے احتراز کرکے ہر کام میں بیباکی اور استقلال ہونا چاہئے۔

اس سوال کے جواب میں کہ آیا ۶ اپریل اور ۱۳ اپریل کو ہڑتال ہونی چاہئے یا نہیں۔ میرا جواب قطعًا نفی میں ہے۔ یہ ہفتہ اُن لوگوں کے لئے ہے جو صداقت اور عدم تشدد پر یقین رکھتے ہیں۔ ستیہ گرہ کا ہفتہ ہے۔ ۶ اپریل کی ہڑتال ان معنوں میں ستیہ گرہ کی ہڑتال تھی کہ آئندہ ستیہ گرہ شروع کی جاوے۔ گذشتہ ۶ تاریخ کی ہڑتال اگرچہ خود اختیاری تھی تاہم اس میں گاڑی چلانے اور دیگر امور کے استعمال کرنے کی مزاحمت کرکے اسکو بیجا دباؤ سے پاک نہ رکھا گیا۔ اس لئے میں اس ہفتہ میں جو توبہ و استغفار اور نظام و ترتیب کے لئے مخصوص ہے ہڑتال کا مشورہ نہ دونگا۔ علاوہ ازیں ہڑتال کو آسانی سے کبھی نہ کرنا چاہئے بلکہ اسکا استعمال نہایت نادر مواقع کے لئے مخصوص ہونا چاہئے۔ میں بتا چکا ہوں اب اس کے ساتھ یہ امید رکھتا ہوں کہ تمام پارٹیاں اور جماعتیں قومی ہفتہ کے منانے

میں پورا پورا حصہ لینگی اور اُسکو قومی ترقی اور قومی بیداری کا بہترین کارنامہ ثابت کرینگی۔

اس تحریک میں شکست کا کام نہیں۔ اگر اسمیں کوئی غلطی بھی ہو جائے تو وہ اس فریق کو ہی نقصان پہنچاتی ہے جسکی جانب سے یہ سرزد ہو

تشدّد اور عدم تشدّد۔ مہاتما گاندھی کے قلم سے۔ ینگ انڈیا۔ ۲۴ مارچ ۱۹۲۰ء

یوم خلافت آیا۔ اور گذر بھی گیا۔ یہ ستیہ گرہ کی کامیابی اور مکمل فتح کا دن تھا۔ ستیہ گرہ سے یہاں میرا مطلب سول نافرمانی نہیں، بلکہ سچائی اور عدم تشدّد ہے۔ کوئی ہڑتال ۱۹ مارچ کی ہڑتال سے زیادہ برضا و رغبت نہیں منائی گئی۔ ہڑتال کے متعلق تمام پرچار ۱۹ تاریخ سے پیشتر ہی ختم ہو چکا تھا۔ یہ اپنے نفس پر قابو رکھنے کی عجیب چیز مثال تھی۔ کہ کمیٹی نے دوکانداروں اور مزدوروں کو ہڑتال میں شریک نہیں کیا، اسلئے کمیٹی اپنے مکمل انتظام اور ہڑتال کو برضا و رغبت کرنے کی وجہ سے مستحق ستائش و صد آفرین ہے۔ اگر عوام الناس ترتیب و نظام اور اپنے نفس پر قابو رکھنے کا اظہار ایسا ہی کرتے رہیں۔ جیسا کہ انہوں نے ۱۹ تاریخ کو کیا۔ اور اُسکے ساتھ ہی ساتھ اتنا ہی اپنے اندر ذاتی قربانی کی اسپرٹ کا بھی اضافہ کردیں تو خلافت کے متعلق ہماری توقعات کے مطابق ثمرات حاصل کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں آسکتی۔ ایک سال پیشتر کوئی شخص بھی اس امر کا یقین نہیں کرسکتا تھا کہ مسلمانوں کا منصب عنصر اپنے موت و حیات کے مسئلہ میں اور ایسے وقت میں جبکہ بیکار لوگوں کو اور کوئی کام ہی نہ تھا۔ امن و امان بحال رکھنے کا ایسا بیّن ثبوت دیگا لیکن جس جگہ دعا اور نماز کا مشغلہ ہوتا ہے وہاں بیکاری سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ سب لوگ لڑنے اور جھگڑنے اور خشمگین ہونے کے لئے نہیں بلکہ حق و صداقت کی کامیابی کے واسطے برائے دُعا و التجا ایک دوسرے کے ساتھ شامل ہوگئے۔ یہ سچ ہے کہ تمام لوگوں نے دعائیں نہیں مانگیں لیکن کم از کم اتنا ضرور ہوا۔ کہ غصہ، جوش اور انتقام کی اسپرٹ کی بجائے لوگوں کے دلوں پر دعا کا تسلط جما ہوا تھا۔ اور اس طرح ہم نے یہ حیرت انگیز تماشا دیکھا۔ کہ یوم ہڑتال معمولی دنوں کی طرح باامن و امان گذر گیا۔

ان ہزارہا لوگوں کے چہروں سے جنہوں نے تقریریں سنیں، استقلال ٹپک رہا تھا۔ اور نعرہائے جوش و خروش اور متزلزل کرنے والے مظاہرات کا نام و نشان تک نہ تھا۔ ہڑتال کے منتظم سرگرم تعریف و ستائش کے مستحق ہیں۔ کہ انہوں نے ہمارے جلسوں میں زمانہ جدید کے اضطراب، غصہ اور بدنظمی کے بجائے

زمانۂ قدیم کا امن وسکون عزم اور باقاعدگی رائج کی ہے۔
زمانۂ قدیم کا امن وسکون عزم اور باقاعدگی ان اوصاف کو پیدا کرتا ہے جو ستیہ گرہ کے لئے لازمی ہیں برخلاف اسکے دورِ حاضر کا اضطراب، جوش اور بدنظمی تشدد کی طرف رہبری کرتا ہے اور اس زبردست جلسہ اور نہایت کامیاب ہڑتال کا پیغام تشدد کا نہیں ہے۔ بلکہ عدم تشدد کا ہے۔ میں یقین کرتا ہوں کہ حکام حالات کی کیفیت کو غلط طور پر نہ سمجھیں گے۔ نیز یہ کہ حکام اس تمام مظاہرہ کی قابل تعریف اسپرٹ کو یا اسکے بالکل مساوی عوام کے عزم و استقلال کی قابل ستایش اسپرٹ کو سمجھنے میں قاصر نہ رہینگے۔ مجھے یہ بھی امید ہے کہ وہ (حکام) اس تحریک کی اسپرٹ کو اسی روشنی میں دیکھینگے جس میں کہ وہ ترقی کر رہی ہے۔ مجھے یہ توقع ہے کہ یہ بے نظیر صبر وتحمل، اپنے نفس پر قابو رکھنا اور باقاعدگی جو ہمارے اندر ترقی کر رہی ہے، حکام پر اپنا پورا اثر کریگا، اور یہ کہ وہ (حکام) شاہی گورنمنٹ کو آگاہ کر دینگے۔ کہ ملک کے موجودہ قابل تعریف امن وامان کے پس پردہ ایک ہیبتناک عزم بالجزم بھی موجود ہے، جو اپنے کسی مطالبہ کے جواب میں لفظ "نہیں" سننا گوارا نہ کریگا۔ میں امید کرتا ہوں کہ گورنمنٹ گذشتہ اپریل کے گناہ کا اعادہ نہ کرے گی۔ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ لبرل لیگ جیسی معزز انجمن نے عجلت کے ساتھ قبل از وقت ہی ہڑتال کو قابل ملامت ٹھہرایا۔ تھوڑا ہی عرصہ گذرا ہے کہ جو کچھ ہمارے دماغوں میں ہوتا تھا۔ ہم اسکو تحریر یا تقریر میں نہیں لا سکتے تھے۔ ہمارے جذبات اندر چھپے ہوئے تھے اور تعفن نے ان کو بدبودار کر دیا تھا اور اس کی وجہ محض یہ تھی کہ ان پر (جذبات) پبلک رائے کی صاف ہوا اور گرم سورج اپنا کام نہیں کر رہا تھا۔ یہی سبب ہوا کہ ہمارے اندر در پردہ ایک انقلابی تحریک پیدا ہو گئی لیکن اب خدا کا شکر ہے۔ کہ ہم اس بدترین زمانہ کو ختم کر چکے۔ اب ہم بلا خوف وخطر علانیہ اپنے خیالات پر غور و خوض بھی کر سکتے ہیں اور تقریر و تحریر میں بھی آزاد ہیں۔ میں ممبران لبرل لیگ اور ان کے ہم خیال اصحاب سے اپیل کرتا ہوں۔ کہ وہ اس صاف و بیّن حقیقت کو تسلیم کر لیں اور بزدلانہ احتیاط و ہوشیاری پر دلیرانہ طرز عمل کو فوقیت دیں۔ اگر وہ چاہتے ہیں کہ اُن تمام قوتوں کو جو قوم کی ترقی کے لئے روز بروز معرض وجود میں آتی رہتی ہیں پیٹوں پر رکھدیں۔ اور اگر اُن کی یہ تمنّا ہے کہ نئی پیدائش کے درد و کرب میں حصّہ لینے والوں میں انکا بھی شمار ہو تو اُن کو زمانہ کے آثار فراموش نہ کرنے چاہئیں۔ اور نہ اُن کو اپنی گرم گرم امیدوں اور پُر جوش آرزوؤں کو ٹھنڈا کرنا چاہئے۔ بلکہ اُن کو چاہئے کہ نوجوانوں کی اس بڑھتی ہوئی جماعت کی رہبری کریں، جس میں جوشیلے، ذاتی قربانی کرنیوالے، اور شیطان کا مقابلہ کرنیوالے لوگ بھی موجود ہیں۔ اُن کے ساتھ ہمدردی کیجئے۔ دھڑکتے ہوئے دل کی خبر لیجئے، اُسکو سنوارئے، کیونکہ وہ معقول پسند ہیں۔ آپ کی اپیل پر کان دھرینگے اور آپکی جماعت منتظم جماعت ہے جو ملک کی چیخ و پکار کی فرمانبردار رہے اگر ان نوجوانوں نے یہ محسوس کیا کہ اُن سے آنکھیں چُرا لی گئیں، اگر اُنھوں نے یہ محسوس کیا کہ سن رسیدہ لوگ اُن کی ضروریات پر کان نہیں دھرتے اور اُن کی دستگیری کے لئے تیار نہیں، تو وہ مایوس ہو جاوینگے اور مایوسی کے بعد اُن کے اندر خونی پیدا

ہوجائیگی جسکا لازمی نتیجہ حسرتناک تباہی ہے۔ میرے حافظہ میں اس زمانہ سے زیادہ موزوں اور کوئی وقت نہیں ہوسکتا جسمیں ہندوستان کی رہبری اصول ستیہ گرہ کے مطابق کی جاسکے جس میں یہی ضروری نہیں ہے کہ سول نافرمانی پر عملدرآمد کیا جاوے بلکہ حق وصداقت اور عدم تشدد کو آلۂ کار بنایا جاوے۔ اس تحریک میں شکست کا کام نہیں۔ اور اگر اسمیں کوئی غلطی کی جاوے، تو وہ اس فریق کو ہی نقصان پہونچاتی ہے جس کی طرف سے غلطی سرزد ہو۔

سول نافرمانی مخلصانہ مؤدبانہ اور نفس پر قابو رکھتے ہوئے کرنی چاہئے

(عدالت سے نفرت) از قلم مہاتما گاندھی۔ ینگ انڈیا ۲۴ مارچ سنہ ۱۹۲۰ء

ڈسٹرکٹ جج احمد آباد کا مراسلہ متعلقہ ستیہ گرہی وکلاء کے اور اسپر میرے تبصرہ کی اشاعت کے سلسلہ میں جو مقدمہ ینگ انڈیا کے پبلشر اور ایڈیٹر کے خلاف چلایا جارہا تھا، اسکی سماعت ہوچکی اور فیصلہ سنایا جاچکا ایڈیٹر اور پبلشر کو بہت کچھ تنبیہ کی گئی ہے لیکن عدالت کو ہم دونوں سے کسی پر بھی ہاتھ صاف کرنیکا موقعہ نہ ملا اگر میں فیصلہ پر غور کروں تو وہ صرف اسوجہ سے ہوگا کہ میں بحیثیت ستیہ گرہی کے اس سے اخلاقی نتیجہ برآمد کرنیکا متمنی ہوں۔ میں اُن احباب کو جنہوں نے محض دوستانہ مراسم کی خاطر معذرت طلبی کا مشورہ دیا تھا یقین دلاتا ہوں کہ میرا اُنکے مشورہ سے انحراف کسی ضد کی وجہ سے نہ تھا۔ بلکہ اس سے ایک زبردست اصول خطرہ میں پڑا جاتا تھا۔ مجھے ایک جریدہ نگار کی آزادی بھی برقرار رکھنی تھی اور ساتھ ہی ساتھ قانون کا احترام بھی ملحوظ تھا۔ میں نے قانون کو جسطرح مطالعہ کیا، اس سے میں اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ میں کسی قسم کی نفرت یا حقارت پھیلانے کا مرتکب نہیں ہوا تھا۔ بلکہ میری پیروی مقدمہ اس حقیقت پر زیادہ مبنی تھی۔ کہ میں معذرت طلبی نہیں کرسکتا تھا۔ اسلئے کہ میری رائے میں کسی عدالت میں کوئی سچی معذرت پیش کیجاوے تو وہ ایسی ہی مخلصانہ ہونی چاہئے جیسی کہ ایک سچی معذرت۔ اس کے علاوہ عدالت کا میرے ذمہ ایک فرض بھی تھا۔ چیف جسٹس کے مشورہ کو منظور کرنا اور پھر وہ بھی ایسی حالت میں جبکہ چیف جسٹس نے دوران خط وکتابت میں میرے ساتھ رعایت سے کام لیا ہو، میرے لئے کوئی سہل کام نہ تھا۔ اسوقت میں کشمکش و پیچ میں مبتلا تھا۔ اسلئے میں نے فیصلہ کرلیا کہ مقدمہ کی پیروی نہ کروں۔ بلکہ اپنی پوزیشن کو صاف کرنے کے لئے ایک صاف اور مکمل بیان دوں۔ اور اس امر کو عدالت پر چھوڑ دوں کہ اگر فیصلہ میرے خلاف صادر ہو۔ تو وہ جس قسم کی سزا کا مجھے سزاوار سمجھے عاید کردے یہ بات ظاہر کرنے کے لئے کہ میرا مقصد عدالت کی بے حرمتی کرنا نہ تھا۔ و نیز یہ کہ میں اپنے مقدمہ کو مشتہر کرنے

کی بھی خواہش نہ رکھتا تھا۔ میں نے اشاعت کو روکنے کے لئے غیر معمولی حفظ ماتقدم سے کام لیا۔ اب میں یہ خیال کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ میں عدالت کو یقین دلانے میں کمال درجہ کامیاب رہا۔ کہ میری نافرمانی کے پس پردہ عدالت کی بے احترامی پنہاں نہ تھی، بلکہ پوری پوری مطابقت تھی کسی قسم کا غصہ یا نفرت نہ تھی، بلکہ خود داری اور احترام مضمر تھا۔ اگر میں نے معذرت نہ چاہی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ غیر مخلصانہ معذرت خواہی میرے ضمیر کے خلاف تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ میری جانب سے سول نافرمانی کی یہ ایسی عمل مثال تھی کہ اس سے قبل مجھے ایسی نافرمانی کا فخر کبھی حاصل نہ ہوا تھا۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ عدالت نے اسکا بھی نعم البدل کر دیا۔ اور میری عادم متابعت احکام کے پس پردہ جو جذبات اسپرٹ موجود تھی اُسکو تسلیم کر لیا۔ جسٹس مارٹن کا روشن فیصلہ قانون کا اجرا کرتا ہے جو میرے خلاف ہے لیکن میں اسکا شکر گذار ہوں کہ فیصلہ میں میرے طرز عمل کی موزونیت میں کلام نہیں کیا گیا ہے۔ جسٹس سیموٹڈ کا فیصلہ میرے طرز عمل کو خاموش مقابلہ یا میرے الفاظ میں سول ریزسٹنس سے تعبیر کرتا ہے اور سزا نہ دینے کی وجہ بھی اسی کو قرار دیتا ہے۔ سول نافرمانی مخلصانہ ہو، ویانت اور نفس پر قابو رکھتے ہوئے کرنی چاہئے۔ اسکا انحصار کسی عمدہ اصول پر ہونا چاہئے، تلوّن مزاجی نہ ہونی چاہئے اور سب سے بڑھ کر یہ امر ہے کہ سول نافرمانی میں بداندیشی اور نفرت نام کو نہ ہونی چاہئے۔ میں نے اور مسٹر ڈیسائی نے جو سول نافرمانی کی تھی۔ اسمیں مندرجہ بالا تمام جزئیات شامل تھیں۔

تعلیم، تربیت، ایثار، انکساری، اور مستقل مزاجی کے بغیر ہم ترقی نہیں کر سکتے

(ستیہ گرہ کا ہفتہ) از قلم مہاتما گاندھی۔ نیگ انڈیا۔ ۳۱ مارچ سنہ ۱۹۲۰ء

اس مقدس قومی ہفتہ کے پروگرام میں سب سے اول اور اہم ترین جزو جو میں پیش کرتا ہوں وہ دعا اور روزہ کا ہے۔ قومی زندگی کے احیاء کے سلسلہ میں میں ان دونوں باتوں کے متعلق کافی سے زیادہ تاکید کر چکا ہوں روزہ اور دعا کے متعلق جو کچھ بھی کہتا ہوں وہ میرا ذاتی تجربہ ہے لیکن روزہ کے عنوان پر اپنے ایک دوست کو خط لکھتے وقت میری نظر سے "ٹینی سن" کے خوشگوار اشعار گذرے جن کو میں ہدیۂ ناظرین نیگ انڈیا کرتا ہوں ممکن ہے کہ میرے ناظرین اسکو پڑھ کر دعا کے اثر میں یقین لے آویں۔

وہ جواہر ریزے یہ ہیں:۔

"دعا وہ اثر دکھاتی ہے جو دنیا کے خواب و خیال میں بھی نہیں آ سکتا۔ تو کیوں میرے لئے اپنی آواز فوارہ کی مانند شب و روز بلند نہیں کرتا اور چونکہ تمام گول

زمین خدا کے پیروں سے دعا کی طلائی زنجیروں کے ساتھ وابستہ ہے اسلئے
کیا وہ آدمی جو خدا کو جان کر کبھی اپنے اور اپنے دوستوں کے لئے برائے
دعا ہاتھ نہیں اٹھاتے بھیڑ بکریوں سے زیادہ اچھے ہیں
جو اپنے دماغوں کو معطل کر کے اندھی زندگی بسر کرتے ہیں۔"

ہندوستان کی سیاحت میں مجکو تمام قوموں کے آدمیوں سے خلط ملط ہونے کا فخر حاصل ہے جسمیں ہزارہا عورتیں اور سینکڑوں طالب علم بھی شامل ہیں۔ میں نے اُن سے قومی مسائل کے متعلق ایسے جوش کے ساتھ گفتگو کی ہے جو احاطۂ بیان سے باہر ہے۔ میں نے معلوم کیا ہے کہ ابھی ہم اس حد تک نہیں پہونچے ہیں کہ اپنی قومی حالت کا اندازہ لگا سکیں۔ ہم میں ابھی وہ تربیت اور تعلیم ہی موجود نہیں جو قومی حالت کے پہچاننے کا احساس کرا سکے اور میں یہ رائے ظاہر کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ ضروری تعلیم و تربیت، ایثار، انکساری اور مستقل مزاجی کے بغیر ہم ترقی نہیں کر سکتے اور ان تمام اوصاف کے پیدا کرنے کے لئے دعا اور روزہ کے سوا زیادہ طاقتور اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ اسلئے میں امید کرتا ہوں کہ ہندوستان کے کروڑہا باشندے ستیہ گرہ کے ہفتہ کا آغاز مخلصانہ روزہ اور دعا سے کرینگے۔

اس ہفتہ میں ستیہ گرہ کے سول ریزسٹنس والے جزو پر زور دینا نہیں چاہتا۔ میں یہ پسند کرونگا کہ عوام حق و صداقت اور عدم تشدد کے اصول اور اسکے غیر مفتوح ہونے کے راز پر غور و فکر کرینگے۔ اگر ہم سب اپنی زندگیوں کو درحقیقت ستیہ اور اہنسا کے لازوال قانون کے مطابق کرلیں تو پھر ہمیں کسی سول یا دوسری قسم کے مقابلہ کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ سول مقابلہ کی ضرورت صرف اُسوقت ہوتی ہے جب بصورت مخالفت معدودے چند آدمی حق و صداقت کی پیروی کی کوشش کرتے ہوں۔ یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ حق و صداقت کیا ہے۔ اور حق و صداقت کی مدافعت سول مقابلہ کے ذریعہ سے کس وقت کرنی چاہئے اور کس طرح حق و صداقت کی تلاش میں اس غلطی سے گریز کرنا چاہئے جو تشدد کی صورت میں ظاہر ہوتی ہو۔ اس امر کی مقبولیت میں اختلاف رائے ہو سکتا ہے کہ ایک ایسے ہفتہ کے دوران میں جو قومی ترقی کے لئے مخصوص ہو اور جسمیں ہر شخص کا تعاون بلا لحاظ پارٹی یا جماعت یا مشرب درکار ہو سول مقابلہ کا بحیثیت ایک اعتقاد کے پرچار کرنا مناسب ہے یا غیر مناسب۔

۶ اور ۱۳ اپریل میں روزہ اور دعا کے علاوہ ہمیں جلیانوالہ باغ کے میموریل کے لئے چندہ بھی فراہم کرنا ہے۔ مجھے بھروسہ ہے کہ اسکے متعلق ہر صوبہ، ہر ضلع، اور ہر قصبہ اور دیہات میں مکمل تنظیم کیجاویگی۔

قومی ہفتہ کے تیسرے حصہ میں تین جلسوں کا انعقاد تمام ہندوستان میں وقت معیّنہ پر بتایا گیا ہے جسمیں میں نے تجویز کیا ہے کہ بعض رزولیوشن منظور کئے جاویں یعنی ایک رزولیوشن متعلقہ رولٹ ایکٹ جس سے تحریک ستیہ گرہ نے جنم لیا ہے۔ دوسرا مسئلہ خلافت جسمیں اگر ہندوؤں کا تعاون ہو جائے تو

ہندو مسلم اتحاد مضبوط ہو سکتا ہے۔ اور تیسرے جلیانوالے باغ کے متعلق رزولیوشن جو ۱۳ اپریل کو پاس کیا جاوے اور جس میں گورنمنٹ سے درخواست کیجاوے کہ وہ ایسی تدابیر عمل میں لاوے جس سے وہ غمناک واقعات دوبارہ ظہور پذیر نہ ہوں جو مارشل لا کے دوران میں دیکھے گئے اور جو مارشل لا کے نفاذ سے قبل بھی ۱۳ اپریل کے غیر آئینی قتل عام میں مشاہدہ کئے جا چکے تھے۔ میں حسب ذیل قرار دادیں (رزولیوشن) برائے منظوری تجویز کرتا ہوں۔

۶ اپریل کے لئے

باشندگان ...... کا یہ جلسہ اپنی موکد رائے بذریعہ اس قرارداد کے پیش کرتا ہے کہ ملک میں اسوقت تک امن وسکون قائم نہ ہوگا جب تک کہ رولٹ ایکٹ منسوخ نہ ہوگا اور اسلئے گورنمنٹ آف انڈیا سے اپیل کرتا ہے کہ جلد از جلد ایکٹ مذکور کی منسوخی کی بابت ایک بل نافذ کرے۔

۹ اپریل کے لئے

ہندو مسلمان اور دیگر باشندگان ...... کا یہ جلسہ بھروسہ کرتا ہے کہ مسئلہ خلافت مسلمانان ہند کے مطالبات اور ملک معظم کے وزراء کے صریح مواعید کے مطابق طے کیا جاویگا اور جلسہ اپنی رائے قلمبند کرتا ہے کہ مخالفانہ فیصلہ کی حالت میں ہر ہندوستانی کا یہ فرض ہوگا کہ وہ گورنمنٹ سے اسوقت تک کے لئے ترک تعاون کرے جب تک کہ مواعید کا ایفا نہ ہو اور مسلمانوں کے جذبات کے مطابق فیصلہ صادر نہ ہو۔

۱۳ اپریل کے لئے

باشندگان .... کا یہ جلسہ رائے رکھتا ہے کہ گو عوام الناس کے مظالم بمقام امرتسر جو انتہائی اشتعال کے بعد عمل میں آئے قابلِ ملامت ہیں تاہم جنرل ڈائر نے دیدہ و دانستہ بغیر خبردار کئے معصوم، غیر مسلح بے پناہ لوگوں کا قتل عام جو جلیانوالا باغ میں کیا وہ سفاکی اور بیرحمی کی ایک بے نظیر حرکت تھی اور یہ جلسہ امید کرتا ہے کہ حکومت اور ملک معظم کی حکومت ایسی کارروائی عمل میں لائے گی جن سے اس قسم کی سفاکی کا اور اسکے مشابہ دوسری سفاکیوں کا جو دوران مارشل لا میں صوبہ پنجاب میں ذمہ دار افسران کی جانب سے ظہور میں آئیں اعادہ ناممکن ہو جائے اور یہ جلسہ توقع کرتا ہے کہ انڈین نیشنل کانگریس کی سب کمیٹی صوبہ پنجاب نے جو سفارشات کی ہیں وہ بہ تمام و کمال نافذ کیجاوینگی۔

جو لوگ حق و صداقت کی جدّوجہد میں سرگرم ہیں وہ اپنا وقت و دولت جمع کرنے میں خراب نہیں کرتے

(سول نافرمانی) ینگ انڈیا - ۷ / جون سنہ ۱۹۲۳ء

ینگ انڈیا کے تمام ناظرین کو یہ علم ہوگا کہ احمد آباد گذشتہ سال ماہ اپریل کی غلط کاریوں کی وجہ سے بھاری جرمانہ میں گرفتار ہوا تھا - جرمانہ باشندگان احمد آباد سے وصول کیا گیا - لیکن کلکٹر کی مرضی کے مطابق بعض آدمی مستثنیٰ کر دیے گئے - جرمانہ دہندگان میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو انکم ٹیکس دینے والے ہیں - شہر کے مشہور بیرسٹر دی - جے پٹیل اور مشہور آور وہ طبیب ڈاکٹر "کانوگا" جرمانہ ادا کرنے کے قابل نہ تھے ان ہر دو اشخاص نے فسادات کو دبانے میں حکام کی مسلّمہ امداد کی تھی - اس میں شک نہیں کہ یہ دونوں صاحبان ستیہ گرہی تھے لیکن انہوں نے اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈال کر عوام کے غصہ کو فرو کرنے کی کوشش کی - لیکن حکام نے ان کو جرمانہ سے مستثنیٰ نہ کیا - یہ ایک امر مشکل تھا کہ یہ لوگ انفرادی حیثیت سے حکام کی مرضی کو حاصل کر لیتے - نیز ان ہر دو اصحاب کے لئے یہ مساوی طور پر دشوار بات تھی کہ وہ جرمانہ ادا کرتے جبکہ ان پر کوئی الزام بھی عائد نہ ہوتا تھا - وہ افسران کو پیچیدگیوں میں ڈالنا نہ چاہتے تھے، لیکن اسکے ساتھ خودداری اور ذاتی عزت کو بھی ہاتھ سے کھونا پسند نہیں کرتے تھے - انہوں نے کسی قسم کی شورش برپا نہ کی - لیکن جو صورت حالات ان کے سامنے پیش کی گئی اسکے ماتحت انہوں نے اعلان کر دیا کہ وہ جرمانہ ادا نہیں کر سکتے - اسلئے ان کے خلاف قرقی کے احکام جاری کئے گئے - ڈاکٹر "کانوگا" ایک ہمیشہ مشغول رہنے والا طبیب ہے اور اس کا صندوق ہمیشہ لبریز رہتا ہے - ایک ہوشیار قرق امین نے ڈاکٹر صاحب کے کیش بکس کی قرقی کی اور بروانہ قرقی کے مطابق کافی روپیہ حاصل کر لیا لیکن ایک قانون پیشہ آدمی کے ساتھ اس نوعیت کے ساتھ بیوپار نہیں کیا جا سکتا - مسٹر پٹیل کے کمرہ میں کوئی کیش بکس موجود نہ تھا - لہذا ان کی نشست کے کمرہ کا ایک پلنگ قرق کر لیا گیا - اور مشتہر کئے جانے کے بعد فروخت کر دیا گیا - اس طرح پر ان دونوں ستیہ گرہ کے مقلدوں نے اپنی ضمیر کو آلودگی سے بچا لیا - عقلمند لوگ اس بات کا مضحکہ اڑا سکتے ہیں کہ پروانہ قرقی کی کیوں تعمیل کی گئی اور جرمانہ کیوں ادا کیا گیا - لیکن ذرا اس قسم کی مثالوں کو جمع کرو اور خیال کرو کہ ان ہزارہا پروانہائے قرقی کا نتیجہ حکام کے حق میں کیا ہوا ہوگا - قرقی کے علمنامے صرف اسی حالت میں ممکن التعمیل ہیں جبکہ وہ معدودے چند خلاف ورزی قانون کرنے والوں پر جاری کئے جاویں - لیکن اگر ان کی تعمیل ایسے لوگوں پر کرائی جاوے جنہوں نے کوئی جرم نہ کیا ہو اور اپنے اصول کے تحفظ میں جرمانہ کی ادائگی سے انکار کر دیں تو پھر معاملہ وقت طلب

ہوجاتا ہے۔ اگر غیر معروف لوگ احتجاج کے اس طریقہ کو اختیار کریں تو اسکی جانب زیادہ نوٹس نہیں
لیا جاسکتا لیکن صحیح اور صاف مثالیں خود بخود اپنے اندر اضافہ کرتی رہتی ہیں وہ شائع ہوجاتی ہیں۔
اور ملزمین بجائے مورد طعن و نفرین ہونے کے خراج مبارکباد وصول کرتے ہیں۔ 'تھورو'[۱] جیسے صفات
رکھنے والے لوگوں نے خود مثال قائم کرکے بردہ فروشی کو دنیا سے کالعدم کرایا تھا۔ تھورو کہتا ہے:۔
"میں اس بات سے بخوبی واقف ہوں کہ جنکو میں جانتا ہوں انہیں سے اگر ایک ہزار۔ یا ایک سو یا دس
(محض دس ایماندار آدمی) بلکہ اس سے بھی کم اگر محض ایک ایماندار آدمی (ریاست میساچیٹس) غلام رکھنے
چھوڑ دے اور عملاً اپنے ساتھیوں سے علیحدہ ہوجاوے جسکی پاداش میں اسے جیل خانہ بھگتنا پڑے تو پھر
تمام امریکہ میں بردہ فروشی کالعدم ہوجائیگی کیونکہ اگر کوئی چیز آغاز میں ناچیز نظر آتی ہے تو اسکی پرواہ نہ کرنی
چاہیئے۔ جو بات ایک مرتبہ عمدہ و مکمل طریقہ پر کی جاتی ہے وہ دائمی طور پر قائم رہتی ہے" آگے چل کر یہی
'تھورو' کہتا ہے" میں نے ملزم کے لئے سزائے جرمانہ کے مقابلہ میں سزائے قید کو زیادہ اچھا سمجھا ہے۔ کیونکہ
جو لوگ خالص حق و صداقت کی جدوجہد میں سرگرم رہے ہیں اور اس سبب سے ایک خراب حکومت کے
لئے زیادہ خطرناک ثابت ہوئے ہیں وہ عام طور پر اپنا وقت مال و دولت جمع کرنے میں ضائع نہیں کرتے۔"
اسلئے ہم مسٹر پٹیل اور ڈاکٹر سکانونگا کو ان کی اس پسندیدہ مثال پر مبارکباد دیتے ہیں جو انہوں نے ایک
ایک اچھی اسپرٹ اور عمدہ کام میں پیش کی ہے۔

اگر کوئی شخص جرم کرتا ہے تو اسکو اسکا اقبال کرنا چاہیئے اور سزا بھگتنی چاہیئے اور اگر اسنے کوئی جرم نہیں کیا ہے تو اسکے لئے قید میں جانا کوئی بے عزتی نہیں

(درگاداس ادوانی) از قلم مہاتما گاندھی۔ ینگ انڈیا ۲۳ دسمبر سنہ ۱۹۱۹ء

مجھے جن لوگوں سے ملاقات کا شرف حاصل ہے اُن میں درگاداس ادوانی ایک بہترین کارکن ہیں۔
سنہ ۱۹۱۵ء میں جب میں ہندوستان واپس آیا تو اُن سے میری جان پہچان بذریعہ خط و کتابت ہوئی۔ یہ صوبہ
سندھ میں کئی سال سے ایک سمجھدار اور سرگرم کارکن رہے ہیں اب اُن کو ایک سال کے لئے قید با مشقت
کی سزا دیگئی ہے۔ مجھ سے کہا گیا ہے کہ عدالت اپیل کے فیصلہ پر اپنی رائے کا اظہار کروں۔ میری ناچیز رائے

---

[۱] تھورو۔ امریکہ کا مشہور محب وطن جس نے بردہ فروشی کا انسداد کیا۔

میں فیصلہ بالکل غیر معقول ہے (نیو کال) کے عنوان سے جو اشتہار شائع ہوا ہے اُسکو عدالت نے باغیانہ خیال کرنے میں غلطی کی ہے لیکن اس رائے کے ظاہر کرتے وقت میں اس امر کو تسلیم کرتا ہوں کہ درگا داس کا خیال مجھکو متعقب بنا رہا ہے۔ میں یہ یقین نہیں کرتا کہ درگا داس نے سزائے قید خانہ سے رستگاری حاصل کرنے کے لئے جھوٹ بولا ہوگا۔

میں بحیثیت ایک دوست اور ستیہ گرہی کے درگا داس اور ان کے خاندان کے ساتھ سزائے قید میں ہمدردی نہیں کر سکتا۔ درگا داس نے کمال غور و خوض کے بعد ستیہ گرہ کا عہد کیا تھا اور اس مقدمہ نے جو موقع دیا ہے اس سے فائدہ اٹھا کر میں ایسے مقدمات کے متعلق اپنے خیالات کو ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں۔ ہم نے ابتدائے مقدمہ اور اپیل میں بہت روپیہ ضائع کیا۔ قید خانوں سے ہم لرزتے ہیں۔ مجھے اسمیں ذرہ برابر بھی شک نہیں کہ اگر قانونی عدالتوں میں اتنی چارہ جوئی نہ کیجاوے جتنی کہ آج کل کیجا رہی ہے تو یقیناً ہماری سوسائٹی نہایت صاف اور دیانتدار ہو جاوے۔ ایک عمدہ مشہور وکیل کے پیچھے دوڑ دھوپ کرنا بڑی ذلیل حرکت ہے اور اگر اس قسم کی حرکت پبلک کا روپیہ صرف کرکے کی جاوے تو یہ ایک ناقابل معافی امر ہو جاتا ہے لیکن اگر کوئی ستیہ گرہی قابل وکیل کرنے اور اپیلیں دائر کرنے میں روپیہ صرف کرے تو وہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ جس وقت میں نے یہ سنا کہ نیو کال کے مقدمہ میں اپیل دائر کی گئی ہے تو مجھے دلی رنج پہونچا۔ اگر کوئی شخص جرم کرتا ہے تو اسکو اپنے جرم کا اقبال کرنا چاہئے اور اسکی سزا بھگتنی چاہئے۔ اور اگر اس نے کوئی جرم نہیں کیا ہے لیکن مجرم قرار دیدیا گیا ہے تو اُسکے لئے قید خانہ جانا کوئی بے عزتی کی بات نہیں اور اگر وہ ستیہ گرہی ہے تو اُسکو قید خانہ کی تکالیف کے خوف سے کچھ سروکار نہ ہونا چاہئے۔

جبکہ ہم ایک ایسی فضا میں زندگی بسر کر رہے ہیں جو شک و شبہ اور بے اعتمادی سے بھری ہوئی ہے۔ اور جبکہ ہم پر خفیہ پولیس کا عدیم النظیر محکمہ مستولی ہے جسکی بے اصولی اور دغا و فریب تمام دنیا میں اپنی مثال نہیں رکھتا تو پھر ہم ہندوستانیوں کو چاہئے کہ اس محکمہ میں اصلاح کرنے اور شک و شبہ اور بد اعتمادی کو دور کرنے کیلئے اپنے آپ کو قید خانہ کی زندگی کا عادی بنا دیں۔

محکمہ خفیہ پولیس اور بے اعتمادی سے نجات حاصل کرنے کا بہترین اور جلد ترین راستہ یہ ہے کہ ہم ملک کو بیجا خوف اور تشدد سے بالکل پاک و صاف کر دیں لیکن جب تک یہ دور دراز دن نصیب ہو معدودے چند ستیہ گرہ کرنیوالوں کو چاہئے کہ وہ جیل خانہ کو اپنا دوسرا وطن بنانے کے لئے تیار ہو جائیں۔ اسلئے میں امید کرتا ہوں کہ درگا داس کے دوست اُن کو یا اُن کی بیوی کو رحم کی درخواست دینے کا مشورہ نہ دینگے اور نہ اُن کی بیوی سے زیادہ اظہار ہمدردی کرکے اُنکی غمگینی میں اضافہ کریں گے۔ برخلاف اس کے ہمارے یہ فرض ہیں کہ اُن کی بیوی سے کہیں کہ وہ اپنا دل فولاد کا کر لیں۔ اور خوش ہوں کہ اُن کے شوہر کسی ذاتی خطا کی وجہ سے جیل خانہ میں مقید نہیں کئے گئے ہیں۔ درگا داس کی سب سے سچی خدمت یہ ہے

کہ ہم مسز ورگا داس کی ہر طرح امداد خواہ مالی خواہ دیگر جو انہیں درکار ہو کریں۔ میں سمجھتا ہوں کہ دیتو کا کا
کے مقدمہ میں تقریباً پندرہ ہزار روپیہ صرف ہوا ہے۔ یہ روپیہ دوسرے مصارف میں زیادہ اچھے طریقہ
پر استعمال کیا جا سکتا تھا۔ یہ کوئی معقول بات نہیں ہے کہ ہم بے نتیجہ بات میں الجھ کر اپنے آپ کو مفلس
بنا لیں۔ سیاسی مقدمات کے متعلق حد سے زیادہ بے چین ہونا مردانگی کی شان کے خلاف ہے۔

میں پنجاب میں اُن ماؤں کو پاتا ہوں کہ جو مجروح دل کے ساتھ آتی ہیں اور اپنی معصوم اولاد
کے قید ہو جانے پر گریہ و زاری کرتی ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ میں کچھ نہیں کر سکتا۔ لیکن اُن کے دل کو راحت
پہونچانی کتنی دشوار ہے۔ ان کو غلط امید دلانی ایک گناہ عظیم ہے اگر ان سے یہ کہا جاوے کہ جس چیز کا
علاج ممکن نہ ہو اس کو صبر کے ساتھ برداشت کرنا چاہیئے تو اس سے ان کے بے چین دل کو تسکین نہیں ہو سکتی
لہذا اب میں اس دشوار کام کو ادا کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ ان سے کہوں کہ وہ پورے ستیہ گرہی
بن جاویں تاکہ اس امر کا احساس کرنے لگیں کہ جب تک ہم اپنے عزیز و اقارب کے مقید ہونے پر خفقہ
شورش اور اضطراب کو ترک نہ کریں گے اُس وقت تک ہم سیاسی جرم کو پامال نہ بنا سکینگے۔ مجھے
یہ بات کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ میں قید خانہ کی ترغیب اس وجہ سے نہیں دے رہا ہوں کہ لوگ آتش زنی
یا قتل کے مجرم بن کر اس میں داخل ہوں ۔

حصۂ دوم

قتلِ عام جلیانوالہ باغ

قریب ہے یار روزِ محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر
جو چپ رہے گی زبانِ خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

امیر

۶؍اپریل کی طرح ۱۳؍اپریل کا دن بھی ہندوستانیوں کے دلوں سے محو نہیں ہو سکتا۔ یہ وہ متبرک دن ہے جس نے امرتسر کو دنیا کے لئے زیارت گاہ بنا دیا، یہ وہ مقدس مقام ہے جہاں ہندوؤں، مسلمانوں اور سکھوں نے ایک جا مل کر جامِ شہادت نوش کیا، یہ وہ مبارک سرزمین ہے جہاں بھارت ماتا کے معصوم اور بے گناہ بچوں کے خون سے سوراج کی تعمیر شروع کی گئی۔

یہ فخر امرتسر کی قسمت میں تھا اور اس کو مل گیا، دیگر مقامات کی طرح یہاں بھی رولٹ ایکٹ کے خلاف جلسے منعقد ہوئے اور ان میں ڈاکٹر ستیہ پال، اور ڈاکٹر سیف الدین کچلو نے تقریریں کیں۔ ۲۹؍مارچ کو پنجاب گورنمنٹ کے حکم سے ڈاکٹر ستیہ پال کو جلسوں میں تقریر کرنے سے روک دیا اور امرتسر میں نظر بند کر دیے گئے۔

تیسری اپریل کو یہی حکم ڈاکٹر کچلو کے خلاف بھی صادر ہوا۔

۶؍اپریل کو امرتسر میں بھی دوسرے شہروں کی طرح سرگرم ہڑتال منائی گئی۔ شام کو ایک جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں کہا جاتا ہے کہ پچاس ہزار آدمی شریک ہوئے اور جلسہ امن و امان کے ساتھ ختم ہوا۔

۹؍اپریل کو رام نومی کا جلوس نکالا گیا، اور ہندوؤں کے اس تیوہار میں مسلمانوں نے نمایاں حصہ لیا۔ ڈاکٹر کچلو اور ڈاکٹر ستیہ پال اس اتحاد و اتفاق کے بانی تھے۔ اس قومی مظاہرہ اور اس قومی احساس کی غیر معمولی نمائش ایک حکمراں کے دماغ میں خوشگوار خیالات پیدا کر سکتی تھی، اور اس کے دل میں قومی توقعات سے ہمدردی کے جذبات متحرک ہو سکتے تھے۔

لیکن اس کے خلاف مسٹر مائیکل اوڈوائر ان حالات سے سخت برہم اور غضبناک ہو گیا، انھیں کو خیال ہوا

کہ اس کے احکام سے لوگ مرعوب نہیں ہوئے بلکہ اس کے برعکس زیادہ دلیر اور سرگرم ہو گئے ہیں ٭

عین اُس وقت جب کہ یہ پبلک مظاہرے اور پر امن جلسے ہو رہے تھے پنجاب گورنمنٹ کے دفتر سکریٹریٹ میں وہ احکام گھڑے جا رہے تھے جن کا مقصد رعایا کی امن پسندی میں خلل انداز ہونا تھا، کیونکہ لفٹننٹ گورنر نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ ڈاکٹر کچلو اور ڈاکٹر ستیہ پال کو جلا وطن کر دیا جائے۔ یہ احکام ۹ راپریل کی شب کو امرتسر پہونچے اور ۱۰ راپریل کی صبح کو ڈپٹی کمشنر نے ڈاکٹر کچلو اور ڈاکٹر ستیہ پال کو طلب کر کے سرکاری حکم سنایا اور ایک موٹر پر سوار کر کے کسی نامعلوم مقام پر بھیجدیا۔ یہ خبر بجلی کی طرح تمام شہر میں پھیل گئی اور ایک انبوہ کثیر جمع ہو گیا۔ یہ انبوہ ایک ماتمی گروہ تھا جس میں ہر شخص ننگے پاؤں اور ننگے سر تھا اور کسی کے ہاتھ میں کوئی لکڑی یا ہتھیار نہ تھا۔ لوگوں کا اس کثیر مجمع پر جو کہ ڈپٹی کمشنر کے بنگلہ کی طرف ہر دو محبوب رہنماؤں کی رہائی کے لئے جا رہا تھا گولیاں چلائی گئیں جن سے بعض آدمی ہلاک اور بعض مجروح ہوئے۔ جب یہ مجمع واپس ہوا تو اس نے ایک بلوہ کی شکل اختیار کر لی۔ اس نے بنکوں، ڈاکخانہ اور بعض دوسرے سرکاری دفتروں کو لوٹ لیا اور ان میں آگ لگا دی۔ بعض یورپین لوگوں کو قتل کر ڈالا۔ اور دو لیڈیوں پر حملہ کیا۔ تاہم امن دوبارہ قائم کر دیا گیا۔ لیکن فضا خوف و ہراس سے پر ہو چکی تھی۔ جنرل ڈائر ۱۱ تاریخ کی رات کو امرتسر پہونچے اور شہر پر قبضہ کر لیا ٭

۱۱ اور ۱۲ تاریخ میں کوئی حادثہ پیش نہ آیا۔ ۱۳ تاریخ کو جلیانوالہ باغ[1] کے غیر آباد میدان میں جلسہ کرنے کا اشتہار دیا گیا جنرل ڈائر نے موت کا خوف دلا کر ہر مجمع کو ممنوع قرار دیا اور یہ سنکر کہ جلیاں والے میں کوئی جلسہ ہونے والا ہے مع اپنے رسالوں اور مشین گنوں کے اُس طرف روانہ ہو گئے ٭

چونکہ اُس روز ہندوؤں کا بیساکھی کا تہوار اور میلہ تھا، اس لئے وہ جگہ مردوں، عورتوں اور بچوں سے بھری ہوئی تھی اپنی آمد کے تیس سکنڈ کے اندر اندر انہوں نے گولی چلائی۔ جو دس منٹ تک جاری رہی جب تک کہ کارتوس ختم نہ ہو گئے۔ جو گولیاں چلائی گئیں ان کی تعداد ۱۶۵۰ تھی، اور ان سے پانچ یا چھ سو آدمی ہلاک ہوئے اور ان سے سہ گونہ تعداد زیادہ آدمیوں کی زخمی ہوئی، چونکہ وہ جگہ چاروں طرف اونچی اونچی دیواروں سے گھری ہوئی تھی، اس لئے کوئی شخص جان بچا کر بھاگ سکتا، گولی چلانے سے پیشتر کسی قسم کی اطلاع نہ دی گئی اور زخمی اور مردہ لوگوں کی بھی کوئی خبر نہ لی گئی۔ امرتسر، لاہور، گجرات اور لائل پور کے اضلاع میں مارشل لا کا اعلان کر دیا گیا۔ لوگوں کی کثیر تعداد گرفتار کی گئی اور فوجی قانون کے ماتحت مقدمہ چلایا گیا حتی کہ معزز اشخاص بھی گرفتار کئے گئے، ان کے سر بازار بید اور کوڑے لگائے گئے اور ان کو پیٹ[2] کے

---

[1] امرتسر میں یہ ایک کھلا ہوا میدان ہے جسکے چاروں طرف مکانات کے پشت کی دیواریں احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ اس مقام پر کچھ درخت ہیں اور ایک شکستہ مقبرہ ہے جسکے قریب ایک کنواں ہے باغ کا دروازہ تنگ ہے۔

جلیان فرد کا نام ہے جو اس باغ کا مالک تھا اس لئے اسکو جلیان والہ باغ کہتے ہیں لیکن اب اسکو میموریل کے لئے پبلک نے خرید لیا ہے ٭

[2] آدمی پیٹ کے بل زمین پر لٹائے جاتے تھے اور ان کو شل کیڑوں کے گھسٹنا پڑتا تھا اور ٹانگ اٹھنے پر بندوق کا کندہ پشت پر رسید کیا جاتا تھا جہاں یہ حکم نافذ تھا وہ ایک سو پچاس گز لمبی سڑک تھی اور اس کے دو نو طرف دو منزلہ مکانات تھے۔ جو لوگ یہاں آباد تھے اور جب ان کو کسی خرید فروخت کے لئے شہر میں جانا ہوتا تھا تو وہ مجبور تھے کہ پیٹ کے بل چلیں ٭

بل رینگنا پڑا، عورتوں کو بے نقاب کیا گیا، شہر کے پانی کے نل اور بجلی کی روشنی بند کر دی گئی، اور اس طرح طرح طرح کے ناگفتہ بہ
مظالم کا ارتکاب کیا گیا جس میں ہوائی جہازوں کے ذریعہ غیر مسلح لوگوں پر بم گرانا بھی شامل ہے۔

چونکہ سخت سنسر قائم کیا گیا تھا اسلئے پنجاب میں جو مظالم ہوئے ان کی خبر بیرونی دنیا میں نہ پہونچی۔ لیکن چند
مہینوں کے بعد جب فوجی قانون اٹھا لیا گیا تو خبریں پھیلنی شروع ہوئیں اور تمام ملک میں بہت زیادہ غصہ پیدا ہو گیا۔
ایک تحقیقاتی کمیٹی کا مطالبہ کیا گیا اور آخر کار گورنمنٹ کی ایک تحقیقاتی کمیٹی زیر صدارت لارڈ ہنٹر مقرر کر دی گئی لیکن
قبل اس کے کہ کمیٹی مذکورہ اپنا کام شروع کرے، گورنمنٹ ہند نے اپنے افسران کی حفاظت کی غرض سے ایک قانون
تاوان پاس کر دیا۔ کونسل میں اس کی زبردست مخالفت کی گئی لیکن مہاتما گاندھی نے اپنے اصول عدم انتقام پر ثابت
قدم رہتے ہوئے اس بل کی تائید کی۔

جب ہنٹر کمیٹی نے شہادتوں کو قلمبند کرنا شروع کیا تو نہایت خوفناک [illegible]عات اور حوادثات کا
راز طشت از بام کیا گیا۔ کانگرس کمیٹی نے ایک سب کمیٹی مقرر کی تاکہ ہنٹر کمیٹی کے سامنے [illegible]توں کو بہم پہنچا دے
لیکن چونکہ پریسیڈنٹ نے ایک تھوڑے عرصہ کے لئے بھی پنجاب کے لیڈران کی (جو سزائیں بھگت رہے تھے)
عارضی رہائی سے انکار کر دیا۔

لہذا کانگرس سب کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ وہ شہادتیں بالکل بہم نہ پہونچائے بلکہ اس سے علیحدہ اپنی آزاد
تحقیقات کرے۔ لہذا اس نے ۲۶ مارچ سنہ ۱۹۲۰ء کو اپنی رپورٹ شائع کی جس میں ایسی سفارشات کی گئیں جن کو عوام بہت
زیادہ نرم خیال کرتے تھے۔ دوسری جانب ہنٹر کمیٹی کی رپورٹ متفقہ نہ تھی۔ ہندوستانی ممبران نے اپنے یورپین
ساتھیوں سے اختلاف کرتے ہوئے ایک مخالفانہ نوٹ ہنٹر رپورٹ میں شامل کر دیا اور یہ رائے ظاہر کی کہ پنجاب
میں مارشل لا کا نفاذ انصاف پر مبنی نہ تھا۔ ہنٹر کمیٹی کی سفارشات نیز گورنمنٹ ہند کے احکام ہندوستانیوں
کو مطمئن کرنے میں ناکام رہے۔
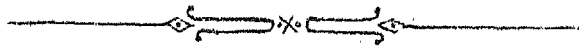
یہ محض ستیہ گرہ کا اثر تھا جس نے تشدد کی لہر کو ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلنے سے روک دیا

(عدم تعاون کا پہلا سبق) از قلم مہاتما گاندھی - ینگ انڈیا ۹ر جون سنہ ۱۹۲۰ء

فری میسنری ایک ایسی خفیہ برادرانہ انجمن ہے جس نے بعض بہترین دماغوں پر بنی نوع انسان کو ہندوستان
بجالا کر اپنا قبضہ نہیں جمایا ہے بلکہ اپنے آہنی اصول و ضوابط اور انتہا پسندانہ کے ذریعے سے بھی ہندوستان کے سرکاری
طبقہ میں بھی ایک ایسا خفیہ ضابطہ کار عمل درآمد ہے جس کے سامنے قوم برطانیہ کے چیدہ چیدہ افراد بھی اپنا سر جھکا دیتے ہیں
اور نادانستگی میں ایسی ناانصافی کا آلہ بن جاتے ہیں جس کے ارتکاب پر شخصی حیثیت میں وہ خود بھی نادم و شرمسار ہوتے
ہیں۔ ہنٹر کمیٹی کی اکثریت[1] کی رپورٹ، حکومت ہند کا مراسلہ اور اس کے متعلق وزیر ہند کا جواب (تینوں) بھی مذکورہ
مندرجہ بالا خفیہ ضابطہ کا کام کر رہا ہے اور کوئی شخص اس کو کسی دوسرے طریقہ پر نہیں سمجھ سکتا۔ باوجودیکہ پبلک کے
ایک طبقہ نے ہنٹر کمیٹی کے ممبران کے خلاف پر زور احتجاج کیا لیکن بحیثیت مجموعی پبلک کو کمیٹی پر اعتماد تھا اور اس
اعتماد کی وجہ خاص یہ تھی کہ اس میں تین ہندوستانی ممبران بھی شامل تھے جو تمام یورپین سے الگ ہو سکتے تھے وہ خود لکھ
کر سکتے تھے۔ لیکن اس اعتماد پر پہلی کاری ضرب اس وقت لگی جبکہ لارڈ ہنٹر کی کمیٹی نے کانگریس کمیٹی کی اس معقول مطالبہ
کو مسترد کر دیا تھا جس میں استدعا کی گئی تھی کہ لیڈران پنجاب کو کمیٹی مذکور کے سامنے پیش ہونے اور اپنے وکلا کو ہدایتیں دینے کی اجازت
مانگی گئی تھی۔ اب اگر کسی شخص کے دل میں کسی قسم کا شک و شبہ بھی ہو گیا تو ہنٹر کمیٹی کی اکثریت کی رپورٹ نے اس کو
زائل کر دیا اور جو کچھ نتیجہ اب ہمارے سامنے موجود ہے اس سے کانگریس کے طرز عمل کی تصدیق ہوتی ہے۔ ہنٹر کمیٹی
نے جتنی شہادتیں مہیا کی تھیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ کمیٹی مذکور کسی غرض کو ملحوظ رکھتے ہوئے خود دلیلیں فراہم کر کے ثبوت

---

[1] یہاں رپورٹ اکثریت سے مراد ان سرکاری ممبران کی رپورٹ ہے جنہوں نے ایک غیر سرکاری انگریز کو اپنے اندر شامل کر کے ہنٹر کمیٹی کے پانچ ممبران کی تعداد مہیا کر لی اور اسلئے اکثریت سے موسوم ہونے کے حق ہو گئے۔

سے ہی انکار کرتی ہے۔

رپورٹ اقلیت[1] کی مثال ایسی ہے جیسی کہ ریگستان میں چھوٹا سا نخلستان ہو۔ ہندوستانی ممبران اپنے ہموطنوں کی مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے باوجود زبردست مقابلہ کے اپنے فرائض کی انجام دہی میں جرأت سے کام لیا کاش کہ وہ ستیہ گرہ کے سول نافرمانی والے جزو کو ناجائز کہنے میں شامل نہ ہوتے۔ عوام الناس نے ۳۰ مارچ کو جس سرکشانہ اسپرٹ کا اظہار کیا وہ ایک ایسی روحانی تحریک کو ناجائز کہنے کے لئے استعمال نہیں کی جا سکتی جو عوام کے تشدد آمیز عزائم کا سدباب کرنے اور جبر یا بے آئینی کے بجائے حکام کے خلاف سول نافرمانی کے لئے وضع کی گئی ہو۔ ۳۰ مارچ کو سول نافرمانی کا آغاز بھی نہ ہوا تھا۔ دنیا میں اب تک جتنے بڑے بڑے عام مظاہرے ہوئے ہیں، تقریباً ان سب میں تھوڑی بہت سی بے آئینی ضرور ظاہر ہوئی ہے

۳۰ مارچ اور ۶ اپریل کے مظاہروں کے لئے یہی ضروری نہیں کہ ان کو تحریک [illegible] کا نتیجہ ہی کہا جائے، بلکہ وہ دوسرے ذرائع سے بھی اسقدر منسوب کئے جا سکتے ہیں۔ میری رائے میں اگر تہذ[illegible]اعدگی کی اسپرٹ موجود نہ ہوتی تو شاید دہلی میں نافرمانی نے اس سے بھی کہیں زیادہ تشدد آمیز شکل اختیار کر لی ہوتی جتنی کہ ظاہر ہوئی۔ یہ محض اصول ستیہ گرہ ہی تھا جس کو عوام نے تعجب انگیز تعجیلت کے ساتھ قبول کر لیا اور جس نے تشدد کی لہر کو ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلنے سے روک دیا۔ اور اب بھی یہ جنرل ڈائر کی سفاکانہ چیرہ دستیوں کی یاد نہیں ہے کہ جس نے لوگوں کی بے چینی کو تشدد کی شکل اختیار کرنے سے روک رکھا ہے بلکہ یہ ستیہ گرہ کا وہ اثر ہے جو عوام پر خواہ برضا و رغبت خواہ طوعاً و کرہاً عادی ہو گیا ہے اور جو تشدد اور بد امنی کی تمام طاقتوں کو سرنگوں کئے ہوئے ہے۔ لیکن میں ناظرین کا وقت ناجائز حملوں کے خلاف ستیہ گرہ کی مدافعت میں ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ اگر ستیہ گرہ نے ہندوستان میں اپنا قدم جما لیا ہے، تو وہ اس سے بھی زیادہ خوفناک حملوں کا مقابلہ کرے گی جو ہنٹر کمیٹی کی اکثریت نے اس پر کئے ہیں۔ اور جن کی تائید کسی قدر کمیٹی مذکور کی اقلیت نے بھی کی ہے۔ اگر رپورٹ اکثریت کا یہی جزو ناقص ہوتا جس میں اس نے ستیہ گرہ پر حملہ کیا ہے۔ اور دوسرے تمام حصے صحیح ہوتے تو وہ بھی قابل ستائش تھی۔ بہرکیف ستیہ گرہ سیاسی میدان میں ایک جدید تجربہ ہے اور اس سے عوام کی بد امنی کو منسوب کرنا فی الحال قابل معافی ہے۔ ہنٹر کمیٹی کی رپورٹ اور گورنمنٹ کے مراسلات پر عام طور پر جو مخالفانہ رائے قائم کی گئی ہے وہ تعلقات کو اور زیادہ دردناک کرنے والی ہے۔ ان حرکات کو چھوڑ کر جن کا اعتراف خود عمال حکومت نے شوخ چشمی کے ساتھ کیا ہے اور جن کا نظر انداز کرنا کمیٹی کے لئے ممکن نہ تھا ذرا رپورٹ کے اس حصہ کو دیکھو جس میں حکام کی انسانیت سوز حرکات مذبوحی کی مدافعت کی گئی ہے ذرا اس مخصوص پیروکاری پر بھی غور کرو جو خود جنرل ڈائر کے اقبال جرم کے باوجود ان کی مدافعت میں روا رکھی گئی اور پھر ذرا اس بیجا تعریف و توصیف پر خیال کرو جو سر مائیکل اوڈوائر کی بریت کے لئے استعمال کی گئی۔

---

[1] اقلیت رپورٹ سے مراد ان ہندوستانی غیر سرکاری ممبران کی رپورٹ سے ہے جو بوجہ اختلاف رائے سرکاری ممبران سے علیحدہ ہو کر اپنی جداگانہ رپورٹ دینے پر مجبور ہوئے اور چونکہ ان کی تعداد محض تین تھی اس لئے ان کو اقلیت کہا ہے۔

حالانکہ یہ اُن کی ہی روح تھی جو ارتکاب جرائم کے وقت حکام زبردست میں کام کر رہی تھی اور آخر میں اس صاف انکار
کو بھی ملاحظہ کرو جو سر میکائیل اوڈوائر کے وحشیانہ طرز حکومت کی جانچ واقعات اپریل سے پیشتر کرنے میں کیا گیا سر میکائیل
اوڈوائر کی حرکات بالکل صاف اور بین کتاب کی طرح تھیں جس پر کمیٹی کو عدالتی کارروائی کرنی چاہئے تھی۔ کمیٹی کا صاف و
صریح فرض یہ تھا کہ وہ بجائے اسکے کہ عمال حکومت کی ہدایات کو تسلیم کرتی بد امنی کے حقیقی اسباب کی جانب اپنی توجہ
مبذول کرتی اسکو چاہئے تھا کہ واقعات کی خفیہ کیفیتوں کو تلاش کرتی۔ میری ناچیز رائے یہ ہے کہ رپورٹ مذکور اور
کاغذات حکومت میں عمال حکومت کی بے آئینی پر چشم پوشی کی گئی ہے۔ جب ناظرین سرکاری بچاوٹ کی نیم عریاں
رپورٹ کی ورق گردانی کرینگے تو جنرل ڈائر کے قتل عام اور پیٹ کے بل رینگنے کے احکامات پر جو با دل ناخواستہ لیکن
ہوشیاری کے ساتھ اظہار ملامت کیا گیا ہے اس سے ان کی مایوسی اور زیادہ گہری ہو جائے گی مجھے ان
مراسلات اور رپورٹ [illegible] پڑتال کرنے کی ضرورت نہیں جن پر تمام انتہا پسند اور عافیت پسند پریس نے اظہار
لعنت و ملامت کیا ہے [illegible] وقت صرف یہ مسئلہ غور طلب ہے کہ عمال حکومت کی ناانصافی کا مقابلہ کرنے کے لئے
اس خفیہ سازش کو کس طرح تہ و بالا کیا جائے۔ اگر قوم یہ چاہتی ہے کہ وہ اپنی عزت کو محفوظ رکھے اور سلطنت میں
ایک آزاد حصہ دار کی حیثیت سے زندگی بسر کرے تو وہ اس ذلت کو گوارا نہیں کر سکتی۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی
نے تجویز کیا ہے کہ دوسرے امور غور طلب کے ساتھ ساتھ اس رپورٹ سے جو صورت حالات رونما ہو گئے ہیں
ان پر غور کرنے کے لئے کانگریس کا ایک اجلاس خصوصی طلب کرے۔ میری رائے میں اب وہ وقت آگیا ہے
کہ ہم مؤثر تدابیر کے لئے پارلیمنٹ سے عرض و معروض کرنا بند کر دیں۔ التجاؤں اور معروضات کا اثر صرف اس وقت ہوگا
جبکہ قوم کی پشت پر اس کی خواہش کو منوا لینے کے لئے کوئی طاقت موجود ہو لیکن اب ہمارے پاس کونسی طاقت موجود ہے؟
جب ہماری یہ پختہ رائے ہے کہ ہمارے ساتھ زیادتیاں کی گئیں اور جب ہم بڑے سے بڑے عمال حکومت سے بھی
ان زیادتیوں کی تلافی کرانے میں ناکام رہے تو پھر اب خود ہم کو ایسی طاقت فراہم کرنی چاہئے جو ان مظالم کا سدباب
کر سکے۔ یہ بالکل سچ ہے کہ کثیر التعداد مثالوں میں رعایا کا یہ فرض ہے کہ اگر باقاعدہ عدالتی کارروائی میں اسکو ناکامی ہوئی
تو وہ حکام کے مظالم کے سامنے سر جھکا دے لیکن ہر قوم اور ہر شخص کا یہ حق ہے اور اسکا یہ فرض ہے کہ ناقابل برداشت
مظالم کے خلاف کھڑا ہو جائے اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ میں مسلح بغاوت میں یقین رکھتا ہوں

بلکہ میرے خیال میں مسلح بغاوت تو ایک ایسا علاج ہے جو خود مرض علاج طلب سے بھی
زیادہ بُرا ہے۔ اس میں بے صبری، غصہ اور انتقام کی اسپرٹ اپنا کام کرتی ہے۔ تشدد آمیز دستور العمل سے کوئی
فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ ذرا یہ تو دیکھو کہ اتحادیوں نے جو جرمنی کے خلاف مسلح علم بغاوت بلند کیا اسکا کیا نتیجہ ہوا۔ کیا
اتحادی خود مثل جرمن کے نہیں ہو گئے؟

ہمارے پاس اس سے بھی زیادہ اچھا ایک اور دستور العمل ہے۔ اس میں تشدد کے برخلاف صبر و تحمل سے کام
لینا پڑتا ہے لیکن اس میں مستقل مزاجی کی سخت ضرورت ہے۔ اس دستور العمل میں ظالم پارٹی سے علیحدگی اختیار کرنی

پڑتی ہیں۔ آج تک کوئی ظالم اپنے شکار کو مجبور اپنی مرضی کے مطابق کئے بغیر اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوا۔ اکثر آدمی اس بات کو زیادہ پسند کرتے ہیں کہ ظالم کی مرضی کے سامنے سر جھکا دیں بہ نسبت اسکے کہ اسکا مقابلہ کریں اور پھر اسکے نتائج سے مصیبتیں جھیلیں اسلئے ایک ظالم کی پونجی صرف اسقدر ہے کہ وہ اپنی ہیبت اور خوف لوگوں کے دلوں پر قائم رکھے لیکن تاریخ میں ایسی مثالیں موجود ہیں جہاں ہیبت اور خوف مظلوم کو ظالم کی مرضی کے مطابق مجبور کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ اب ہندوستان کے سامنے بھی متذکرہ بالا دو چیزیں موجود ہیں جسے چاہے اپنے لئے منتخب کرلے۔ اگر گورنمنٹ پنجاب کے مظالم ناقابل برداشت ہیں اور اگر حکومت ہند کے دونوں مراسلے اور لارڈ ہنٹر کمیٹی کی رپورٹ بوجہ اسکے کہ اسمیں حرکات عمال سے چشم پوشی کی گئی ہے اس سے بھی زیادہ ظلم ہے تو پھر یہ امر بالکل بیّن ہے کہ ہم اس سرکاری تشدد کے سامنے سر خم کرنے سے انکار کردیں۔ ہر ممکن ذریعہ سے پارلیمنٹ میں اپیل کرو لیکن اگر پارلیمنٹ ہمارے مطالبات کو فراموش کر دے اور اگر ہم اپنے تئیں قوم کہلانے کی قابلیت رکھتے ہیں تو ہم کو چاہئے کہ اپنا دست تعاون کھینچ کر گورنمنٹ کی امداد سے انکار کردیں۔

لارڈ چیمسفورڈ نے بلا شک و شبہ تخیل کی کمی کا اظہار کیا ہے لہذا ہم بڑے رنج کے ساتھ انکی واپسی کا مطالبہ کرتے ہیں

(پنجاب کی غیر سرکاری رپورٹ) ینگ انڈیا ۳۱ مارچ سنہ ۱۹۲۰ء

جس رپورٹ کے لئے عرصہ دراز سے ملک چشم براہ تھا، وہ شائع ہوگئی جس باقاعدہ طریق پر کمشنران[1] نے اپنے کام کو انجام دیا ہے اسے وہ اپنے تئیں مبارکباد دے سکتے ہیں۔ رپورٹ مذکور کو جو خود اپنی عمدگی کی بنا پر قابل تعریف ہے کمشنران کے ذاتی مرتبہ اور اعلیٰ پوزیشن نے اور زیادہ وزنی کردیا۔ جو کچھ شہادتیں کمشنران کو فراہم ہوئیں انہوں نے اسکے حدود سے تجاوز نہیں کیا۔ اسلئے ناظرین اگر ان کا دل چاہے تو بذات خود ان نتائج کی جانچ پڑتال کرسکتے ہیں جو

[1] یہاں کمشنران سے مراد وہ غیر سرکاری (ہندوستانی) افراد ہیں جو مظالم پنجاب کی تحقیقاتی کمیشن کے ممبر تھے۔

رپورٹ پیش کرتی ہے۔ رپورٹ میں جو سفارش پیش کی گئی ہیں وہ نہ تو وحشیانہ ہیں اور نہ بالکل پوچ ہیں۔ کمشنران نہایت دلیری سے وائسرائے کی واپسی، سر میکائیل اوڈوائر جنرل ڈائر اور دیگر مجرم افسران کی برخاستگی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ یہی دو سفارشیں ایسی ہیں جنکی مخالفت ہوگی۔ لیکن کمشنران نے ہر سفارش کی بین اور ناقابل تردید دلائل دئے ہیں اور اگر جن واقعات کو انہوں نے ظاہر کیا ہے انکی صداقت میں کسی کو کلام نہ ہوا تو پھر انکی سفارشات قطعاً ناقابل تردید ہیں۔

بڑے رنج کے ساتھ ہم وائسرائے کی واپسی کی سفارش سے اتفاق کرتے ہیں۔ ہم کو اس امر کا یقین ہے کہ ہز ایکسلنسی ایک شریف اور مہذب انگریز ہیں جو ہندوستان کی بہبودی اور صحیح بات معلوم کرنے کے لئے بے چین ہیں لیکن منصب وائسرائے کے لئے صرف یہی اعلیٰ اوصاف کافی نہیں۔ لارڈ چیمسفورڈ نے بلاشک و شبہ تخیل کی کمی کا اظہار کیا۔ انہوں نے اپنے ہندوستانی دور حکومت میں انہیں روایات کا استعمال کیا جو نوآبادیات کا دستوری گورنر کرتا ہے اور جسکو ہمیشہ اپنے وزراء کے مشورہ کی رہنمائی میں کام کرنا پڑتا ہے جو اپنی جانب سے کسی پالیسی کا نفاذ نہیں کرسکتا بلکہ وہ اگر کسی قسم کی پالیسی کا اجراء کرتا ہے تو اپنے منصب سے فائدہ اٹھاکر نہیں بلکہ ایک عیارانہ اثر اور سوشل رابطہ و ضبط سے متاثر ہوکر خود مختار نوآبادیات میں ایک گورنر عمدہ تجاویز کرتا ہے لیکن اپنے وزراء کو ان کے ماننے پر مجبور نہیں کرتا۔ وہ پبلک رائے کو حرکت میں لانے کی کوشش کرتا ہے لیکن اپنے اختیارات کو کام میں لاکر نہیں بلکہ سوشیل اور نیم سیاسی معاملات میں اپنے رفیق بناکر۔ لہذا وہی اوصاف جو ایک نوآبادیات کے گورنر کو کامیاب کرتے ہیں۔ لارڈ چیمسفورڈ کو منصب وائسرائلٹی کے لئے نااہل بناتے ہیں۔ ہندوستان کا وائسرائے بہت اختیارات رکھتا ہے، وہ خود مختار ہوتا ہے اور مجلس انتظامیہ (ایکزیکیوٹو کونسل) اسکے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ اگر وہ کسی معاملہ کے متعلق ذرا سا بھی اشارہ کردے تو وہ ایک باقاعدہ منظوری کا حکم رکھتا ہے، وہ پالیسی خود بناتا ہے اور اسکا اجراء کرتا ہے۔ صوبوں کے انتظامات میں مداخلت کا حق رکھتے ہوئے اسکی نگرانی کرتا ہے، لہذا اسکو مضبوط حاکم ہونا چاہئے (اس کی تخیلات اعلیٰ ہونی چاہئیں)۔ اس کو عوام کے ساتھ بلا خوف و خطر ہمدردی کا اظہار کرنا چاہئے۔ لارڈ چیمسفورڈ کے دل میں بہت اوصاف موجود ہیں لیکن نازک موقع پر وہ کمزور ثابت ہوئے ہیں۔ بجائے اسکے کہ وہ اپنے رفقاء کی رہبری کرتے انہوں نے اپنے تئیں ان کا محکوم کردیا ہے۔ انھوں نے صوبے کے حکمرانوں کو اجازت دیدی ہے کہ وہ جیسا چاہیں کریں۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ مختلف مقامات میں مختلف حکمت عملیوں پر عمل درآمد ہورہا ہے۔ مثلاً بمبئی میں باوجود اشتعال کے دانشمندی اور باہمی مجبوری کی پالیسی پر عمل کیا گیا۔ برخلاف اسکے پنجاب میں بغیر کسی اشتعال کے سرکوبی، ایذارسانی اور عدم تحمل کی حکمت عملی برتی گئی۔ ایک مرکزی حکومت میں ایک ایسا سردار موجود ہو جو اپنے ماتحتوں سے اپنے احکام کی تعمیل کرائے۔ اس قسم کی متضاد پالیسی نہیں ہونی چاہئیں۔ لارڈ چیمسفورڈ اپنے کار منصبی کی ادائگی میں بالکل ناکام رہے اور کمشنران تحقیقات بھی اپنے فرائض کی انجام دہی میں ناکام ثابت ہوتے اگر وہ موجودہ واقعات کی موجودگی میں ہز ایکسلنسی وائسرائے کی واپسی کے مطالبہ میں پس و پیش کرتے۔

کمشنران نے معلومات بہم پہنچانے میں اگر کوئی غلطی کی ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ اس میں اعتدال پسندی سے کام لیا ہے۔ لیکن بہ زیادہ مناسب ہوگا کہ ایک ان معلومات پر اس وقت بحث و تمحیص کرے جب سرکاری کمیٹی

کی رپورٹ شائع ہو جاتی ۔ غیر سرکاری کمشنران نے جس قدر شہادتیں فراہم کی ہیں ہماری رائے میں اُن سے زیادہ اور معلومات کا ملنا ناممکن تھا ۔ شہادتوں کو پڑھنے کے بعد ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ کمشنران نے نتائج پیش کرنے سے احتراز کیا ہے ۔ اسلئے اگر ایسا کیا جاتا تو اُن کی تائید میں کثیر التعداد واقعات کا ملنا بالکل دشوار تھا ۔

ہمکو چاہئیے کہ استقلال کے ساتھ نہ صرف ایکہزار بیگناہ مردوں عورتوں کی قربانی کیلئے بلکہ کئی ہزار افراد کی قربانی کے لئے تیار ہو جائیں

(فسادات پنجاب کے ضمن میں ملزمین کی سزا یابی) مہاتما گاندھی کے قلم سے ینگ انڈیا ۲۱ اپریل ۱۹۲۰ء

پنجاب کانگریس سب کمیٹی کے مقرر کردہ کمشنران نے اپنی رپورٹ میں ہز اکسلنسی والسرائے ہند کو بصیرت کی مجرمانہ کمی کا ملزم ٹھہرایا ہے ۔ ہز اکسلنسی نے پانچ اشخاص کی بجائے دو اشخاص کو سزائے موت دینے سے انکار کر کے اس الزام کا واضح ثبوت دیا ہے ۔ پریوی کونسل نے اپیل کو مسترد کر کے ملزمین کے ثبوت جرم کو زیادہ مضبوط نہیں بنایا ۔ بلکہ شاید اس کے مقابلہ میں اگر مارشل لا کے سامنے کارروائی مقدمہ کے دوران میں ملزمین کی طرف سے الزامات کی تردید کیجاتی تو ان کی بیگناہی اور زیادہ ثابت ہو سکتی تھی ۔ علاوہ ازیں یہ مقدمات شاہی اعلان کے تحت میں آتے ہیں ۔ امرتسر میں واردات قتل قاتل و مقتول کے کسی پرائیویٹ تنازع کی بنا پر سرزد نہیں ہوئے بلکہ ان کے اسباب سیاسی وجوہات تھیں جو حالت اشتعال میں پیدا ہوئیں اور آتش زنی اور واردات قتل کا تاوان کافی سے زیادہ لیا جا چکا ہے ۔ ان صورت حالات کے ماتحت معمولی سے معمولی عقل بھی سزائے موت میں تخفیف کرنے کا مطالبہ کرے گی ۔ عوام الناس کو اس امر کا یقین ہے کہ مجرمین بالکل بے گناہ ہیں اور مقدمہ کی سماعت انصاف کے ساتھ نہیں ہوئی ۔ علاوہ ازیں ان احکامات پر عملدرآمد کرنے میں اتنی تاخیر سے کام لیا گیا ہے کہ اب مجرمین کو پھانسی پر چڑھانے سے ہندوستانی سوسائٹی کو بے انتہا صدمہ پہنچیگا ۔ اگر کوئی دوسرا والسرائے ہوتا تو سزائے موت کے احکام میں ضرور تغیر و تبدل کرنے کا اعلان کر دیتا لیکن لارڈ چیمسفورڈ نے ایسا نہ کیا ۔ بظاہر لارڈ چیمسفورڈ نے شاید یہ اندازہ لگایا ہے

کہ اگر مجرمین میں سے بعض افراد کو پھانسی پر نہ لٹکایا گیا تو انصاف و عدل کا مطالبہ قابل اطمینان طریق پر پورا ہوگا۔ انکے نزدیک پبلک جذبات کسی شمار اور گنتی میں نہیں لیکن ہمیں ہنوز یہ امید ہے کہ خود والسرائے یا مسٹر مانٹیگو وزیر ہند سزائے موت کے احکام میں تبدیلی کرینگے۔

لیکن اگر گورنمنٹ سزائے موت کے احکام پر عملدرآمد کرکے ایک زبردست غلطی کی مرتکب ہوئی تو عوام الناس بھی مساوی غلطی کے مرتکب ہونگے اگر انہوں نے دار و رسن کے نظارہ سے متاثر ہوکر کسی قسم کے غم و غصہ کا اظہار کیا قبل اسکے کہ ہم ایک ایسی قوم بن جائیں جو اپنی مؤثر آواز انجمن اقوام تک پہونچا سکے تو ہم کو چاہئے کہ استقلال کے ساتھ نہ صرف ایکہزار بیگناہ مردوں اور عورتوں کی قربانی بلکہ کئی ہزار افراد کی قربانی کے لئے تیار ہو جائیں حتی کہ دنیا میں ہماری پوزیشن ایسی ہو جائے کہ کوئی ہم سے زیادہ سربلندی کا دعویٰ نہ کر سکے۔ ہمیں امید ہے کہ جملہ اصحاب جو اس سے تعلق رکھتے ہیں دل شکستہ ہونے کے بجائے اپنے قلوب کو اور زیادہ مضبوط کرینگے اور صلیب دہی کو زندگی کے معمولی واقعات سے تعبیر کرکے اسکی کوئی پرواہ نہ کرینگے۔ (مندرجہ بالا مضمون ہنوز زیر طبع ہی تھا کہ ہم کو ظالمانہ خبریں موصول ہوئیں۔ ہز اکسلنسی نے بالآخر بڑی بیرحمی سے کام لیکر ہندوستانی سوسائٹی کو جگر خراش صدمہ پہنچایا۔ اب ہندوستانیوں کو چاہئے کہ اس بیرحمانہ زخم کے پہنچنے کے باوجود اپنے دلوں کو قوی کرلیں)

کیا ہندوستان ایسی گورنمنٹ سے تعاون کرسکتا ہے جو اپنی خاص رعایا پر عمال حکومت کے بدترین ظالمانہ جرائم سے چشم پوشی کرے

(والسرائے کی نااہلیت) از قلم مہاتما گاندھی۔ ینگ انڈیا۔ ۶ر اکتوبر ۱۹۲۰ء

ناظرین کی دلچسپی کی غرض سے کسی دوسری جگہ والسرائے کا وہ بحری[1] تار شائع کیا گیا ہے جو انہوں نے مسٹر مانٹیگو کو شریمتی سروجنی نائیڈو کے ان الزامات کی تردید میں بھیجا تھا جو دوران مارشل لا میں پنجاب کی عورتوں کے ساتھ برا سلوک

ل۱ والسرائے کا بحری تار: "فسادات پنجاب کے متعلق کئی الیسی رپورٹ شائع ہوگئی۔ زیر بحث عورتوں نے کسی برے سلوک کی شکایت نہیں کی ڈپٹی کمشنر نے اطلاع دی ہے کہ بمساۃ بلبین (؟) دوسری مذکورہ عورتیں سب کی سب کم درجہ کی طوائفیں ہیں اور خفیہ دور پیشہ جرائم پیشہ قوم (دیکھو صفحہ آئندہ)

کرنے کے متعلق گورنمنٹ ہند پر لگائے گئے تھے نیز مسز سروجنی نائیڈو کا دلیرانہ جواب بھی آج کی اشاعت میں درج کیا جاتا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ وائسرائے کا ہرزہ سرائیانہ بیان پبلک کی اس رائے کو مزید تقویت پہونچاتا ہے کہ ہز اکسلنسی اس زبردست منصب کی اہلیت نہیں رکھتے جس پر وہ فائز کئے گئے ہیں۔ شریمتی سروجنی نائیڈو نے وائسرائے کے طرز عمل

(نوشہرہ یا گذشتہ) سے ہیں جو امرتسر شہر میں اسی پیشہ کی غرض سے اقامت گزیں ہوئی ہیں۔ ایکٹ متعلقہ جرائم پیشہ اقوام کے ماتحت اس قوم کے بہت سے افراد مجرم ہیں۔

اطلاع پانے پر پولیس ساقہ رانی کے مکان پر دوڑ لیکر گئی اور سراسیوں اور پرناؤں کو جن کا ذکر آگے آئیگا اور جو اسوقت نیشنل بینک کی لوٹ کو آپس میں تقسیم کر رہے تھے گرفتار کر لیا۔ بینک کا بیشتر مال وہاں دستیاب ہوا اور جتنے لوگ وہاں موجود تھے سب گرفتار کر لئے گئے۔ مکان کی محافظت بہت سی بیسوائیں طوائفیں کر رہی تھیں۔ گرفتار شدہ اشخاص میں سے چار پر جرم ثابت ہوگیا اور نیشنل بینک کے قتل کی سزا میں ان کو پھانسی کا حکم سنا دیا گیا لیکن ازاں بعد اس سزا کو تمام عمر کے لئے عبور دریائے شور میں منتقل کر دیا گیا۔ پانچ اور اشخاص کو جن کے پاس بینک مذکور کا مال مسروقہ برآمد ہوا سات سات سال کے لئے قید کی سزا دی گئی لیکن بعد ازاں گذشتہ ماہ دسمبر میں یہ بھی رہا کر دئے گئے۔ بلوچن اور دوسری پرانی طوائفیں جو مکان کی حفاظت کر رہی تھیں کوتوالی بھیجدی گئیں لیکن وہاں سے ان کو اس وعدہ پر گھر واپس جانیکی اجازت دیدی گئی کہ دوسرے دن پھر حاضر ہونگی لیکن دوسرے دن یہ فیصلہ کر لیا گیا کہ عورتوں کو پہتقہ سے چلا جانے دیا جائے۔ ان دونوں دنوں میں عورتیں کوتوالی کے متصل ایک پبلک گلی میں مقیم رہیں۔ جہاں کسی پبلک افسر کو جیسا کہ الزام لگایا گیا ہے یہ جرأت نہیں ہوسکتی تھی کہ کسی قسم کا برا برتاؤ ان کے ساتھ کرتا۔ ہندوستان میں عام طور پر اس بات کا علم ہے کہ چھوٹے طبقہ کی عورتیں اس قسم کی شکایت گھڑا کرتی ہیں۔ ڈپٹی کمشنر کہتا ہے کہ الزامات بالکل بے بنیاد اور جھوٹے ہیں اور محض اس غرض سے تراشے گئے ہیں تاکہ ان افسران سے انتقام لیا جاسکے جنہوں نے مارشل لاء ضلع کے روبرو ان کے خلاف شہادتیں دی تھیں اور گرفتاری اور مال مسروقہ کے برآمد کرنے میں نمایاں حصہ لیا تھا۔

یہ نالوگ جب برائے سماعت مقدمہ لاہور روانہ کئے گئے تو انہوں نے ریلوے اسٹیشن پر بہت شور و غل اور ہنگامہ برپا کیا۔ اور انتقام لینے کیلئے اپنے رشتہ داروں سے کہا کہ وہ کانسٹیبلوں کے خلاف رشوت ستانی کے الزام میں دعویٰ دائر کریں۔ انہوں نے یہ بھی دھمکی دی کہ اگر وہ رہا کر دئے گئے تو کانسٹیبلوں کی خود خبر لینگے۔ اس ٹربیونل نے جنہوں نے نیشنل بنک کے مقدمہ قتل کی سماعت کی تھی اس سلسلہ میں دو خفیہ رپورٹوں کو بھی بڑے غور کے ساتھ مطالعہ کیا ہے۔

مسز سروجنی نائیڈو کا خط بنام وزیر ہند

ڈیر مسٹر۔ آپ کے سکریٹری کا خط مرقومہ ۲۴ اگست جس میں آپکی ہدایت کے بموجب حکومت ہند کے تار کی تفصیل بھی درج تھی ابھی جبکہ میں دیہات سے واپس آئی ہوں موصول ہوا ورنہ میں اس کا جواب شاید اس سے پیشتر روانہ کردیتی۔

میں اس بات کو دیکھتی ہوں کہ قبل اسکے کہ ہمارے درمیان اور کوئی خط و کتابت ہوتی جو اس معاملہ کو مناسب طریق پر سمجھنے کیلئے ضروری تھی یہ پریس سے بھی دیدیا گیا۔ میں مشکل سے اس امر کا یقین کرسکتی ہوں کہ ان الزامات کی تردید میں گورنمنٹ آف انڈیا کا ٹیلیگرام سنجیدگی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ ان الزامات کی بنیاد ان گواہوں کے بیان پر مبنی ہے جن کی شہادت کی جانچ پڑتال بذریعہ جرح کی گئی ہے اور ان کو ایسی کمیٹی کی سند

یہ برتاؤ مردوں کی غیر موجودگی میں کیا گیا جو کہ اس وقت بنگلے میں جمع تھے۔"

جو واقعات بیان کئے گئے ہیں اگر وہ سچ ہیں تو کیا اس سے بھی زیادہ کوئی بات ظالمانہ اور قابلِ نفرین ہو سکتی ہے؟ لیکن باایں‌ہمہ جرم کا ارتکاب کرنے والا گورنمنٹ کے خزانہ سے پنشن پاویگا۔ ایک حقیقت بین نظر فوراً معلوم کر لیگی کہ مندرجہ بالا بیان میں افسر متعلقہ کے کمینہ پن کا پورا پورا ثبوت موجود ہے۔ اس شہادت کو سب سے پہلے مسٹر اینڈریوز نے فراہم کیا۔ مسٹر لابھ سنگھ ایم۔ اے بیرسٹر خواتین منیانوالہ کے معائنہ کرنیکے لئے خاص طور پر مقرر کئے گئے۔ انھوں نے ایک پبلک تحقیقات کی جسمیں ہر شخص آزادی کے ساتھ شامل ہو سکتا تھا۔

مسٹر مانٹیگو کی توجہ ان بیانات کی طرف مبذول کرائی جا چکی تھی لیکن انھوں نے نہایت عجلت کے ساتھ شریمتی سروجنی کی غیر محتاط تقریر کی مذمت کی اور اسی سبب سے تحقیقات کا حکم دیا۔ وائسرائے نے نہایت خاموشی کے ساتھ وزیر ہند کی ہدایتوں کو نظر انداز کر دیا اور کسی قسم کی تحقیقات نہ کی۔ بلکہ شہادت کا ایک جدید قانون تراشا جس کو اب تک کوئی نہ جانتا تھا اور جسکی دلیل یہ پیش کی کہ طوائفوں کی شہادت قابلِ اعتماد نہیں ہو سکتی۔ دوسرے الفاظ میں وائسرائے کے اس بیان سے یہ قانونی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ طوائفوں کے ساتھ اس وقت تک انصاف نہیں کیا جا سکتا جبتک کہ انکے استغاثہ کی تائید میں دوسری شہادتیں موجود نہوں۔ بہرکیف مسٹر مانٹیگو نے وائسرائے کے بیان کو تسلیم کر لیا ہے۔ اور اس سے ترک موالات کے اسباب کو مزید تقویت دیدی ہے۔ کیا ہندوستان ایک لمحہ کے لئے بھی ایسی گورنمنٹ سے تعاون کر سکتا ہے جو خاص اپنی رعایا پر عمال حکومت کے بدترین ظالمانہ جرائم سے چشم پوشی کرے؟

پنجاب ایک ایسا صوبہ ہے جہاں محبّت کی بجائے خوف پیدا کر کے حکومت کیجاتی ہے

(خوف اور طاقت کی حکومت) ینگ انڈیا۔ ۱۰ر دسمبر ۱۹۱۹ء

مسٹر کچن کمشنر لاہور سے ہنٹر کمیٹی کی جرح کے دوران میں سوال کیا گیا کہ جبکہ تمام ہندوستان میں ہڑتال کے موقع پر کسی قسم کا فساد نہیں ہوا تو اس کی کیا وجہ ہے کہ محض پنجاب میں فسادات رونما ہوئے؟ انھوں نے جواب میں کہا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ پنجاب ایک "سرحدی صوبہ" ہے۔ لیکن اس جواب کی تشریح کراتے وقت صاحبزادہ سلطان احمد نے کمشنر کو ایک ایسی الجھن میں ڈالا جس سے رہائی پانا اسکو دشوار ہو گیا۔

ان سوالات اور جوابات کا سلسلہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے :۔

سوال ۔ آپ نے ایک سوال کے جواب میں کہا ہے کہ پنجاب میں فسادات اسلئے رونما ہوئے کہ چونکہ یہ ایک سرحدی صوبہ ہے لیکن میں اس کا سبب دریافت کرنا چاہتا ہوں۔

جواب ۔ وہاں سپاہ موجود تھی۔

سوال ۔ آپ کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ اس صوبہ میں سپاہ کی ایک بڑی تعداد موجود تھی اسلئے فسادات رونما ہوئے لیکن میرا یہ خیال ہے کہ اس کا اثر بالکل برعکس ہونا چاہئے تھا۔

جواب ۔ ہاں یہ صحیح ہے لیکن فوجی نقطۂ نگاہ سے پنجاب کی وقعت دیگر تمام صوبوں سے بہت زیادہ ہے۔

سوال ۔ میں اسکو تسلیم کرتا ہوں لیکن میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ چونکہ پنجاب ایک سرحدی صوبہ ہے اس لئے یہاں ملک کے دوسرے صوبوں کے مقابلہ میں زیادہ فسادات ہونے چاہئیں۔

جواب ۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان ایام میں دوسرے صوبوں کے مقابلہ میں پنجاب میں سیاسی شورش زیادہ تھی۔

سوال ۔ تو فسادات کا سبب پنجاب کا سرحدی صوبہ ہونا نہیں ۔ بلکہ سیاسی شورش ہے۔

جواب ۔ میں تمام باتوں کی تشریح کرنے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

سوال ۔ آپ ان کی تشریح نہیں کر سکتے ؟

جواب ۔ نہیں کر سکتا۔

ہم مسٹر گبن پر الزام نہیں لگا سکتے ۔ انہوں نے اس مسئلہ کا حل اور تشریح کی ہے جو تمام مسائل کا حل لاحل ہے اور جسکے حل کی کوشش منٹر کمیٹی کر رہی ہے اور یہ صاحبزادہ سلطان احمد کے لیے چھوڑ دیا ہے کہ وہ ان تشریحات کا مطالعہ کریں اور اس سے اپنے نتائج اخذ کریں کمشنر کو خود چونکہ ایک سرکاری افسر ہیں اسلئے وہ اس سے زیادہ اقبال کبھی نہیں کر سکتے تھے جس وقت مسٹر گبن نے یہ الفاظ دہرائے کہ " فسادات اسلئے رونما ہوئے کہ چونکہ پنجاب ایک سرحدی صوبہ ہے " تو ہم کو یقین ہے کہ وہ غالباً کمشنران کمیٹی کو یہ حقیقت ذہن نشین کرانا چاہتے تھے کہ پنجاب ایک ایسا صوبہ ہے جہاں عام طور پر حمیت کے بجائے خوف پیدا کر کے حکومت کی جاتی ہے اور میل ملاپ اور تحریص ترغیب کا آلہ استعمال کرنیکے مقابلہ میں طاقت و قوت کو استعمال کیا جاتا ہے ۔ کمشنر مذکور کا دوسرا جواب یعنی " چونکہ پنجاب میں سپاہ موجود تھی " پہلے جواب کی مزید توضیح ہے جسکا مطلب ہے کہ افسران میل ملاپ اور باہمی سمجھوتہ کا خیال بھی نہیں کر سکتے ، بلکہ فوج کو رعایا کے تیار رکھتے ہیں ۔ تیسرا جواب " سیاسی شورش " فسادات کا محض اتفاقیہ سبب کہا جا سکتا ہے لیکن دراصل حقیقی واقعہ یہی ہے کہ ہمارے مندرجہ بالا مفروضہ کے بموجب " سرحدی صوبہ " میں گذشتہ سیاسی ایجیٹیشن جو نہایت معمولی تھا برداشت نہ کیا جا سکا اور اتنا سخت تصور کیا گیا کہ قوت کے استعمال کو جائز کر دے ۔

لہذا یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ مسٹر گبن اس اہم ترین سوال کی تشریح کرنے میں قاصر رہے بلکہ انھوں نے ایک نہایت صاف اور قابل غور جواب دیا ہے جب دو سوالات کی بھرمار سے چکرا گئے اور ایک ہی جواب میں دو متضاد

تشریحات کا ان کو علم ہوا تو انھوں نے کہہ دیا کہ اب مزید تشریح نہیں کر سکتے۔

جنرل ڈائر صرف اس وجہ سے اپنے آپ کو پنجاب کا نجات دہندہ تصور کرتا ہے کہ وہ ایک چہار دیواری میں مقید لوگوں کو خرگوشوں کی طرح گولی سے اڑا دینے میں کامیاب ہوا

(جنرل ڈائر) از قلم مہاتما گاندھی۔ ینگ انڈیا - ۱۴ جولائی سنہ ۱۹۲۰ء

فوجی کونسل نے جنرل ڈائر کو غلط فیصلہ کرنے کا مجرم ٹھہرایا ہے اور یہ مشورہ دیا ہے کہ ڈائر کو زیادہ تر کوئی عہدہ نہ دیا جائے۔ مسٹر مانٹیگو نے جنرل مذکور کے طرز عمل پر نکتہ چینی کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا لیکن بہر حال یہ نتیجہ کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جنرل ڈائر کسی حالت میں بھی بدترین ملزم نہیں کہا جا سکتا۔ اس میں شک نہیں کہ اس کی سفاکی ناقابل انکار ہے اور فوجی کونسل کے سامنے اس نے پیروی میں جو کچھ کہا تھا اس کا ہر ہر لفظ سے کمینہ پن اور بزدلی ٹپکتی ہے۔ اس نے تعطیل منانے والے غیر مسلح بچوں اور آدمیوں کو "گولہ باری" سے معدوم کیا ہے۔ وہ اپنے آپ کو پنجاب کا نجات دہندہ تصور کرتا ہے، صرف اس وجہ سے کہ وہ ایک چہار دیواری میں مقید لوگوں کو خرگوشوں کی مانند گولی سے اڑا دینے میں کامیاب ہوا۔ ایسا شخص سپاہی کے معزز لقب سے نہیں پکارا جا سکتا۔ اس کے افعال میں بہادری کا نشان تک نہ تھا۔ اس نے اپنے تئیں خطرہ میں نہیں ڈالا۔ اس نے بغیر اطلاع دئے اور بغیر کسی مزاحمت کے رعایا کو بندوق سے بھون دیا۔ اس کو فیصلہ کی غلطی نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ یہ ایک موجود خطرہ کی موجودگی میں قوت فیصلہ کے فقدان کا اظہار ہے۔ یہ سنگدلی اور مجرمانہ نااہلیت کی دلیل ہے۔ لیکن جنرل ڈائر پر جن [illegible] کا استعمال کیا گیا ہے میری رائے میں وہ غلط استعمال ہے [illegible] شک نہیں کہ گولی چلانا بڑا خوفناک تھا اور [illegible] جانوں کا نقصان ناقابل

افسوس۔ لیکن اسکے بعد جو آہستہ آہستہ مظالم توڑے گئے اور ذلیل بزدلانہ طرز عمل جاری رہا وہ اس سے بھی زیادہ برا جابرانہ اور روح فرسا تھا۔ جو لوگ بعد کی حرکات کے مرتکب ہوئے وہ جنرل ڈائر کے جلیان والہ باغ کے قتل عام سے بھی زیادہ قابل ملامت ہیں۔ جنرل ڈائر نے محض چند جانوں کے رشتۂ حیات کو منقطع کیا تھا لیکن دوسروں نے تو یہ چاہا تھا کہ قوم کی روح کو فنا کر دیا جائے۔ کوئی بھی کرنل فرینک جانسن کے متعلق کچھ نہیں کہتا حالانکہ میری رائے میں یہ جنرل ڈائر سے کہیں زیادہ قابل تعزیر مجرم ہے۔ اس نے بے خطا لاہور کو خوفزدہ کر دیا اور اپنے بے رحمانہ احکام سے مارشل لا کے افسران کے لئے مطلق العنانی کا دروازہ کھول دیا۔ لیکن میں کرنل جانسن کے متعلق بھی زیادہ کہنا نہیں چاہتا۔ پنجاب اور ہندوستان کے باشندوں کا پہلا کام یہ ہے کہ وہ کرنل اوبرائن، مسٹر باسورتھ اسمتھ رائے شری رام اور مسٹر ملک خان کی خدمات سے نجات حاصل کریں۔ یہ لوگ اپنے عہدوں پر مامور ہیں۔ ان کا جرم بھی بھی اتنا ہی ثابت ہوا ہے جتنا کہ جنرل ڈائر کا۔ اگر ہم نے محض جنرل ڈائر کی مذمت کر کے اپنے دلوں کو اطمینان دے لیا۔ تو اس کے یہ معنی ہونگے کہ ہم اپنا فرض ادا کرنے میں قاصر رہے اور پنجاب کے نظام حکومت کو آلائشوں سے پاک نہ کر سکے۔ یہ کام تقریر کی فصاحت اور قرار دادوں کی منظوری سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اگر ہم اپنا مستقبل ٹھیک کرنا چاہتے ہیں۔ اور افسران کے دلوں پر یہ نقش بٹھانا چاہتے ہیں کہ وہ اپنے تئیں رعایا کا آقا و مالک نہ سمجھیں بلکہ معتمد و ملازم کی حیثیت سے رہیں اور یہ سمجھیں کہ اگر رعایا کے ساتھ کوئی برا سلوک کیا تو اپنے عہدوں پر نہیں قائم رہ سکتے تو ہم کو چاہیئے کہ زوردار کارروائی عمل میں لا دیں +

اگر ہم ان لوگوں کی یادگار قائم کرنے میں ناکام رہے جنہوں نے سیاسی آزادی کی جنگ میں بیگناہ جانیں دی ہیں تو ہمارا یہ استحقاق بالکل ضائع ہو جائیگا کہ دنیا ہمکو قوم کے لفظ سے پکارے

(جلیاں والہ باغ) از قلم مہاتما گاندھی۔ ینگ انڈیا ۱۸ر فروری ۱۹۲۰ء

اس باغ کو قوم کے لئے خریدنے میں کسیقدر رکاوٹ ہوگئی تھی لیکن شکر کا مقام ہے کہ آنریبل پنڈت مدن موہن مالویہ

سنیاسی سوامی شردھانند اور مقامی لیڈران کی جدوجہد سے اب یہ قوم کی ملکیت ہوگیا اور اس کی قیمت خرید ۹ ر
ماہ رواں سے تین ماہ کے عرصہ میں ادا ہونی چاہیئے۔ قیمت خرید کی رقم پانچ لاکھ چھتیس ہزار روپئے جو مذکورہ بالا عرصہ میں ضرور
فراہم ہونی چاہیئے۔ اب چونکہ روشن خیال حلقوں میں بھی اس خرید و فروخت پر اعتراض کیا جا رہا ہے۔ اسلئے ضروری ہے
کہ ہم اس خریداری کی موزونیت پر غور کریں۔ کانپور میموریل کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمارا طرز عمل تعجب خیز نہیں کہا جا سکتا۔
لیکن معترضین سے ہم ادب کے ساتھ یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اگر باغ کو نہ خریدا گیا تو اس میں قوم کی توہین ہوگی۔ کیا ہم
ان پانچسو یا اس سے بھی زیادہ انسانوں کو فراموش کر سکتے ہیں جنھوں نے اخلاقی یا قانونی جرم کچھ بھی نہ کیا تھا؟ اگر انھوں نے
اپنی جانیں دیدہ و دانستہ اور برضا و رغبت دی ہوتیں یا اگر وہ اپنی بیگناہی کا احساس کرتے ہوئے اپنے اپنے مقام پر استقلال
کے ساتھ کھڑے رہے ہوتے اور پچاس رائفلوں کی گولیوں کا مقابلہ کیا ہوتا تو تاریخ ان کو محب وطن، دلیر اور غازی کے نام
سے پکارتی لیکن جسطرح بھی انھوں نے اپنی جانیں دیں بہرصورت یہ اندوہناک سانحہ ایک قومی اہمیت رکھتا ہے۔ قومیں رنج
و دکھ اور مصائب برداشت کرنے کے بعد حیات تازہ حاصل کرتی ہیں۔ ہم اگر ان لوگوں کی یادگار قائم کرنے میں ناکام رہے
جنھوں نے سیاسی آزادی کی جنگ میں اپنی جانیں بےگناہ یا دوسروں کے جرم کی پاداش میں دیں تو ہمارا یہ استحقاق بالکل
زائل ہو جائیگا کہ دنیا ہم کو لفظ "قوم" سے پکارے۔ جب ہمارے یہ پیارے اور مددگار ہم وطن بےرحمی کے ساتھ قتل کئے جا رہے
تھے تو ہم اس قابل نہ تھے کہ ان کی مدد کر سکیں۔ ہم ان مظالم کا انتقام لینے سے بھی گریز کر چکے ہیں اور اگر ہم ایسا کریں تو قوم
کو اس سے کوئی نقصان بھی نہ ہوتا لیکن کیا ہم اس سے باز رہ سکتے ہیں کہ شہیدوں کی یادگار قائم کریں۔ اور مرنے والوں کے پس
ماندگان پر یہ ظاہر کریں کہ ہم ان کے مصائب میں شریک ہیں ہم کو چاہیئے کہ ایسا قومی کتبہ شہدائے جلیانوالہ باغ کی یاد میں
نصب کریں اور دنیا کو بتا دیں کہ یہ شہید ہونیوالے ہم میں سے ہر فرد کے پیارے عزیز اور رشتہ دار تھے۔

(نوٹ صفحہ گذشتہ) مہاتما گاندھی نے اخبار نوجیون میں ایک مضمون جلیانوالہ باغ کے متعلق لکھا تھا جس کا اقتباس یہ ہے "جلیانوالہ باغ ایک
غلط نام ہے۔ جلیان ایک لقب ہے اور اس جگہ کا ابتدائی مالک جلیان تھا۔ آجکل یہ باغ چالیس حصہ داروں کی مشترکہ ملکیت ہے۔ یہ کوئی باغ نہیں ہے بلکہ
گندگی کا ایک بھاری ڈھیر ہے اور چاروں طرف مکانات کی اونچی کالی دیواروں سے گھرا ہوا ہے اور اس جگہ کے باشندے اپنی کھڑکیوں سے اس جگہ کوڑا
کرکٹ پھینکتے ہیں۔ یہ ایک کھلا ہوا میدان ہے جہاں صرف تین درخت اور ایک مقبرہ ہے۔ باغ میں داخل ہونے کیلئے صرف ایک تنگ و تاریک گلی ہے جسکے سوا
کوئی دوسرا راستہ نہیں۔ جنرل ڈائر نے بھی باغ میں داخل ہونے کیلئے اسی راستہ کو استعمال کیا تھا۔ لوگ جو ڈائر کے حملہ کے وقت جلسہ میں جمع
تھے بالکل محصور ہو گئے اور ان کے لئے بجز تین یا چار مقامات کے جہاں سے دیواروں کو پھلانگ کر نکل گئے اور کوئی راستہ بھاگنے کا نہ تھا۔ ہزارہا
انسان خوف سے اپنی جانوں کو بچانے کیلئے دیواروں پر کود گئے۔ بےگناہ خون کے سیلاب نے اس زمین کو پاک کر دیا ہے۔ اب اس امر کی کوششیں
کیجا رہی ہیں کہ اس جگہ کو پبلک کاموں کے لئے خرید لیا جائے اور اگر اس میں ناکامی ہوئی تو ہم سب کے لئے شرمندگی کا باعث ہوگا۔"

مہاتما جی کے مندرجہ بالا بیان کے علاوہ ٹائمز آف انڈیا کے وقائع نگار کی بیان کی ہوئی کیفیت درج کرتے ہیں۔ "ہزارہا مرد و عورت جلیانوالہ
باغ کی زیارت کو جا رہے ہیں۔ یہ ایک کھلا ہوا میدان ہے جو چاروں طرف رہائش کے مکانات سے گھرا ہوا ہے۔ اس میں داخل ہونے کیلئے صرف دو تین
تنگ راستے ہیں۔ مکانات کی اونچی دیواروں پر مشین گنوں کی گولیوں کے نشانات موجود ہیں جو تماشائیوں کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔"

اگر قومی احساس کے مفہوم میں کم بہت لوم اتنی رشتہ داری کی بھی گنجائش نہیں تو میرے نزدیک قومی احساس ایک بے معنی
چیز ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمارا فرض ہے کہ دیدہ دلیروں کو جنہوں نے ہنوز سیاسی زندگی حاصل نہیں کی ہے بتا دیں کہ سچی
آزادی کی طرف قدم بڑھاتے وقت ہمکو ایسے مظالم کے اعادہ سے دوچار ہونے کے لئے تیار رہنا چاہئے جیسے کہ جلیانوالہ
باغ میں ظہور پذیر ہوئے۔ اس سے یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم ایسے مظالم کو دیدہ و دانستہ اپنے اوپر بلائیں بلکہ اگر دوبارہ ظاہر
ہوں تو ہم کو ان کے مقابلہ کیلئے تیار رہنا چاہئے۔ میں ہرگز قومی جنگ میں پس و پیش کرنے کی اجازت نہ دونگا۔ امرتسر
کانگریس سے جو سب سے بڑا سبق ہم نے حاصل کیا وہ یہ تھا کہ پنجاب کے مصائب نے قوم کو دل شکستہ نہیں کیا بلکہ قوم نے
ان واقعات کو روز مرہ کے معمولی حوادث سے تعبیر کیا ہے۔ ہم میں سے بعض آدمی احمقانہ لغزشیں کرتے ہیں اور بے گناہ
لوگ اسکی سزا بھگتتے ہیں۔ آئندہ ہمکو چاہئے کہ غلطیوں سے بچنے کی کوشش کریں لیکن با ایں ہمہ ہم ہر شخص کو عقلمند نہیں بنا سکتے
ہم کو چاہئے کہ بے قصور لوگوں کے مصائب کے اعادہ کے لئے تیار رہیں اور ملک کو بتائیں کہ ملک پر فدا ہونے والے اور
ان کے پس ماندگان کو قوم کبھی نہ بھولے گی بلکہ بے گناہ شہداء کی یادگار ایک مقدس امانت سمجھی جائے گی اور ان کے
پس ماندگان کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ ضرورت کے وقت قوم سے اعانت طلب کریں۔ یہ ہے میموریل کا اصل مطلب
جسمیں ہندوؤں سے پوچھتا ہوں کیا مسلمانوں کا خون ہندوؤں کے خون میں خلط ملط نہیں ہوا ہے؟ کیا سکھوں کا خون
ساتھیوں اور دوستوں یا ہمدموں کے خون میں نہیں ملا ہے؟ ملا ہے اور بیشک ملا ہے۔ لہذا یہ میموریل ہندو مسلم اتحاد
کے حصول کی ایک ذریعہ ہوگا جو ہمارا ایک قومی نشان ہوگا۔

لیکن میں نے ابھی معترضین کے اعتراض کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اعتراض یہ ہے کہ کیا اس میموریل سے دائمی
عداوت اور بغض کی بنیاد نہ پڑے گی؟ میرا جواب یہ ہے کہ اس کا انحصار ان لوگوں پر ہے جو اس یادگار کے امین ہونگے۔
اور اگر میں ان سے واقف ہوں تو میں جانتا ہوں کہ ان کا یہ ارادہ نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اس زبردست اجتماع کا
ہرگز ایسا ارادہ نہ تھا۔ میں یہ نہیں کہنا چاہتا کہ وہاں بغض و عداوت بالکل موجود ہی نہ تھی۔ موجود تھی لیکن پوشیدہ نہ تھی
میموریل کے خیال میں کسی قسم کی بغض و عداوت نہ تھی۔ عوام میموریل چاہتے ہیں۔ میں ان کو سفاکی کا اور اسکی مجنونانہ حرکات کا فراموش
کرادینی چاہئیں جنرل ڈائر نے جو کچھ کیا ویسا ہی ہم بھی کر سکتے ہیں۔ اگر ہم کو بھی ویسے ہی مواقع اور غیر ذمہ دارانہ اختیارات حاصل
ہو جاویں۔ انسان ہی سے خطا ہوتی ہے اور اگر اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ ہم خطا و لغزش کے مرتکب ہوتے ہیں اپنے قصوروں
کی معافی کو ضرور چاہتے ہیں اور بدلہ نہ لینا پسند کریں تو ہم کو چاہئے کہ خود بھی دوسروں کو انکی خطاؤں پر معاف کر دیا کریں۔ اس کا
یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم جنرل ڈائر کی پرستش کریں۔ مطالب نہ یہ ایک دیوانہ ایسے مقام پر نہیں رکھا جا سکتا جہاں سے وہ پڑوسیوں کو
گزند پہنچا سکے لیکن جس طرح ہم ایک فاتر العقل انسان سے عداوت نہیں رکھتے ہیں اسی طرح ہم کو چاہئے کہ جنرل ڈائر سے بھی کسی قسم
کا بغض و عناد نہ رکھیں۔ لہذا میں میموریل مذکور سے عداوت و بغض کے جملہ خیالات کو نکالنے کی کوشش کرونگا اور اسکو ایک
مقدس یادگار تصور کرونگا اور باغ کو ایک ایسی زیارت گاہ سمجھونگا جسکو دیکھنے کے لئے ہر شخص بلالحاظ نسل و رنگت اور قومیت
جاسکے۔ میں انگریزوں کو بھی مدعو کرونگا کہ وہ اس معاملہ میں ہمارے جذبات کی قدر کریں اور شاہی اعلان کی اسپرٹ میں میموریل

کے لئے چندہ دیں۔ میں ان سے یہ بھی کہونگا کہ وہ ایسی ہی آزادی کا احساس ہمارے لئے بھی کریں جیسی آزادی کا لطف ایک ہی کانسٹیٹیوشن کے ماتحت وہ اٹھا رہے ہیں اور ہندو مسلم اتحاد کی اہمیت پر غور کریں جسکے بغیر ہندوستان کی حقیقی ترقی ناممکن ہے۔

وہ گورنمنٹ ہرگز قابل احترام نہیں جو اپنی رعایا کی آزادی کو اتنا سستا سمجھتی ہو جیسا کہ گورنمنٹ پنجاب کے رویہ سے ظاہر ہوتا ہے

(پنجاب کا مظلوم) از قلم مہاتما گاندھی۔ ینگ انڈیا۔ ۱۵ اکتوبر ۱۹۱۹ء

بہاری لال سچدیو چوبیس سالہ نوجوان ہے۔ اسکی ایک بیوی ہے اور ۷۰ سال کا ایک بوڑھا باپ ہے۔ اسکا شمار گجرانوالہ ملزمین کے گروہ میں تھا اور ضبطی املاک کے ساتھ اس کو تمام عمر کیلئے بعبور دریائے شور کی سزا دی گئی تھی۔ بادشاہ کے خلاف جنگ کرنے کے اسکا الزام اسپر لگایا گیا تھا۔ اس بنا پر مقدمہ چلایا گیا اور عدالت کو جرم ثابت ہو گیا لیکن ہز آنر لفٹننٹ گورنر نے اس سزا میں تخفیف کر کے محض چار سال کی سزا کا حکم بحال رکھا۔ بیچارے قیدی کے لئے جو بالکل بیگناہ ہے اور اسکے باپ کیلئے جو لب گور ہے، یہ تخفیف کچھ زیادہ تسکین بخش نہیں ہو سکتی۔

اسلئے غریب بہاری لال سچدیو نے ایک اور عرضداشت بھیجی ہے کیونکہ وہ یقین کرتا ہے کہ کسی فحش غلطی کی وجہ سے اسکے مقدمہ پر کافی غور نہیں کیا گیا۔ عرضداشت کے الفاظ سے صداقت ٹپکتی ہے۔ اس میں کسی قسم کی فصاحت و بلاغت یا غیر ضروری توصیف و تعریف سے کام نہیں لیا گیا۔ یہ اتنی مختصر ہے کہ عدیم الفرصت سے عدیم الفرصت انسان بھی اسکو پڑھ سکتا ہے۔

کئی دن ہوئے میرے ایک دوست نے مجھ سے کہا کہ برطانوی انصاف کی قصیدہ خوانی میں چالیس سال صرف رہنے کے بعد اب پنجاب نے دام تزویر سے نجات حاصل کی ہے۔ میرے دوست کو برطانوی انصاف میں بالکل یقین نہیں۔ انہوں نے بڑے زور کے ساتھ مجھ سے کہا "میں آپ کی اصلاحات کی خس و خاشاک کے برابر بھی پروا نہیں کرتا۔ وہ ہمیں کیا فائدہ دیو پنگی جبکہ ہماری جانیں اور ہماری عزت بالکل محفوظ نہیں اور ہر وقت ہم کو یہ خطرہ لگا رہتا ہے کہ اب بیگناہ قید کر لئے جاوینگے" واقعی بہاری لال سچدیو کا معاملہ اسی نوعیت کا ہے اس کو غلط شناخت کیا گیا ہے اور بیچارہ بالکل بے گناہ ہے یہاں

بیان کیا گیا کہ اس قیدی کا تعلق ۱۰ اپریل کے جلسوں یا ۱۲ و ۱۳ اپریل کے جلسوں سے تھا یہ وہاں موجود تھا۔ خاص گواہ کی شہادت محض سنی سنائی باتوں پر منحصر ہے۔ دوسری شہادت کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ بالکل دروغ ہے اور اگر اسکو سچ بھی مان لیا جائے تو اس سے کوئی جرم عائد نہیں ہوتا۔ اسکے علاوہ قیدی کی موافقت میں جو معزز اور غیر جانبدار شہادتیں دی گئیں انکو عدالت نے خارج کر دیا لیکن ناظرین نے پنجاب کے فیصلوں کے متعلق اتنی کافی آگاہی حاصل کر لی ہوگی کہ وہ ان اسپیشل عدالتوں کے رویہ پر تعجب نہ کرینگے۔ تعجب میں ڈالنے والی بات تو یہ ہے کہ اب جبکہ تمام پنجاب میں امن و سکون قائم ہو چکا ہے، لفٹنٹ گورنر ان غیر منصفانہ معاملات کی طرف نقضا توجہ مبذول نہیں کرتا۔ وہ گورنمنٹ ہرگز قابل احترام نہیں جو اپنی رعایا کی آزادی کو اتنا سستا سمجھتی ہو جیسا کہ گورنمنٹ پنجاب کے رویہ سے ظاہر ہو رہا ہے۔

گورنمنٹ کو چاہیئے کہ وہ پبلک کو یہ خیال کرنیکا موقع نہ دے کہ حکومت کے افعال معقولیت اور انصاف پسندی پر نہیں ہین

(ایک سخت مقدمہ) از قلم مہاتما گاندھی۔ ینگ انڈیا۔ ۲۶ مئی سنہ ۱۹۲۰ء

مسٹر لگا اور رتن چند کے خاندان والوں کی طرف سے حسب ذیل تار موصول ہوا ہے:-

"لگا اور رتو دونوں کو جزائر انڈمن[1] بھیجنے کا حکم مل گیا ہے۔ لگا دس سال سے بواسیر اور مرض دق میں گرفتار ہے۔ اسکا اپریشن ہوا تھا۔ رتو کی عمر پچاس سال سے زائد ہے اسلئے جیل مینول رول ۲۱ کے بموجب اسکو انڈمن نہ بھیجنا چاہیئے"

ناظرین کو یاد ہوگا کہ لگا اور رتو کے علاوہ دو اور شخص بھی تھے جنکی جانب سے پریوی کونسل میں اپیل کی گئی تھی اور جن کی اپیلیں انتظامی وجود کی بناء پر رد کر دی گئی تھیں۔ آنریبل پنڈت موتی لال نہرو نے ان دونوں مقدمات پر غور کرنیکے بعد یہ بتایا کہ یہ ہر دو اشخاص ان لوگوں سے کچھ زیادہ مجرم نہیں ہیں جن کو رہا کر دیا گیا ہے لیکن بعض ایسے بھی ہیں جن کو سزائے موت کا حکم دیا گیا تھا اور پھر وہ سزائے قید میں منتقل کر دیا گیا اور آخر میں اب وہ بالکل رہا کر دئے گئے وہ کونسی چیز ہے جس نے دوسرے لوگوں کے مقدمات او

---

[1] انڈمن کالے پانی کو کہتے ہیں۔

متذکرہ اشخاص کے مقدمات میں امتیاز پیدا کیا ہے؟ کیا اپیل ہی اسکی وجہ ہے؟ اگر انھوں نے اپیل نہ کی ہوتی یا ایک ہمدرد وکیل نے ان کے مقدمہ کو ہاتھ میں نہ لیا ہوتا اور محض غلطیوں کے طور پر نہ لڑا ہوتا تو شاید وہ جلاد کے ہاتھ سے نہ بچ سکتے۔ ہز آنر لفٹنٹ گورنر ان لوگوں کو رہا کرنے میں فیاضی سے کام لے رہے ہیں۔ جنہوں نے گذشتہ سال ماہ اپریل اور جون کے درمیان بہت تکالیف برداشت کیں۔ یہ بالکل سچ ہے کہ ہز اکسلنسی وائسرائے ہند کو اپیل کے خارج ہونے کے بعد پورا موقعہ ملا تھا کہ مسٹر بگا اور رتن چند کو پھانسی پر لٹکا دیں۔ لیکن انھوں نے سزائے موت کو سزائے قید سے تبدیل کر دیا لیکن میں یہ تجویز پیش کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ اگر شاہی اعلان کا پورا پورا نفاذ منظور ہے تو مسٹر بگا اور رتن چند رہائی کے مستحق ہیں۔ یہ ہر دو اشخاص حکومت کے لئے لالہ ہرکشن لال پنڈت رام بھجدت چودھری اور ان کے دوسرے ممتاز ساتھیوں سے زیادہ خطرناک نہیں ہیں۔ میں ان کی مکمل آزادی کے لئے نہیں کہتا ہوں بلکہ یہ کہ ان کو پنجاب میں نظربند رکھا جائے اور اگر وہ باہر بھیجے گئے ہوں تو ان کو واپس بلا لیا جاوے۔ ان ہر دو مصیبت زدہ اشخاص پر اگر کسی اور وجہ سے رحم نہیں کیا جا سکتا تو کم از کم ان کے بال بچوں پر ترس کھا کر ان کو رہا کر دیا جائے۔ گورنمنٹ کو چاہئے کہ وہ پبلک کو یہ خیال کرنے کا موقع نہ دے کہ حکومت کے افعال معقولیت اور انصاف پسندی پر نہیں ہیں بلکہ خوف اور مصلحت پر منحصر ہیں۔

سپرنٹنڈنٹ کا حکم اُس شہادت کا مزید ثبوت بہم پہونچاتا ہے جو کانگرس کمیٹی نے قلمبند کی ہے

(مہاتما گاندھی نے پریس کو لکھا ہے۔ ینگ انڈیا۔ ۲۳ر جون ۱۹۲۰ء)

آنریبل پنڈت مدن موہن مالوی نے مسٹر ایف اے ہیرسپرنٹنڈنٹ گوجرانوالہ کا ایک دستخطی حکم میرے حوالہ کیا ہے۔ پنڈت جی نے مجھ سے یہ بھی کہا ہے کہ میں اس کو تنقید کے ساتھ شائع کر دوں، جو میں ضلع گوجرانوالہ کے تجربہ کی بناء پر کر سکتا ہوں۔ یہ حکم ۵ر جون ۱۹۱۹ء کا ہے۔ میں یہ یاد دلانا چاہتا ہوں کہ یہ سپرنٹنڈنٹ ہیرن ہی تھے جنہوں نے ۱۴ر اپریل ۱۹ء کو ایک ریلوے پل میں آگ لگانے کے جرم میں گوجرانوالہ کے ایک گروہ پر گولی چلانے کا حکم دیا تھا۔ حکم زیر بحث ذیل میں درج کیا جاتا ہے :-

نقل حکم

بنام سب انسپکٹر پولیس۔ گوجرانوالہ۔ مورخہ ۵ر جون ۱۹ء

یہ بالکل یقینی ہے کہ اس ضلع کے ان قصبات سے مارشل لاء عنقریب اٹھا لیا جاویگا جہاں ابتک اسکا اجراء رہا۔ اسکا نتیجہ

یہ ہوگا کہ محض ان مقدمات کے سماعت کی اجازت ہوگی جو مارشل لا اٹھانیکے وقت تک مارشل لا کمیشن کے زیر سماعت ہونگے۔

اور جملہ دیگر مقدمات جو زیر تفتیش ہونگے یا عدالت سرسری کے زیر سماعت ہونگے خارج کر دیئے جاوینگے اور ان کی سماعت محض معمولی عدالتوں میں ہوگی۔ اس سے مقدمات بہت طول پکڑ جائینگے کیونکہ معمولی عدالتوں میں انکی سماعت ہوگی اور ان کی اپیلیں وغیرہ بھی کیجاوینگی۔ لہذا تاکیدی حکم دیا جاتا ہے کہ وہ تمام مقدمات جو عدالت سرسری کی سماعت کے لئے تیار ہیں فوراً برائے سماعت بھیجے جاویں اور وہ تمام مقدمات جو زیر تفتیش ہیں اور نیز مکمل کیئے جا سکتے ہیں فوراً مکمل کر لئے جاویں اور برائے سماعت بھیجے جاویں۔ اس ضلع میں اب تک پولیس نے مقابلۃً بہت کم مقدمات پیش کئے ہیں لہذا یہاں بہت سے شخص ایسے ہونگے جو مجرم ہیں اور جن کے خلاف ثبوت دستیاب ہو سکتا ہے وہ فوراً بلا تاخیر برائے سماعت مقدمات پیش کئے جاویں۔

وہ مقدمات جو معرض التوا میں پڑے ہوئے ہیں اب فوراً انکو مکمل کرنے کی زبردست کوشش کرنی چاہیئے شناخت کیلئے فوراً اجتماع کیا جانا ہے۔ مجرمین کے خلاف ثبوت جرم کیلئے جتنی بھی شہادتیں وہاں مہیا ہو سکتی ہوں فوراً فراہم کیجاویں۔ مفرور ملزمان کی گرفتاری کے متعلق مناسب جد و جہد ابتک نہیں کیگئی ہے۔ یہ اب ہونی چاہیئے۔ کانسٹبل اور سفید پوش وغیرہ مفرورین کے تعاقب میں فوراً روانہ کئے جاویں اور ان کو گرفتار کرنیکی تمام کوششیں فوراً عمل میں لائی جاویں۔ انکی گرفتاری کے لئے تھانوں میں محض رقعوں کا روانہ کرنا ہی کافی نہیں ہے۔

میں اپنے ماتحت افسران کو اب زیادہ اس امر کے دلنشین کرانے کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ مارشل لا کی تنسیخ سے قبل فوراً مقدمات کا مکمل ہونا اور ملزمین کی ایک کافی تعداد کا فراہم ہونا کتنا ضروری ہے۔ یہ ضلع بلحاظ تعداد ملزمین دوسرے ضلعوں سے بہت پیچھے رہا ہے اور لہذا اسوقت یہاں کی پولیس کی جفاکشی اور قابلیت پر نکتہ چینی کا موقعہ پیدا ہو گیا ہے۔ ابھی وقت ہے کہ اسکی تلافی کیجا سکے۔ اور اگر میرے تمام افسران دل سے کام کریں تو کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ یہاں کی تفتیش کنندہ افسران کی شہرت ان لوگوں سے کیوں کم رہے گی جنہوں نے امرتسر اور لاہور میں تفتیشیں کی ہیں۔ اور اگر ملزمین کی تعداد جو برائے سماعت مقدمات بھیجے جاتے ہیں اسی طرح کمی کے ساتھ جاری رہی تو تمام پولیس والے بلا شک و شبہ عزت و قدر کا وہ خراج حاصل نہ کر سکینگے جس کے بحیثیت ... وہ مستحق ہیں۔

(دستخط) ایف۔ اے۔ ہیرن ۵-۶-۱۹۱۹

کانگریس سب کمیٹی کے سامنے اس ضلع میں بیسیوں گواہوں نے یہ شہادت دی کہ مارشل لا کے گذشتہ دوران میں جوق جوق قیدی عدالت سرسری میں روانہ کئے گئے۔ صدارت کرنیوالے افسران بڑی رات تک عدالت جاری رکھتے تھے اور بیگناہ آدمیوں کو صفائی کے گواہ سنے بغیر مختلف میعاد کی سزائے قید کا حکم سنا دیتے تھے اس طرح سے جن افسران نے مقدمات کی سماعت کی ان میں سے ایک کرنل اوبرائن اور دوسرے مسٹر باسورتھ اسمتھ تھے۔ جو حکم اوپر نقل کیا گیا ہے وہ اس شہادت کا مزید ثبوت بہم پہنچاتا ہے جو کانگریس کمیٹی نے قلمبند کی ہے۔ اور طرز عمل پر ایک ہلکی سی روشنی ڈالتا ہے جو مقدمات میں جاری رکھا گیا اور یہ اس تعجیل اور سرسری عدالتوں کا ہی نتیجہ تھا کہ بالکل بیگناہ اور بے قصور آدمی گرفتار

کیئے گئے اور اکال گڑھ، رام نگر اور دوسرے مقامات کے جیل خانوں میں بند کردئے گئے، لیکن وہ افسران ہنوز اپنے عہدوں پر مامور ہیں اور اس قسم کی بدعنوانیاں کرنے کے ان کو اختیارات حاصل ہیں۔

فردِ جرم لگانے والا مجسٹریٹ اس منصب کا اہل نہیں کہ بحیثیت جج عدالت میں بیٹھے

(مظالم پنجاب کا ایک اور نمونہ) از قلم مہاتما گاندھی ینگ انڈیا۔ ۲۹ راکتوبر ۱۹۱۹ء

مسٹر جمیت سنگھ بگا وزیر آبادی کے بیٹے مسٹر پرشوتم سنگھ نے اپنے باپ کے مقدمہ کے متعلق میرے پاس ایک تحریر بھیجی ہے۔ مسٹر جمیت سنگھ وزیر آباد کے بینکر اور سوداگر ہیں۔ ان کی عمر ۶۲ سال کی ہے اور موتیابند کے عارضہ میں مبتلا ہیں۔ ان کو ۱۸ ماہ قید با مشقت اور ایکہزار روپیہ جرمانہ اور درصورت عدم ادائیگی زرجرمانہ ۶ ماہ کی مزید قید بمشقت کی سزا دی گئی تھی۔ مجھے یہ کہنے میں کچھ پس وپیش نہیں کہ یہ فیصلہ ایک ایسے شخص کی جانب سے صادر ہوتا جو اپنے آپ کو جج کہتا ہو بالکل ناموزون اور لفظ جج کو بٹا لگانے والا ہے۔ فیصلہ تہمت اور غلط منطق سے بھرا ہوا ہے، اور اسمیں دلائل نام کو نہیں۔ اور اگر وہ واقعات صحیح ہیں جو انکے بیٹے نے اپنے بیان میں قلمبند کئے ہیں تو فردِ جرم لگانے والا مجسٹریٹ اسکا اہل نہیں کہ بحیثیت جج کے عدالت میں بیٹھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر جمیت سنگھ کا جرم محض اسقدر ہے کہ وہ مسجد کے جلسہ میں موجود تھے اور انہوں نے ہڑتال کی تائید کی تھی و نیز یہ کہ وہ ایک متمول شخص ہیں۔ مجسٹریٹ غیر طرفدار گواہوں کی سند پر اسوجہ سے یقین نہیں کرتا ہے کہ چونکہ "جمیت سنگھ ایک دولتمند آدمی ہے" مجسٹریٹ کے یقین کے لئے محض اتنا کافی ہے کہ مجرم اُس گروہ کے ساتھ تھا جنہے رسالہ والوں پر پتھر پھینکے اور اگر اس نے لڑکوں کو احاطہ توڑنے سے منع بھی کیا تو اسکی کوئی اور وجہ ہوگی۔ بہرحال جمیت سنگھ ہجوم کے ساتھ تھا: اس طرح پر مجسٹریٹ نے ہر اس دلیل کو نظرانداز کردیا جو جمیت سنگھ کی تائید میں کہی جاسکتی ہے۔ ناظرین کو چاہئے کہ فیصلہ کی عدم مطابقت کے متعلق میرے بیان کی قوت محسوس کرنے کے لئے فیصلہ کو از اول تا آخر مطالعہ کریں لیکن ان کے بیٹے کا بیان اس ناانصافی کو اور بھی زیادہ ثابت کرتا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے کہ مجسٹریٹ نے ملزم کا مال و اسباب بغیر ایک منٹ کا نوٹس دئے ضبط کرلیا اور زنانخانہ کے ساتھ وہ سلوک کیا گیا جو مسٹر پرشوتم کے بیان میں درج ہے۔ اور اگر یہ صحیح ہے تو کیا یہ بالکل غیر آئینی حرکت نہیں ہے؟ کیا یہ صحیح ہے کہ ملزم کی طرف سے صفائی کے گواہوں کو نہیں طلب کیا گیا اور جبوقت

فرد جرم لگائی گئی تو ملزم کے وکیل کو حاضر ہونے کی اجازت نہیں دی گئی؟ مجھے اس بیش قیمت فیصلہ کے متعلق صرف اتنا ہی کہنا ہے۔

ملزم کے ساتھ فیصلہ صادر ہونے سے پیشتر اور بعد میں جو سلوک کیا گیا وہ بالکل کارروائی عدالت کے قدم بقدم تھا۔ یہ امر بالکل خلاف انسانیت تھا کہ ملزم کو ہتھکڑی پہنا کر اور اسکے بغل میں بستر دیکر پھرایا جاوے۔ اس حرکت سے جنرل ہڈسن کی وہ تقریر یاد ہو گئی جو "ہاتھ اور گھٹنوں" کے حکم کے متعلق تھی اور جسکو پنڈت جواہر لال نہرو نے اسکی تصحیح کر کے "رینگنے کے حکم" سے تعبیر کیا ہے۔ یہ بالکل ظاہر ہے کہ لوگوں کے دلوں پر اثر پیدا کرنے کے لئے حکام اس قسم کی عداوتی کارروائی کرنے کے لئے پہلے سے تیار رہتے تھے۔ مشکل ہے کہ اس توہین آمیز اور ظالمانہ سلوک کی طرف جو ملزم کے ساتھ برتا گیا کسی دوسرے سبب کو منسوب کیا جا سکے۔ ملزم نے قرضہ جنگ میں گورنمنٹ کو وزیرآباد میں سب سے زیادہ رقم دی تھی۔ لیکن اس کا بھی کوئی اثر مقدمہ پر نہ ہو سکا۔ اس کی وفادارانہ خدمات کے صلہ میں جو سند حکومت کی طرف سے اسکو تفویض ہوئی تھی وہ اس وقت اسکی کچھ امداد نہ کر سکی جبکہ وہ عدالت کے کٹہرے میں کھڑا تھا اور معمولی ملزموں کی طرح اسکے ساتھ سلوک کیا جا رہا تھا۔ میں گورنمنٹ پنجاب کو اس تخفیف پر مبارکباد نہیں دے سکتا جو اس نے سزا کو قید ۲ ماہ میں تبدیل کر کے ظاہر کی ہے کیونکہ ملزم بالکل رہا کر دینے کا حق رکھتا ہے۔ اب یہ مقدمہ جیسا کہ مسٹر پرشوتم کے بیان سے معلوم ہوتا ہے نظرثانی کرنے والے ججوں کے پاس برائے تحقیقات بھیجا گیا ہے۔ میں پہلے ہی نظرثانی کرنے والے ججوں کے متعلق اپنا اندیشہ ظاہر کر چکا ہوں۔ اسمیں جو لوگ شامل ہیں وہ نہ تو اپنا اعتماد پیدا کر سکتے ہیں اور نہ ان سے کسی قسم کی امید کیجا سکتی ہے۔ اگر عمال حکومت اپنی ناقابل علاج غلطیوں کی اصلاح کرنے میں قاصر ہے اور ایسے جج مقرر کرتے رہے جو حکام کے عیوب کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش کریں تو وہ اپنے احترام اور تعاون کا تمام استحقاق زائل کر دینگے۔ مرنیوالے تو مر چکے اور اب واپس نہیں آئینگے۔ لیکن یہ امر بالکل ناقابل برداشت ہے کہ وہ لوگ جو بقید حیات ناسزا اور سزائیں بھگت رہے ہیں اتنا موقعہ نہیں پاتے کہ ایسے جج کے سامنے اپنی بیگناہی کو ثابت کریں جس پر پبلک پورا پورا اعتماد کر سکے ؏

آجتک کسی قوم نے بغیر قربانی کے ترقی نہیں کی

امرتسر کی اپیلیں) از قلم مہاتما گاندھی۔ ینگ انڈیا ۳ مارچ ۱۹۲۰ء

بہترین وکلا کی وکالت کے باوجود امرتسر کی اپیلیں خارج کر دی گئیں۔ پریوی کونسل نے عدالت ہند کی بے آئین کارروائی پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ مجھکو اس امر کا اعتراف کرنا چاہیئے کہ فیصلہ غیر متوقع نہ تھا۔ اگرچہ ججوں کے

معقولات جیسا کہ مسٹر نہرو نے اپیل کرنے والوں کی مدافعت میں اپنی دلائل پیش کیں اس امر کی امید دلا رہے تھے کہ فیصلہ اپیل کنندگان کے حق میں ہوگا۔ سیاسی مقدمات کو مطالعہ کرنے کے بعد میری یہ رائے ہے کہ بڑے سے بڑے ججوں کے فیصلے بھی سیاسی اغراض سے متاثر ہوئے بغیر صادر نہیں کئے جا سکتے بعض نازک موقعوں پر دل کو خلاف انصاف پسند بنانے کی حملہ احتیاطیں ناکام رہتی ہیں۔ پریوی کونسل بھی انسانی قوانین کی قیود ذات سے آزاد نہیں ہو سکتی۔ اگر فیصلہ عوام کے موافق دیدیا جاتا تو اسکا یہ نتیجہ ہوتا کہ حکومت ہند کم از کم ایک نسل تک بدنامی کے داغ سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتی تھی۔ اسکی سیاسی اہمیت کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ جونہی یہ خبر لاہور میں پہنچی تو تمام وہ تیاریاں جو لالہ لاجپت رائے کے خیر مقدم کے لئے کی جا رہی تھیں فوراً منسوخ کر دی گئیں اور پنجاب کا پایہ تخت ماتمکدہ بن گیا۔ اب اس فیصلہ کی وجہ سے حکومت کی اور زیادہ رسوائی ہوئی کیونکہ خواہ غلط ہو یا صحیح عوام الناس کی یہ رائے ہوگی کہ جب کوئی سیاسی یا نسلی معاملہ درپیش ہو تو برطانوی دستور آئینی کے ماتحت کسی قسم کے انصاف کی امید نہ رکھنی چاہیئے۔

اسی بلا سے نجات حاصل کرنے کا صرف ایک راستہ ہے۔ بہر انسانی دماغ اور بالخصوص ہندوستانی دماغ فیاضی کا بہت جلد مرہون ہو جاتا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ بغیر کسی شورش یا عرض و معروض کے گورنمنٹ پنجاب یا مرکزی حکومت سزائے موت کے احکام کو منسوخ کرے اور اگر ممکن ہو تو اسی وقت اپیل کنندگان کو رہا بھی کر دے۔ اس طرز عمل میں دو اغراض مضمر ہیں اور دونوں کے دونوں مساوی طور پر اہم ہیں اولاً یہ کہ اس سے وہ پبلک اعتماد دوبارہ حاصل ہو جائیگا جسکا میں نے تذکرہ کیا ہے دوم یہ کہ سر اسمتھ کے جواب میں جو شاہی اعلان شائع ہوا تھا اسکی تعمیل ہو جائیگی۔ اسی زبردست سیاسی پروانہ میں ان تمام ملزمین کی رہائی کا حکم دیا گیا ہے جو آیندہ پبلک سوسائٹی کے لئے خطرناک ثابت نہوں۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اگر ان اکیس اپیل کنندگان کو رہا کر دیا گیا تو وہ کسی شکل یا کسی صورت میں بھی سوسائٹی کو خطرناک ثابت ہونگے۔ اس سے قبل انھوں نے کبھی کسی جرم کا ارتکاب نہیں کیا۔ انمیں سے اکثر معزز اور پرامن شہری سمجھے جاتے تھے۔ انکے متعلق کبھی یہ علم نہیں ہوا کہ وہ کسی انقلابی سوسائٹی سے تعلق رکھتے تھے اگر انھوں نے کوئی جرم بھی کیا ہے تو وہ ہنگامی واقعات سے متاثر ہو کر اور زبردست اشتعال کے ماتحت کیا ہے۔ علاوہ ازیں عوام الناس کا یہ یقین ہے کہ مجرمین کی اکثریت ایسی ہے جنکو مارشل لاء ٹربیونل نے بغیر کسی مستند شہادت کے ملزم گردانا اسلئے میں امید کرتا ہوں کہ گورنمنٹ جو اب تک ایسے سیاسی مجرموں کو رہا کرتی رہی ہے جن کو اس نے ارتکاب جرم کے وقت گرفتار کیا تھا۔ اپیل کنندگان کو رہا کرنے میں پس و پیش نہ کریگی۔ اور اس طرح یہ تمام ہندوستان کی خوش اعتمادی حاصل کریگی۔ یہ حالت فتح میں بڑی فیاضی کا کام ہوگا جو ایک زبردست اثر پیدا کریگا۔ عوام الناس سمجھتے ہیں کہ اپیل مسترد ہونے سے گورنمنٹ کو فتح حاصل ہوئی ہے۔ میں نہایت ادب کے ساتھ اپنے پنجاب کے احباب کو مشورہ دونگا کہ وہ دل شکستہ نہوں ہم کو اس سے بھی زیادہ خراب واقعات کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ اگر الزامات صحیح ہیں اور اگر وہ لوگ جو ملزم گردانے گئے ہیں فی الحقیقت قتل یا اشتعال قتل کے مجرم ہیں تو کیوں وہ اسکی سزا نہ بھگتیں؟ اور اگر ان لوگوں نے

جرائم کا ارتکاب نہیں کیا ہے جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ ان میں سے اکثر نے نہیں کیا ہے تو پھر کیوں وہ اس انجام سے بچنا چاہتے ہیں جو ترقی کرنیوالوں کا ہوا ہے۔ اگر ہم ابھرنا چاہتے ہیں تو قربانی سے کیوں خوفزدہ ہوں۔ آج تک کسی قوم نے بغیر قربانی کے ترقی حاصل نہیں کی اور قربانی کا تعلق بیگناہی سے ہوسکتا ہے۔ جرم سے نہیں ہوسکتا +

انسدادی پالیسی کو جاری رکھنا اس امر کا ثبوت ہے کہ حکومت کے تدبّر کا دیوالہ نکل گیا ہے

سر سنکرن نائر کا انتباہ (نیک انڈیا۔ ۱۲ر نومبر۔ ۱۹۱۹ء)

سر سنکرن نائر جب ہندوستان میں تھے تو اپنے استعفا کے وجوہات بتانے میں خاموش رہے۔ لیکن اب مسز بیسنٹ کے ہفتہ وار ڈیلی نامی نیو انڈیا میں انھوں نے "ہندوستان میں بددلی اور حکومت کی طرف سے انسداد" کے زیر عنوان ایک مضمون میں ان وجوہ کی تفصیل کی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ گورنمنٹ کی انسدادی پالیسی سے وہ تنگ آگئے تھے یہانتک کہ جیسا وہ خود کہتے ہیں "وہ اپنے منتہائے عروج کو پہونچنے کے بعد فسادات پنجاب کی شکل میں ظاہر ہوئی جہاں ہم کو مارشل لا کا نفاذ اس بنیاد پر کرنا پڑا کہ انگریزوں کی جانیں غیر محفوظ تھیں اور بغاوت پھوٹ چکی تھی" آگے چلکر وہ بڑی خوش اسلوبی سے ہمیں یاد دہانی کراتے ہیں کہ "غالبًا یہ یاد ہوگا کہ پنجاب تمام ہندوستان میں سب سے زیادہ وفادار ہونے کی وجہ سے شہرت حاصل کرچکا تھا اسیہ بھی صوبہ کے حاکم اعلیٰ نے جو ہمیشہ موقع بے موقع اس صوبہ کی قربانی اور وفاداری کا تقابل باقیماندہ ہندوستان کے ہوم رول شورش سے کیا کرتا تھا، مارشل لا کا نفاذ کرکے اس کو ایسا چھوڑ دیا جیسے کوئی چیز رات میں چھوڑ دیا جاتا ہے" وہ تسلیم کرتے ہیں کہ کوئی حکومت اپنے قانون پسند شہریوں کی حفاظت کے لئے ضروری تدابیر اختیار کرنے سے باز نہیں رہ سکتی لیکن اسکے ساتھ ساتھ یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ کوئی حکومت "اپنی محکوم رعایا پر انسدادی حکمت عملی اور نفرت کا طرز عمل اختیار کرکے جاری رہ سکے اور انسدادی حکمت عملی کو جاری رکھنا اس امر کا ثبوت ہے کہ حکومت کے تدبر کا دیوالہ نکل گیا"

"ایک طرف اشتعال دوسری جانب انتقام غرضیکہ انسداد اور جرائم کے درمیان جو کشتی پڑگئی ہے اور جو لگاتار ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ جاری ہے اب برداشت نہیں کیجاسکتی" یہ وہ الفاظ ہیں جن پر گورنمنٹ اور برطانوی قوم

سلہ یونائیٹڈ انڈیا [illegible]

کو ذرا ٹھنڈے دل سے غور کرنی چاہئے اور فوراً اسکی تلافی کرنی چاہئے ورنہ عوام الناس یہ یقین کرینگے کہ حکومت اپنے ہوش و حواس کو خیرباد کہہ چکی ہے اب وہ وقت نہیں رہا ہے کہ موجودہ حالات کی تہ میں جو خرابی ہے اس سے چشم پوشی کی جاوے۔ سر سنکرن نائر اپنے مضمون کے اختتام پر اس امر کو واضح کرتے ہیں کہ "جب تک برطانوی پبلک ہندوستانی رائے سے استصواب نکرے اُسوقت تک ہندوستان میں ایگزیکیوٹو گورنمنٹ کو یہ اجازت ہونی چاہئے کہ وہ کسی آدمی کو اسکی جسمانی آزادی یا اسکی دولت سے محروم کردے یا کوئی ایسی تدبیر اختیار کرے جو کسی صورت میں بھی آزادی تقریر کے منافی ہو" ان سطروں کو غور سے مطالعہ کرنا چاہئے۔ سر سنکرن نائر کا مضمون برطانیہ کو آگاہ کرتا ہے کہ اگر وہ گورنمنٹ ہند کی پوزیشن اور اقتدار کو دوبارہ قائم کرنا چاہتی ہے۔ اور برطانوی انصاف میں ہندوستانی پبلک کا اعتماد دوبارہ حاصل کرنا چاہتی ہے تو اسکو چاہئے کہ کتاب قانون سے رولٹ ایکٹ کے وجود اور واقعات پنجاب کی ذلت کو مٹا دے۔ یہ ذلت ان جرائم کی ہے جو قانون اور ضابطہ کے پردہ میں کئے گئے"۔

ایک باپ اس امر پر مجبور نہیں کہ وہ اپنے نالایق بیٹے کے خورونوش کا انتظام کرے اور اگر وہ ایسا کرتا ہے تو وہ اپنے بیٹے کے جرائم میں حصّہ دار ہو

(جنرل ڈائر کے متعلق کیا خیال ہے) از قلم مہاتما گاندھی۔ ینگ انڈیا ۱۶ مارچ سنہ ۱۹۲۱ء

ہمارا ایک دوست دریافت کرتا ہے کہ جلیانوالہ باغ اور رینگنے کے واقعات کو کیوں لگاتار یاد کیا جاتا ہے؟ اسکا جواب بالکل سادہ ہے۔ معاف کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ مظالم کو بھلا بھی دیا جائے اگر تم کسی دشمن کے مظالم کو بھلا کر اس سے محبت کرتے ہو تو ایسی محبت میں کوئی عمدگی نہیں۔ بات تو جب ہے کہ وہ شخص جس سے محبت کیجاوے اسکے متعلق تمہیں پورا علم ہو کہ وہ تمہارا دوست نہیں ہے۔ علی اسلام کا بہادر باوجودیکہ اپنے دشمن کی سفلانہ گستاخی سے آگاہ تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ دشمن اسکا کسی طرح بھی ہم پلہ نہیں تاہم وہ اپنے دشمن سے انتقام لینے کا خواہاں نہ ہوا۔ ہندوستان سر مائیکل اوڈوائر اور جنرل ڈائر جیسے مجرمین کو سزا دلانے کا خواہشمند نہیں بلکہ اسکی یہ آرزو ہے کہ ان ملازمین

حکومت کو برخاست کر دیا جائے جنھوں نے خود کو اس اعتماد کے ناقابل ثابت کیا جو انکے سپرد کیا گیا تھا اور جب تک
ان مجرم ملازمین کو خزانہ ہند سے پنشن ملتی رہیگی اسوقت تک انکی برخاستگی تسلیم نہیں کی جاسکتی۔ ایک باپ اس امر
پر مجبور نہیں کہ وہ اپنے نالائق بیٹے کے خورد و نوش کا انتظام کرے اور اگر وہ ایسا کرتا ہے تو وہ اپنے بیٹے کے جرائم میں حصہ دار
ہے۔ کانگریس کمشنران یا تو یہ مشورہ دیسکتے تھے کہ مجرمین سے مواخذہ کیا جاوے اور ان پر مقدمہ چلایا جائے اور یا یہ
کہ ان کو برخاست کر دیا جائے۔ انھوں نے موخرالذکر طریقہ کو کسی مصلحت کی وجہ سے نہیں بلکہ از راہ انسانیت پسند کیا۔ ناظرین
اس راز کو اس واقعہ سے معلوم کر سکتے ہیں کہ کمشنران مذکور نے اس معاملہ پر غور و خوض کرنے میں بہت سے تشویشناک
گھنٹے صرف کئے۔ رپورٹ کاشی میں تیار کیگئی جو دریائے گنگا سے اتنے فاصلہ پر ہے کہ اگر ایک پتھر پھینکا جائے تو وہاں
تک پہونچ سکتا ہے۔ سفارشات پر ان کے باہم بڑا سرگرم مباحثہ رہا اور بالآخر وہ متفقہ طور پر اس نتیجہ پر پہونچے کہ
ہندوستان کا فائدہ اسی میں ہے کہ مقدمہ نچلایا جاوے۔ حال میں ہی مسٹر داس نے بمقام پٹنہ تقریر کرتے ہوئے اس
معاہدہ کا حوالہ دیا ہے جو کمشنران مذکور کے درمیان طے ہوا تھا اور کہا ہے کہ جب کہ انھوں نے اپنی سفارشوں کو کم سے
کم کر دیا ہے تو انکو پورا پورا عزم کر لینا چاہئے کہ وہ اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈال کر بھی ان سفارشات پر عملدرآمد کرائیں گے
اسلئے اپنے کانشنس کے بموجب کمشنران مذکور کو تارکین موالات سمجھنا چاہئے لیکن انھوں نے سزادہی کے حق سے
دستبردار ہونے کو پسند کیا۔ یہ بالکل سچ ہے کہ تمام ہندوستان نے ہنوز اصول انسانیت یعنی عفو کو پورے طور
سے تسلیم نہیں کیا ہے۔ اکثر یہ چہ میگوئیاں کانوں تک پہونچتی ہیں کہ قاتلوں کو پھانسی پر چڑھا دیا جائے وغیرہ وغیرہ۔
لیکن ہندوستان ابھی کمزوروں اور جرنیلوں کے خلاف اپنے آپ کو کافی مضبوط تصور نہیں کرتا وہ ہنوز ان سے
ڈرتا ہے لہذا اسر مائیکل اوڈوائر اور جنرل ڈائر کو معاف کرنا ایک بے معنی لفظ ہے لیکن دن بدن ہندوستان طاقت
حاصل کرتا جا رہا ہے اور اپنے اندر عفو کے اوصاف پیدا کر رہا ہے۔ جب کوئی ہندوستانی مجرمین کی سزادہی
کے متعلق کہتا ہے تو اس کی حالت بزدلانہ غصہ کی ہوتی ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر ہندوستان آج آزاد ہوتا یعنی
اسکو یہ طاقت حاصل ہوتی کہ مجرمین کو سزا دیسکے تو وہ ضرور سزادہی سے اجتناب کرتا۔ اب اسکی خواہش محض اس قدر ہے
کہ جلیانوالہ باغ کے مظالم کے اعادہ سے نجات حاصل کرلے۔ عدم تعاون کی جنگ کا تصور کسی انتقامی جذبہ پر مبنی نہیں
ہے بلکہ اس کی بنیادیں انصاف پسندی پر قائم ہیں ٭

پنجاب میں مسٹر اسمتھ سے زیادہ بُرا سلوک کسی افسر نے نہیں کیا

(ہر ایک پنجابی کا فرض) مہاتما گاندھی کے قلم سے۔ ینگ انڈیا ۲۳ جون ۱۹۲۰ء

الہ آباد کا معاصر لیڈر قابل مبارکباد ہے کہ اس نے مسٹر باسورتھ اسمتھ کے متعلق جو خط و کتابت ہوئی اسکو شائع کر دیا۔ مسٹر باسورتھ اسمتھ مارشل لا کے ان افسران میں سے ہیں جن کے متعلق ہٹ دھرمی اور بُرا سلوک جاری رکھنے کی سخت ترین شکایات کیگئی ہیں۔ اس خط و کتابت سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسٹر باسورتھ کو برخاست کرنیکے بجائے مزید ترقی عطا کی گئی ہے۔ مارشل لا سے تھوڑے عرصہ پہلے مسٹر اسمتھ کا تنزل کر دیا گیا تھا، لیکن اب لیڈر کا نامہ نگار رقمطراز ہے کہ "وہ (مسٹر اسمتھ) درجہ دوئم کے ڈپٹی کمشنر بنا دئے گئے۔ اسی عہدہ سے ان کا تنزل کیا گیا تھا اور اب ان کو دفعہ ۳۰ تعزیرات ہند کے ماتحت مزید اختیارات دیئے گئے ہیں۔ جب سے انھوں نے قدم رنجہ فرمایا ہے دتبالہ چھاؤنی کی ہندوستانی آبادی خوف اور ظلم کے دور میں زندگی بسر کر رہی ہے" آگے چلکر یہی نامہ نگار لکھتا ہے کہ "خوف اور ظلم کے دونوں الفاظ میں اسلئے استعمال کرتا ہوں تاکہ ان کا پورا مفہوم سمجھا جائے" لفظ خوف اور ظلم کے معنوں کی تشریح کے لئے میں یہاں اس روشن خط کے چند فقرے نقل کرتا ہوں "پرائیویٹ استغاثوں میں مسٹر اسمتھ مستغیث کا بیان نہیں لیتا۔ پیشکار بیان کو اُس وقت قلمبند کرتا ہے جبکہ عدالت برخاست ہوتی ہے، اور دوسرے دن مجسٹریٹ کے دستخط کرائے جاتے ہیں۔ خواہ رپورٹ (جو ایسے استغاثوں پر موصول ہوتی ہے) مستغیث کے موافق یا مخالف مجسٹریٹ اسکو قطعاً نہیں پڑھتا اور استغاثے بغیر مناسب سماعت کے خارج کر دئے جاتے ہیں۔ پرائیویٹ استغاثوں کا تو یہ انجام ہوتا ہے۔ رہے پولیس کے چالان سو ان میں ملزم کے وکلاء کو اجازت نہیں کہ وہ ان قیدیوں سے ملاقات کر سکیں جن کا مقدمہ زیر سماعت ہو اور جو پولیس کی حراست میں ہوں۔ ان کو پولیس کے گواہوں پر جرح کرنے کی اجازت نہیں۔ پولیس کے گواہوں سے محض خاص خاص سوالات کئے جاتے ہیں اس طرح پر مقدمہ کی تمام کہانی پولیس کے گواہوں کی زبانی سنی جاتی ہے۔ ملزم کے صفائی کے گواہ عدالت کے اندر بلائے جاتے ہیں لیکن ملزم کے وکیل کو ان سے سوال کرنے کی اجازت نہیں۔ اگر ملزم بذات خود اپنی صفائی میں کچھ کہنے کی جرأت کرتا ہے تو اسکو خاموش کر دیا جاتا ہے۔ ...... چھاؤنی کے ملازمین میں سے جسکا دل چاہتا ہے چھاؤنی کے کسی شہری کا نام کاغذ کے ایک پرزہ پر تحریر کر لیتا ہے اور پھر

اس سے دوسرے دن عدالت میں حاضر ہونے کے لئے کہتا ہے۔ یہ کاغذ کا پرزہ بطور سمن کے ہوتا ہے اگر کوئی شخص بموجب حکم عدالت میں حاضر نہ ہو تو اسکے خلاف وارنٹ گرفتاری جاری کر دیا جاتا ہے۔ خط میں اس قسم کی اور بہت سی باتیں قابل تحریر ہیں لیکن نامہ نگار مذکور کے مفہوم کو ظاہر کرنے کے لئے میں نے کافی باتیں قلمبند کر دی ہیں۔ اب میں اس افسر کے اس ریکارڈ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں جو دوران مارشل لا میں جمع ہوا ہے۔ یہی وہ افسر ہے جس نے لوگوں کے گروہ کے گروہ بنا کر مقدمات سننے اور ایک مضحکہ خیز سماعت کے بعد ان کو مجرم قرار دیا۔ گواہوں نے بیان دیا ہے کہ اسی افسر نے لوگوں کو جمع کیا۔ اُن سے جھوٹی شہادتیں دینے کے لئے کہا۔ اسی نے عورتوں کے چہروں سے نقاب اُٹھائے۔ ان کو "کتی"، "سور" اور "گندی مکھی" کے نام سے پکارا۔ اور ان کے چہروں پر تھوکا۔ یہی وہ شخص ہے جسنے شیخوپورہ کے بیگناہ وکلاء کو ناقابل تحریر تکالیف پہونچائیں۔ مسٹر اینڈریوز نے بذات خود ان شکایات کی تفتیش کی جو افسر کے خلاف کی گئی تھیں۔ اور اس نتیجہ پر پہونچے کہ مسٹر اسمتھ سے زیادہ بُرا سلوک کسی دوسرے افسر نے روا نہیں رکھا۔ اس نے شیخوپورہ کے باشندوں کو جمع کیا۔ ان کو طرح طرح سے ذلیل کیا "سور لوگ" اور "گندی مکھی" کہکر ان کو خطاب کیا۔ ہنٹر کمیٹی میں جو شہادت پیش ہوئی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ افسر سچائی کی مطلق پروا نہیں کرتا۔ اور پھر بھی اسے جیسا کہ نامہ نگار مذکور کا بیان درست ہے۔ سرکار کی طرف سے ترقی مرحمت ہوئی ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ شخص گورنمنٹ سروس میں اب تک کیوں موجود ہے۔ اور بیگناہ عورتوں اور مردوں کو گالیاں دینے اور حملہ کرنے کے جرم میں اب تک اس پر مقدمہ کیوں نہیں چلایا گیا۔

میں اس بات کو نوٹ کر رہا ہوں کہ بعض لوگ جنرل ڈائر اور سر مائیکل اوڈائر کا مواخذہ کرانیکے خواہشمند ہیں۔ میں اس وقت یہ بحث نہیں کرونگا کہ آیا یہ طریقہ قابل عمل ہے یا نہیں۔ مجھے یہ معلوم کر کے افسوس ہوا تھا کہ مسٹر شاستری بھی جنرل ڈائر پر مقدمہ چلانے کی چیخ و پکار میں ہم نوا تھے۔ اگر انگریز لوگ خود بخوشی مقدمہ چلائیں تو میں یہ سمجھ کر ایسے مقدمہ کا خیر مقدم کرونگا کہ انگریز بھی مظالم جلیانوالہ باغ کو ناپسند کرتے ہیں لیکن ان افسران پر فضول مقدمہ چلانے کی کوشش میں میں ایک پیسہ بھی صرف کرنا پسند نہ کرونگا۔ پبلک انگریزی دماغ کا پورا پورا تجربہ حاصل کر چکی ہے۔ تقریباً تمام انگریزی پریس ان انسانیت سوز مجرمین کی پردہ پوشی کی سازش میں شامل ہیں۔ میں ان علانیہ یا خفیہ مقدمہ چلانے کی چیخ و پکار میں شامل ہو کر ان لوگوں کو "ہیرو" بنانا نہیں چاہتا۔ اگر میں ہندوستانیوں کو اس طرف رغبت دلا سکتا ہوں کہ وہ ان افسران کی برخاستگی پر زور دیں تو یہ بات میرے لئے قابل اطمینان ہے لیکن سر مائیکل اوڈائر اور جنرل ڈائر کی برطرفی سے زیادہ ضروری برخاستگی (اگر مقدمہ نہ چلایا جائے) کرنل او برائن، مسٹر باسورتھ اسمتھ، رائے شری رام اور ان لوگوں کی ہے جن کا تذکرہ کانگریس سب کمیٹی کی رپورٹ میں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جنرل ڈائر ایک بد آدمی ہے لیکن مسٹر اسمتھ اس سے بھی کہیں زیادہ بُرا ہے اور اسکے جرائم جلیانوالہ باغ کے قتل عام سے بھی کہیں زیادہ ہیں۔ جنرل ڈائر کا نیک نیتی سے یہ یقین تھا کہ لوگوں کو خوفزدہ کرنے کے لئے گولی چلانا ایک سپاہیانہ کام ہے لیکن مسٹر اسمتھ کے افعال سفلانہ ظلم، کم ظرفی اور کمینہ پن کے مترادف ہیں۔

اگر وہ جملہ واقعات صحیح ہیں جو مسٹر اسمتھ کے خلاف بیان کیے گئے ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ اس میں انسانیت کی ایک چنگاری بھی نہیں۔ جنرل ڈائر کے برخلاف مسٹر اسمتھ میں اتنی جرأت نہیں کہ اپنے کئے کی تصدیق کرے۔ اور جب اسکو چیلنج کیا جاتا ہے تو بوکھلا جاتا ہے۔ اب اسی افسر کو آزاد چھوڑ دیا گیا ہے کہ ان لوگوں کو تکلیفیں پہونچائے جنھوں نے اس کے ساتھ کوئی برائی نہیں کی ہے اور اس کو اجازت دیدی گئی ہے کہ اس حکومت کو رسوا کرے جسکی وہ نمائندگی کرتا ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ پنجاب اس وقت کیا کر رہا ہے؟ کیا پنجابیوں کا یہ فرض نہیں ہے کہ اس وقت تک چین سے نہ بیٹھیں جب تک کہ مسٹر اسمتھ اور انکے مانند دوسروں کو برطرف نہ کرا لیں؟ اگر پنجاب کے رہا شدہ لیڈران اپنی اس رہائی سے جو ان کو عطا کی گئی مسٹر بوسورتھ اسمتھ اور انکے رفقار کی آلائش سے نظام حکومت کو پاک نہ کریں گے تو ان کی رہائی بالکل فضول ہوگی۔ مجھے یقین ہے کہ اگر وہ مستقل مزاجی کے ساتھ ایجی ٹیشن شروع کر دیں تو تمام ہندوستان ان کا ساتھ دیگا۔ میں ان کو یہ مشورہ دینے کی جرأت کرتا ہوں کہ جنرل ڈائر کو سولی پر بھیجنے کی قابلیت پیدا کرنیکا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس برائی کو دور کیا جائے جس کو افسران نے جاری کر رکھا ہے جنکے خلاف پنجابیوں نے بڑی کثرت سے شہادتیں مہیا کی ہیں۔

انگریز اسوقت تک حق و صداقت کو معلوم نہیں کر سکتے جبتک کہ انکی آنکھیں بیجا تفوق و برتری کے خیال سے اندھی رہیں گی

(مسٹر پینگٹن کے اعتراض کا جواب) مہاتما گاندھی کے قلم سے ینگ انڈیا ۲۹ ستمبر ۱۹۲۰ء[1]

میں نہایت خوشی کے ساتھ مسٹر پینگٹن کا خط[1] شائع کرتا ہوں جو مجھے ابھی موصول ہوا ہے۔ بظاہر ایسا معلوم

[1] مسٹر پینگٹن کا مکتوب مہاتما گاندھی کے نام — ڈیر مسٹر میں آپ کی اسکیم متعلقہ گورنمنٹ کا بائیکاٹ جو اس سے کم دل شکن نام "ترک موالات" سے موسوم کی جاتی ہے پسند نہیں کرتا۔ لیکن میں نے ہمیشہ آپ کی اس خواہش کی قدر کی ہے جو آپ پُر امن ذرائع سے انقلاب پیدا کرنے کے متعلق ظاہر کرتے رہے ہیں لیکن مجھے آپ کے اخبارات کی اشاعت مورخہ ۱۴ جولائی

ہوتا ہے کہ مسٹر پیننگٹن لیگ انڈیا کو متواتر نہیں پڑھتے ہیں ورنہ انھوں نے معلوم کرلیا ہوتا کہ مجھ سے زیادہ کسی اور شخص نے
عوام الناس کی زیادتیوں اور تشدد ... کی ملامت نہیں کی ہے۔ غالباً وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ جس آرٹیکل پر انھوں نے اعتراض
کیا ہے۔ میں نے جنرل ڈائر کے متعلق محض وہی ایک تجربہ کیا ہے ان کو شاید یہ علم نہیں کہ میں نے انتہا درجہ کی غیر جانبداری

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) میں صفحہ چار پر جنرل ڈائر کے متعلق آپ کی تشدد آمیز تحریر دیکھ کر سخت حیرت ہوئی۔ آپ نے اس کا آغاز ان الفاظ سے
کیا ہے "کسی لحاظ سے بھی بد ترین مجرم نہیں" اس حد تک تو میں آپ سے اتفاق کرنے پر مائل ہوں۔ اگرچہ باقاعدہ سماعت کی عدم موجودگی
میں جرم کی حد بندی کرنی ناممکن ہے۔ لیکن اس کے بعد میں آپ کہتے ہیں "اس کا ظلم ناقابل انکار ہے" "اس کی قابل نفرین اور غیر سپاہیانہ بزدلی ظاہر
ہے" "اس نے بچوں اور مردوں کے غیر مسلح مجمع کو جن میں اکثر تعطیل منانے والے تھے، بلوائیوں کی فوج کے نام سے موسوم کیا" "وہ اپنے
تئیں پنجاب کا نجات دہندہ تصور کرتا ہے کیونکہ وہ ان لوگوں کو مثل خرگوش کے گولی سے مارنے کے قابل تھا جو کہ ایک احاطہ میں محصور تھے۔
ایسا شخص اس قابل نہیں کہ اسکا سپاہی خیال کیا جاوے، اس کے افعال میں بہادری نام کو نہ تھی، اس نے اپنے آپ کو خطرہ میں نہیں ڈالا
اس نے بغیر خبردار کئے اور بغیر تنبیہ کے فوراً [illegible] یہ قوت فیصلہ کی غلطی نہیں ہے بلکہ یہ موہوم خطرہ کی موجودگی میں قوت فیصلہ کی معدومی سے
تعبیر کیا جانا چاہئے یہ محض نااہلیت اور سنگدلی کی دلیل ہے" وغیرہ وغیرہ۔

آپ مجھے معاف کریں اگر میں یہ کہوں کہ یہ محض آپ کی شوخی تحریر اور صفت کلامی ہے جس کی تائید میں کوئی دلیل موجود نہیں حالانکہ اسمیں
مواقع ایسے بھی تھے جہاں دلیل دی جا سکتی ہے کہ اس خوفناک دن [illegible] جنرل ڈائر کا رویہ بالخصوص خوفناک تھا کیونکہ آپ اسکے ساتھ کسی قسم کی
ہمدردی کا اظہار نہیں کرتے۔ جلیانوالہ باغ میں نہ تو آپ موجود تھے اور نہ میں۔ اور ہم بالیقین کے ساتھ یہ نہیں جان سکتے کہ آیا مجمع مسلح تھا یا
غیر مسلح۔ یہ امر کہ وہ مجمع خلاف قانون تھا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اجتماع کی "ممانعت کردی گئی تھی" کیونکہ یہ فرض کرنا بالکل لغو ہے کہ اس صبح
کو جبکہ فسادات ہو رہے تھے [illegible] تمام شہر میں گشت لگاتا اور لوگوں کو جمع ہونے کے خطرہ سے آگاہ کرنے کا علم عوام کو نہ تھا۔ آپ
کہتے ہیں کہ ان لوگوں میں سے اکثر تعطیل منانے والے تھے" لیکن آپ اس کا کوئی ثبوت نہیں دیتے اور لہذا اسی دن امرتسر میں تعطیل
منانے والوں کا اجتماع ناقابل یقین ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ کا اس خیال سے کیا مطلب ہے۔ محض جنرل ڈائر ہی اس موقع پر موجود
نہ تھا اور یہ فرض کرنا ناممکن ہے کہ اسکو ایک بیگناہ تعطیل منانے والوں پر گولی چلانے کی عرصہ تک اجازت دیدی جاتی۔ حتی کہ رسالہ
والے بھی اسکے احکام کی تعمیل سے انکار کر دیتے۔

میں اس امر کو محسوس کرتا ہوں کہ آپ عوام کی وحشتناک سفاکیوں کا کبھی ذکر نہیں کرتے جو درحقیقت ان تعزیری تدابیر کی
ذمہ دار ہیں جو جنرل ڈائر نے بادل ناخواستہ اختیار کیں۔ آپ کی ہمدردی محض قاتلوں کے ساتھ ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ اس معاملہ میں
کسی دوسرے نقطہ نگاہ کا آپ پر کچھ زیادہ اثر ہوگا تاہم میرا فرض ہے کہ سچائی کے انکشاف کے لئے جو کچھ کر سکتا ہوں کروں۔ میں ان چند
باتوں کو لفافہ میں بند کرتا ہوں جن کو میں نے قلمبند کیا ہے۔ اور اپریل سنہ ۱۹۱۹ء اور بعد ازاں بالخصوص ۱۳ اپریل کے واقعات امرتسر کا صحیح
صحیح حال شائع کرنے میں جہاں میں جنرل ڈائر کی موافقت میں بھی اگر ممکن ہو تو اشارہ کیا جائے تو میں آپ کا بے حد ممنون ہونگا۔ محض دشنام
دہی سے یقین نہیں ہو سکتا جس سے آپ کا ذمہ دار اخبار بھرا رہتا ہے۔

آپ کا وفادار
جے۔ آر۔ پیننگٹن۔ آئی۔ سی۔ ایس (ریٹائرڈ)
۱۲ سال تک جنوبی ہند میں قبل اصلاح چیف ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ

۲۵، [illegible]
[illegible] ۲۰ اگست ۱۹۲۱ء

کے ساتھ جلیاں والہ باغ کے قتل عام کے جا پہنچنے کی کوشش کی ہے اور وہ جسدن چاہیں ان دلائل کو دیکھ سکتے ہیں جو میں نے اور میرے ساتھی کمشنران نے قتل عام کے متعلق اپنی تحقیقات کی تائید میں بیان کئے ہیں۔ ینگ انڈیا کے معمولی سے معمولی ناظرین بھی تمام واقعات سے آگاہ تھے اور اس لئے یہ بالکل غیر ضروری تھا کہ میں اپنے بیانات کی تائید میں مزید دلائل پیش کروں لیکن بدقسمتی سے مسٹر پننگٹن خاص انگریزوں کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔ وہ غیر منصف نہیں ہونا چاہتے تاہم وہ دنیا دی واقعات کو سمجھنے میں شاذ و نادر ہی انصاف سے کام لیتے ہیں کیونکہ انکو اتنا وقت نہیں کہ ان واقعات کا غور سے مطالعہ کر سکیں۔ بجز اس کے کہ جلد بازی سے کام لیں یا واقعات کو ایک ایسے پریس کے ذریعہ سے معلوم کریں جو ایک مخصوص پارٹی کے خیالات کو رواج دیتا ہے۔ ایک اوسط درجہ کا انگریز اگرچہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مختلف معاملات کے متعلق بہت باخبر ہے لیکن کلیسائی علاقہ کے معاملات کے سوا اور دیگر واقعات سے وہ سب سے کم آگاہ ہوتا ہے۔

مسٹر پننگٹن کی لاعلمی بھی دوسروں کی مانند ہے تاہم وہ خاص ہمارے معاملات پر جو خاص ہمارے ہاتھوں میں ہیں قابو حاصل کرنے کی بہترین وجوہ رکھتے ہیں۔ قابلیت اس طرح پیدا نہیں ہوتی کہ ان لوگوں کی تربیت کا انتظار کیا جاوے جنکا قدرتی مفاد مدت اتالیقی کو حتیٰ الوسع طول طویل کرنے میں مضمر ہے بلکہ یہ تو مشق سے حاصل ہوتی ہے

اب میں مسٹر پننگٹن کے خط کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ ان کی شکایت ہے کہ کسی شخص پر باقاعدہ مقدمہ نہیں چلایا گیا بیشک کسی افسر کی باقاعدگی سماعت نہیں ہوئی لیکن یہ ہمارا قصور نہیں ہے۔ ہندوستان نے لگاتار بڑے اصرار کے ساتھ ان افسران کی سماعت کا مطالبہ کیا ہے جو جرائم پنجاب سے تعلق رکھتے تھے۔

مسٹر پننگٹن اس کے بعد میری ملامت آمیز طرز تحریر پر اعتراض کرتے ہیں اگر حق و صداقت کا اظہار تشدد کے مترادف ہے تو میں اقبال کرتا ہوں کہ تشدد آمیز طرز تحریر کا مجرم ہوں لیکن اگر میں جنرل ڈائر کی حرکات کے متعلق اس نوعیت کی تحریر استعمال کرنے سے باز رہتا تو میں حق و صداقت پر ظلم کرتا۔ جنرل مذکور کی زبان سے یا مخالف شہادتوں سے حسب ذیل واقعات ثابت ہوتے ہیں:۔

(۱) یہ کہ مجمع بالکل غیر مسلح تھا (۲) یہ کہ مجمع میں بچے بھی شامل تھے (۳) یہ کہ ۱۳ تاریخ کو بیساکھی میلہ کا دن تھا (۴) یہ کہ ہزارہا آدمی میلہ میں آ چکے تھے (۵) یہ کہ وہاں کسی قسم کی بغاوت نہ تھی (۶) یہ کہ قتل عام اور میلہ کے درمیانی دنوں میں امرتسر میں امن و سکون تھا (۷) یہ کہ جلسہ کا اعلان اسی دن ہوا تھا جس دن کہ جنرل ڈائر کا اعلان شایع ہوا تھا (۸) جنرل ڈائر کے اعلان نے جلسوں کے انعقاد کو ممنوع قرار نہیں دیا تھا بلکہ گلیوں میں چار آدمیوں کے اکٹھا ہونے اور جلوس نکالنے کو ناجائز قرار دیا تھا۔ پبلک مقامات اور پرائیویٹ جگہوں کے متعلق یہ حکم نہ تھا (۹) یہ کہ جنرل ڈائر اندرون شہر یا بیرون شہر کہیں بھی خطرہ میں نہیں پڑے (۱۰) یہ کہ جنرل ڈائر نے خود اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ مجمع میں اکثر لوگ ان کے اعلان سے بے خبر تھے (۱۱) یہ کہ جنرل مذکور نے بغیر آگاہ کئے مجمع پر گولی چلائی اور اپنے اس فعل کو اس وقت بھی جاری رکھا جبکہ مجمع منتشر ہو رہا تھا۔ ڈائر نے بھاگنے والے لوگوں کی پشت پر گولیاں چلائیں (۱۲) یہ کہ تمام لوگ اونچی چہار دیواری

میں محصور رکھے۔

ان مسلمہ واقعات کی موجودگی میں اس حادثہ کو "قتل عام" سے تعبیر کرتا ہوں۔ یہ فعل "قوت فیصلہ کی غلطی نہیں کہی جا سکتی" بلکہ اس کو "موہوم خطرہ کی موجودگی میں قوت فیصلہ کے انحطاط سے تعبیر کرنا چاہیئے"۔

مجھے یہ کہنے پر افسوس ہوتا ہے کہ مسٹر پننگٹن کے نوٹ میں بھی اسی لاعلمی سے کام لیا گیا ہے جو ان کے مکتوب میں موجود ہے۔ "کیننگ[1] کے زمانہ میں جو کچھ کاغذ پر لکھا[2] تھا اس کو تحقیقی معنوں میں عملی جامہ نہیں پہنایا گیا" "کان نے جن وعدوں کو سنا امید نے ان کو شکستہ پایا" یہ ایک وائسرائے کا مقولہ ہے۔ کیننگ کے زمانہ کے مقابلہ میں اب فوجی اخراجات کہیں سے کہیں پہنچ گئے ہیں۔

جنرل ڈائر کی موافقت میں کسی قسم کا اظہار صرف خیالی داستان میں کیا جا سکتا ہے۔

اس فوج کا کہیں نام و نشان تک بھی نہیں ملا جس کو مسٹر پننگٹن نے "ڈنڈا فوج" کے نام سے موسوم کر کے عزت افزائی فرمائی ہے۔ امرتسر میں کوئی باغیانہ فوج موجود نہ تھی جس مجمع نے قتل اور آتش زنی کا ارتکاب کیا اس میں کسی خاص ایک فرقہ کے آدمی نہ تھے۔ اشتہار لاہور میں چسپاں کیا گیا تھا نہ کہ امرتسر میں۔ مسٹر پننگٹن کو اس عرصہ میں معلوم ہونا چاہیئے تھا کہ جو جلسہ ۱۳ تاریخ کو منعقد ہوا تھا وہ اور باتوں کے علاوہ اس غرض سے بھی منعقد کیا گیا تھا کہ عوام کی زیادتیوں پر ملامت کرے۔ یہ بات امرتسر میں بوقت سماعت مقدمہ پیش کی گئی تھی۔ جنرل ڈائر کے اردگرد جو لوگ موجود تھے وہ اس کو اس فعل سے باز نہ رکھ سکے۔ جنرل ڈائر خود کہتا ہے کہ گولی چلانے کا ارادہ ایکا یک اس کے دل میں پیدا ہوا تھا۔ نامہ نگار (یعنی پننگٹن) کہتے ہیں کہ اگر ایسا ہوتا تو خود رسالہ والے قتل عام میں شریک ہونے پر اعتراض کرتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ نامہ نگار مذکور ہندوستان میں نہیں رہے۔ کاش کہ ایسا ہی ہوتا کہ ہندوستانی سپاہ میں اتنی اخلاقی جرأت ہوتی کہ وہ ایسے بیگناہ غیر مسلح لوگوں پر گولی چلانے سے انکار کر دیتے جو اسوقت بے تحاشا بھاگ رہے تھے لیکن ہندوستانی سپاہ کی نشوونما ایک ایسی غلامانہ فضا میں ہوئی ہے کہ وہ کسی صحیح فعل پر عامل ہونے کی جرأت نہیں کر سکتی۔

میں امید کرتا ہوں کہ مسٹر پننگٹن محض یہ دیکھ کر کہ میں نے کتابوں سے حوالہ نہیں دیا ہے میری تحریرات اور بیانات پر عدم ثبوت کا الزام نہیں لگائیں گے (کتابوں میں پوری شہادتیں موجود ہیں) میں ان کو محض اسقدر یقین دلا سکتا ہوں کہ میری تحریرات بین دلائل پر مبنی ہیں جن میں سے اکثر سرکاری ذرائع سے حاصل کی گئی ہیں۔ مسٹر پننگٹن یہ خواہش کرتے ہیں کہ میں ۱۰ اپریل کے صحیح واقعات کو شائع کروں۔ ۱۰ اپریل کے واقعات مختلف رپورٹوں سے معلوم ہو سکتے ہیں اور اگر مسٹر پننگٹن استقلال کے ساتھ ان رپورٹوں کا مطالعہ کریں گے تو ان کو معلوم ہوگا کہ سر مائیکل اوڈائر اور ان کے افسران نے عوام الناس کو مجنونانہ غصہ پر مجبور کیا۔ اس غصہ پر جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں مجھ سے زیادہ کسی اور شخص نے ملامت نہیں کی۔ ۱۰ اپریل کے بعد کے واقعات ایک لفظ میں بیان کیے جا سکتے ہیں یعنی اس مجمع میں امن و سکون جو بلا امتیاز گرفتاریوں سے

---

[1] دوران غدر ۱۸۵۷ء و بعد ازاں جبکہ ملکہ وکٹوریہ کا اعلان شائع ہوا کیننگ ہندوستان کا گورنر جنرل تھا۔ [2] یہاں کاغذ سے مطلب ملکہ وکٹوریہ کا وہ اعلان ہے جو نومبر ۱۸۵۸ء کو شائع ہوا تھا اور جو "میگنا چارٹا" کے نام سے موسوم ہے۔

مشتعل کیا گیا تھا۔ اور حکام کی جانب سے قتل عام اور دیگر مسلسل جرائم کا ارتکاب ہوا۔

میں مسٹر پننگٹن کو حق و صداقت کا جویندہ سمجھنے کے لیئے تیار ہوں لیکن انہوں نے حق و صداقت کی تلاش غلط راستہ سے کی ہے۔ میں انہیں مشورہ دیتا ہوں کہ وہ اسی شہادت کو پڑھیں جو ہنٹر کمیٹی اور کانگریس کمیٹی کے سامنے پیش ہوئی ہے۔ انکو رپورٹیں پڑھنے کی ضرورت نہیں بلکہ وہ شہادت ہی ان کو یقین دلا دے گی کہ میں نے جنرل ڈائر کے خلاف معاملہ کو اس زور کے ساتھ بیان نہیں کیا ہے جتنا کہ مجھ کو کرنا چاہیئے تھا جب میں مسٹر پننگٹن کے اس بیان کو پڑھتا ہوں جو انہوں نے اپنے متعلق لکھا ہے (یعنی "قبل اصلاح ۱۲ سال تک ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ وغیرہ") تو مجھ کو انکے حق و صداقت معلوم کرنے سے مایوسی ہوتی ہے۔ ایک غضبناک اور متعصب آدمی اس قابل نہیں رہتا کہ حق و صداقت کو معلوم کر سکے اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ مسٹر پننگٹن متعصب بھی ہیں اور غضبناک بھی۔ انکا اس فقرہ سے کیا مطلب ہے کہ "اصلاح سے قبل قتل اور دیگر وجوہ سے اسقدر فیشن ایبل ہو گیا" ایسے وقت میں قتل کا ذکر کرنا جبکہ قتل کی درسگاہ کالعدم ہو گئی ہو مسٹر پننگٹن کے شایان شان نہیں۔ انگریز اس وقت تک حق و صداقت کو معلوم نہیں کر سکتے جب تک کہ ان کی آنکھیں بیجا نخوت اور برتری کے خیال سے اندھی رہیں گی۔

انگریزوں کو انہیں شرائط پر ہندوستان میں رہنے کیلئے تیار ہو جانا چاہیئے جن شرائط پر پارسی ہندوستان میں رہتے ہیں

(ہندوستان کا ناسور) از قلم مہاتما گاندھی۔ ینگ انڈیا ۱۳ جولائی سنہ ۱۹۲۱ء

ہز ایکسیلنسی وائسرائے نے جو جواب ممالک متحدہ کی لبرل لیگ کے وفد کو دیا ہے وہ اس جواب کے مقابلہ میں زیادہ محتاط ہے جو انہوں نے احمدیہ وفد کو دیا تھا۔ تاہم ہز ایکسیلنسی کو یہ امر یاد دلانا ضروری ہے کہ اس جواب میں وہ ہندوستانیوں سے ایسی چیز کا مطالبہ کرتے ہیں جو ناممکن ہے۔ لبرل۔ قوم پرست۔ موالاتی اور غیر موالاتی۔ ہندو مسلمان۔ سکھ۔ جین پارسی۔ عیسائی۔ یہودی۔ غرضیکہ ہر وہ شخص جو اپنے تئیں مسلمان کہتا ہے اپنے اپنے طریق پر مظالم پنجاب۔ خلافت کی تلافی پر زور دیتا ہے۔ ہز ایکسیلنسی ہنوز مسئلہ خلافت پر زور دے رہے ہیں۔ یہ امر اس حد تک امید افزا ہے کہ وہ مسلمانان ہند اور ان کے ہندو و دیگر برادران وطن سے مظالم خلافت کو فراموش کرنے کے لیئے نہیں کہتے لیکن وہ صاف طور پر یہ کہتے ہیں کہ مظالم پنجاب کو فراموش کر دیا جائے۔ یہ کام انتہائی ناممکن ہے جتنا کہ ایک طبیب کیلئے یہ ناممکن ہے کہ وہ مریض کے دل سے بجز ادویات نشہ آور کے استعمال کے ذریعہ مرض کے دکھ اور کرب کو فراموش

کرا دے مظالم پنجاب ایک بہنے والا ناسور ہے۔ اور جس طرح ایک بڑھنے والا ناسور کا اندمال اسوقت تک نہیں ہو سکتا
جب تک کہ زہر کا تمام اثر زائل نہ کر دیا جاوے۔ اسی طرح مظالم پنجاب بھی اسوقت تک نہیں بھولے جا سکتے ہیں اور
نہ معاف کیے جا سکتے ہیں جب تک کہ اس زہر کا دفعیہ نہ ہو گا جو پنشنوں کی صورت میں موجود ہے۔ اور جب تک کہ عوقتا
اور غیر وفا شعار ملازمین کو ان کی ملازمتوں سے برطرف نہ کیا جاوے گا کیا لارڈ ریڈنگ خیال کرتے ہیں مسٹر مانٹیگو
ایک اعلیٰ عہدہ پر مامور کر کے ہندوستان راضی کیا جا سکتا ہے۔ وہ ہم سے کہتے ہیں کہ ہم ان کو اور ان کی گورنمنٹ کو
ایمانداری اور نیک نیتی کی عزت بخشیں۔ یہ عزت دی جا سکتی ہے لیکن اس توقیر کو تسلیم کرتے ہی فوراً یہ یقین رونما ہوتا ہے
کہ نہایت اہم مسائل میں گورنمنٹ کی نقطۂ نگاہ اور عوام کی نقطۂ نگاہ میں اصولی اختلافات ہیں اور جب تک لارڈ ریڈنگ
اور انکی گورنمنٹ ہندوستان سے یہ مطالبہ کرتی رہے گی کہ وہ ان کی پنشن دینے اور ملازمت پر برقرار رکھنے کے لیے راضی
ہو جاوے جنہوں نے ہندوستانی نقطۂ نگاہ سے خود کو اس امانت کے نااہل ثابت کیا جو ان کو تفویض کی گئی تھی
اسوقت تک گورنمنٹ اور رعایا میں اتفاق نہیں ہو سکتا۔ اگر ہم میں اس ذمہ داری کی ذرا سی بھی شبیہ موجود ہے جو ہم کو
دی گئی ہے تو ہمیں حق حاصل ہے کہ ان لوگوں کو ملازمتوں سے برطرف کر دیں جنہوں نے ہمارے اوپر ظلم ڈھائے ہیں۔ میرے
نزدیک کم از کم ذمہ داری کا یہ ایک سادہ و زبردست آزمایش ہے یعنی پنجاب اور خلافت دونوں مظالم کی تلافی کی جاوے
مظالم خلافت کی داستان ایک سیاسی امر ہے پنجاب کی سفاکیاں خون کے حرفوں میں لکھی ہوئی ہیں۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ
امرتسر میں قصور میں جلیانوالا اور گوجرانوالہ میں ہم سے مظالم سرزد ہوئے لیکن ہم سے اسکا معاوضہ بہت زبردست وصول
کر لیا گیا ہے۔ ہم کافی ذلیل کیے جا چکے ہیں اور ہمیں خوب ٹھوکریں لگائی گئی ہیں۔ مجرم اور بیگناہ بلا امتیاز سولی پر لٹکائے
جا چکے ہیں۔ ہم نے سینکڑوں جلسہ گاہوں سے اپنی لغزشوں کا بلا پس و پیش اقبال کیا ہے۔ ہم ظالم افسران کی ذلت کے
خواہاں نہیں۔ ہمارا مطالبہ صرف اسقدر ہے کہ ان کو ہمارے اوپر بطور آقاؤں کے مسلط نہ کیا جاوے۔ ہزاروں نہیں تو
سینکڑوں انگریز مرد اور انگریز عورتیں سر مائکل اوڈوائر اور جنرل ڈائر کو سلطنت انگلشیہ اور انگریز قوم کا نجات دہندہ
خیال کرتی ہیں۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ اگر میں ایک ایسا انگریز ہوتا جو ہندوستان پر بہر صورت قبضہ جمائے رکھنے پر تیار ہوتا
تو شاید میں بھی ایسا ہی خیال کرتا لیکن میری رائے میں جب تک موجودہ طرز عمل برقرار رہے گا اسوقت تک گورنمنٹ اور
رعایا کے مابین تعاون کا ہونا ناممکن ہے۔ عدم تعاون ہی انگریزوں کی آنکھوں کو اس حقیقت سے آشنا کر سکتا ہے کہ حکومت
ہند میں وہ ہندوستانیوں کا تعاون اسی وقت حاصل کر سکتے ہیں جب وہ ہندوستانیوں سے اپنے طرز عمل کو تسلیم کرا لیں
وہ سنگینوں کے بل بوتے پر ہندوستان میں رہ نہیں سکتے بلکہ صرف ہماری خوش اعتمادی حاصل کر کے رہ سکتے ہیں ہمارے
اور ان کے درمیان رشتۂ اتحاد پیدا کرنے والی قوت صرف خوش اعتمادی ہونی چاہیے۔ ان کو چاہیے کہ زبانی مساوات
کہکر اور در پردہ اپنے تفوق کا اظہار کر سکتے ہیں [illegible] میں امید کرتا ہوں کہ لارڈ ریڈنگ جو بنیادی معاملات
میں کافی ہوشیار ہیں جلد از جلد اس حقیقت کو تسلیم کر لیں گے کہ دو متضاد طریقوں کو باہم ملانا ناممکن ہے۔ اگر اس کے سوا دوسرا
کوئی اور راستہ ہوتا تو تارکین موالات بہت پہلے سے اس پر عامل نظر آتے۔ یہاں یہ سوال نہیں ہے کہ عوام میں حکومت کی طرف سے

نفرت یا بد دلی موجود ہے۔ میں لارڈ ریڈنگ کو مدعو کرتا ہوں کہ وہ حقیتاً گہرا چاہیں ہمارے جسموں میں نشتر داخل کر دیں اور گو کہ ہم کمزور ہیں لیکن انھیں معلوم ہوگا کہ ہم اب زیادہ عرصہ تک سفید لوگوں کے تفوق اور برتری کو برداشت نہیں کر سکتے زبانی لپا پوتی سے کوئی فائدہ نہیں۔ ہم اتنے بت پرست ہیں کہ مساوات کا چشم دید ثبوت طلب کرتے ہیں۔ کیا لارڈ ریڈنگ یہ نہیں دیکھتے ہیں کہ گورے سپاہیوں کی موجودگی انگریزوں کے تحفظ کی ضرورت پر مبنی ہے نہ کہ ہندوستانی سرحد کی حفاظت کے لیے؟ لیکن انگریزوں کو انہیں شرائط پر ہندوستان میں رہنے کے لیے تیار ہو جانا چاہیئے جن پر پارسی رہتے ہیں۔ چند پارسی ہزار ہا سال سے معزز دوستوں اور حصہ داروں کی حیثیت سے ہندوستان میں رہتے ہیں۔ انھیں کسی خاص حفاظت کی ضرورت نہ ہوئی اور اس زمانہ میں جبکہ غصہ سے بھرے ہوتے ہندو یا مسلمانوں سے کوئی خطرہ ہو انہیں کسی قلعہ میں پناہ گزین نہ ہونا پڑا۔ واقعہ یہ ہے کہ انگریز اس امر کے لیئے تیار نہیں ہیں کہ کروڑ ہا ہندو مسلمانوں کی مرضی کے مطابق ہندوستان میں رہیں اور ہندو مسلمان انگریزوں کو ایسی مفید پوزیشن حاصل کرنے کی اجازت دینے کے لیئے تیار نہیں جو تخریبی آلات کے ذریعہ سے وہ اپنے قابو میں کرنا چاہتے ہیں لیکن ہندو مسلمانوں کے پاس اب اس کے سوا کوئی اور چارہ کار نہیں رہا کہ وہ انگریزوں کے ان تخریبی آلات سے خوف کرنا چھوڑ دیں۔ یہ تمام باتیں بظاہر مغرورانہ اور خیالی معلوم ہوتی ہیں لیکن میں امید کرتا ہوں کہ لارڈ ریڈنگ جلد معلوم کر لیں گے کہ میں نے ہندوستان کی دلی جذبات کا اظہار کیا ہے اور جتنا جلد اس حقیقت کا احساس کیا جاوے گا اسی قدر جلد انگریزوں اور ہندوستانیوں کے درمیان حقیقی اور دلی تعاون ہو جاویگا۔ میں اس قسم کے تعاون کی آرزو کر رہا ہوں اور میری یہی آرزو موجودہ طرز حکومت کے ساتھ تعاون کرنے کے متعلق جملہ معذرتوں کو تسلیم کرنے سے باز رکھتی ہے۔ عدم تعاون کی بنیاد لاعلمی یا بد دلی پر نہیں ہے بلکہ صرف یہی ایک موثر طریقہ ہے جس کے ذریعہ تعاون کی طرف پیش قدمی کی جا سکتی ہے اور اس لیئے عدم تعاون کا سنگ بنیاد علم اور محبت پر ہے۔

حصّہ سوم

سلطنت ترکی کی تقسیم

یہ ظلم سارے ہیں چند روزہ ہے ایک دن انتقام کا بھی
امیر حمّام گرم کرلیں غریب کا جھونپڑا جلا کر
(امیر)

۶؍اپریل۔ اور ۱۳؍اپریل کی طرح ہم ۳۱؍اگست کو بھی نہیں بھول سکتے جس نے ملک کی بیداری میں نمایاں حصّہ لیا یہ وہی حیرت انگیز دن ہے جس دن ہندو مسلم اتحاد کی ابتدا ہوئی اور دونوں قوموں نے باہم ملکر یوم خلافت منایا۔ یہ وہی ماتم کا روز ہے جس روز ہمارے مسلمان بھائیوں کے خلاف "خلافت" کا فیصلہ ہوا اور سلطنت اسلامیہ عیسائی طاقتوں کے درمیان تقسیم کر دی گئی۔ یہ غم انگیز واقعہ یوں ہے کہ جب انگلستان اور ترکی کے درمیان جنگ چھڑی تو ہندوستان کے مسلمان عجیب کشمکش میں تھے ان کے سامنے یہ سوال تھا کہ آیا وہ سلطان ترکی کی امداد کریں جو ان کے مذہب کا نائب اور محافظ تھا یا سلطنت برطانیہ کی جس کے ماتحت ان کو زندگی بسر کرتے سو برس سے زیادہ عرصہ گزر چکا تھا۔ اس امید اور بھروسہ میں کہ ان کے مذہبی مقامات مسلم اقتدار کے ماتحت محفوظ رہیں گے۔

نیز یہ کہ وہ اپنے ترکی ہم مذہبوں کے لیئے ایسی شرائط صلح حاصل کرسکیں گے جو ان کے موافق ہوں۔ لہٰذا مسلمانان ہند نے فیصلہ کیا کہ وہ برطانیہ کے شریک ہو جاویں۔ ان کے اعتماد کی بنیاد وائسرائے اور انگلستان کے وزیر اعظم مسٹر لائڈ جارج کے اعلان پر مبنی تھی جس میں وائسرائے نے وعدہ کیا تھا کہ مقامات مقدسہ عراق عرب اور جدّہ "دست برد سے محفوظ رہے گا اور وزیراعظم نے یقین دلایا تھا کہ ہم اس لیئے جنگ نہیں کر رہے ہیں کہ ترکی کو اس کے دارالسلطنت یا ایشیاء کوچک کے مشہور اور زرخیز سرزمین یا تھریس سے محروم کردیں"۔

جب جنگ ختم ہوئی اور ترکی کے لیئے مجوزہ شرائط صلح کی سخت نوعیت کی افواہ بیرونی دنیا میں پھیلی تو قدرتاً ہندوستانی مسلمان خوف زدہ ہو گئے حکّام کے سامنے عرضداشتیں بھیجی گئیں جن میں اس وعدہ کے ایفا پر اصرار کیا گیا جو وزیراعظم نے صاف طور پر کیا تھا۔ پہلی خلافت کانفرنس ۲۳؍نومبر ۱۹۱۹ء کو دہلی میں منعقد ہوئی جس میں مہاتما گاندھی اور دوسرے ہندو بھائیوں کا مسئلہ خلافت میں گہری دلچسپی لینے پر شکریہ ادا کیا گیا۔ مسلمانان ہند کو تاکید کی گئی کہ وہ جشن صلح میں حصّہ لینے سے باز رہیں اور اس حالت میں کہ مسئلہ ترکی کا خاطر خواہ فیصلہ نہ ہو گورنمنٹ برطانیہ سے بتدریج عدم

تعاون کریں اور برطانوی مال کا بائیکاٹ کر دیں۔ اسی کانفرنس نے یہ فیصلہ کیا کہ مسئلہ خلافت اور ترکی فیصلہ کے متعلق مسلمانانِ ہند کے صحیح جذبات سے وزراتے برطانیہ اور دوسرے لوگوں کو آگاہ کرنے کی غرض سے ایک وفد انگلستان بھیجا جائے دوسری خلافت کانفرنس کانگرس کے ہفتہ کے دوران میں امرتسر منعقد ہوئی اس میں تجویز ہوا کہ ایک وفد وائسرائے کی خدمت میں اور دوسرا وفد انگلستان بھیجا جائے تاکہ مسلمانوں کے مطالبہ کو بار بار دہرایا جائے۔ اور مرکزی خلافت کمیٹی کو ہدایت کی گئی کہ وہ روپیہ فراہم کرے ایک عرضداشت دسمبر ۱۹۱۹ء میں وزیر اعظم کے سامنے پیش کی گئی جس پر سر آغا خان سید امیر علی اور دوسرے یورپین اور ہندوستانی اصحاب کے دستخط تھے۔ دسمبر ۱۹۱۹ء میں جب شوکت علی اور محمد علی نظر بندی سے رہا ہوئے تو مسئلہ خلافت اور زیادہ سامنے آگیا۔

۱۹ جنوری ۱۹۲۰ء کو ایک وفد زیر سرکردگی ڈاکٹر انصاری وائسرائے کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وائسرائے نے وفد کو جو جواب دیا وہ ایک حد تک مایوس کن تھا مسلمان رہنماؤں نے ایک بیان شائع کیا جس میں اپنے پختہ یقین کا اظہار کیا کہ اگر شرائط صلح مسلمانوں کے جذبات اور مذہب کے خلاف طے ہوئیں تو اس کا اثر مسلمانوں کی وفاداری پر بہت برا پڑے گا اور اس امر کا مطالبہ کیا کہ وہ جزیرۃ العرب اور مقامات مقدسہ خلیفہ کے زیر اقتدار بحال رکھے جاویں اور مسٹر لائیڈ جارج کے وعدہ کو پورا کیا جاوے۔

فروری ۱۹۲۰ء میں تیسری خلافت کانفرنس بمقام بمبئی منعقد ہوئی اس میں انگلستان جانے والے وفد پر اعتماد کا اظہار کیا گیا اور ایک نہایت اہم اعلان شائع کیا جس میں مسلم مطالبات قلمبند کئے گئے اور اعلان کیا کہ مسلمانوں کے مطالبہ میں کسی قسم کی تخفیف نہ صرف مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو صدمہ پہنچائے گی بلکہ ذمہ داران برطانیہ کے وعدوں اور اعلانات کو بھی توڑنے والی ہوگی جنہوں نے اپنے وقت میں وعدے کئے تھے جبکہ وہ مسلمان سپاہیوں اور دوسرے مسلمانوں کو بھرتی کرنے کے خواہشمند تھے۔

مسٹر محمد علی کی سرکردگی میں جو وفد انگلستان گیا تھا اس کا استقبال وزیر ہند کی جانب سے مسٹر فشر نے کیا نیز وفد مذکور وزیر اعظم کی خدمت میں باریابی کا طالب ہوا اس کے بعد اس نے پریولیم کونسل کے سامنے بھی اپنے اظہار خیالات کے لیے اجازت چاہی لیکن یہ درخواست نامنظور کر دی گئی۔

ابھی وفد یورپ ہی میں تھا کہ ترکی کی شرائط صلح ۱۴ مئی کو شائع کر دی گئیں۔ ہندوستان میں ان شرائط کے ساتھ وائسرائے کا ایک اعلان مسلمانان ہند کے نام بھی شائع ہوا جس میں شرائط صلح کی تشریح کی گئی تھی اس اعلان میں تسلیم کیا گیا تھا کہ شرائط صلح اس نوعیت کی ہیں جس سے یقیناً مسلمانان ہند کو صدمہ پہنچیگا لیکن ان کو اپنے ترکی ہم مذہبوں کے مصائب کو صبر استقلال سے برداشت کرنا چاہیئے۔ مجوزہ شرائط صلح کی اشاعت نے گہری نفرت پیدا کر دی اور اس کے ساتھ ساتھ ہنٹر کمیٹی کی رپورٹ شائع ہوئی جس سے تمام ملک میں شعلے بھڑک اٹھے اٹھارہ ہزار سے زیادہ مسلمان افغانستان کو ہجرت کر گئے۔

مہاتما گاندھی کی عدم تعاون کی تجویز پر غور و خوض کرنے کے لیے بمبئی میں خلافت کمیٹی منعقد ہوئی اور یہ سمجھتے ہوئے کہ مسلمانوں

کے لیئے صرف یہی ایک ذریعہ باقی رہگیا تھا بتاریخ ۲۸ مئی سنہ ۱۹۲۰ء کو عدم تعاون اختیار کر لیا گیا۔ ۳۰ مئی کو ہنٹر رپورٹ اور شرائط صلح پر مشورہ کرنے کے لیئے آل انڈیا کانگرس کمیٹی بمقام بنارس منعقد ہوئی اور ایک طویل مباحثہ کے بعد فیصلہ ہوا کہ عدم تعاون کے مسئلہ پر غور کرنے کے لیئے کانگرس کا خاص اجلاس طلب کیا جائے۔

۳۰ جون کو ہندو مسلمانوں کی مشترکہ کانفرنس مسئلہ خلافت کے متعلق الہ آباد میں ہوئی اور متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ وائسرائے کو ایک ماہ کا نوٹس دینے کے بعد عدم تعاون اختیار کر لیا جاوے۔ تمام پارٹیوں کے متعدد جلسے ملک کے مختلف حصوں میں منعقد ہوئے جن میں سختی کے ساتھ ہنٹر رپورٹ کی مذمت کی گئی اور مسائل خلافت و پنجاب کے لیئے انصاف کا مطالبہ کیا گیا۔ ۲۲ جون کو ایک مراسلہ جس پر متعدد مسلمان رہنماؤں کے دستخط تھے وائسرائے کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا کہ وائسرائے ترکی شرائط صلح پر نظر ثانی کرائیں اور اس حالت میں کہ برطانی کابینہ وزارت مسلم خواہشات سے متفق نہ ہو۔ وائسرائے مسلمانان ہند کے ساتھ اشتراک عمل کریں۔ اس مراسلہ میں وائسرائے کو یہ بھی تنبیہ کی گئی کہ اگر وہ اس تجویز کو اختیار کرنے میں قاصر رہے تو ہم یکم اپریل سے گورنمنٹ سے اپنا تعاون ہٹانے پر مجبور ہو جائیں گے اور دوسرے مسلمان اور ہندوؤں کو بھی ایسا ہی کرنے کیلئے کہیں گے۔

مہاتما گاندھی نے بھی وائسرائے کو ایک خط لکھا جس میں مسئلہ خلافت سے اپنا تعلق ظاہر کیا۔

۳۱ اگست کو یوم خلافت منایا گیا اور ایک عام ہڑتال کا اعلان کیا گیا اور عدم تعاون کے ریزولیوشن کو عملی جامہ پہنانے کا آغاز ہوا مہاتما گاندہی نے اس ریزولیوشن کے بموجب اپنے تمغہ جات واپس کرتے ہوئے وائسرائے کو دوسرا خط لکھا۔ الغرض جسقدر زیادہ گورنمنٹ نے مسلم جذبات کی طرف سے بے اعتنائی کا اظہار کیا اور جسقدر زیادہ انگلستان کیا دارالامراء اور ہندوستان میں انگلو انڈین نے جنرل ڈائر کی جسقدر حمایت کی اُسی قدر جذبات دن بدن زیادہ خراب ہوتے گئے۔ ہندوستان کے انگریز تو اس حد تک بڑھ گئے کہ ڈائر کے فعل کی تعریف میں ایک فنڈ کھولا اور ایک بڑی رقم ان کی خدمت میں پیش کرنے کے لیئے فراہم کی۔ یورپین انجمنوں اور انگلو انڈین اخبارات نے جنرل ڈائر کی خدمات کی تعریف کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوشش کی۔ اور اس طرح ہندوستانیوں کے زخموں پر نمک پاشی کی گئی۔

وائسرائے کا جواب نہ صرف مایوس کن ہے بلکہ صداقت و انصاف سے بھی گرا ہوا ہے

(مسئلہ خلافت) از قلم مہاتما گاندہی۔ ینگ انڈیا۔ ۲۸ جنوری سنہ ۱۹۲۰ء

تمام مسائل سے زیادہ اہم فی الحال خلافت کا مسئلہ ہے یا دوسرے الفاظ میں وہ شرائط صلح ہیں جو ترکی سے

سامنے پیش کیجا رہی ہیں۔ ہز اکسیلنسی وائسرائے ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ہمارے مشترکہ وفد کو شرف باریابی بخشا اور بالخصوص ایسی حالت میں جبکہ وہ مختلف صوبوں کے اعلیٰ حکام سے ملاقات کرنے کی مصروفیت کے لیئے تیار ہو رہے تھے جس اخلاق کے ساتھ ہز اکسیلنسی نے وفد مذکور کا خیر مقدم کیا اور جواب دینے میں جسقدر خوش کلامی سے کام لیا اسپر ہم کو چاہیئے کہ الکانہ دل سے شکریہ ادا کریں لیکن محض خوش اخلاقی جو ہر وقت اور بالخصوص موجودہ زمانہ میں نہایت بیش قیمت ہوتی ہے ایسے نازک وقت میں کافی نہیں سمجھی جاسکتی۔

"میٹھے الفاظ سے گاجروں میں مٹھاس پیدا نہیں ہوتا" یہ ایک کہاوت ہے جو کسی زمانہ میں بھی اتنی صادق نہیں آتی جتنا کہ اب چسپاں ہوتی ہے اس خوش اخلاقی کے پس پردہ وہ عزم تھا جو ٹرکی کو سزا دینے کے لیئے راسخ کیا گیا ہے ترکی کی سزا دہی ایک بات ہے جس کو مسلم جذبات ایک لمحہ کے لیئے بھی گوارہ نہیں کر سکتے مسلمان سپاہی بھی نتائج جنگ کے اتنے ہی ذمہ دار ہیں جتنے کہ دوسرے لوگ جسوقت ترکی نے سنٹرل طاقتوں کے ساتھ شریک جنگ ہونیکا فیصلہ کیا تو مسٹر اسکویتھ نے محض مسلمان سپاہیوں کے جذبات کو سکون پر رکھنے کے لیئے ارشاد فرمایا تھا کہ برطانوی گورنمنٹ سلطنت ترکی پر کوئی جارحانہ کارروائی نہیں کرنا چاہتی ہے نیز یہ کہ ملک معظم کی گورنمنٹ ترکی وزارت کی غلط کارروایوں پر سلطنت ٹرکی کو کسی قسم کی سزا دینے کا ارادہ نہیں رکھتی ہے واقعات کو اس معیار پر تولتے ہوئے میں سمجھتا ہوں کہ وائسرائے کا جواب نہ صرف مایوس کن ہے بلکہ صداقت اور انصاف سے بھی گرا ہوا ہے۔

سلطنت برطانیہ کیا چیز ہے؟ یہ اتنی ہی ہندو سلطنت اور مسلمان سلطنت ہے جتنی کہ عیسائی کہی جاسکتی ہے۔ اس کی مذہبی غیر جانبداری کوئی نیکی نہیں ہے اور اگر اس کو نیکی ہی کہا جائے تو وہ ایسی نیکی ہے جو ضرورتاً اختیار کی گئی ہے اتنی وسیع سلطنت مذہبی غیر جانبداری کے سوا دوسری شرائط پر قایم نہیں رہ سکتی۔ درحقیقت جیسا کہ مسلمانوں کے جواب میں ظاہر کیا گیا ہے وہ اس مسئلہ کو خاص اپنا مسئلہ بنانے کے لیئے مجبور ہیں۔ وائسرائے نے جو مسلمانوں کے مطالبہ کو کانفرنس میں پیش کیا ہے اس سے کیا فائدہ متصور ہے؟ اگر مسئلہ خلافت میں ناکامی ہوئی تو مسلمان یہ خیال کرنے کے لیئے مجاز ہونگے کہ برطانیہ نے اپنا فرض ادا نہیں کیا وائسرائے کا جواب اس خیال کی تصدیق کرتا ہے۔ ہز اکسیلنسی یہ کہکر کہ ترکی کو سنٹرل طاقتوں کے ساتھ شریک ہونیکا خمیازہ بھگتنا چاہیئے۔ وزراء برطانیہ کی رائے کا اظہار کرتے ہیں اس لیئے ہم مسلمانوں کے جواب میں شریک ہوکر امید کرتے ہیں کہ اگر کوئی غلطی کی گئی ہے تو ملک معظم کے وزراء اسکی تلافی کرینگے اور ایک ایسا فیصلہ حاصل کریں گے جو مسلم جذبات کے لیئے تشفی بخش ثابت ہو۔

مسلم جذبات کا مطالبہ کیا ہے؟ خلافت کا تحفظ ایسی ضمانتوں کے ساتھ جو حکومت ترکی کی غیر مسلم رعایا کے مفاد کی حفاظت کرسکیں اور خلیفہ کا تسلط جزیرۃ العرب اور مقامات مقدسہ پر ایسے انتظام کے ساتھ قایم رکھ سکیں کہ جسمیں اگر عرب لوگ اپنی حکومت خود اختیاری چاہیں تو اس کے لیئے کافی ضمانتیں موجود ہوں اس سے زیادہ عمدہ طریق پر مطالبات کا بیان کرنا قریب قریب ناممکن ہے اس مطالبہ کی تائید انصاف کرتا ہے اور وہ اعلانات کرتے ہیں جو برطانوی وزراء نے وقتاً فوقتاً کیئے ہیں نیز ہندو مسلمانوں کی متفقہ رائے بھی یہی ہے یہ انتہا درجہ کا دیوانہ پن ہوگا اگر ایسے مسلمہ و مصدقہ

مطالبات کو مسترد کر دیا گیا یا ان میں کاٹ تراش کی گئی۔

کیا ہمنے لندن کو بھی ایسا ہی مشترکہ مقام بنایا ہے جیسا کہ ہم قسطنطنیہ کو بنانا چاہتے ہیں

(مسئلہ ترکی) ینگ انڈیا ۱۸ فروری سنہ ۱۹۲۰ء

جیسا کہ چاہیئے تھا مسلمان رہنماؤں نے اپنے معاملہ کی صداقت کو بڑے صبر اور قابلیت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ انصاف تدبر اور جذبات کے جملہ احکام انکی موافقت میں ہیں۔ دوسری پارٹی کے بعض لوگ حکومت خود اختیاری کے مسئلہ کو نظر انداز کرنا چاہتے ہیں اور ترکی تاریخ کی دیرینہ بھول بھلیاں میں داخل ہونا چاہتے ہیں لیکن مسلمانوں نے اس پارٹی کے ان مواخذات کا بھی جواب دیدیا ہے۔ مسٹر امیر علی جنکی تاریخ معلومات سے مخالف پارٹی بھی انکار نہیں کرسکتی۔ لندن ٹائمز کو ایک خط میں لکھتے ہیں "اپنے زمانہ عروج میں سلطنت عثمانیہ نے مغربی یورپ کی بڑی اچھی اچھی خدمات انجام دی ہیں جبوقت فرانس سولھویں اور سترویں صدی عیسوی میں ہیپسبرگ کے غلبہ سے قریب قریب مغلوب ہو گیا تھا تو ترکی نے وقتاً فوقتاً اسکی امداد کی ۱۸۵۷ء میں ترکی نے ہندوستانی غدر کی سرکوبی کے لیئے برطانوی سپاہ کے لیئے مصری راستہ کھول دیا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی اور سلطان ٹیپو کی باہمی آویزش کے دوران میں ترکی نے اس جنگ کو مذہبی جنگ بنانے کی تمام جد و جہد کا گلا گھونٹ دیا تھا کسی قوم کی تاریخ اس سے زیادہ صاف اور روشن نہیں ہوسکتی۔

جھگڑے کرنے والی پارٹی کہتی ہے "ترکوں کے ہاتھوں میں قسطنطنیہ ہمیشہ یورپین قوموں کے لیئے نفاق کا سبب بنا رہا ہے" اس کے جواب میں مسلم لیڈر دریافت کرتا ہے "کیا یہ نفاق کا سبب ہوس گیر یورپین طاقتوں کی وہ رقابت نہیں ہے کہ یہ سیب کس کے قبضہ میں رہے" ؟ مسٹر امیر علی پیشین گوئی کرتے ہیں "جو تصفیہ تجویز کیا گیا ہے وہ اس نفاق کا اختتام نہیں کرسکتا فی الحال اسکا یہ اثر ہوگا کہ خطرہ کی جگہ یورپ سے مشرق میں منتقل ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ جن مقامات پہ بین الاقوامی تسلط کا امتحان کیا گیا ہے کیا اس میں کامیابی ہوئی ہے ؟ میں طنجہ کو بطور مثال کے پیش کرتا ہوں" مسٹر ایڈورڈ جی براؤن بھی اسی حجت کو تقسیم ممالک کی جماعت کے سامنے پیش کرتے ہیں "طنجہ کی مثال کو چھوڑ دو دیکھیا مصر میں انگلو فرانسیسی دو عملی تسلط نے ایسی یکسانیت سے کام کیا ہے کہ آئندہ قسطنطنیہ پر اتحاد ثلاثہ کے تسلط کا تجربہ کیا جاوے" ؟ ان دلائل اور اس قسم کے جملہ دلائل سے بالکل الگ رنگ ڈھنگ کی عجیب و غریب دلیلیں چند سربرآوردہ اشخاص کے دستخطوں سے لندن ٹائمز کے کالموں میں حال ہی میں شائع ہوئی ہیں۔ موخر الذکر نامہ نگار مسئلہ خلافت میں مسلم جذبات کی قدر کرتے ہیں وہ کہتے ہیں "یہ نہایت ضروری ہے کہ ہم کوئی ایسی بات نہ کریں جس سے ہماری سلطنت عامہ اور فرانسیسی قلمرو کی کثیر التعداد رعایا کے مذہبی جذبات کو ٹھیس لگے" لیکن ہمیں ان کے بیان کی جھجین اسوقت محسوس ہوتی ہے

جب ہم ان کے "نادر دلائل" کو پڑھتے ہیں جن کی رو سے وہ قسطنطنیہ پر بین الاقوامی قبضہ کو جائز ثابت کرتے ہیں - وہ یہ بات ظاہر کرکے کہ قسطنطنیہ لیگ اقوام کا صدر مقام ہو جانے کی وجہ سے ایسے خاص کام کو انجام دیگا جیسا کہ ابتک اس قدیم شہر نے یا کسی دوسرے شہر نے انجام دیا ہے مسلمانوں کو راضی کرنے کی امید کرتے ہیں "سلطان کے پایۂ تخت ہونے کی وجہ سے یہ شہر تمام دنیا کے لیئے امن و امان کا گھر ہو جائیگا وہ بڑی شوخی سے یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر قسطنطنیہ کو بین الاقوامی بنا دیا گیا تو آئندہ اس کے مالک کی جملہ مشکلات رفع ہو جائیں گی لیکن اپنی اس تشویش میں کہ ایک ایسی انجمن اقوام کے لیئے جس نے ہنوز جامۂ حیات نہیں پہنا ہے کوئی گھر تلاش کیا جاوے ان لوگوں نے اصول قومیت کو اپنے نا دیدے بالکل محو کر دیا مسلمانوں کو اس اسکیم پر راضی کرنا اور بالخصوص موجودہ جذبات کے اعتبار سے بالکل غیر منصفانہ - نا قابل عمل اور ظریفانہ جوش اعتقادی ہے -

قسطنطنیہ کو بین الاقوام بنانے کی عجیب و غریب اور نادر دلائل میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ ایک انجمن اقوام کے صدر مقام کے لیئے ایک ایسی جگہ ہونی چاہیئے جو کسی خاص قوم کی ماتحت نہو بلکہ سب کی مشترکہ ملکیت ہو اور اس کے ثبوت میں یہ مثال پیش کیجاتی ہے کہ امریکہ نے ایسے ہی مقصد کے لیئے کولمبیا کو ایک مشترکہ مقام منتخب کیا تھا لیکن امریکہ کی جنگ آزادی کے بعد بالٹیکس کی جو حالت ہو گئی تھی اس سے مقابلہ کرنا بالکل ناموزوں ہے لیکن ہم مسٹر امیر علی کی تائید کرتے ہوئے یہ دریافت کرتے ہیں کہ عیسائی طاقتیں یورو شلم کیوں منتخب نہیں کرتیں ؟ ترکی دار الخلافہ کو انجمن اقوام کے حوالہ کرنے کے مطالبہ کی ناموزونیت کو ثابت کرنے کے لیئے ہمیں کسی دوسری جگہ مثال ڈھونڈھنے کی ضرورت نہیں - انجمن اقوام کے بعد ہماری سلطنت دنیا میں سب سے بڑی سلطنت ہے جس پر اقوام کے مجموعہ کا اطلاق ہوتا ہے - کیا ہم نے اس سلطنت کے پایۂ تخت یعنی لندن شہر کو بھی ایسا ہی مشترکہ مقام بنایا ہے جیسا کہ قسطنطنیہ کو بنانا چاہتے ہیں ؟ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو بات چھوٹے "اتحاد" میں ممکن نہیں وہ ہرگز اعلیٰ ترین "اتحاد اقوام" میں بھی ممکن نہونی چاہیئے اور نہ ممکن ہو سکتی ہے - اس قسم کی جد و جہد نہ صرف غیر دانشمندانہ ہی ہو گی بلکہ غیر منصفانہ بھی ہو گی اور بالخصوص ایسی حالت میں جبکہ یہ مقصد کسی قومیت کو فنا کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہو -

ہمارے مسلمان بھائیوں کے جائز مطالبات کی مخالفت ظاہر کرتی ہے کہ انکے سامنے ایک زبردست کام موجود ہے

اگر یہ معلوم ہوتا کہ ترکی کو اسکے مقبوضات سے محروم کر دیا جائیگا تو مسلمان انگریزوں کے ساتھ شریک ہو کر جنگ میں نہ لڑتے

(مہاتما گاندھی نے مندرجہ ذیل مضمون اشاعت کیلئے اخبارات کو روانہ کیا) ینگ انڈیا - ۱۰ مارچ سنہ ۱۹۱۹ء

"اب مسئلہ خلافت تمام مسائل میں سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہو گیا ہے اور اس کی عظمت بطور شاہی مسائل کے ہو گئی"

انگلستان کے بڑے بڑے پادری اور مسلمان رہنماؤں نے اس مسئلہ کو مشترک طور پر دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ پادریوں نے چیلنج دیا اور مسلمان رہنماؤں نے اس کو منظور کر لیا۔

میں امید کرتا ہوں کہ ہندو احساس کریں گے کہ یہ مسئلہ باعتبار اہمیت مسئلہ اصلاحات اور جملہ دیگر مسائل سے بڑھ گیا ہے اگر مسلمانوں کی کتب مقدسہ کو چھوڑ کر مسلمانوں کا دعوےٰ غیر منصفانہ ہے تب بھی کوئی شخص کتب مقدسہ کی بنا پر اس کی تائید کرنے میں پس و پیش نہ کرے گا اور جس وقت کسی معاملہ کی تائید میں کتب مقدسہ کے احکام موجود ہوں تو پھر وہ معاملہ ناقابل مقابلہ ہو جاتا ہے۔

مختصراً مطالبہ خلافت یہ ہے کہ یورپین ٹرکی ترکوں کے قبضہ میں رہے اور اُن سے غیر مسلم رعایا زیر عاطفت سلطنت عثمانیہ کی حفاظت کے متعلق کافی ضمانتیں لے لی جاویں سلطان ترکی کا اقتدار مقامات مقدسہ اسلام قایم رہے اور جزیرۃ العرب بموجب قیودات علماء اسلام اس شرط پر اس کے قبضہ میں رہے کہ اگر عرب حکومت خود اختیاری کو اختیار کرنا چاہیں تو وہ اس کے مجاز ہوں مسٹر لائیڈ جارج نے بھی یہی وعدہ کیا تھا اور لارڈ ہارڈنگ بھی ایسا ہی خیال کرتے تھے اگر یہ معلوم ہوتا کہ ترکی کو اس کے مقبوضات سے محروم کر دیا جائے گا تو مسلمان سپاہی برطانیہ کے ساتھ ہو کر جنگ میں نہ لڑتے۔ اب خلیفہ کو جزیرۃ العرب کی حکومت سے محروم کرنا خلافت کو کالعدم کرنے کے مترادف ہے۔ اس مسئلہ کا عیسوی خیال یہ ہے کہ ترکی کو اس کے مقبوضات قبل از جنگ واپس دیدئے جاویں اور اگر ترکی کو سزا دینے کی غرض سے اس کے علاقہ میں سے کوئی حصہ چھین لیا جاوے تو یہ اس مسئلہ کا ایسا حل ہے کہ جو توپ بارود کے بل بوتے پر سمجھا جائے گا۔ فتح و نصرت کے وقت اتحادیوں کو یا انگلستان کو احتیاط کے ساتھ انصاف سے کام لینا چاہیے ترکی کو بے دست و پا کرنا نہ محض غیر منصفانہ ہی ہوگا بلکہ ان قواعید کے خلاف بھی ہوگا جنکا اظہار مستحکم اعلانات کے ذریعہ سے کیا گیا تھا اب والیسرائے سے یہ خواہش کیجاتی ہے کہ وہ جرأت سے کام لیکر خلافت ایجی ٹیشن کی رہنمائی اسطرح کریں جیسا کہ لارڈ ہارڈنگ نے جنوبی افریقہ کی "جنگ خاموش مقابلہ" میں کی تھی اور اپنے پیش رو کی طرح ایک ایسی ایجی ٹیشن کی صفائی اور تیز زور رہبری کریں جو اگر جلد باز یا ناقص رہنماؤں کے ہاتھ میں چلا گیا تو تباہ کن نتائج کا باعث ہوگا لیکن موجودہ حالت کا دار و مدار والیسرائے کے مقابلہ میں زیادہ تر ہندوؤں اور مسلمانوں پر اور سب سے زیادہ مسلمانوں پر ہے ہمارے مسلمان دوستوں کی جانب سے عدم تحمل کے نشانات ظاہر ہونے شروع ہو گئے ہیں۔ عدم تحمل ایک نہ ایک دن جنون کی حد کو پہنچ جائے گا جسکا لازمی نتیجہ تشدد ہے میری یہ خواہش ہے کہ ہر شخص کو سمجھاؤں کہ تشدد کے معنی خودکشی کے ہیں فرض کرو کہ اتحادی یا یوں کہو کہ انگلستان اسلامی مطالبات کو منظور نہ کرے تو اسوقت میرے واسطے سوائے اس کے اور کوئی چارہ کار نہیں کہ مسٹر مانٹیگو کی اس دلیرانہ پیروکاری میں امید رکھوں جو انہوں نے مسلم معاملات میں ظاہر کی ہے اور مسٹر لائیڈ جارج کے اس مفہوم کا انتظار کروں جو وہ اپنے خود کردہ اعلانات کا لیتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ موخر الذکر (لائیڈ جارج) کسی قدر رشش و پنج کر رہے ہیں لیکن ان کے اعلانات سے انصاف حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ہم کو بدترین خرابی کے لئے تیار رہنا چاہیئے اور بہترین مقاصد کے حصول کی جد و جہد کرنی چاہیئے لیکن سوال یہ ہے کہ جد و جہد کسطرح کیجائے

ہمیں جن باتوں سے پرہیز کرنا چاہیئے وہ بالکل ظاہر ہیں مثلاً (۱) ہمارے خیالات۔ اقوال اور افعال تشدد سے پاک ہوں (۲) بطور انتقام یا سزا برطانوی مال کا بائیکاٹ نہو نا چاہیئے۔ میری رائے میں بائیکاٹ بھی تشدد کی ایک قسم ہے اور بائیکاٹ کو پسندیدہ بھی مان لیا جاوے تب بھی موجودہ صورت حالات کے لحاظ سے وہ ناقابل عمل ہے۔ (۳) اسوقت تک اطمینان چین سے بیٹھا نہ جاوے جب تک کہ کم سے کم مطالبات حاصل نہو جاویں (۴) مسئلہ خلافت میں دیگر مسائل کو مخلوط نہ کیا جاوے مثلاً مسئلہ مصر وغیرہ۔

اب ذیل میں وہ امور درج کیئے جاتے ہیں جن پر ہمیں عمل پیرا ہونا چاہیئے۔

ہمارا سب سے پہلا اور ضروری کام یہ ہونا چاہیئے کہ ۱۹ تاریخ کو تمام کاروبار بند کر دیا جاوے اور محض ایک قرارداد کے ذریعہ سے اپنے کم سے کم مطالبات کا اظہار کر دیا جاوے لیکن ہڑتال برضا و رغبت ہونی چاہیئے اور ملازم پیشہ اشخاص کو ہرگز اسوقت تک کام چھوڑنے کے لیئے نہ کہا جاوے جب تک کہ وہ اپنے مالکوں سے اجازت حاصل نہ کرلیں۔ ہمیں اس امر پر زور دونگا کہ کارخانہ کے مزدوروں کو بالکل نہ چھیڑا جائے۔ اس کے علاوہ ایک ضروری شرط یہ بھی ہے کہ دوران ہڑتال میں کسی قسم کا تشدد ظاہر نہو مجھ سے اکثر کہا گیا ہے کہ خفیہ والے تشدد کو بھڑکاتے ہیں لیکن میں اس پر شوہیت کے ساتھ یقین نہیں رکھتا لیکن اگر یہ صحیح بھی ہے تو بھی ہمارا انتظام ایسا مکمل ہونا چاہیئے جو اس عمل کو ناممکن بنادے ہماری کامیابی اس پر منحصر ہے کہ ہم عوام الناس کو اپنے قابو اور رہنمائی اور صحیح ترتیب میں رکھ سکیں۔

اب میں ایک لفظ اس امر کے متعلق بھی لکھنا چاہتا ہوں کہ اگر ہمارے مطالبات نامنظور ہوگئے تو اس حالت میں ہمکو کیا کرنا چاہیئے اسکا وحشیانہ طریقہ تو یہ ہے کہ خفیہ یا علانیہ معرکہ آرائی کی جائے لیکن محض یہ خیال کرتے ہوئے کہ یہ ناممکن العمل ہے ہم کو چاہیئے کہ اس طریقہ کو خیرباد کہدیں اس کے علاوہ اگر میں ہر شخص کو ترغیب دلانے میں کامیاب ہوجاؤں کہ نبرد آزمائی ہمیشہ بری ہوتی ہے تو ہم بہت جلد اپنے تمام آئینی مقاصد کو حاصل کر سکتے ہیں۔ وہ طاقت جو کوئی فرد یا قوم تشدد کو برطرف کرکے اپنے اندر پیدا کرتی ہے اسکا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا لیکن تشدد کے خلاف میرے دلائل بالفعل فوری ضرورت پر مبنی ہیں یعنی یہ کہ تشدد فی الحال بالکل بے سود ہے۔

لہذا اب ہمارے پاس باقی ماندہ طریقہ کار محض عدم تعاون ہے اگر یہ تشدد سے پاک ہو تو سب سے زیادہ موثر علاج ہے جب تعاون سے کسی کے مذہبی جذبات کو صدمہ پہنچے یا ان کی تذلیل اور تحقیر ہو تو اسوقت عدم تعاون فرض عین ہوجاتا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ انگلستان ایک ایسے معاملہ میں جو مسلمانوں کی موت و زندگی کا سوال ہو غیر منصفانہ طریق پر جائز حقوق کو غصب کرکے ہمارا سر تسلیم خم کرا لے۔ لہذا ہمکو چاہیئے کہ اپنا کام اتنا ہی اعلیٰ طبقہ میں پھیلا دیں جتنا کہ ادنےٰ میں پھیلانا چاہتے ہیں وہ لوگ جو باعزت اور نمائندہ رسائل عہدہ و نیز ممتاز ہیں انکو چاہیئے کہ اپنے اپنے منصبوں کو خیرباد کہدیں۔ علیٰ ہذا القیاس چھوٹے درجہ کے ملازمین کو بھی ایسا ہی کرنا چاہیئے۔ عدم تعاون غیر سرکاری ملازمتوں کو منع نہیں کرتا نہیں یہ کہتا ہوں کہ ان لوگوں کا بالکل بائیکاٹ کر دیا جاوے جو عدم تعاون کے علاج کو اختیار نہ کریں یہ تو محض خوشی کا

سودا ہے اور خوشی و رضا و رغبت کے ساتھ جو عدم تعاون کیا جائے گا اس سے ہی عوام کی بددلی اور جذبات کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ابھی قومی سپاہیوں سے ترک ملازمت کے لیئے کہنا قبل از وقت ہے یہ عدم تعاون کا پہلا قدم نہیں ہے بلکہ آخری ہے ہم اس آخری کارروائی کو اس وقت اختیار کریں گے جب وائسرائے وزیر ہند اور وزیر اعظم ہمارا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ علاوہ ازیں عدم تعاون کا ہر قدم بڑے غور و خوص کے بعد اٹھانا چاہیئے اور ہم کو آہستہ آہستہ پیشقدمی کرنی چاہیئے تاکہ اگر خوفناک سے خوفناک اشتعال سے بھی مقابلہ ہو تو ہم اپنے اوپر قابو قائم رکھ سکیں۔

بہت سے لوگ کلکتہ کی قراردادوں کو بڑی خوف کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اس کے پردہ میں تشدد کی تیاری کیجا رہی ہے لیکن اگرچہ مجھے ان قراردادوں میں بعض کے لب و لہجہ سے اختلاف ہے تاہم میں انکو اس روشنی میں نہیں دیکھتا جن قراردادوں کے مضمون سے مجھے اختلاف ہے انکا میں ذکر کر چکا ہوں۔

بعض لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا ایک ہندو ان تمام قراردادوں کو منظور کر سکتا ہے؟ میں صرف اپنے متعلق کہہ سکتا ہوں میں اسوقت تک اپنے مسلمان بھائیوں کے جائز مطالبات کی جدوجہد میں انکا شریک رہونگا جب تک کہ وہ کافی طور پر اپنے اوپر قابو رکھیں گے اور جب تک مجھے یہ یقین رہیگا کہ وہ تشدد کی طرف نہیں جا رہے ہیں اور جسوقت میں یہ دیکھوں گا کہ عمداً کوئی تشدد کیا گیا تو میں خود بھی مسلمانوں کی شرکت سے دست کش ہو جاؤں گا اور ہر ہندو اور ہر فرد کو مشورہ دوں گا کہ وہ بھی مسلمانوں سے تعاون نہ کرے لہذا میں ہر مقرر اور لیکچرار سے بزور کہتا ہوں کہ وہ نازک سے نازک اشتعال کے موقع پر بھی ضبط و تحمل سے کام لے۔ اگر نرم مزاجی اور شرافت کے ساتھ استقلال پیدا ہو جائے تو کامیابی یقینی ہے لیکن اس کے برعکس اگر غصہ یا حقارت و نفرت یا بے پرواہی سے کام لیا گیا اور نتیجہ میں تشدد کا دورہ ہو گیا تو پھر انجام میں بجز ناکامی کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ میں جیتے جی ان پیدا ہونیوالے برے خصائل کا مقابلہ کروں گا خواہ میں تنہا ہی کیوں نہ رہ جاؤں میرا مقصد دنیا سے دوستی و محبت پیدا کرنے کا ہے اور میں مظالم کی سب سے زیادہ مخالفت میں سب سے زیادہ محبت آمیز طریقہ کار میں شریک ہو سکتا ہوں۔

اگر ٹرکی کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے تھے تو اسکا اظہار جنگ سے پیشتر کر دیا جاتا تاکہ عہد شکنی کا سوال درپیش نہ ہوتا

(تحریک خلافت میں شامل ہونیکا سبب) از قلم مہاتما گاندھی۔ ینگ انڈیا ۲۱ اپریل ۱۹۲۰ء

میرے ایک دوست نے جو جنوبی افریقہ کے باشندے ہیں۔ انگلستان سے میرے نام ایک خط ارسال کیا ہے جسکا اقتباس ذیل میں درج کرتا ہوں۔

"آپ کو یاد ہوگا کہ جب نفس مآب پادری جے۔ جے۔ ڈوک جنوبی افریقہ میں آپ کی تحریک میں آپکا

ساتھ دے رہے تھے تو میری آپ سے ملاقات ہوئی تھی اور اس کے تھوڑے عرصہ بعد آپ کے طرزِ عمل کی حمایت نیت سے بہت زیادہ متاثر ہو کر میں انگلستان واپس چلا آیا تھا جنگ سے پیشتر کے مہینوں میں میں نے اکثر موقعوں پر آپ کی موافقت میں لکچر بھی دیئے۔ تقریریں بھی کیں اور بہت سے مضامین بھی شائع کیے جنکا میں اب افسوس نہیں کرتا لیکن میں جب سے فوجی ملازمت سے واپس آیا ہوں اخبارات میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ اب آپ جنگجویانہ رویہ اختیار کرتے جا رہے ہیں...... ٹائمز کی ایک رپورٹ میں میں نے دیکھا ہے کہ آپ ہندو مسلم اتحاد کی حمایت اور امداد اس نقطہ خیال سے کر رہے ہیں کہ انگلستان اور اتحادی طاقتوں کو سلطنت عثمانیہ کے تجزیہ اور ترکی گورنمنٹ کو قسطنطنیہ سے خارج کرنے میں رکاوٹیں پیدا کر دیں اور ان کو پریشان کریں۔ مجھے آپ کی دانشمندی اور انصاف پسندی کا جہانتک علم ہے اس کی بنا پر میں محسوس کرتا ہوں کہ اس خیال کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ اس سمت میں آپکے مفاد کی ترقی میں میں نے ناچیز حصہ لیا ہے آپ سے دریافت کروں کہ آیا موخرالذکر رپورٹ صحیح ہے میں یقین نہیں کر سکتا کہ آپ بنی نوع انسان کے مفاد کے خلاف استنبول گورنمنٹ کی غیر منصفانہ اور ظالم خودمختاری کو قائم رکھنے کے لیئے کسی تحریک کا غلط ساتھ دیں گے کیونکہ مشرق میں مفاد انسانی کو ترکی کے سوا اور کسی ملک نے نقصان نہیں پہنچایا میں آرمینا اور شام کے حالات سے بھی بذات خود واقف ہوں اور اگر وہ رپورٹ جو ٹائمز میں شائع ہوئی ہے صحیح ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ آپنے اپنی اخلاقی ذمہ داریوں کو برطرف کر کے ایک انقلاب پسند اور سازشی تحریک سے اتحاد کر لیا۔ تاہم جب تک میں یہ نہ سن لوں گا کہ آپکا رویہ ایسا نہیں ہے اس وقت تک میں اپنے دل کو کسی قسم کے تعصب سے پر نہیں کر سکتا۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ میرے خط کا جواب دیں گے"

میں اس خط کا جواب بھیج چکا ہوں لیکن مندرجہ بالا اقتباس میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے ممکن ہے کہ میرے انگریز احباب اس سے متاثر ہوں اور چونکہ میں انکی دوستی اور توقیر کو ہاتھ سے دینا نہیں چاہتا اس لیئے میں کوشش کروں گا کہ مسئلہ خلافت کے متعلق جسقدر ممکن ہو اپنی پوزیشن کو صاف کر دوں اس خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ پبلک کے آدمی غیر ذمہ دارانہ جریدہ نگاری میں کتنی جرات سے کام لیتے ہیں میں نے ٹائمز کی اس رپورٹ کو نہیں دیکھا ہے جسکا میرے دوست نے حوالہ دیا ہے لیکن یہ امر بالکل اظہر من الشمس ہے کہ اس رپورٹ نے نامہ نگار کو اس شبہ میں ڈالدیا ہے کہ انقلابی سازش سے میرا اتحادی عمل ہے یا کہ میں نے اپنی اخلاقی ذمہ داریوں کو برطرف کر دیا ہے۔

لیکن بات یہ ہے کہ یہ صرف اخلاقی ذمہ داریوں کا احساس ہی ہے جس نے مجھے مسئلہ خلافت کو ہاتھ میں لینے اور مسلمانوں سے قطعاً ملنے پر مجبور کیا ہے یہ بالکل سچ ہے کہ میں ہندو مسلم اتحاد کی حمایت بھی کر رہا ہوں اور اس کے حصول میں امداد بھی دے رہا ہوں لیکن یقیناً اس خیال سے نہیں کہ "سلطنت عثمانیہ کے تجزیہ کے معاملہ میں انگلستان اور دیگر اتحادی طاقتوں کو زچ کر دوں" سلطنتوں یا افراد کو دق کرنا میرے نصب العین کے خلاف ہے اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ میرے افعال نتیجہ میں زچ نکریں گے لیکن میں دق کرنے کا ذمہ دار اپنے آپ کو سہو قت ہرگز نہ ٹھہراؤں گا جبکہ میں ظالم کے ظلم کا اس کے ظلم میں امداد دینے سے انکار کر کے مقابلہ کروں مسئلہ خلافت میں

میں وعدہ شکن جماعت کا ساتھی نہیں ہو سکتا۔ مسٹر لائیڈ جارج کا صریح اعلان عملاً مسلمانانِ ہند کا مطالبہ ہے اور جب کتب مقدسہ اسلامیہ اس مطالبہ کی مضبوط تائید کرتی ہوں تو اس وقت یہ مطالبہ قابل جواب ہو جاتا ہے علاوہ ازیں یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ میں کسی "انقلابی سازش سے متحد ہوں" یا یہ کہ "میں نے بنی نوع انسان کے مفاد کے خلاف استنبول گورنمنٹ کی غیر منصفانہ اور ظالم خودمختاری کو قائم رکھنے کے لیے کسی تحریک کا غلط ساتھ دیا ہے" مسلمانوں کے مطالبہ میں از اوّل تا آخر کہیں اس بات پر اصرار نہیں کیا گیا کہ استنبول گورنمنٹ کی غیر منصفانہ خودمختاری کو برقرار رکھا جاوے بلکہ اس کے برعکس مسلمانوں نے اس اصول کو تسلیم کر لیا ہے کہ غیر مسلم اقلیت کے تحفظ کے لیے پوری پوری ضمانتیں استنبول گورنمنٹ سے حاصل کر لی جاویں۔ میں نہیں جانتا کہ کس حد تک آرمینہ اور شام کی حالت کو انارکی کہا جا سکتا ہے اور کہاں تک ترکی گورنمنٹ اس کی ذمہ دار گردانی جا سکتی ہے میں سمجھتا ہوں کہ ان مقامات سے جتنی رپورٹیں شائع ہوئی ہیں ان میں سے بہت زیادہ مبالغہ سے کام لیا گیا ہے اور آرمینہ اور شام کی بدنظمی کی ذمہ دار خود یورپین طاقتیں ہیں لیکن مجھے ترکی انارکی یا کسی دوسری انارکی سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اتحادی طاقتیں اس انارکی کو بغیر ترکی حکومت کے ختم کیے اور بغیر سلطنت عثمانیہ کے تجزیہ کے مسدود کر سکتی ہیں۔ اتحادیوں کو کسی نئی صورت حالات سے سامنا کرنا نہیں پڑے گا۔ اگر ترکی کے ٹکڑے ٹکڑے ہی کرنے تھے تو اسکا اظہار جنگ کے آغاز سے پیشتر ہی کر دیا جاتا تاکہ وعدہ شکنی کا سوال درپیش ہوتا۔ اسوقت کوئی مسلمان بھی وزراء برطانیہ کے وعدوں کا خیال نہیں کرتا بلکہ ان کی رائے میں ترکی کے خلاف جو آواز بلند ہو رہی ہے وہ اسلام کے خلاف عیسائی دنیا کی آواز ہے جسکا رہنما انگلستان ہے۔ مسٹر محمد علی کا تازہ ترین بحری تار اس خیال کو اور قوی کرتا ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ انگلستان کے برخلاف فرانسیسی گورنمنٹ اور وہاں کے باشندے ہمارے وفد کی بہت زیادہ تائید کر رہے ہیں اس لیے اگر یہ سچ ہے کہ مسلمانوں کا مطالبہ صحیح ہے اور کتب مقدسہ اسکی تائید کرتی ہیں تو ہندوؤں کا اس کی پوری پوری حمایت نہ کرنا برادری کی ایک بزدلانہ عہد شکنی ہوگی اور پھر وہ مسلمانوں کی جانب سے کسی رعایت کے حق کو بالکل تلف کر دیں گے۔ اس لیے پبلک کا ایک خدمت گزار ہونے کی حیثیت سے میں ہرگز اس پوزیشن کا مستحق ہونگا جسکا میں دعویٰ کرتا ہوں اگر میں خلافت کو برقرار رکھنے کی جنگ میں مسلمانوں کی حمایت نہ کی۔ میرا یقین ہے کہ مسلمانوں کی تائید کر کے میں سلطنت کی خدمت انجام دے رہا ہوں کیونکہ میں نے مسلمان ہموطنوں کے جذبات کو ایک ترتیب اور نظام کے ماتحت لا کر یہ ممکن ہو جائیگا کہ ایجی ٹیشن امن و سکون کے ساتھ جاری رہے اور اس میں کامیابی ہو۔

مسلمانان ہند کو آغاز جنگ پر یہ یقین دلایا تھا کہ اسلام کا احترام کیا جائیگا لیکن اسکے یہ معنی نہ تھے کہ ایک ایسی دنیاوی حکومت کو قائم رکھا جائیگا جو اصول خود مختاری کے منافی ہو

(خلافت) از قلم مہاتما گاندھی - ینگ انڈیا - ۲ مئی سنہ ۱۹۲۰ء

ذیل میں انگریز کے خط کا اقتباس درج کیا جاتا ہے جو اس نے انگلستان سے اپنے ایک ہندوستانی دوست کو لکھا تھا۔

جیسا کہ میں نے اپنے گذشتہ خط میں آپ کو لکھا ہے (واقعی مسٹر گاندھی نے مسئلہ خلافت میں ایک زبردست غلطی کی ہے مسلمانان ہند اپنے مطالبات کی بنیاد اس بیان پر رکھتے ہیں کہ از روئے مذہب ترکی حکومت جزیرۃ العرب پر قائم رہے لیکن جب عرب ہی خود اس مطالبہ کے خلاف ہوں تو مسلمانان ہند کے نظریہ کو اسلام کے لیے لازمی سمجھنا ناممکن ہے پھر اگر عرب ہی اسلام کا نمونہ نہیں پیش کرتے ہیں تو پھر وہ کونسی قوم ہے جو اسلام کا نمونہ کہی جاسکتی ہے؟ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے جرمن رومن کیتھولک کوئی مطالبہ رومن کیتھولک مشرب کے لیے حکومت روم سے کریں اور اطالوی اس کے بالکل خلاف کوئی دوسرا مطالبہ کریں، لیکن اگر مسلمانان ہند کا مذہب اس امر کا مقتضی ہے کہ عربوں کو ان کی مرضی کے خلاف ترکی حکومت کے ماتحت ٹھونس دیا جائے تو بھی زمانہ حال میں یہ ایک مذہبی مطالبہ تسلیم نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ اس سے ایک قوم کا دوسری قوم پر ظلم ڈھانے کا ایک سلسلہ قائم کیا جائے گا، جسوقت مسلمانان ہند کو آغاز جنگ پر یہ یقین دلایا گیا تھا کہ مذہب اسلام کا احترام کیا جاوے گا، تو اس کے ہرگز یہ معنی نہ تھے کہ ایک ایسی دنیاوی حکومت کو جو اصول حکومت خود اختیاری کے منافی ہو قائم رکھا جاوے گا، اب ہم کھڑے کھڑے یہ نہیں دیکھ سکتے کہ ترک عربوں کو بار دیگر مغلوب کریں (کیونکہ عرب یقیناً اپنے مفاد کی خاطر لڑینگے) اور ہم ان وعدوں کو توڑ دیں جو ہمنے عربوں سے کیے تھے، یہ بالکل غلط ہے کہ عربوں اور ترکوں میں مخالفت دول یورپ کے ایما سے ہوئی ہے، اس میں شک نہیں کہ ایک اور رفیق پیدا کرنے کے لیے ہمنے عربوں اور ترکوں کی مخالفت سے فائدہ اٹھایا، لیکن ان دونوں قوموں میں مخالفت آغاز جنگ سے قبل موجود تھی عام طور پر سلطان ترکی کی رعایا اسکی حکومت سے نجات حاصل کرنے کی خواہشمند تھی، مسلمانان ہند جنکو ترکی حکومت کے متعلق کوئی تجربہ نہیں یہ چاہتے ہیں کہ دوسروں کی گردنوں میں اس حکومت کا طوق غلامی بدستور پڑا رہے، درحقیقت شام اور جزیرۃ العرب میں ترکی حکومت کے باردگر قیام کا خیال اتنا ہی کمینہ ہے جتنا کہ مقدس سلطنت رومۃ الکبریٰ کے دوبارہ مسلط کرنے کا وہم، میں نہیں سمجھ سکتا کہ کونسے واقعات کا سلسلہ اسکو باردگر قائم کرسکتا ہے، واقعی

(نوٹ) خلافت کے لیے مسلمانوں کے نزدیک دو قوتیں درکار ہیں اول روحانی اقتدار دوم اس روحانی اقتدار کو قائم رکھنے کے لیے دنیاوی طاقت تاکہ مقامات مقدسہ اسلام کا بخوبی تحفظ کیا جاسکے۔

مسلمانانِ ہند خود ملک عرب میں نہ جا سکے اور اس کو سلطان کے واسطے فتح نہ کر سکے، ہندوستان میں خواہ کتنا ہی ریجی ٹیشن اور کتنی ہی گڑ بڑ کیوں نہ کیجاوے انگلستان اس بات پر مائل نہیں کیا جا سکتا کہ ترکوں کو ملک عرب پر دوبارہ مسلط کرا دے، مسلمانانِ ہند انگریزی شہنشاہیت کے خلاف نہیں کھڑے ہوئے ہیں بلکہ انگریزی عامۃ الناس کی آزاد پسندانہ اور ہمدردانہ رائے کے خلاف شورش برپا کر رہے ہیں اگر یہی فرض کر لیا جاوے کہ مسلمانانِ ہند ایک ایسی زبردست شورش ہندوستان میں پیدا کرنے میں کامیاب بھی ہو جاویں، جس سے تاج برطانیہ اور ہندوستان کے تعلقات تلخ ہو جاویں تاہم وہ اپنے مقصود کے زیادہ قریب نہوں گے کیونکہ ابھی انکا اثر برطانیہ کی عالمگیر پالیسی پر موجود ہے، مزید براں اگر ترکی مسائل میں ان کا اثر اتنا کافی نہیں ہے کہ ترازو کے دوسرے پلڑے کا مقابلہ کر سکے تب بھی اس کو ترازو میں رکھا ضرور گیا ہے لیکن برطانیہ سے تعلقات منقطع کرنے کے بعد مسلمانانِ ہند کا ہندوستانی سے کوئی اثر نہو گا، دنیاوی سیاست میں ان کا شمار چین کے مسلمانوں سے زیادہ نہو گا، ممکن ہے (امریکہ کے اس دباؤ کو چھوڑ کر جو وہ ڈال رہا ہے) کہ مسلمانانِ ہند کا اثر سلطان کو قسطنطنیہ میں بحال رکھنے میں کسی وقت سودمند ثابت ہو لیکن مجھے اس میں شک ہے کہ آیا انہیں اس سے کوئی فائدہ بھی ہو گا کیونکہ اگر ترکی کے علاقہ کو محض ترکی اشیا کو چک تک محدود کر دیا گیا تو اس کے لیئے قسطنطنیہ بالکل بے موقعہ دار السلطنت ہو گا میرے خیال میں دار السلطنت کا بے موقعہ ہونا اس جذباتی فرحت سے بڑھ جائے گا جو پرانی سلطنت عثمانیہ کی ایک نمائیشی یادگار کو قایم رکھنے میں محسوس کی جاتی ہے، لیکن اگر مسلمانانِ ہند یہ چاہتے ہیں کہ سلطان قسطنطنیہ میں بحال رہے تو میں خیال کرتا ہوں کہ وائسرائے ہند کی جانب سے سرکاری طور پر جو یقین دلایا گیا ہے وہ ہم کو اس امر پر مجبور کرتا ہے کہ سلطان کو وہیں رکھیں اور میرے خیال میں وہ باوجود امریکہ کی مخالفت کے وہیں رہینگے "

یہ اس خط کا اقتباس ہے جو ایک ذی مرتبہ انگریز نے انگلستان سے اپنے ہندوستانی دوست کو لکھا ہے یہ ایک نمونہ کا خط ہے جو نہایت سنجیدگی۔ ایمانداری، معقولیت اور ایسے عمدہ الفاظ میں لکھا گیا ہے جو اس میں شک نہیں کہ تمہارے مطالبات کو چیلنج کرتا ہے، لیکن محض اپنی عمدگی کے باعث قابل احترام ہے، لیکن یہی طرز عمل ہے جس کی بنیاد ناکافی یا بالکل غلط خبر و نیز ہوتی ہے، جس نے جزائر برطانیہ میں اکثر مطالبات کو تباہ کیا ہے، زمانہ حال کی جریدہ نگاری میں سطحی باتیں یکطرفہ ہیں، غلط بیانی اور اکثر اوقات غیر ایمانداری داخل ہو گئی ہے جو برابر ایماندار آدمیوں کو گمراہ کرتی ہے اور حق بات معلوم کرنے میں مانع آتی ہے ایک جماعت ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جنکو کسی کام میں دلچسپی ہوتی ہے وہ اپنی مطلب برآری کے لیئے مناسب اور غیر مناسب تمام ذرائع اختیار کرتے ہیں لہذا ایک منصف مزاج انگریز جو انصاف کے حق میں رائے دینا چاہتا ہے لیکن متنازعہ آرا سے متاثر ہو کر اور پیچیدہ خیالات میں پھنس کر اکثر ناانصافی کا آلہ بنجاتا ہے، مذکورۂ بالا نامہ نگار کے یقین دلانے والے دلائل خیالی مسلمات پر مبنی ہیں اس نے کامیابی کے ساتھ اس امر کو ظاہر کیا ہے کہ مسلمانوں کا معاملہ جیسا کہ اس کے سامنے پیش کیا گیا ہے فرسودہ معاملہ ہے ہندوستان میں جہاں خلافت کے واقعات کو پیچیدہ کرنا آسان کام نہیں ہے، انگریز مسلمانانِ ہند کے مطالبات کی حقانیت کو تسلیم کرتے ہیں لیکن وہ اپنی بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے ہم سے کہتے ہیں کہ حکومت ہند اور مسٹر مانٹیگو نے وہ تمام تدابیر ختم کر دیں جو انسانی قوت کے امکان میں ہو سکتی تھیں اور اگر اب بھی فیصلہ اسلام کے خلاف صادر ہو تو مسلمانانِ ہند کو اسے منظور کر لینا چاہیئے ؛

ہم ایک لمحہ کے لیئے اس معاملہ کو نامہ نگار مذکور کے تخیل کے مطابق جانچ کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ مسلمانانِ ہند باوجود عربوں کی مخالفت کے ترکی حکومت کے تسلط کو ملک عرب پر قایم کرنا چاہتے ہیں اور یہ کہ اگر عرب ترکی حکومت نا پسند کریں تو پھر کسی غلط مذہبی بنا پر کو حریت کے اصول خود اختیاری میں دخل انداز ہونے کی اجازت نہیں دی جا سکتی جبکہ ہندوستان خود ایسی پوزیشن کے حاصل کرنے کی جد و جہد کر رہا ہے

حقیقت یہ ہے کہ مسلمان جیسا کہ ہر وہ شخص جس نے مسئلہ خلافت کا مطالعہ کیا ہے جانتا ہے کہ عرب کی مرضی کے خلاف ترکی حکومت کا قبضہ ملک عرب پر نہیں چاہتے۔ اسکے برعکس مسلمان کہتے ہیں کہ وہ عربی حکومت خود اختیاری کے مقابلہ کا ہرگز ارادہ نہیں رکھتے۔ ان کا مطالبہ صرف اسقدر ہے کہ مکمل حکومت خود اختیاری کی ضمانتوں کیساتھ ترکی حکومت کے زیر سیادت کر دیجاویں۔ وہ اسلام کے مقدس مقامات پر خلیفۃ المسلمین کا اقتدار قایم کرنا چاہتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں وہ اس سے زیادہ نہیں چاہتے جسکی ضمانت مسٹر لائیڈ جارج نے کی تھی اس ضمانت کے بل پر مسلمان سپاہیوں نے اتحادی طاقتوں کی حمایت میں اپنا خون بہایا تھا لہذا مندرجہ بالا اقتباس کی تمام قاطع دلائل اور مضبوط براہین پاش پاش ہو جاتی ہیں کیونکہ اسکی بنیاد محض ایسے واقعات پر ہے جنکا کوئی وجود نہیں، اب چونکہ برطانوی مواعید خالص انصاف اور مذہبی جذبات اسکے متضاد ہیں اسلئے میں نے بدل و جان خود کو اس مسئلہ میں ڈالدیا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ خالص انصاف کی مخالفت میں اندھے اور متعصبانہ مذہبی جذبات موجود ہیں اس حالت میں اول الذکر کا مقابلہ کرکے موخر الذکر کی خاطر لڑونگا۔ میں ایسے مواعید کے ایفا پر بھی اصرار نہ کرونگا جو کسی غلط معاملہ کے متعلق غیر ایماندارانہ طریق پر کئے گئے ہوں جیسا کہ انگلستان کے خفیہ معاہدات ہیں۔ اس قوم کے لئے جو اپنی صداقت پر نازاں ہو مقابلہ کرنا محض ازروئے قانون جائز ہی نہیں ہوتا بلکہ فرض ہو جاتا ہے۔ میرے لئے یہ بالکل غیر ضروری ہے کہ اس پوزیشن پر غور کروں جسکا میرے انگریز دوست نے خیال کیا ہے یعنی یہ کہ اگر ہندوستان ایک خودمختار طاقت ہوتا تو وہ کونسا طریقۂ عمل اختیار کرتا، یہ اسلئے غیر ضروری ہے کہ مسلمانان ہند اور انکی وجہ سے مجموعی طور پر ہندوستان ایک ایسے معاملہ کے لئے لڑ رہا ہے جو حق صداقت پر مبنی ہے یہ ایک ایسا معاملہ ہے جسکی امداد کے لئے ہندوستان برطانوی باشندوں کی دلی تائید کی دعوت دیتا ہے۔ میں یہ تجویز کرنے کی جرأت کرونگا کہ مسئلہ خلافت ایسا معاملہ نہیں ہے جسمیں محض ہمدردی کا اظہار کفایت کریگا بلکہ ایک ایسا معاملہ ہے جو اتنی زبردست تائید چاہتا ہے کہ جس سے حقیقی انصاف حاصل ہو سکے۔)

فاقہ کش انسان سے خواہ کتنی ہی ہمدردی کیجائے اُسے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا تاوقتیکہ اُسے روٹی نہ دی جائے

(چند اعتراضات کا جواب) از قلم مہاتما گاندھی۔ ۱۹ مئی سنہ ۱۹۲۰ء

میں آپکے خط مرقومہ ۷ ماہ رواں اور خصوصیت سے آپ کی اس درخواست کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ عدم تعاون پر آپکے مضامین کو ینگ انڈیا میں پڑھکر نہایت صفائی اور مکمل طور پر انپر تنقید کروں۔ میں جانتا ہوں

آپکی خواہش محض یہ ہے کہ حق و صداقت کو معلوم کرکے اسکے بموجب عمل کریں لہذا میں حسب ذیل ارشادات کو قلمبند کرنے کی جرأت کرتا ہوں۔ ۵ مئی کی اشاعت میں آپ کہتے ہیں کہ عدم تعاون حکومت کے خلاف بھی نہیں ہے لیکن درحقیقت اس حد تک گورنمنٹ سے ترک تعاون کرنا کہ نہ اسکی ملازمت کیجاوے اور نہ اسکے محصولات ادا کئے جاویں اگرچہ نظری طور پر نہیں لیکن عملاً گورنمنٹ کی مخالفت پر مبنی ہے اور اس طریقۂ عمل سے انجام کار کسی گورنمنٹ کا چلنا ناممکن ہو جائیگا۔ پھر آپ کہتے ہیں کہ رعایا کا پیدائشی حق ہے کہ وہ ایسی گورنمنٹ کی امداد سے انکار کر دے جو اسکے مطالبات کو سننا گوارا نہ کرتی ہو۔ اس قول کے اخلاقی حجت کو نظرانداز کرتے ہوئے کیا میں دریافت کر سکتا ہوں کہ اس میں کس گورنمنٹ سے مراد ہے؟ کیا گورنمنٹ آف انڈیا نے اس معاملہ میں تمام تدابیر اختیار نہیں کیں جو اسکے امکان میں تھیں؟ پھر اگر اسکی وہ جد و جہد جو اس نے ہندوستان کی درخواست کی ترجمانی میں صرف کی ہے ناکام رہے تو کیا یہ منصفانہ بات ہوگی کہ اسکے خلاف کوئی کارروائی کیجاوے؟ کیا اسکا صحیح راستہ یہ نہوگا کہ اتحادیوں کی سپریم کونسل سے عدم تعاون کیا جاوے جنمیں برطانیہ عظمیٰ بھی شامل ہے اگر وہ حکومت ہند اور رعایا ہند کے مطالبات کی تائید میں قاصر رہیں؟ میں دیکھتا ہوں کہ آپ اپنی تمام تقریروں اور تحریروں میں اس حقیقت کو فراموش کر دیتے ہیں کہ موجودہ مسئلہ میں گورنمنٹ اور رعایا متحد ہیں۔ اور اگر اپنی خواہش میں ناکام رہیں تو اس سے عدم تعاون کا سوال کیسے پیدا ہو سکتا ہے؟

ہندو، انگریز اور گورنمنٹ سب ملکر اس بوجھ میں کندھا لگا رہے ہیں جو مسلمانان ہند اٹھا چکے ہیں وغیرہ وغیرہ لیکن فرض کرو کہ ہم اپنے مقصد میں ناکام رہیں تو اسکے بعد کیا ہوگا۔ کیا ہم سب تعاون کرنے سے انکار کر دیں؟ اور کس کے خلاف کر دیں؟

کیا میں حسب ذیل طریقۂ عمل اختیار کرنے کی سفارش کر سکتا ہوں؟

(۱) انتظار کرو اور دیکھو کہ ترکی سے معاہدہ کی صحیح شرائط کیا تجویز ہوتی ہیں؟

(۲) اور اگر یہ شرائط حکومت ہند اور رعایا ہند کی خواہشات اور سفارشات کے منافی ہوں تو ہر طرح کی جائز جد و جہد ان شرائط پر نظرثانی کرانے کے لئے صرف کی جاوے۔

(۳) اس تلخ انجام پر ایک ایسی گورنمنٹ کیساتھ تعاون کرو جو تمہارے ساتھ تغافل کرتی ہے اور اپنا دست تعاون محض اسوقت کھینچو جب وہ خود تعاون کرنے سے انکار کر دے میں ذاتی طور پر تابک تو گورنمنٹ ہند سے عدم تعاون کا کوئی سبب نہیں دیکھتا لیکن جسوقت وہ ہندوستان کی ضروریات اور مطالبات کی ترجمانی کرنے میں قاصر رہے اسوقت البتہ عدم تعاون کرنیکی معقول وجہ ہو سکتی ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ گورنمنٹ ہند اکثر اوقات غلطیاں کرتی ہے لیکن خلافت کے معاہدہ میں وہ مقبولیت سے کام کرہی ہے اور اسلئے ہر ہندوستانی ہمدردانہ اور دلی تعاون کی مستحق ہے میں امید کرتا ہوں کہ آپ مذکورہ بالا سطور پر غور فرمائینگے اور آپ کو اتنا وقت ملیگا کہ "ینگ انڈیا" میں اسکا جواب مرحمت فرما دیں۔"

میں نہایت خوشی کیساتھ اس مکتوب کو اپنے اخبار میں شائع کرتا ہوں اور چونکہ اسمیں شک نہیں کہ جو مشکل میرے انگریز دوست کو محسوس ہوتی ہے وہ اکثر لوگ محسوس کرتے ہیں۔ لہذا اسکا عمومیت سے جواب دیتا ہوں۔ عام طور پر تحریکیں اسوجہ سے فنا نہیں ہوتیں کہ وہ لوگ جو ناانصافی کرانا چاہیں حق و صداقت کو نہیں دیکھتے بلکہ وہ ان لوگوں کا نام

اپنی موافقت میں درج کرانے کے قابل ہوتے ہیں کہ جو کسی معاملہ کو سمجھنے کے لیئے بے چین ہوں اور کافی غور و خوض کے بعد کسی فریق میں شامل ہونا چاہتے ہوں مسئلہ خلافت اس وجہ سے اور بھی زیادہ دشوار ہو گیا ہے کہ اس میں امور متنازعہ مختلف جماعتوں کی طرف سے پیدا ہو رہے ہیں۔ اس لیئے یہ امر تعجب خیز نہیں لوگوں کو اس کے متعلق فیصلہ کرنے میں کم و بیش مشکلات درپیش ہوں۔ مزید براں اب چونکہ اس سلسلہ میں براہ راست کسی قسم کی کارروائی کی سخت ضرورت ہو گئی ہے اس لیئے یہ مسئلہ اور بھی پیچیدہ ہو گیا ہے لیکن خواہ کیسی ہی مشکلات درپیش کیوں نہوں مجھے یقین ہے کہ ہندوستان میں یکجہتی اور امن و سکون بحال رکھنے کے لیئے اس مسئلہ سے زیادہ اہم اور کوئی دوسرا مسئلہ نہیں ہے میرے دوست کو میرے اس بیان پر اعتراض ہے کہ عدم تعاون حکومت کے خلاف نہیں ہے کیونکہ وہ خیال کرتے ہیں گورنمنٹ کی ملازمت سے انکار کرنا اور اس کے محصولات کی ادائیگی سے دست کش ہونا یقیناً حکومت کی مخالفت کے مترادف ہے میں نہایت ادب کے ساتھ اسی رائے سے اختلاف کرتا ہوں اگر ایک بھائی کو اپنے دوسرے بھائی سے اصولی باتوں میں اختلاف ہے اور پہلے کی رائے میں دوسرے سے تعاون کرنا ایک ایسی بات میں حصہ لینا ہے جو سراسر ناانصافی پر مبنی ہے تو میری رائے میں اول الذکر بھائی کا یہ برادرانہ فرض ہے کہ دوسرے بھائی کی خدمت گذاری سے باز رہے اور ساتھ رہکر اس کی کمائی میں حصہ نہ لے۔ یہ بات روزمرہ کی زندگی میں واقع ہوتی ہے، پرہلاد[1] نے جسوقت اپنے باپ کی توہین آمیز باتوں سے اجتناب کیا تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس نے اپنے باپ کے خلاف کسی فعل کا ارتکاب کیا۔ یسوع نے جسوقت پارسیوں اور ریاکاروں کے خلاف وعظ کہا تو اس کی تحریک یہودیوں کے خلاف نہ تھی۔ کیا ایسے معاملات میں نیت افعال کی نوعیت کو واضح نہیں کرتی؟ میرے دوست کی یہ تجویز مشکل سے صحیح کہی جاسکتی ہے کہ عام واقعات کے ماتحت تعاون سے دست بردار ہو جانا ہر حکومت کو ناممکن بنا دیگا بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ اس قسم کی دست کشی ناانصافی کو ناممکن الوقوع بنا دے گی۔

میرے دوست نامہ نگار مذکور خیال کرتے ہیں کہ حکومت ہند نے اپنی امکانی جد و جہد کر کے اپنے تئیں ایسی پوزیشن میں کر لیا ہے کہ عدم تعاون اس پر چسپاں نہیں ہو سکتا میری رائے میں اگرچہ یہ سچ ہے کہ حکومت ہند نے بہت کچھ کیا ہے لیکن اتنا نہیں کیا جتنا کہ وہ کر سکتی تھی یا اب کر سکتی ہے کوئی حکومت جبکہ وہ یہ محسوس کرتی ہو کہ جن لوگوں کا وہ نمائندہ ہے وہ لاکھوں مسلمانوں کی طرح مسئلہ خلافت کو بے چینی کے ساتھ محسوس کرتے ہیں تو وہ محض احتجاج کر کے اپنے فرائض سے سبکدوش نہیں ہو سکتی فاقہ کش انسان سے خواہ کتنی ہی ہمدردی کیوں نہ کی جاوے اُسے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا اس کو روٹی ملنی چاہیئے ورنہ وہ مرجائے گا اور ایسے نازک وقت میں جس چیز کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ اس قریب المرگ انسان کو غذا پہونچانے کے لیئے کسی قدر کوشش کی جاوے گورنمنٹ ہند آج یہ کر سکتی ہے کہ خلافت ایجیٹیشن کی پیشوائی کرنے اور اصرار کے ساتھ ایک وزیر برطانیہ کے مواعید کے ایفا پر زور دے۔ کیا گورنمنٹ ہند نے بطور احتجاج مسٹر لائیڈ لارج کی شرمناک وعدہ شکنی کی بنا پر استعفٰے دیا؟ گورنمنٹ ہند کیوں خود کو خفیہ سلسلہ خط و کتابت کے پس پردہ چھپاتی ہے؟ اس سے کم نازک موقعہ پر لارڈ ہارڈنگ نے ایک کانسٹی ٹیوشنل (آئینی) بے شعوری سے کام لیا۔ جنوبی افریقہ کی تحریک خاموش مقابلہ کی علانیہ ہمدردی کی اگرچہ وہ جنوبی افریقہ کی اُس

---

[1] پرہلاد کا باپ ہرناکشپ منکر خدا تھا۔ اس لیئے پرہلاد نے اس سے علحدگی اختیار کی۔

وقت کی (کیبنٹ اور برطانیہ عظمیٰ کے چند پبلک افراد کے غصہ کے شکار ہوئے لیکن انھوں نے ہندوستان کے غیظ و غضب کی لہر کو دبا دیا۔ بہرحال حکومت ہند نے جیسا کہ اس نے خود ظاہر کیا ہے زیادہ سے زیادہ یہ کیا ہے کہ مسلمانوں کے مطالبات کو روانہ کر دیا ہے اور ان پر زور دیا ہے۔ کیا وہ جسقدر کر سکتی تھی یہ اس کا کم سے کم حصہ نہیں کیا ہے؟ کیا وہ اپنے چہرہ کو ندامت سے آلودہ کیے بغیر اس سے کم کر سکتی تھی؟ اس وقت مسلمانان ہند اور ہندوستانی پبلک گورنمنٹ سے یہ نہیں چاہتی کہ وہ کم سے کم کام کرے بلکہ ان کی خواہش یہ ہے جسقدر وہ کر سکتی ہے کرے تاریخ سے معلوم ہوا ہے کہ بہت سے وائسرؤں نے چھوٹے چھوٹے معاملات پر استعفے دیدیئے ہیں۔ کچھ زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ ایک لفٹنٹ گورنر نے صرف اپنی خودداری کے مجروح ہونے کی بنا پر استعفیٰ دیا تھا مسئلہ خلافت جو ایک مقدس معاملہ ہے اور کروڑہا مسلمانوں کے دلوں کو پیارا ہے مجروح ہونے کے خطرہ میں ہے لہذا میں اپنے انگریز دوست۔ ہر انگریز اور ہر ہندو کو مدعو کروں گا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ اشتراک عمل کریں گورنمنٹ کو اس کے فرائض کی ادائیگی پر مجبور کریں اور اس طرح برطانیہ معظم کے وزرا کو اپنے فرائض ادا کرنے پر مجبور کریں اگرچہ اس کے متعلق بہت چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں کہ ہمارا عدم تعاون سے تشدد رونما ہوگا میں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ زیر بحث عدم تعاون مسلمانوں کے سامنے پیش نہ کیا جاتا تو انہوں نے کبھی کا ایسا نہ مشوروں کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا ہوتا لیکن عدم تعاون کی موجودگی میں.. تشدد کا امکان بڑھ جائے گا اگر تمام ممتاز لوگ ہندو انگریز وغیرہ وغیرہ نے اس کی ہمت افزائی نہ کی۔ میں خیال کرتا ہوں کہ میرے دوست نے جو سفارشیں کی ہیں مسلمان عملاً اس کی پیروی کر رہے ہیں گو کہ وہ انجام سے باخبر ہیں لیکن ہنوز ترکی کی شرائط صلح کا انتظار کر رہے ہیں وہ عدم تعاون شروع کرنے سے پہلے ہر ممکن ذریعہ سے یہ کوشش کر رہے ہیں کہ شرائط صلح پر بار دگر غور کیا جاوے اور یقیناً اسوقت تک کوئی عدم تعاون شروع نہیں کیا جاوے گا تاوقتیکہ گورنمنٹ ہند کے تعاون کی امید مسلمانوں کو ذرا سی بھی باقی ہے یعنی ایسا تعاون کہ اگر موقعہ آپڑے کہ مسلمانوں کو برطانوی مدبرین کے مواعید سے گرم بیکار رہنا پڑے تو یہ تعاون شرائط صلح پر نظر ثانی کرانے میں کافی مضبوط ہو لیکن اگر یہ تمام باتیں ناکامیاب ثابت ہوں تو کیا مسلمان جو باعزت لوگ ہیں اور جو اپنے مذہب کو اپنی جانوں سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں اس سے بھی کوئی کم بات کر سکتے ہیں کہ عدم تعاون کر کے وزرا برطانیہ اور حکومت ہند کے جرم سے اپنے ہاتھوں کو دھو کر صاف کر لیں؟ اور کیا ہندو اور انگریز اگر وہ مسلمانوں کی دوستی کی قدر کرتے ہیں اور اگر وہ مسلمانوں کے مطالبات کی صداقت کو تسلیم کرتے ہیں اس کے سوا اور کچھ کر سکتے ہیں کہ ان کی قولاً و فعلاً تائید کریں؟

میں مسلمانوں کو اپنا بھائی خیال کرتا ہوں اسلیئے خطرہ کیوقت انکی مدد کرنا میرا فرض ہے

(مسئلہ خلافت) از قلم مہاتما گاندھی۔ ۲ر جون ۱۹۲۰ء

میں پبلک نکتہ چینیوں۔ اور پرائیوٹ مشوروں اور گمنام خطوط سے تنگ آگیا ہوں۔ مجھی سے کہا جاتا ہے کہ مجھے یہ کرنا

چاہیئے وہ کرنا چاہیئے بعض اسکے لئے بیتاب ہیں کہ میں وسیع ترک موالات کا مشورہ دوں۔ دوسرے یہ کہتے ہیں کہ تم نے جان بوجھ کر ملک کو تشدد کے طوفان میں ڈالکر اسکو کسقدر نقصان پہونچایا ہے۔ تمام نکتہ چینیوں کا جواب دینا میرے لئے مشکل ہے لیکن بعض اعتراضات کو میں مختصراً بیان کرونگا اور جسقدر مجھ میں قابلیت ہے انکے جوابات دینے کی کوشش کرونگا جن اعتراضات کا میں جواب دیچکا ہوں یہ ان پر مزید اضافہ ہیں :-

(۱) ترکی مطالبہ مخرب اخلاق اور غیر منصفانہ ہے اور میں جو حق و صداقت کا چاہنے والا ہوں کس طرح اسکی تائید کرسکتا ہوں؟

(۲) اگر یہ بھی مان لیا جاوے کہ ترکی مطالبہ اصولاً صحیح ہے تاہم ترک مایوسانہ طریق پر نا قابل، کمزور اور ظالم ہے اور لہذا کسی امداد کا مستحق نہیں۔

(۳) اگر ترکی کے لئے جو مطالبہ کیا جارہا ہے وہ اس کی مستحق بھی ہے تب بھی میں ہندوستان میں کیوں ایک بین الاقوامی لڑائی شروع کراؤں؟

(۴) مسلمانان ہند کے فرائض میں سے یہ نہیں ہے کہ وہ اس معاملہ میں دخل اندازی کریں اگر ان کو کوئی سیاسی ہوس ہے تو اسکی وہ کوشش کرچکے اور ناکامیاب رہے اب انہیں خاموش بیٹھ جانا چاہیئے یہ ان کا مذہبی معاملہ ہے لیکن ہندوؤں سے اسکے متعلق اس طرح اپیل نہیں کی جاسکتی اور ہندوؤں کو کسی حالت میں بھی عیسائیت کے ساتھ مذہبی جنگ میں مسلمانوں کا ہم آہنگ ہونا چاہیئے۔

(۵) مجھے کسی حالت میں بھی عدم تعاون کا پرچار نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ یہ خواہ کتنا ہی امن کے ساتھ کیوں نہ کیا جاوے اگر اسکا مطلب دیکھا جاوے تو بجز ایک بغاوت کے اور کچھ نہیں ہے۔

(۶) علاوہ ازیں مجھے میرے گذشتہ سال کے تجربہ نے ظاہر کردیا ہوگا کہ یہ ایک امر فرد واحد کی قابلیت سے باہر ہے کہ ملک میں تشدد کی جو خفیہ طاقتیں موجود ہیں ان پر قابو حاصل کیا جاسکے۔

(۷) عدم تعاون بے فائدہ ہے کیونکہ عوام کبھی اسپرت صحیح سرگرمی کے ساتھ لبیک نہ کہینگے اور اس کے بعد جو ردعمل ہوگا وہ موجودہ حالت امید سے بھی زیادہ خراب ہوگا۔

(۸) عدم تعاون سے دوسری تمام سرگرمیاں بند ہوجائینگی حتی کہ اصلاحات میں بھی تعطل ہوجائیگا جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہماری ترقی کا گھنٹہ اور پیچھے ہو جائیگا۔

(۹) میرا منشا خواہ کتنا ہی مخلصانہ کیوں نہ ہو تاہم مسلمانوں کا منشا رقیبانہ ہے۔

اب میں ان اعتراضات کا جواب اسی ترتیب کے ساتھ دونگا جس ترتیب میں اوپر قلمبند کئے گئے ہیں۔

(۱) میں ترکی مطالبہ کو محض غیر منصفانہ اور مخرب اخلاق ہی نہیں کہتا بلکہ صرف اسوجہ سے کہ ترکی اس علاقہ کو اپنے قبضہ میں رکھنے کا مطالبہ کرتی ہے جو فی الحقیقت اسی کا ہے اسکا مطالبہ بالکل راست اور منصفانہ ہے اور مسلمانوں کے اعلان نے اس بات کو بالکل ظاہر و باہر کردیا ہے کہ غیر مسلم اور غیر ترکی اقوام کے تحفظ کیلئے جس قسم کی ضمانتوں کی ضرورت ہو وہ لے لی

جاویں تاکہ ترکی سیادت کے ماتحت عیسائیوں اور عربوں کو حکومت خوداختیاری دی جا سکے۔

(۲) میں ترکوں کو نااہل کمزور۔ اور ظالم خیال نہیں کرتا۔ بلکہ وہ غیر منظم ہیں اور اُن میں کوئی اچھی سپہ سالاری کرنے والا موجود نہیں ہے۔ وہ زبردست جھگڑوں میں معرکہ آرا ہونے پر مجبور کیے گئے۔ کمزور۔ نااہل۔ ظالم کا استدلال اکثر اس حکومت کے سلسلہ میں بیان کیا جاتا ہے جسکے ہاتھوں سے طاقت چھیننے کی جستجو کی جاوے۔ جس قتل عام کا الزام ترکوں پر لگایا جاتا ہے اس کے متعلق بار ہا ایک کمیشن مقرر کرنے کے لیئے کہا گیا لیکن کبھی اس کی منظوری نہیں دی گئی بہرکیف ظلم و ستم کے خلاف ضمانت حاصل کی جا سکتی ہے۔

(۳) میں کہہ چکا ہوں کہ اگر مجھے مسلمانان ہند کے ساتھ دلچسپی نہ ہوتی تو مجھے ترکوں کی خیر و عافیت میں باشندگان آسٹریا اور پولینڈ سے زیادہ انہماک نہ ہوتا لیکن بحثیت ہندوستانی کے میرا فرض ہے کہ اپنے ہم وطن ہندوستانیوں کے مصائب اور آزمائیشوں میں حصہ لوں میں مسلمان کو اپنا بھائی خیال کرتا ہوں اور خطرہ کے وقت اپنی امکانی قابلیت کے ساتھ ان کی امداد کرنا میرا فرض عین ہے اگر انکا معاملہ صحیح ہو۔

(۴) چوتھا اعتراض اس امر سے تعلق رکھتا ہے کہ ہندو کسی حد تک مسلمانوں کے ساتھ اشتراک عمل کریں۔ لہذا یہ معاملہ رایوں اور محسوسات سے تعلق رکھتا ہے میں ایک انصاف پسند معاملہ میں اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ تکالیف انتہا درجہ تک برداشت کرنا ضروری سمجھتا ہوں اور میں تمام راستہ اسوقت تک اس کے ساتھ گامزن رہوں گا جب تک کہ وہ ذرائع جو وہ استعمال کرے گا اتنے ہی باعزت ہوں جتنا کہ اس کا مقصد ہے میں محسوسات کو اپنے طریق پر ترتیب نہیں دے سکتا۔ مجھے اسکا یہ بیان تسلیم کر لینا چاہیئے کہ خلافت اس کا مذہبی مسئلہ ہے کہ وہ اپنی اس اعتبار سے کہ یہ مسئلہ جانی قربانی کی حد تک بھی اس کو اس کے مقصد کے حصول کے لیئے مجبور کرتا ہے۔

(۶) میرا گذشتہ سال کا تجربہ ظاہر کرتا ہے کہ ہندوستان کے بعض حصوں میں صحیح راستہ سے انحراف کرنے کے باوجود ملک بالکل ہٹی میں تھا۔ یہ ستیہ گرہ کا اثر نہایت مفید ثابت ہوا اور یہ کہ جہاں کہیں بھی تشدد ظاہر ہوا ہے اس کے اسباب وہاں کے مقامی وجود سے تعبیر ہوتے ہیں ساتھ ہی ساتھ میں اس امر کا بھی اعتراف کرتا ہوں کہ عوام کی طرف سے جو تشدد سرزد ہوا اور سب آئینی کی اسپرٹ جو ملا شک و شبہ بعض مقامات میں محض ظاہری تھی قبضے اور قابو میں رہی میں اپنی اس غلط اندازہ کو کافی طور پر تسلیم کر چکا ہوں جو میں نے ملک کے متعلق لگایا تھا۔ لیکن اس تمام دردناک تجربہ نے میرے اس یقین میں مطلق جنبش پیدا نہیں کی کہ ستیہ گرہ نہایت عمدہ چیز ہے یا اس سے بہتر قوت کا استعمال ہندوستان میں ممکن ہے گذشتہ لغزشوں سے اجتناب کرنے کے لیئے پورا پورا سامان مہیا کیا گیا ہے لیکن اگر مجھے ایک ایک صاف راستہ پر گامزن ہونے سے باز رکھنے کی کوشش کی گئی تو میں اس تجویز سے صرف اس بنا پر انکار کر دوں گا کہ اس میں تشدد بغیر ارادہ کے ہوا ہے اور ابھی تشدد کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کی جا رہی ہے بےلگام بالادست کی چھین جھپٹی ایک ستیہ گرہی کو اس کے فرائض کی ادائیگی سے باز نہیں رکھ سکتی۔ میں کروڑہا جانوں کو خطرہ میں ڈال دوں گا۔ جب تک میں یہ سمجھتا رہوں گا کہ وہ خوشی کے ساتھ مصائب برداشت کرتے ہیں بیگناہ ہیں اور بغیر آلودگی کے مظالم کا شکار ہوتے ہیں مضبوط اور طاقتور لوگوں سے لغزشوں حتی کہ جنون آمیز باتوں کی امید کی جا سکتی ہے اور اب فتح و نصرت کا وقت آگیا

سے جبکہ بیتاً قوم کی مجنونانہ غصہ کا جواب نہیں دیا جا سکتا بلکہ اس کے سامنے برضا و رغبت خودداری اور امن و سکون کے
ساتھ سر جھکا دیا جاوے۔ سر جھکانے سے یہ مطلب نہیں ہے کہ ایسے حکام کی مرضی کے سامنے سر تسلیم خم کیا جاوے
جو خود غلط راستہ پر گامزن ہیں لہٰذا کامیابی کا راز اس امر میں مضمر ہے کہ ہر انگریز کی جان اور ہر افسر ملازم سرکاری کی جان
کو اتنا باعزت اور مقدس سمجھا جاوے جتنا کہ ہم اپنے زیادہ سے زیادہ محبوب کی جان کو سمجھتے ہیں۔ ۵۰ سال کی باشعور زندگی میں
مجھے جو تجربہ حاصل کیا ہے وہ مجھ کو اس بات کا یقین دلاتا ہے کہ جان سے زیادہ کوئی اور تحفہ بیش قیمت نہیں ہو سکتا میں
یہ بات [illegible] کی جرأت کرتا ہوں کہ جس وقت انگریز یہ محسوس کرنے لگیں گے کہ اگرچہ وہ ہندوستان میں نہایت قلیل تعداد میں ہیں۔
لیکن ان کی جانیں [illegible] تباہ کن ہتھیار کے بل بوتے پر نہیں بلکہ اس وجہ سے محفوظ ہیں کہ ہندوستانی ان لوگوں
کو [illegible] نہیں لینا چاہتے جبکہ وہ بالکل غلط راستہ پر سمجھتے ہیں اس وقت انگریز ہندوستانی معاملات میں اپنے رویہ کے اندر
ایک [illegible] محسوس کریں گے اور وہی وقت ہو گا کہ وہ تمام تباہ کن آلات جنگ آج [illegible] ہندوستان میں رکھنا [illegible]
[illegible] جانتا ہوں کہ یہ ایک دور افتادہ خواب ہے لیکن اس کی مجھے پرواہ نہیں ہے میں یہ کافی سمجھتا ہوں کہ روشنی کو دیکھوں
[illegible] اور اس کے مطابق عمل کروں اگر میری اس پیشنگوئی میں مناسب ساتھی دستیاب ہو جاویں تو میرے بچنے کا فی سے بھی زیادہ
[illegible] اپنے انگریز دوستوں سے کہا ہے کہ یہ صورت عدم تشدد کے وعظ کی اشاعت اور اس کی عملی
[illegible] تمام [illegible] میں رہنما ہوں [illegible]
[illegible]

[illegible] نگاہ سے ساتواں اعتراض اس قابل نہیں کہ اس پر غور کیا جاوے۔ اگر لوگ تحریک عدم تعاون پر لبیک نہ
کہیں تو یہ قابل افسوس بات ہو گی لیکن اس کو ایک [illegible] کے لئے اس کی آزمائش سے باز رکھنے کا سبب قرار نہیں دیا جا
سکتا [illegible] موجودہ حالت میں کسی قسم کی اندرونی طاقت یا علم موجود نہیں ہے بلکہ یہ لاعلمی اور توہم پرستی سے اس کی
[illegible] ہوئی ہے۔

(۸) اگر عدم تعاون کو سرگرمی کے ساتھ اختیار کیا جاوے تو بجائے [illegible] کہ اصلاحات کی سرگرمیاں معطل ہو جائیں
[illegible] ترقی کی رفتار [illegible] عدم تعاون کو اتنا زبردست
[illegible] کہ اگر سرگرم اسپرٹ کے ساتھ اس کا آغاز کیا تو یہ کامیابی خود اختیاری کی تلاش کے مترادف ہو گا اور [illegible] تمام
[illegible] مفقود ہو جائیں گی۔ تب عوام اپنی چھپی طاقت کا احساس کرنے لگیں گے اور پھر ترتیب، خود ضبطی و قول مشترکہ عمل۔ عدم
[illegible] چیزوں کی قدر کرنا سیکھ جاویں گے جو کسی قوم کو محض عظیم الشان ہی نہیں۔ بناتی بلکہ عظیم الشان اور اچھی بھی
بناتی ہے۔

(۹) [illegible] مجھے یہ حق حاصل ہے کہ میں اپنے مسلمان بھائیوں سے زیادہ اپنی نیک نیتی اور خلوص کا فخر
کروں لیکن اس امر کا اعتراف کرتا ہوں کہ وہ تعلیم عدم تشدد پر مکمل طور پر یقین نہیں رکھتے ہیں ان کے نزدیک یہ کمزور کا آلہ
[illegible] مصلحت کی بنا پر استعمال کیا جاتا ہے وہ عدم تشدد [illegible] ترک موالات کو براہ راست جنگ کرنے کا ایک پہلا

راستہ سمجھتے ہیں میں جانتا ہوں کہ اگر مسلمان تشدد کو کامیابی کے ساتھ پیش کر سکتے تو آج ہی اس پر عمل درآمد کرتے لیکن انکو
یقین ہے کہ یہ بالکل ناممکن ہے لہذا ان کے لیئے عدم تعاون محض ایک ایسا معاملہ نہیں ہے جو فرض سمجھا جاوے بلکہ وہ انتقام
کا ذریعہ بھی سمجھتے ہیں میں نے اگرچہ عدم تعاون کا عزم گورنمنٹ کے خلاف کیا ہے تاہم میں برطانوی دستور اساس کا بہت احترام کرتا
ہوں میرا محض یہی نہیں کہ انگریزوں سے کوئی دشمنی نہیں رکھتا بلکہ انگریزی عادات واخلاق کو اپنے لیئے قابل رشک خیال کرتا ہوں
کسی سے دشمنی کرنا میرے مذہب کے خلاف ہے اور اسی قسم کے جذبات میں مسلمانوں کے ساتھ رکھتا ہوں میں سمجھتا ہوں کہ انکا
معاملہ بالکل خالص اور منصفانہ ہے اور اگرچہ ان کا مطمح نظر میرے نقطۂ خیال سے مختلف ہے تاہم میں ان سے وابستہ ہونے میں
پس وپیش نہیں کرتا اور ان کو دعوت کرتا ہوں کہ میرے طریقۂ عمل کی آزمائش کریں میرا یقین ہے کہ ایک باقاعدہ [illegible]
فائدہ پہونچانے میں قاصر نہیں رہتا۔

مسٹر لائڈ جارج کے یہ الفاظ کہ ہم اس لیئے جنگ نہیں کرتے ہے کہ ترکوں کو انکی سرزمین سے محروم کر دیں لیکن آج ایشیائے کوچک اور تھریس کے زرخیز خطوں میں سے انکے لیئے کچھ بھی نہیں چھوڑا گیا

(مسٹر کینڈلر کی کھلی چٹھی) از قلم مہاتما گاندھی - ۲۶ - مئی ۱۹۲۰ء

مسٹر کینڈلر نے اہم ترین مسئلہ پر میرے نام ایک کھلی چٹھی لکھ کر مجھے عزت بخشی ہے۔ خط پہلے ہی پبلک میں شائع ہو چکا ہے
میں مسٹر کینڈلر کی پوزیشن کی تعریف کر سکتا ہوں اور ان سے دیگر دوسرے انگریزوں سے اس کی امید رکھوں گا کہ وہ میری اور [illegible]
ہندوؤں کی جو ہر طرح حالات کا احساس کرتے ہیں تعریف کریں۔ مسٹر کینڈلر نے مکتوب سے اس امر کو روشن کرنے کی کوشش
کی ہے کہ [illegible] مسٹر لائڈ جارج کے وعدہ کو نہیں توڑا۔ میں ان سے بالکل متفق ہوں کہ مسٹر لائڈ جارج کے الفاظ [illegible]
مسلمانوں کے مطالبہ کی تائید [illegible]
[illegible]
ایشیائے کوچک اور تھریس کے [illegible] سرزمین سے جہاں کہ ترکی آبادی کی اکثریت ہے محروم کر دیا [illegible]

"مل نسل" کے معنی "متصل" کے سمجھتے ہیں برخلاف اس کے میں اس ضمیر کا استعمال اس کے قدرتی اور حقیقی معنوں میں کرتا ہوں یعنی یہ کہ وزیراعظم ۱۹۱۸ء میں یہ جانتے تھے کہ جن ممالک کا انھوں نے حوالہ دیا ہے اس میں ترکی نسل کثرت سے آباد ہے اور اگر اس کے بھی معنی نہیں جو پہلے بیان کئے ہیں تو میں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ مواعید کو بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ توڑا گیا ہے کیونکہ عملی طور پر ترکوں کے لئے ایشیا کوچک اور تھریس کے مشہور و زرخیز خطوں میں تھوڑا سا بھی نہیں چھوڑا گیا۔

سلطان کو قسطنطنیہ میں برقرار رکھنے کے متعلق میں اپنی رائے کا اظہار کر چکا ہوں لیکن یہ کہنا کہ شرائط صلح کی رو سے ترکی سلطنت کو خاص ترکی نسل کے وطن میں اور قسطنطنیہ کو بحیثیت ترکی دار السلطنت کوئی نقصان نہ پہونچے گا۔ انسانی ذکاوت وذہانت کی بے حرمتی کرنا ہے ذیل میں ایک اور عبارت نقل کی جاتی ہے جس کو غالباً مسٹر کینیڈ رجا ہتے ہیں کہ میں مذکور الصدر عبارت کے ساتھ مطالعہ کروں: "ہم اگرچہ ہم ترکی سلطنت کو ترکی قوم کے اصل وطن میں قایم رہنے کی ایسی صورت میں کہ قسطنطنیہ اسکا دار الخلافتہ برقرار رہے۔ مخالف نہیں۔ لیکن بحر متوسط اور بحر اسود کا درمیانی راستہ بین الاقوامی ہونا چاہیئے۔ آرمینا۔ عراق۔ عرب شام اور فلسطین ہماری رائے میں یہ حق رکھتے ہیں کہ ان کی جداگانہ قومی حالت کو تسلیم کر لیا جاوے"

کیا اس کے یہ معنی تھے کہ ترکی اثر کو بالکل زائل کر کے ترکی سیادت کا چراغ گل کر دیا جاوے۔ اور علمبرداریوں کے پردہ میں عیسوی و یورپین اثر قایم کیا جاوے۔ کیا عرب۔ آرمینا عراق۔ عرب شام اور فلسطین کے مسلمانوں سے استصواب کیا گیا ہے یا یہ جدید انتظام ان پر ان حکومتوں کی جانب سے جبریہ عاید کیا گیا ہے جو اپنے اس فعل میں انصاف کے مقابلہ میں اپنی وحشیانہ طاقت سے زیادہ آگاہ ہیں؟ ہم یہاں عربوں میں آزادی کی اسپرٹ سرجانز ذریعے سے دیکھنا پسند کرونگا لیکن یہ خیال کرتے ہوئے میں کانپتا ہوں کہ ان اسکیموں کے ماتحت جو لالچی سرمایہ داروں نے ان کے ملک کو لوٹ مار کرنے کے لیئے وضع کی ہیں ان کا کیا حشر ہوگا۔ اگر وعدہ پورا کرنا ہے تو ان مقامات کو حکومت خود اختیاری زیر سیادت سلطنت ترکی جیسا کہ ٹائمز آف انڈیا نے تجویز کیا ہے ملنی چاہیئے۔ اور عربوں کو اندرونی آزادی کے لیئے ترکوں سے کافی ضمانتیں لیجاویں لیکن اس سیادت کو زائل کرنا یا خلیفۃ اسلام کو مقامات مقدسہ کی خدمت سے محروم کرنے کے یہ معنی ہیں کہ خلافت کو ایک مضحکہ بنانا ہے جس کو کوئی مسلمان بھی تحمل سے نہیں دیکھ سکتا خلافت کے متعلق جو وعدہ کیا گیا ہے اس کے مفہوم سمجھنے میں میں تنہا نہیں ہوں۔ رائٹ آنریبل مسٹر امیر علی بھی شرائط صلح کو عہد شکنی سے منسوب کرتے ہیں مسٹر چارلس رابرٹ برطانوی پبلک کی یاد دہانی کراتے ہیں کہ صلحنامہ ترکی کے متعلق مسلم جذبات وزیراعظم کے اس وعدہ پر مبنی ہیں جو تھریس۔ قسطنطنیہ۔ ایشیا کوچک میں ترکی ممالک کے متعلق گذشتہ ۲۶ فروری کو مسٹر لائیڈ جارج نے بڑے وثوق کے ساتھ دہرایا تھا۔ مسٹر رابرٹ کہتے ہیں کہ وعدہ بحیثیت مجموعی معرض بحث میں آنا چاہیئے محض قسطنطنیہ کے لیئے ہی اس کو لازمی سمجھنا چاہیئے بلکہ تھریس اور ایشیائے کوچک کے لیئے بھی وہ لازمی ہے وہ آگے چل کر کہتے ہیں کہ وزیراعظم کا وعدہ تمام قوم کا وعدہ ہے اور اس کے کسی جزو سے انحراف کرنا تمام برطانوی سلطنت کی طرف سے عہد شکنی سمجھا جائے گا۔ مسٹر رابرٹ یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ اگر عہد شکنی کے الزام کا کوئی ناقابل تردید جواب موجود ہے تو وہ دینا چاہیئے وزیراعظم اگر اس بات کو ناپسند کرتے ہیں کہ اپنے وعدہ کو معمولی سمجھیں تو ان کو اختیار ہے لیکن ان کو یہ حق ہرگز حاصل نہیں کہ کسی ایسے وعدہ کو شکست کریں جو انہوں نے پوری

قوم کی طرف سے کیا ہو۔ مسٹر رابرٹ کہتے ہیں "میرے پاس اس امر کے باور کرنے کے لیئے کافی ثبوت موجود ہیں کہ ان خیالات کی تائید وزارت کے سربرآوردہ ممبران بھی کرتے ہیں" مجھے تعجب ہے کہ مسٹر کینیڈلر کو یہ بھی معلوم نہیں کہ انگلستان میں کیا ہو رہا ہے۔ اخبار نیو ایج میں مسٹر پکتھال رقمطراز ہیں "عارضی صلح سے اتنک جو کافی وقت ملا ہے اس میں کوئی غیر جانبدارانہ بین الاقوامی تحقیقات آرمینا کے قتل عام کے متعلق نہیں کی گئی ترکی گورنمنٹ نے ایسی تحقیقات کے لیئے کہا تھا لیکن آرمینی تنظیم کر نیوالے آرمینیہ کی تقسیم کے حامی اس قسم کی بات کو سننا بھی پسند نہیں کرتے ہیں کہ برائس لینس کی رپورٹیں ترکوں کو مورد الزام ٹھہرانے کو کافی ہیں۔ گذشتہ سال بین الاتحادی کمیشن نے سمرنا کے منحوس واقعات کی تفتیش کر کے جو رپورٹ پیش کی وہ یونانی مطالبات کے منافی تھی اس لیئے انگلستان میں اس رپورٹ کو شایع نہیں کیا گیا حالانکہ دوسرے ممالک میں عرصہ سے پبلک اس سے باخبر ہے" مسٹر پکتھال آگے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ کس طرح یونانی اور آرمینی ایجنٹ اپنے معاملہ کو ہر دلعزیز بنانے کے لیئے روپیہ بکھیر رہے ہیں "گہری جہالت اور مکارانہ جھوٹ کا یہ اتصال برطانوی سلطنت کے لیئے بہت پر خطر ہے۔ وہ گورنمنٹ یا وہ پبلک جو ہر بار حکمت عملی حقیقت واقعی پر پروپیگنڈا کو ترجیح دیتی ہو آپ اپنی مذلت کرتی ہے"

میں نے اوپر جو اقتباس دیا ہے وہ یہ ظاہر کرنے کے لیئے ہے کہ برطانیہ کی موجودہ حکمت عملی ایک غیر آل اندیشانہ توعیت کے پروپیگنڈا کے بل بوتہ پر کام کر رہی ہے۔ لندن کرانیکل رقمطراز ہے کہ وہ ٹرکی جو سترہویں صدی عیسوی میں از روئے شرائط صلح ایشیاء افریقہ اور یورپ کے بیس لاکھ مربع میل پر قابض تھی اب ایک ہزار مربع میل سے کچھ زیادہ پر قابض ہے "تمام یورپین ٹرکی لینڈ سینڈ اور ٹامارسک کے درمیان نہایت آسانی کے ساتھ سما سکتی اور کار نوال رقبہ کے لحاظ سے اس سے زیادہ بڑا ہے اور اگر ترکی جرمنی کا شریک نہ ہوتا تو مشرقی بلقان میں ساٹھ ہزار مربع میل اس کے تسلط میں آ سکتا تھا" مجھے نہیں معلوم کہ کرانیکل کی اس رائے کی عام طور پر تائید کی جاتی ہے۔ کیا یہ بطور سزا کے ہے کہ سلطنت ٹرکی اس قدر مختصر کر دی گئی یا یہ کہ انصاف اسکا مطالبہ کرتا ہے؟ اگر ترکی نے جرمنی سے شرکت عمل کرنے کی غلطی نہ کی ہوتی تو کیا پھر بھی قومیت کا اصول آرمینہ۔ عرب۔ عراق عرب اور فلسطین پر چسپاں کیا جاتا۔

میں ان لوگوں کی یاد دہانی کرانا چاہتا ہوں جو مسٹر کینیڈلر کی طرح یہ خیال کرتے ہیں کہ مسٹر لائڈ جارج نے ہندوستان کے لوگوں سے رنگروٹ بھرتی کرانے کی توقع میں یہ وعدہ نہیں کیا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مسٹر لائیڈ جارج نے اپنے بیان کی تائید مندرجہ ذیل الفاظ میں کی ہے:۔

"اس اعلان کا ہندوستان میں یہ اثر ہوا کہ اسیوقت سے رنگروٹوں کی بھرتی قابل ستائش طریق پر ہونے لگی رنگروٹ سب کے سب مسلمان نہ تھے لیکن بہت سے ان میں مسلمان تھے۔ اب ہم سے کہا جاتا ہے کہ یہ ترکی کے لیئے ایک ہدیہ تھا لیکن ترکی نے اسے نامنظور کر دیا اور اس لیئے ہم بالکل آزاد تھے یہ اکثر فراموش کر دیا جاتا ہے کہ ہم دنیا میں سب سے بڑی مسلمانی حکومت کے دعویدار ہیں اور برطانوی سلطنت میں ایک چوتھائی آبادی مسلمانوں کی ہے۔ آزمایش کے وقت پیا سلطنت کا باانتر اور وفادار ساتھی اور تخت کا وفادار امداد کرنے والا مسلمانوں سے زیادہ کوئی نہیں ہوا۔ ہم نے ان سے ایک معقول عہد کیا اور انھوں نے اسے منظور کر لیا۔ اب وہ اس اسکیم سے پریشاں ہو رہے ہیں کہ ہم اپنے وعدہ کی ایفا سے

انحراف کریں"۔ اس عہد کا کون مفہوم نکالے اور کس طرح مفہوم نکالے؟ حکومت ہند خود اس کا کیا مفہوم سمجھتی ہے؟ کیا یہ عہد اس مطالبہ کی سرگرمی کے ساتھ تائید نہیں کرتا کہ مقامات مقدسہ باقاعدہ خلیفہ کو دیا جاوے؟ کیا گورنمنٹ ہند نے یہ تجویز کیا تھا کہ اس عہد کے مطابق جزیرۃ العرب خلیفہ کے حلقۂ اثر سے علیحدہ کر دیا جاوے اور اتحادیوں کی نگہداری کے ماتحت دیدیا جاوے؟ اگر شرائط صلح ویسی ہیں جو فی الحقیقت ہونی چاہئیں تو پھر گورنمنٹ ہند کیوں مسلمانوں سے اظہار ہمدردی کرتی ہے۔ میں اپنے متعلق یہ حفاظت کروں گا کہ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ میرے دعوؤں کا ثبوت یا عدم ثبوت مسٹر لائڈ جارج کے اعلان پر ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر کینڈلر سمجھتے ہیں کہ میرا مقصود خلافت کے لیے انصاف حاصل کرنے سے کچھ زیادہ ہے۔ اگر ایسا ہے تو ان کا خیال صحیح ہے۔ انصاف کا حصول بلا شبہ بنیادی اصول ہے اور اگر مجھے یہ معلوم ہو جاوے کہ اس مسئلہ میں میرا خیال غلط تھا تو میں امید کرتا ہوں کہ مجھ میں اتنی جرأت موجود ہے کہ فوراً اپنے قدموں کو واپس ہٹا لوں لیکن مسلمانوں کی اس کی تاریخ کے نازک وقت میں امداد کر کے میں ان کی دوستی حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ علاوہ ازیں اگر میں مسلمانوں کو اپنے قدم بقدم لے جا سکا تو میں امید کرتا ہوں کہ برطانیہ عظمی کو اس راہ تنزل سے محفوظ رکھ لوں گا جس پر مسٹر لائیڈ جارج اس کو لیجا رہے ہیں۔ میں سلطنت اور ہندوستان پر یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ ایثار و قربانی کی تھوڑی سی قابلیت پیدا کر کے نہایت پر امن اور صاف ذرائع کے ساتھ انگریزوں اور ہندوستانیوں میں کسی قوم کی نفرت یا حقارت پیدا کیے بغیر انصاف حاصل کیا جا سکتا ہے۔ میرے طریقوں کا مخالف آخر خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو میں یہ باور کرنے کے لیے ان سے بخوبی واقف ہوں کہ وہ دوامی نفرت سے بالکل پاک اور آزاد ہیں۔

برطانوی دستور اساسی صرف ان لوگوں کی امداد کرتا ہے جو آپ اپنی مدد کیلئے تیار ہوتے ہیں مجھے یقین نہیں ہے کہ یہ کمزور کی بھی حفاظت کرتا ہے۔

(وائسرائے سے اپیل) ینگ انڈیا ۳۰ جون ۱۹۲۰ء

اس حیثیت سے کہ میں ایک [illegible] ہوں اور اس حیثیت سے کہ میں سلطنت برطانیہ کا بہی خواہ ہوں میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ آپ [illegible] اور [illegible] کو خلافت کے مسائل میں ظاہر کروں۔

جنگ کے اول [illegible]

کر دی گئی۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ جس وقت ترکی نے جرمنی کے ساتھ اشتراک عمل کا فیصلہ کر لیا تو لندن کی چھوٹی سی اسلامی دنیا میں کتنا اضطراب پیدا ہوا۔ ۱۹۱۵ء میں ہندوستان پہونچنے پر میں نے وہی بے چینی اور سرگرمی ان مسلمانوں میں پائی جن میں سے ملاقات کی۔ جس وقت خفیہ معاہدوں کا راز طشت از بام ہوا تو ان کی بے چینی اور بڑھ گئی۔ ان کے دل برطانیہ کی طرف سے بے اعتمادی سے پھر گئے اور ناامیدی نے ان پر قبضہ جما لیا۔ ایسے نازک موقع پر بھی میں نے اپنے مسلمان دوستوں کی ناامیدی کو برطرف کرنے کا مشورہ دیا اور کہا کہ وہ اپنے خوف اور امیدوں کو ایک منتظم طریقہ پر پیش کریں۔ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ مسلمانان ہند نے گذشتہ پانچ سال کے اندر بڑے بے نظیر طریقہ پر اپنے اوپر قابو رکھنے کی روش اختیار کی اور لیڈروں نے اپنے قوم کے سرکش طبقہ کو پوری طرح سے قابو میں رکھا۔

شرائط صلح اور آنریبل آپ کی بیرونی کاری نے مسلمانان ہند کو وہ صدمہ پہونچایا جس کی تلافی دشوار ہے۔ شرائط صلح وزیر اعظم کے وعدوں کے برخلاف ہیں اور ان میں مسلم جذبات کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایک ان میں سے راسخ الاعتقاد ہندو کی حیثیت سے جو اپنے مسلمان ہم وطنوں کے ساتھ قریبی دوستانہ شرائط پر زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں میں ہندوستان کا ایک نالائق فرزند ثابت ہوں گا اگر میں ان کی آزمائش کے وقت ان کے دوش بدوش نہ کھڑا ہوں۔ میری ناچیز رائے میں ان کا معاملہ بالکل درست ہے۔ وہ اس امر کے مدعی ہیں کہ اگر حکومت مسلمانوں کے جذبات کا احترام کرتی ہے تو اس کو چاہیئے کہ ترکی کو سزا نہ دے۔ مسلمان سپاہی جنگ میں اس لیئے شریک اور نہیں ہوئے تھے کہ خاص ان کے خلیفہ ہی کو سزا دی جاسکے یا اس کو اس کے مقبوضات سے محروم کر دیا جاوے۔ مسلمانوں کا رویہ پانچ سال سے یکساں رہا ہے۔

میرا وہ فرض جس کی بنا پر میں سلطنت کا وفادار رہنے پر مجبور ہوں اس امر کا مطالبہ کرتا ہے کہ میں اس ظلم کا مقابلہ کروں جو مسلم جذبات کے ساتھ کیا گیا ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے مسلمان اور ہندو دونوں بحیثیت مجموعی برطانوی انصاف میں اعتماد نہیں رکھتے۔ ہنٹر کمیٹی کی اکثریت کی رپورٹ کا مراسلہ اور مسٹر مانٹیگو کے جواب نے اس بداعتمادی کو اور زیادہ بڑھا دیا ہے۔ ایسی صورت حالات میں مجھ جیسے شخص کے لیئے صرف یہ راستہ کھلا ہوا ہے کہ یا تو بحالت مایوسی برطانوی حکومت سے جملہ تعلقات منقطع کر لوں اور یا اگر ہنوز اس واقعہ پر بھروسہ رکھوں کہ برطانوی دستور اساسی تمام موجودہ کانسٹی ٹیوشنوں پر فوقیت رکھتا ہے تو ایسی تدابیر اختیار کروں جو گذرے ہوئے مظالم کی اصلاح کرا سکیں۔ اور ضائع شدہ اعتماد کو دوبارہ قائم کر دیں جس فوقیت کا میں نے تذکرہ کیا ہے مجھے اب تک اس پر اعتماد ہے اور مجھے امید ہے کہ اگر ہم ضروری قربانی کی قابلیت کا اظہار کریں گے تو کسی نہ کسی طرح انصاف ضرور حاصل ہو سکے گا۔ میں برطانوی دستور اساسی کا مفہوم یہ سمجھا ہوں کہ یہ صرف ان لوگوں کی امداد کرتا ہے جو آپ اپنی مدد کرنے کے لیئے تیار ہو سکتے ہیں۔ مجھے یقین نہیں کہ یہ کمزور کی بھی حفاظت کرتا ہے۔ طاقتور آدمی کو یہ دستور کافی موقع دیتا ہے کہ وہ اپنی طاقت کو قائم رکھ سکے اور اسی میں ترقی پیدا کرے لیکن کمزور آدمی اس دستور کے ماتحت ہمیشہ ناکام رہتا ہے۔

چونکہ میں برطانوی کانسٹی ٹیوشن میں یقین رکھتا ہوں اس لیئے میں نے اپنے مسلمان دوستوں کو مشورہ دیا ہے کہ اگر شرائط صلح وزراء برطانیہ کے مواعید اور مسلم جذبات کے مطابق بار دگر زیر بحث نہ لائی جاویں تو وہ آپ کی گورنمنٹ سے ترک تعاون

کردیں اور ہندو ان کے شریک ہو جاویں۔ اس ناانصافی پر جس میں ملک معظم کی وزارت بھی ایک فریق ہیں اظہار ناپسندیدگی کرنے کے لیے مسلمانوں کے لیے صرف تین راستے کھلے ہوئے تھے۔

(۱) تشدد پر اتر آئیں (۲) عام ہجرت کا مشورہ دیں (۳) گورنمنٹ کے ساتھ عدم تعاون کرکے اس فریق میں شامل نہ ہوں جو ناانصافی کا مرتکب ہوا ہے۔

جناب والا کو علم ہوگا کہ ایک وقت ایسا تھا جبکہ مسلمانوں میں سب سے زیادہ بہادر لیکن نہایت کم سمجھ لوگ تشدد کی تائید کر رہے تھے۔ اور محض ہجرت ہنوز نعرۂ جنگ کے بجائے استعمال کیا جا رہا ہے میں یہ دعوے کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ بہت ٹھنڈے استدلال سے میں نے انتہا پسند پارٹی کو اس کی راہ سے علیحدہ کیا ہے میں اس امر کا اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے اس امر میں کامیابی حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی کہ مسلمانوں کو اخلاقی بنیادوں پر تشدد سے علیحدہ رکھوں بلکہ خالصتاً فائدہ مند ہونے کے لحاظ سے میں نے ان کو اس راہ سے باز رکھا ہے۔ بہر صورت اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تشدد کا سدباب ہو جاوے اور مسئلہ ہجرت اگرچہ اس کی سرگرمیاں بالکل بند نہیں ہوئیں لیکن اس کو لائحہ عمل سے دھچکہ ضرور پہنچا ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ دنیا کی کوئی انسدادی پالیسی اس تشدد آمیز آتش فشانی کو نہیں روک سکتی تھی اگر ان کے سامنے ایک ایسا لائحہ عمل پیش نہ کر دیا جاتا جس میں ایثار اور ذاتی قربانی کی سب سے زیادہ ضرورت ہے اور جس پر اگر پبلک عمل کرے تو کامیابی یقینی ہے۔ اس لائحہ عمل کا زیادہ نام عدم تعاون ہے۔ قدیم الایام سے رعایا کا یہ حق تسلیم کر لیا گیا ہے کہ اگر حکمران خراب طرح سے حکومت کرے تو رعایا اس کی امداد سے انکار کر دے۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ عدم تعاون جب عوام عمل پیرا ہوں گے اس میں بہت سے خطرات موجود ہیں لیکن مسلمانان ہند پر جس قسم کا نازک وقت آپڑا ہے اس کے لحاظ سے کوئی قدم جو خطرہ سے خالی ہو مطلوبہ تغیر نہیں پیدا کر سکتا اس وقت بعض خطروں سے بچنا یہ معنی رکھتا ہے کہ آئندہ اس سے کہیں زیادہ خطروں کو اپنے اوپر بلا لیا جاوے۔ لیکن عدم تعاون سے بچنے کے لیے ہنوز ایک بات باقی ہے مسلمانوں کے نمائندوں نے جناب سے درخواست کی ہے کہ جیسے آپ کے پیش رو نے جنوبی افریقہ کی مشکلات کے وقت رہبری کی تھی اسی طرح اب بھی بذات خود اس ایجی ٹیشن کی رہنمائی فرماویں لیکن اگر آپ ایسا نہیں کر سکتے اور عدم تعاون ناگزیر ہو جاتا ہے تو میں امید کرتا ہوں کہ جناب والا مجھ کو نیز ان لوگوں کو جنہوں نے میرے مشورہ کو مانا ہے اس امر کی باعزت دینگے کہ ہمارے فعل کو محض بربنائے فرض منصبی تصور فرماویں۔

لابرنم روڈ گام دیوی
بمبئی ۲۲ جون ۱۹۲۰ء

میں ہوں آپ کا وفادار خادم
(دستخط) ایم۔ کے۔ گاندھی

یافتہ ہندوستانی خیال کرسکتے ہیں کہ تحریک خلافت ایک سرسری دور ہے لیکن کروڑ ہا مسلمان اسکے خلافت تصور کرتے ہیں مسلمانوں کی ہجرت میں ترقی ہو رہی ہے۔ اخبارات کی عبارت ناظرین کو مطلع کرتی ہے کہ ایک بیرسٹر کی سرکردگی میں ایک اسپیشل ٹرین جسمیں ساٹھ عورتیں، چالیس بچے جنمیں ۲۰ شیرخوار ہیں، کل ۷۶۵ آدمی ہیں افغانستان روانہ ہوگئی۔ راستہ میں انکا استقبال نعرہائے مسرت سے کیا گیا۔ نقد روپیہ، اشیاء خوردنی اور دوسری ضروریات کی چیزیں انکی خدمت میں پیش کی گئیں۔ راستہ میں اور مہاجرین ان میں شامل ہوئے۔ شوکت علی جیسے لوگوں کی متعصبانہ تقاریر لوگوں کو گھر بار چھوڑکر ایک غیر معلوم سرزمین کی طرف جانے پر مائل نہیں کرسکتیں ضرور اسمیں مذہبی عقیدہ کا زور شامل ہے، غالباً وہ عقیدہ یہ ہے کہ ان لوگوں کے لئے زیادہ بہتر یہ ہے کہ وہ ایک ایسی قلمرو کو خیرباد کہدیں جسمیں انکی مذہبی احساسات کا مطلق خیال نہیں کیا جاتا اور فقیرانہ زندگی بسر کریں بہ نسبت اسکے کہ اس حکومت میں رہیں، خواہ وہاں انکی زندگی شاہانہ طریقہ پر ہی کیوں نہ بسر ہوتی ہو۔ اس منظر سے جو اسوقت حکومت ہند کے پیش نظر ہے اسکو بجز اسکی طاقت کے تازے اور کوئی چیز اندھا نہیں بنا سکتی۔

تاہم اس تحریک کا ایک رُخ اور بھی ہے۔ ذیل میں وہ واقعات درج کئے جاتے ہیں جو ۱۰ ماہ رواں کے سرکاری کمیونک نے بیان کئے ہیں:- کاچاگڑھی کے مقام پر پشاور اور جمرود کے درمیان مہاجرین کے سلسلہ میں ۸ ماہ رواں کو ایک منحوس واقعہ ظہور پذیر ہوا، جو واقعات موصول ہوئے ہیں وہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ مہاجرین کی پارٹی کے دو ممبران بلا ٹکٹ جمرود کی طرف سفر کر رہے تھے، برطانوی فوجی پولیس نے انکو تاڑ لیا، اسلامیہ کالج اسٹیشن پر تکرار ہوئی لیکن ٹرین کاچاگڑھی کو روانہ ہوگئی۔ ان مہاجرین کو بیدخل کرنیکی کوشش کی گئی جسپر چالیس مہاجرین کے ایک گروہ نے برطانوی فوجی پولیس پر حملہ کیا اور برطانوی افسر کو جسنے دخل اندازی کی تھی ایک کُدال کے ذریعہ بری طرح زخمی کردیا گیا، اسپر کاچاگڑھی کی ہندوستانی سپاہ کے ایک دستہ نے مہاجرین پر دو یا تین فیر کئے۔ کیونکہ مہاجرین نے برطانوی افسر پر قاتلانہ حملہ کیا تھا، ایک مہاجر مرگیا، ایک مجروح ہوا، اور تین گرفتار کر لئے گئے، فوج اور پولیس دونوں کو چوٹیں آئیں مُردہ مہاجر کی نعش پشاور بھیجدی گئی جہاں ۹ تاریخ کی صبح اسکو دفن کردیا گیا۔ اس سانحہ نے پشاور شہر میں بہت ہلچل مچادی، اور خلافت ہجرت کمیٹی کے ممبران قابو طلب اثر سے کام لے رہے ہیں۔ ۹ تاریخ کی صبح کو دکانیں بند کردی گئیں اسکی پوری پوری طرح تحقیقات کیگئی ہے" پشاور سے جمرود تک چند میل کا فاصلہ ہے، لہذا فوجی عمال کا یہ فرض تھا کہ وہ چند آنوں کی خاطر مہاجرین کو گاڑی سے باہر نہ نکالتے لیکن انہوں نے عملی طور پر جبر و تشدد سے کام لیا اسکا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ مہاجرین کے گروہ کے باقیماندہ لوگ اس میں دخل انداز ہوئے، تکرار اور حجت شروع ہوگئی، ایک برطانوی افسر پر بھالہ سے حملہ کیا گیا جسپر گولی چلائی گئی اور ایک مہاجر مارا گیا۔ کیا اس واقعہ سے برطانوی اقتدار میں کسی قسم کا اضافہ ہوگیا؟ جب ایک مذہبی ہجرت زور شور کے ساتھ جاری ہے تو کیوں حکومت نے دانشمند اور ہوشیار افسران کو سرحد پر تعینات نہیں کیا؟ فوجیوں کا فعل تمام ہندوستانی و نیز تمام اسلامی دنیا میں زبان زد خاص و عام ہوگا، اور دانستہ یا نادانستہ طور پر اسمیں مبالغہ سے کام لیا جاویگا، یہ جذبات جو پہلے ہی تلخ ہیں اور زیادہ تلخ ہوجائینگے۔ گورنمنٹ کمیونک میں اس امر کا اظہار کیا گیا ہے

کہ گورنمنٹ مزید تحقیقات کر رہی ہے، ہم امید کرتے ہیں کہ یہ تحقیقات مکمل ہوگی اور اسکے لئے زیادہ عمدہ انتظامات کئے جاوینگے کہ ایک ایسا فعل دوبارہ سرزد ہو جو محض فوجیوں کی لاپروائی سے ظہور میں آیا۔

کیا میں ان حضرات کی توجہ اس طرف مبذول کرا سکتا ہوں جو عدم تعاون کے مخالف ہیں کہ جب تک اس تحریک کے بجائے کوئی دوسری تحریک اس سے بہتر معلوم کریں اسوقت تک کے لئے یا تو وہ تحریک عدم تعاون میں شامل ہو جاویں اور یا یہ ایک غیر منظم خفیہ شورش کے مقابلہ کے لئے تیار ہو جاویں جسکے نتیجہ کے متعلق نہ تو کوئی پیشین گوئی کی جا سکتی ہے اور نہ اسکے دبانے یا ترتیب میں لانے کا ہی کوئی امکان ہے۔

تھریس، سمرنا، ایڈریا نوپل چھین لیئے گئے شام عراق و عرب میں حکمبرداری قائم کیگئی اور حجاز میں توپ کے سایہ میں ایک برطانوی نامزد شخص مسلط کر دیا گیا۔

(مسٹر اینڈریوز کی دشواریاں) (از قلم مہاتما گاندھی۔ ۲۱ جولائی سنہ ۱۹۲۱ء)

مسٹر اینڈریوز نے جو ہندوستان سے بھی اتنی ہی محبت کرتے ہیں جتنی کہ انگلستان سے اور جن کی زندگانی کا مشن یہ ہے کہ خدا کی خدمت گزاری کریں یعنی ہندوستان میں بنی نوع انسان کی خدمت کریں۔ تحریک خلافت پر بہت سے مشہور مضامین بمبئی کرانیکل میں بھیجے ہیں، انھوں نے انگلستان، فرانس، یا اٹلی کسی کو بھی نہیں چھوڑا انہوں نے ظاہر کیا ہے کہ کس طرح ترکی کے ساتھ ناانصافی کیگئی اور کس طرح وزیر اعظم کا وعدہ توڑا گیا، سب سے آخری مضمون انھوں نے مسٹر محمد علی کے اس خط کے مضمون کی تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے جو مولانا مذکور نے سلطان ٹرکی کے نام ارسال کیا تھا اور اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ مسٹر محمد علی کا مطالبہ اس مطالبہ سے مختلف ہے جو خلافت کے آخری نمایندوں نے وائسرائے کے سامنے پیش کیا تھا اور جسکو وہ خود بھی پسند کرتے ہیں۔

میں نے اور مسٹر اینڈریوز نے جسقدر ممکن ہوسکتا تھا مسئلہ خلافت کے متعلق بحث و تحقیق کی ہے، انھوں نے مجھے کہا تھا کہ میں علانیہ اپنی پوزیشن کو اس مسئلہ کے بارہ میں جتنی ابتک کی ہے اس سے زیادہ مکمل طور پر واضح کروں، اس بحث کو روشنی میں لانے سے انکا واحد مقصد یہ ہے کہ ایک ایسے مسئلہ کو تقویت دیجائے جسکو درحقیقت وہ صحیح خیال کرتے ہیں اور اسکے لئے یورپ کی بہترین آراء کو جمع کیا جاسکے تا کہ اتحادی طاقتیں اور بالخصوص انگلستان محض ندامت محسوس کرکے شرائط صلح پر نظر ثانی کرنے کے لئے مجبور ہو جاویں۔

میں بڑی خوشی کے ساتھ مسٹر اینڈریوز کی دعوت پر لبیک کہتا ہوں اور اس امر کو ظاہر کر کے راستہ صاف کئے دیتا ہوں کہ میں ہر اُس مذہبی تعلیم کو تسلیم نہیں کرتا جو خلاف عقل ہو یا عام اخلاقی اصولوں سے متنازع ہو۔ غیر معقول مذہبی جذبات کو میں اُسوقت برداشت کر سکتا ہوں جبکہ وہ اصول اخلاق کے خلاف نہوں میں خلافت کے مطالبات کو صحیح اور معقول سمجھتا ہوں اور چونکہ اسکے پس پشت دنیائے اسلام کے مذہبی جذبات موجود ہیں اسلئے یہ مسئلہ اور زیادہ طاقتور ہو گیا ہے، میری رائے میں مسٹر محمد علی کا بیان ناقابل حجت ہے، اس میں شک نہیں کہ بیان مذکور کی تحریر سیاسی الفاظ میں لپٹی ہوئی ہے لیکن میں الفاظ پر بحث کرنے کے لئے اُسوقت تک تیار نہیں جب تک کہ بیان کا موضوع معقول ہے مسٹر اینڈریوز کا خیال ہے کہ مسٹر محمد علی کے الفاظ سے یہ ٹپکتا ہے کہ وہ آرمینیوں کے لئے آرمینیہ کی آزادی اور عربوں کے لئے ملک عرب کی آزادی کے مخالف ہیں لیکن میں اسکا یہ مطلب نہیں سمجھتا، تمام مسلمان اور اسلئے میں خیال کرتا ہوں کہ ہندو جس امر کی مخالفت کرتے ہیں وہ انگلستان و نیز دوسری طاقتوں کی وہ جد و جہد ہے جسکے ذریعہ سے اصول حکومت خود اختیاری کے پردہ میں وہ ترکی کو کمزور اور حصے بخرے کرنا چاہتے ہیں، اگر میں اسلام کی اسپرٹ کو صحیح طور پر سمجھتا ہوں تو وہ در اصل اپنے اصل معنوں میں جمہوریت پسند ہے اسلئے آرمینیہ یا عرب اگر آزادی چاہتے ہیں تو وہ انکو ملجائیگی۔ عرب کے معاملہ میں عرب کی مکمل آزادی کے یہ معنی ہونگے کہ خلافت کو کسی عرب رئیس کی طرف منتقل کر دیا جائے اور اس لحاظ سے ملک عرب خالصتاً عربوں کا نہیں رہیگا بلکہ مسلمانوں کی امانت ہو جائیگا اور عرب لوگ بغیر اسلام کو ترک کئے مسلمانوں کی رائے کے خلاف عرب پر مسلط نہیں رہ سکینگے، خلیفہ کو مقامات مقدسہ کا محافظ ہونا چاہئے۔ اس میں اتنی قابلیت ہونی چاہئے کہ تمام دنیا کے خلاف مقامات مقدسہ کی مدافعت کر سکے، اور اگر کوئی ایسا عرب رئیس اٹھا جو سلطان ٹرکی کے مقابلہ میں اس آزمائش میں نیا وہ اطمینان بخش ثابت ہوا تو مجھے اس میں شبہ نہیں کہ وہ خلیفہ تسلیم کر لیا جاویگا۔

عام طور پر اسکا علم ہے کہ سمرنا اور تھریس جسمیں ایڈریانوپل بھی شامل ہے ترکی سے بے ایمانی کے ساتھ چھین لئے گئے ہیں اور شام، عراق عرب میں بڑی بدنیتی کے ساتھ حکمبر داریاں قائم کی گئی ہیں، حجاز میں برطانوی توپ کے زیر سایہ ایک برطانوی نامزدہ شخص مسلط کر دیا گیا ہے، یہ صورت حالت ناقابل برداشت اور بالکل غیر منصفانہ ہے۔ آرمینیہ اور عرب کے مسائل کو چھوڑ کر خاص شرائط صلح کو جس بے ایمانی اور فریب کے ساتھ ناپاک کیا گیا ہے اسکے لئے بھی ضرورت ہے کہ فوراً تبدیل کر دیا جائے، اسی سے آرمینیہ اور عرب کی آزادی کا مسئلہ بھی جس سے اصولاً کوئی شخص انکار نہیں کرتا انصاف کے ساتھ حل ہو جائیگا اور عملاً بھی اسکے لئے آسانی کے ساتھ ضمانتیں کیجا سکیں گی اگر افراد متعلقہ کو کسی حد تک بھی اطمینان دلا دیا گیا۔

ہمیں سلطنت ترکی کو تباہی سے بچانے میں اپنے مسلمان بھائیوں کے دوش بدوش حصّہ لینا چاہیے

(ترکی مسئلہ) از قلم مہاتما گاندھی۔ ینگ انڈیا ۲۹ جون سنہ ۱۹۲۱ء

اگر ہم اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ واقعی کوئی بھلائی کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں ان کے ساتھ اس تحریک پر ہمدردی کرنی چاہیئے جو یورپ میں ترکی قومیت کو نیست و نابود کرنے کے لئے چلائی جارہی ہے۔ صد حیف کہ برطانوی گورنمنٹ علانیہ یا خفیہ اس تحریک کی رہبر ہے۔ ہندوؤں کو اتحادِ اسلامی سے خوفزدہ نہ ہونا چاہیئے۔ تحریک اتحادِ اسلام ہندوستان اور ہندو مذہب کے خلاف نہیں ہے اور نہ اسے ہونا چاہیئے۔ مسلمانوں کو تمام اسلامی سلطنتوں سے ہمدردی رکھنا اور ایسی حالت میں انکی امداد کرنا جبکہ وہ ناجائز طور پر خطرہ میں ہوں ایک فطری امر ہے ہندو اگر مسلمان کے سچے دوست ہیں تو انکے جذبات کی حمایت کرینگے لہذا ہمیں اپنے مسلمان بھائیوں کے دوش بدوش ہوکر ترکی سلطنت کو تباہ ہونے سے محفوظ رکھنے میں حصّہ لینا چاہیئے۔

اگر مسلمان یہ سنیں کہ برطانیہ یونان کی علانیہ مدد کرنیوالا ہے اور یہ سنکر بھڑک اٹھیں تو ہندوؤں میں اس ہیجان نہ پیدا ہونا چاہیئے۔ اگر برطانیہ دیوانہ ہوجائے تو ہندوستان اس منصوبہ میں برطانیہ کی تائید نہیں کرسکتا، اسلئے کہ یہ اسلام سے اعلان جنگ کرنے کے مرادف ہوگا۔ انگلستان کو ابھی غور و خوض کرنیکا وقت موجود ہے وہ آئندہ بیدار شدہ ہندو مسلمانوں کو غلامی میں نہیں رکھ سکتا۔ اگر ہندوستان سلطنت برطانیہ کے دوسرے حصوں کی طرح برابر کا شریک ہوسکتا ہے تو اس طرح کہ اسکے نمایندوں کے رایوں کی تعداد ہر دوسرے حصّہ کے نمائندوں کے رایوں کی تعداد سے بہت زیادہ ہو۔

ایک آزاد مشترکہ جمہوریت کے ہر رکن کو حق ہے کہ وہ جمہوریت سے اپنے کو علیحدہ کرلے جبکہ اسکی رائے میں جمہوریت مشترکہ اُصولوں پر قائم نہ رہے۔ اگر ہندوستانی نمائندے اپنی رایوں کا غلط استعمال کریں تو انگلستان کو اختیار ہے کہ وہ شرکت سے دست بردار ہوجاوے جسطرح کہ دوسرے اراکین کو اس قسم کا حق حاصل ہے۔ اس طرح اگر ہندوستان اپنی اصلی جگہ حاصل کرے تو مرکز توازن انگلستان سے ہٹ کر ہندوستان میں آجانا چاہیئے سلطنت میں رہ کر سوراج حاصل کرنے سے میرا مقصد ہے کہ مادّی طاقتوں کا خیال ہمارے دماغوں سے بالکل نکلجانا چاہیئے۔ ہمیشہ عقل و دلائل سے رہنمائی کرنی چاہیئے نہ کہ تلوار سے۔

ہندوستان کی بھی حالت انگلستان کی طرح ہے آج ہم سلطنت میں رہ کر سوراج حاصل کرنا چاہتے ہیں اس

امید ہے کہ انگلستان آخر میں ہمارے ساتھ وفا کریگا اور اگر انگلستان سچا ثابت نہوا تو پھر ہم مکمل آزادی کی جدوجہد کرینگے، لیکن اگر یہ بات ناقابل تردید طریقہ پر ثابت ہو جائے کہ برطانیہ ٹرکی کو برباد کرنا چاہتا ہے تو ہندوستان کے لئے محض یہی چارۂ کار رہ جاتا ہے کہ وہ مکمل آزادی حاصل کرے، اگر ٹرکی کی ہستی اس طرح معرض خطر میں رہی تو مسلمانوں کے لئے تو کوئی دوسرا راستہ ہی نہیں - اگر ان سے ہو سکا تو وہ تلوار بے نیام کر لینگے اور مر مٹیں گے یا ترکوں کے ساتھ مظفر و منصور ہو جائینگے لیکن اگر گورنمنٹ ہند کی پالیسی کی وجہ سے مسلمانوں نے برطانیہ کے خلاف اعلان جنگ نہ کیا تب بھی کم از کم وہ اس حکومت کی وفاداری سے قطع تعلق کر لیں گے جو شرارت کی وجہ سے ٹرکی سے جنگ کرنا چاہتی ہے - ہندوؤں کا فرض بھی ایسا ہی صاف ہے اگر ہمیں مسلمانوں پر اب بھی بھروسہ نہیں اور اگر ہم ان سے ابھی خوف کھائے جاتے ہیں تو ہمیں برطانیہ کا ساتھ دینا چاہئے اور اپنی غلامی کے زمانہ کو بڑھا دینا چاہئے لیکن اگر ہم اتنے بہادر اور مذہبی ہیں کہ ان سے نڈر ہیں کیونکہ وہ بھی ہمارے ہموطن ہیں اور اگر ہم میں اتنی عقل ہے کہ ان پر اعتماد کر سکیں تو ہمیں مسلمانوں کا اور اپنا نصب العین ایک کر لینا چاہئے اور پر امن اور سچے طریقہ سے آزادی حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے - ہندوؤں کے لئے خواہ برائے آزادی خواہ سلطنت کے اندر سوراج حاصل کرنے کے لئے صرف ایک ہی راستہ پر امن عدم تعاون کا ہے

ہندوستان اگر پر امن رہنے کی طاقت کو سمجھ جائے تو آج اسے تو آبادیوں کی سی وقعت یا آزادی حاصل ہو سکتی ہے - جب ہندوستان یہ سبق حاصل کریگا تو وہ عدم تعاون کے تمام مدارج طے کر سکتا ہے حتی کہ عدم ادائیگی ٹیکس کی بھی قابلیت اسمیں پیدا ہو جائیگی، ہندوستان گو آج تیار نہیں لیکن اگر ہم ٹرکی کے برباد کرنے اور اپنی غلامی کے بڑھانے کے تمام منصوبوں کو تحس نحس کرنے کے لئے تیار ہیں تو ہندوستان میں پر امن رہنے کی تحریک جلد سے جلد پھیلائی جا سکتی ہے - پر امن صرف کمزوروں ہی کو نہ رہنا چاہئے بلکہ طاقتوروں کو اس اصول پر عمل درآمد کرنا چاہئے طاقتور انسان قتل و غارت گری سے نفرت کرتا ہے اور حق و صداقت کا بول بالا کرنے کے لئے خوشی سے جان دیدیتا ہے ؎

سیاسی طاقت مذہب کیلئے ایک لعنت ہے تاریخ بتاتی ہے کہ اسکا استعمال بڑے ظالمانہ طریق پر کیا گیا ہے

(خلافت کا مطلب) از قلم مہاتما گاندھی - ینگ انڈیا ۱۳ ستمبر ۱۹۲۱ء

خلافت کے مسئلہ میں مجھے جو دلچسپی ہے اسکے خلاف مجھے خبردار کرنے کی غرض سے دور و نزدیک سے خطوط موصول ہو رہے ہیں - ذیل میں ایک خاص نمونہ کا خط درج کیا جاتا ہے جو جزیرہ نیوزیلینڈ سے میرے ایک دوست نے لکھا ہے :-

"میں چند سطروں میں بتانا چاہتا ہوں کہ میں آپ کو ہنوز نہیں بھولا اگر بھولنے کا کوئی خطرہ ہوتا بھی تو ملک کے
اخبارات میں جو بجری تار شائع ہوتے رہتے ہیں انھوں نے ایسا نہیں کرنے دیا۔ میں دیکھتا ہوں کہ ہندوستان کے
متعلق حل کرنے کے لیئے آپ کے سامنے ایک عظیم الشان مسئلہ درپیش ہے، میں اس پوزیشن میں نہیں ہوں جو یہ
فیصلہ کرسکوں کہ آیا آپ اس مسئلہ کا حل بہترین عقلمندی کے ساتھ کر رہے ہیں یا اسکے برخلاف، میں آپ کی بڑی
عنایت سمجھونگا اگر آپ دس روپیہ کا منی آرڈر اپنے اخبار ینگ انڈیا (غالباً اسکا یہی نام ہے) کے پبلشر کو اگر اخبار مذکور
انگریزی زبان میں ہو دیدیں یا اگر یہ اخبار انگریزی زبان میں نہ چھپتا ہو تو کسی دوسرے انگریزی زبان کے اخبار کے
پبلشر کو مرحمت فرمادیں بشرطیکہ وہ اس معاملہ میں آپ کی رائے کی نمائندگی کرتا ہو۔ اگر میں آزادی کے ساتھ بحث
کروں تو غالباً آپ مجھکو اپنا دیرینہ دوست سمجھ کر اسکو برداشت فرمائینگے خواہ میری بحث کلی واقفیت سے خالی ہی کیوں
نہو۔ اس بات نے مجھے ہمیشہ رنج پہنچایا ہے کہ آپ سلطنت ٹرکی کے زبردست حامی ہیں اور ہندوستان میں برطانوی
حکومت کے انتظام کو منتشر و مفلوج اور اسکی بیخ کنی کرنے کے لیئے مسئلہ خلافت کو سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے
آڑ بنایا جاوے۔ ٹرکی نے بلغاریوں، یونانیوں اور آرمینیوں پر جو ستم ڈھائے ہیں وہ خدا سے اسکا بدلہ چاہتے ہیں۔
مجھے حیرت ہے کہ آل انڈیا خلافت کانگریس نے ان مظالم کے خلاف کہانتک آواز احتجاج بلند کی ہے اور آرمینی
جیسی شریف اچھی محنتی اور نیک قوم کی بربادی پر ترکی حکمت عملی سے اپنی عدم وابستگی کا کس حد تک ثبوت دیا ہے
ان شہیدوں کا خون خدا کی جناب میں انصاف کی فریاد کریگا اور یاد رکھئے کہ خدا ئے بزرگ کبھی اس انسان کو نہیں بھول
سکتا جس نے ضعیف چڑیا کی تباہی میں نمایاں حصہ لیا ہے، اگر ٹرکی کی تاریخ محض قتل و غارت گری ہی سے لبریز ہے تو کیا یہ
تسلیم کرتے ہوئے کہ اب وہ زیادہ عرصہ تک قابل اعتماد نہیں خیال کیجا سکتی اسکی سلطنت کو آپس میں منقسم نہ کرلیا جاوے؟
اگر کوئی سیاسی طاقت، انصاف، آزادی اور باجگذار قوموں سے بھائی چارہ قائم رکھنے لئے استعمال نہ کیجاوے بلکہ جور و
تعدی، ظلم و ستم، تباہی و بربادی، رہزنی و غارت گری پر صرف کیجاتی ہے تو کیا ایسی قوم کا انصاف دوسری قومیں
نہ کریں اور اسکو اسکی طاقت سے محروم نہ کردیں تاکہ ایسی بد اندیشانہ طرز حکومت کا اختتام ہو جاوے؟ سیاسی طاقت
حصہ بخرے کرنے کے لیئے یہ ضروری نہیں کہ اسلام کو اسکے روحانی ہتیاروں سے (اگر فی الحقیقت اسلام میں ایسی چیز
موجود ہے) محروم کردیا جائے بلکہ اسکی روحانی طاقت کو زندہ رہنے دیا جاوے اور اگر روحانی طاقت موجود نہو تو اسکو فنا
ہونے دیا جاوے۔ سیاسی طاقت مذہب کے لیئے ایک لعنت ہے، اور تاریخ بتاتی ہے کہ اسکا استعمال بڑے ظالمانہ
طریق پر کیا گیا ہے۔ مثلاً رومن کیتھولک چرچ۔ مجھے یہ معلوم نہیں کہ تارکین موالات کے اصل مقاصد کیا ہیں لیکن یہ ظاہر
ہوتا ہے کہ وہ مطلقاً ہر برطانوی افسر کے خلاف وضع کیئے گئے ہیں، شہر روما کی تعمیر ایک دن میں نہیں ہوئی تھی اور کوئی
دستور اساسی ملک کے حالات کے آگے نہیں چلایا جاسکتا۔ فرض کیجیئے کہ کل ہی تمام برطانوی افسر بوریا بستر باندھ کر
ہندوستان کو خیرباد کہدیں اور دیسی لوگ انکے بجائے متعین کردئے جائیں تو کیا انتظامی حالت اتنی ہی اچھی رہیگی جتنی کہ
اب موجود ہے۔ اور کیا ہر جگہ آپ کے وسیع ملک میں انصاف عدالتوں کے ذریعہ سے ہو سکیگا؟ میں اس امر کو بخوبی سمجھتا

ہوں کہ ہندوستانی دیسی پولیس سے ڈرتے ہیں اور پولیس کے دیسی افسران رشوت اور بدانتظامی کے عادی ہیں، اس سے
قبل کہ عوام حکومت خود اختیاری کے قابل ہوں ضرورت ہے کہ قومی چال چلن کی ایک بنیاد قائم کیجائے، جسپر اور جسکے
ذریعہ سے حکومت خود اختیاری کی تعمیر کیجا سکے۔ کیا اب وہ وقت آگیا ہے جب آپ یہ کہہ سکیں کہ حیات تازہ بخشنے اور
پاک و صاف کرنیوالی قوتیں، آپکی معاشرتی، تعلیمی اور سیاسی زندگی کے حلقوں میں دوڑ رہی ہیں، سیاسی پروپگنڈا
اگر انقلاب پسندانہ ہو تو کمینہ سے کمینہ اور کینہ پرور شخص کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا سکتا ہے اور اگر پھر نظام
حکومت کی مشین انکے ہتھے چڑھ جائے تو اندھے سے اندھا آدمی ان لوگوں کی رہنمائی کریگا جو اپنے معتقدات پر قبر
میں جانے تک کاربند رہتے ہیں، مجھے یقین ہے کہ آپ نے ذاتی طور پر اپنے نیک اعتقادات، حب الوطنی اور انصاف
کی بے غرضانہ روح اور روح کی آزادی کو خیرباد نہ کہا ہوگا بلکہ غالباً اس سوسائٹی میں جسمیں آپ محصور ہیں وہ
نیم خفتہ قوتیں جاگ اٹھی ہیں جو آپ کو عقل و دانش کی حدود سے متجاوز کر دینگی اور وہ تدابیر ظاہر ہونے لگی ہیں
جو حقیقی قومی خوشحالی کو معرض وجود میں لاتی ہیں، آپ کے ملک میں وہ تمام عناصر موجود ہیں جو ہندوستان کو
دوسرا روس یا سن فین آئرلینڈ، یا خانہ جنگیوں کی سرزمین یا بین الاقوام کشت و خون کا مورد بنا دیں گی۔
ہندوستان جیسے ملک میں نفاق آسانی کے ساتھ پھیل سکتا ہے آپ کے آزاد والیان ریاست ایک دوسرے
کے خلاف صف آرا ہو سکتے ہیں، نتیجہ یہ ہوگا کہ امن و امان بحال رکھنے، ترقی کو محفوظ کرنے اور مکمل قومی زندگی کی
رہبری کرنے کے لئے کوئی قابو یافتہ اور متحد کرنیوالی مضبوط قوت بروئے کار نہ آئے گی، آپ کے راستہ میں جال
بچھے ہونگے اور سیکڑوں گڑھے اسکو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہونگے، جن سے آپ صرف اس حالت
میں بچ سکتے ہیں کہ خدا کی مرضی کا ٹھیک اور صاف تصور کریں اور بلا پس و پیش اسکے سامنے سر نیاز خم کر دیں،
جبتک آپ عوام الناس کے شور و غل سے متفق رہینگے اسوقت تک آپ کو بہت سے ایسے ملتے رہینگے جو حسین[1] کا
رونا روئینگے اور آپ کے راستہ میں کھجور[2] کی پتیاں بکھیر دینگے۔ اور اگر آپ خدائی مطمح نظر کے بلند پایہ اصولوں پر
کاربند رہنا چاہینگے تو یہی لوگ آپ کی نسبت کہینگے "اسکو سولی پر چڑھا دو، اسکو دور کر دو" آپ اسکی مثال سے
واقف ہیں اس نے (حضرت عیسی) بلا پس و پیش خدا کی مرضی کی پابندی کی اور لوگوں نے اسکو جھٹلایا، اسکے مقاصد
بالکل پاک تھے، اسکی سلطنت بہت زیادہ روحانیت پسند اور اسکے طریقۂ عمل میں اعلیٰ ترین شان ایزدی جھلکتی تھی
وہ مر گیا لیکن خدا نے اسکو اوپر اٹھا لیا اور اس روز حشر کو تمام عالم کے خیالات کی زندگی بنا دیا۔ اسکو (حضرت
عیسٰی) بطور نجات دہندہ تمام انسانوں کی ضروریات رفع کرنے والا، خدا کی نمائندگی کے لئے بطریق اعلیٰ اور
حکومت کرنے کے لئے بادشاہ بنا دیا ہے

---

[1] پیغمبر اسلام کے نواسے اور معرکۂ کربلا کے شہدا کے سردار [2] کھجور عرب کا مشہور میوہ ہے اور اسلامی نشانات میں عام طور پر ہلال کے ساتھ کھجور کے درخت کو بھی شامل کیا جاتا ہے۔ اس کل فقرہ کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانان ہند محض ہندوستانی مفاد پر قناعت نہ کرینگے بلکہ بیرون ہند اسلامی ممالک کے فتنوں کو بھی ہندوستانی معاملات میں ہر جگہ اور ہر موقعہ پر ٹھونس دینگے اور اس طرح یہ ہندوستان کی ترقی کے راستہ میں بیرونی ممالک کا دم چھلہ حائل رہیگا۔

"اے بھائی اگرچہ تیرا راستہ شب کی مانند تاریک ہو لیکن ہمت سے کام لے اور لغزش مت کھا نا
ناچیز لوگوں کی رہنمائی کے لئے ایک ستارہ موجود ہے۔ خدا پر بھروسہ کر اور حق بات کر۔
کچھ پرواہ مت کر اگر راستہ ناہموار اور سنسان ہے، اور منزل مقصود نظروں سے اوجھل ہے
خواہ تو تھکا ہوا ہو یا تیرے قویٰ مضبوط ہوں، بہادری سے اس راستہ میں قدم رکھ، خدا پر بھروسہ کر
اور حق بات کر۔ تمام حکمت عملیوں اور تمام مکاریوں کو فنا کر دے، ان تمام باتوں کو بھی مفقود کر جو
روشنی میں حائل ہوتی ہیں، اور خواہ تجھے نقصان ہو یا فتح و ظفر نصیب ہو ہر حال میں خدا پر بھروسہ
رکھ اور حق بات کر
کسی جماعت یا فرقہ یا پنچ پر اعتماد نہ کر۔ جنگ میں لیڈروں پر بھی بھروسہ مت رکھ بلکہ ہر قول اور
ہر فعل میں محض خدا پر بھروسہ رکھ اور حق بات کر۔
نفسانی خواہشات کی خوبصورت اشکال و صور پر بھی اعتماد مت کر (کیونکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ) بدکار
لوگ بظاہر فرشتہ صفت نظر آتے ہیں۔ کسی رسم و رواج، کسی درگاہ یا کسی فیشن پر بھروسہ مت کر بلکہ صرف
خدا پر بھروسہ رکھ اور حق بات کر۔
بعض لوگ تجھ سے نفرت کرینگے، بعض محبت کرینگے، بعض خوشامد کرینگے اور بعض تجھے حقیر
سمجھینگے انسان کو چھوڑ اور عالم بالا پر نظر کر، خدا پر بھروسہ رکھ اور حق بات کر۔
آسان قاعدہ، محفوظ ترین رہنمائی، دلی سکون اور روحانی طاقت کے لئے ہمارے راستہ
پر چمکنے والا ستارہ بتاتا ہے کہ خدا پر بھروسہ رکھ اور حق بات کر۔
اے بھائی اگرچہ تیرا راستہ شب کی مانند تاریک ہو لیکن ہمت سے کام لے لغزش مت کھا۔
ناچیز لوگوں کی رہنمائی کے لئے ایک ستارہ موجود ہے خدا پر بھروسہ رکھ اور حق بات کر۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ خداوندی عقل حاصل کیجائے، اصولوں پر نظر عمیق ہو اور حقیقی تدبیر کی دوراندیشانہ دانش
و فہم کو بہم پہونچایا جائے۔ آپ ابراہیم لنکن کی زندگی کے حالات، اسکے صاف و صریح مطمح نظر، راستبازی، نرم
دلی، انکساری، ظرافت، شرافت سے ضرور آشنا ہونگے۔

میں اپنے دوستوں سے اکثر کہا کرتا ہوں :- اگر آپ لوگ مسٹر گاندھی کی طرف کے حالات سنتے اور
ان زیر دست شکایات سے واقف ہوتے جو موجودہ صورت حالات میں در پیش ہیں تو مسٹر گاندھی کی مخالفت
کا راز آپکی سمجھ میں آجاتا۔"

اب سوال یہ ہے کہ موجودہ نقائص کی اصلاح کرنے اور ہندوستان کی خوشحالی کے لئے بہترین طریقہ کیا ہے
ہڑتالیں اور تشدد جذبات کو بھڑکاتے ہیں ان سے سینکڑوں قسم کی بد دلی اور نفرت پیدا ہوتی ہے اور اکثر اوقات
اپنے مقاصد کو خود شکست کر دیتے ہیں لہذا اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ خوش اعتمادی، اتحاد اور امن و سکون کے کھاتا کوئی

مقصد حاصل کیا جائے تو آئینی طریقوں پر اصلاحات عمل میں آنی چاہئیں۔ انقلاب پسندانہ ذرائع سے ترقی کے قدرتی مدارج طے نہیں ہو سکتے ہیں اپنے دوردراز گوشہ سے صرف سرگرمی کے ساتھ یہ دعا کر سکتا ہوں کہ خدا آپکی رہنمائی اور ہدایت کرے اور ہندوستان کی حقیقی بہبود میں آپ کو آلۂ کار بنا دے"۔

کوئی شخص خلیفہ نہیں رہ سکتا جبتک کہ اُسمیں وہ طاقت موجود نہو جو کہ اسلام کی حفاظت کیلئے ضروری ہے

مذکورہ بالا خط کی گرمجوشی اور خلوص و نیک نیتی ناقابل تردید ہے۔ میں جانتا ہوں کہ میرا دوست خدا سے ڈرنے والا، راسخ الاعتقاد عیسائی ہے لیکن ہر وہ شخص جو مسئلہ ترکی سے واقفیت رکھتا ہے اس حقیقت سے آشنا ہوگا کہ نامہ نگار مذکور ترکوں سے زبردست تعصب رکھتا ہے، اُس نے آرمینیوں کی تصویر ایک شریف، امن پسند حلیم الطبع قوم کی کھینچی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ کس حد تک وہ اس مسئلہ سے بیخبر ہے۔ لیکن اس بنا پر اسکو مورد الزام قرار نہیں دیا جا سکتا۔ انگریزی پڑھنے والی پبلک سے ترکی کے موافق حالات کو بڑی محنت کے ساتھ چھپایا گیا ہے۔ یہ تمام نیک عیسائی جو دنیا کے مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے ہیں محض یکطرفہ حالات پڑھتے ہیں جو انکے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ مذہبی جرائد متعصبانہ طور پر بلا لحاظ کہنا چاہتا تھا کہ مجرمانہ طریق پر ترکی اور اسلام کے خلاف ہیں، جسوقت یہ مذہبی جرائد اسلام یا ترکی کے متعلق کچھ لکھتے ہیں تو لفظ سخاوت یا نرم دلی جسکی بابت سینٹ پال نے شاندار الفاظ میں ذکر کیا ہے انکے دلوں سے محو ہو جاتا ہے۔ اُن کے نزدیک ترک، اتنا زبردست کافر ہے جسکو خدا نے محض اسلئے پیدا کیا ہے کہ اسپر لعنت بھیجی جائے۔ یہی متعصبانہ لیکن ایماندارانہ رویہ ہی جو انصاف اور سچائی کے راستہ میں حائل ہے۔

میری یہ خواہش نہیں ہے کہ آرمینیوں اور یونانیوں کے مقابلہ میں ترکوں کی حمایت کروں۔ میں ترکی کی بدانتظامی اور غلط کاریوں سے بھی انکار نہیں کرتا لیکن آرمینیوں اور یونانیوں کی تاریخ تو اس سے بھی کہیں زیادہ بدتر ہے اسکے سوا خلافت کی مدافعت ایک سچے اصول کی مدافعت ہے منصب پاپائی کی حمایت کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر پوپ کے چال چلن کی فرداً فرداً مدافعت کی جائے۔ ترکی بدنظمی کی مخالفت ضرور کیجئے لیکن ترکی بدنظمی کی غلط حجت پکڑ کر ترکوں اور انکے ساتھ اسلام کو یورپ سے نیست و نابود کرنا بہت بری بات ہے۔ اس سے بھی زیادہ برا یہ ہے کہ سنٹرل طاقتوں کی شکست سے اسلام کو تباہ کرنے میں فائدہ اٹھایا جاوے، کیا گذشتہ جنگ اسلام کے خلاف صلیبی جنگ تھی جسمیں ہندوستانی مسلمانوں کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی؟ یہ کہنا کہ مسلمان جسے چاہیں اپنا روحانی پیشوا بنالیں لیکن ترکی کے تجزیہ میں دخل نہ دیں اس امر کا مرادف ہے کہ یہ

لوگ خلافت کے معنوں ہی سے نا آشنا ہیں۔ خلیفہ کو مذہب پیغمبر کا محافظ ہونا چاہئے لیکن کوئی شخص بھی اس وقت خلیفہ نہیں رہ سکتا جبکہ اسکی وہ طاقت اس سے سلب کر لیجائے یا وہ خود ضائع کر دے جو تمام دنیا کے مقابلہ میں اسلام کی محافظت کیلئے ضروری ہے۔ ہر شخص اس مذہبی عقیدہ کے اصول پر جداگانہ جرح و قدح کر سکتا ہے لیکن انگلستان اسوجہ سے تو اسلام سے برسر پیکار نہیں ہے کہ یہ مسئلہ اصول اخلاق کے خلاف ہے ورنہ اس صورت میں انگلستان کو ان کروڑہا انسانوں سے اپنا تعاون چھڑانا پڑیگا جنکا عقیدہ ہی اصول اخلاق کا قائل نہیں۔

اسکے علاوہ کیا واقعی اگر کوئی مذہب اپنے تحفظ کے لئے دنیاوی طاقت پر تکیہ رکھنا چاہے تو اسمیں کونسی بد اخلاقی کی بات ہے؟ کیا عیسائیت نے عملاً اپنا تحفظ دنیاوی طاقت کے ذریعہ سے نہیں کیا ہے؟ حتیٰ کہ ہندو مذہب میں بھی کیا راجپوت راجگان ہندو مذہب کے محافظ نہیں رہے ہیں؟ میں اُن عیسائیوں سے جو میرے دوست کیطرح ایماندارانہ خیالات رکھتے ہیں، یہ سفارش کرنیکی جرأت کرتا ہوں کہ وہ خلافت کی حمایت میں بطور اصول شریک ہو جاویں اور اس بات کو تسلیم کرلیں کہ عدم تعاون کی جنگ لامذہبیت کے خلاف مذہب کی جنگ ہے۔

جہانتک میرا تعلق ہے میرا ضمیر اس معاملہ میں بالکل صاف ہے۔ میرے نزدیک اس مسئلہ کا مقصد بالکل منصفانہ ہے اور ذرائع جو اسکے حصول کے لئے اختیار کئے گئے ہیں وہ بھی صحیح ہیں۔ اس جنگ میں سچائی اور عدم تشدد ہی محض دو ہتھیار ہیں۔ نیک نیتی و خلوص کی بہترین آزمائش ذاتی ایثار سے ہوتی ہے۔

عیسائی نقطۂ نگاہ سے اگر مسلمانوں کا عیسائیوں پر حکومت کرنا قابل نفرت ہے تو عیسائیوں کا بھی مسلمانوں پر حکمران ہونا کم قابل نفرت نہیں ہو سکتا

(مسئلہ خلافت) ینگ انڈیا ۱۰ دسمبر ۱۹۱۹ء

خلافت کانفرنس کو جو کچھ کہنا تھا وہ کہہ چکی، مسلمانوں کے مقصد کی اہمیت وگرمجوشی تسلیم کر لی گئی اور اگر کامل طور پر نہیں تو کم از کم جزوی طور پر اس مسئلہ کی صداقت کو ان لوگوں نے بھی تسلیم کر لیا جو اب تک اسکے یا تو قائل نہ تھے اور یا اسکو کم و بیش بے اعتنائی کے ساتھ دیکھتے تھے۔ اسی مسئلہ کی بابت ٹائمز آف انڈیا میں مضامین کا جو سلسلہ شائع ہوا ہے اور جسکے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ وہ اینگلو انڈین پریس اور اینگلو انڈین پبلک کے عقلمند طبقہ کے خیالات کا آئینہ ہے۔ اس حقیقت کی حیرت انگیز سند ہے۔ غالباً اینگلو انڈین پریس میں مسئلہ خلافت پر بحث تمحیص کرنے کی یہ پہلی اہم جدو

ہے۔ (ہمیں معاف کیا جاوے کہ ہم مضامین کے اس خطرناک سلسلہ کو جد و جہد سے تعبیر کرتے ہیں) اور گو کہ بہت سے اعتراضات جو ٹرکی کے خلاف پیش کئے گئے ہیں وہ نئے نہیں، تاہم ضرورت ہے کہ ان کی جانچ پڑتال غور سے کیجاوے تاکہ یہ غرض نہ کرلیا جاوے کہ ان کا جواب بن نہ پڑا۔ اب ہم پہلے اعتراضات کو لیتے ہیں اور اصلی رموز کو جنکے متعلق مضامین کا لکھنے والا کہتا ہے کہ اصل مطلب کی جڑ ہیں بعد میں زیر بحث لائینگے۔ (اعتراضات یہ ہیں):-

(۱) یہ امر خلاف واقعہ ہے کہ تقسیم علاقجات میں دوسری دشمن قوتوں کے مقابلہ میں ترکی کے ساتھ زیادہ بُرا سلوک کیا گیا ہے جیسا کہ آسٹریا ہنگری کی دو عملی سلطنت کے واقعات سے ثابت ہوتا ہے۔

(۲) ٹرکی کا مستقبل ایک ایسا معاملہ ہے جسکا فیصلہ اتحادیوں کی پالیسی، تدبیر سیاست اور قومیت کے وسیع معیار پر کریگی نہ کہ وزارت کے کسی بیان پر۔

(۳) جو وعدہ کہ وزیر اعظم سے منسوب ہے اسکا نصف حصہ قابل اعتبار ہے اور اس امر پہ زور دیا گیا ہے کہ زیادہ منطق کی ٹیپ ٹاپ کئے بغیر ترکی کا معاملہ قومیت کے اصولوں کے مطابق طے کیا جاوے۔ لیکن عرب کے معاملہ میں ان اصولوں کو نظرانداز کر دیا جائے

(۴) ٹرکی کی حکومت کے نتائج ہر جگہ خراب رہے ہیں۔

(۱) پہلا اعتراض لیتے ہوئے یہ معلوم ہوگا کہ یہ اعتراض اس بیان کے خلاف نہیں کہ تقسیم علاقہ جات کے علاوہ دوسرے معاملات میں ترکی کے ساتھ جو سلوک کیا گیا ہے وہ اس سے زیادہ سخت ہے جو دوسری حریف قوتوں کے ساتھ کیا گیا یا کہ جرمنی کے مقابلہ میں ترکی کے ساتھ بہت زیادہ سخت برتاؤ کیا گیا۔ اعتراض یہ ہے کہ ترکی کے حامی اس امر کو تسلیم نہیں کرتے کہ آسٹریا ہنگری کی کاٹ تراش اتنی سختی کے ساتھ نہیں کی گئی ہے جتنا کہ ٹرکی کے لئے تجویز کی گئی ہے "یہ اخبار مذکور کے نامہ نگار خصوصی کے الفاظ ہیں۔ اخبار مذکور اپنے ایڈیٹوریل میں اور زیادہ تفصیل کیساتھ بحث کرتا ہے اور ان واقعات کا تذکرہ کرتا ہے جو مسٹر گاندھی نے خلافت کانفرنس میں اپنے سامعین کے سامنے پیش کئے تھے۔ لیکن واقعات اصلی کیا ہیں؟ کہا جاتا ہے کہ ایک ایسی سلطنت جسمیں ۵ کروڑ سے زیادہ انسان آباد ہیں اور جسکا رقبہ ۰۰۰۰۲۶۰ مربع میل ہے، بالکل ٹکڑے ٹکڑے کر دی گئی اور اسکے بڑے بڑے علاقے مختلف قوموں کے سپرد کر دئے گئے۔ ایک بات یہ ہے کہ ٹرکی کا آسٹریا ہنگری سے مقابلہ کرتے وقت اس امر کو بالکل فراموش کر دیا گیا کہ ان دونوں سلطنتوں کے قومی عناصر میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ سلطنت آسٹریا ہنگری ایک عجیب و غریب پچی کاری ہے جسمیں ایک کروڑ دس لاکھ جرمن، ایک کروڑ مگیار، ۸۰ لاکھ زچین، ۴۰ لاکھ پول، ۲۰ لاکھ یہودی اور اتنے ہی سروین، رومانوی، کروشین وغیرہ وغیرہ شامل ہیں۔ برخلاف اسکے سلطنت عثمانیہ بحالت مجموعی ایک ہی نسل سے پرستہ ہے۔ یوروپ میں جو چھوٹا سا علاقہ ہے اور جو ہنوز ترکی حکومت کے لئے چھوڑ دیا گیا ہے اسمیں بھی مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ ایشیائے ٹرکی میں آبادی کی بہت کثیر تعداد مسلمان اور ان میں خصوصیت سے ترکوں کی ہے۔ ایسے ہم جنس مجموعہ کو توڑنا یقیناً ایک رنگا رنگ بوقلموں سلطنت کے توڑنے سے زیادہ غیر منصفانہ ہے۔ یہ بات کہی جاتی

ہے "ترکی کی سلطنت کو تقسیم کر دو اور جسطرح جی چاہے اسکے ٹکڑے ٹکڑے اڑا دو، لیکن یاد رکھو کہ اسکا ہر ہر ٹکڑا تمہارا زندہ دشمن ہو جائیگا جو اپنی اصل سے دوبارہ اتحاد کرنے کی ہر طرح پر کوشش کرتا رہیگا"۔ لیکن ترکی کے ساتھ اسکو حصے بخرے کر کے جو ناانصافی کی گئی ہے اسکا اندازہ اسوقت تک نہیں ہو سکتا جب تک اس بات کو محسوس نہ کر لیا جاوے کہ اسٹریا ہنگری کے حصے ان قوموں میں منقسم کئے گئے ہیں جو کم و بیش ایک ہی نسل اور ایک ہی مذہب سے تعلق رکھتی ہیں یعنی رائے عامہ کے موافق برخلاف اسکے ترکی کی تقسیم ان یورپین عیسائی اقوام کے درمیان ہونی قرار پائی ہے جو اسکے شکستہ اعضا کی بھوکی ہیں، اور فی الحقیقت اگر عیسائی نقطۂ نگاہ سے مسلمانوں کا عیسائیوں پر حکومت کرنا قابل نفرت ہے تو مسلمانوں کے نقطۂ نگاہ سے عیسائیوں کا مسلمانوں پر حکمراں ہونا بھی کچھ کم قابل نفرت نہیں ہو سکتا اور اگر بالفرض تھوڑی دیر کو یہ بھی مان لیا جاوے کہ سلطنت اسٹریا ہنگری کے ساتھ زیادہ ناانصافی کی گئی تو اس سے یہ حجت نہیں پکڑی جا سکتی کہ ایک ناانصافی دوسری ناانصافی کو حق بجانب ٹھہراتی ہے۔

(۲) دوسرے اعتراض کو فوراً نظر انداز کیا جا سکتا ہے کیونکہ اسپر کوئی زیادہ زور نہیں دیا گیا ہے۔ امریکہ کے رویہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس طرح پر فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ خدا کے واسطے یہ بتاؤ کہ وہ اتحادی کون ہیں جو اب دعویدار ہیں؟ یقیناً یہ اتحادی فرانس و انگلستان ہیں۔ اسلامی دنیا یقین کر چکی ہے کہ دوران جنگ میں ترکی کا اصل دشمن فرانس کے مقابلہ میں انگلستان زیادہ تھا۔ تدبر سیاست اور قومیت کا معیار جس سے ترکی خوفزدہ ہے وہی ہے جسپر انگلستان عملدرآمد کر سکتا ہے اگر اتبک وہ زمانہ جنگ کے اس پروپگنڈا پر کاربند ہونا چاہتا ہے جسکو زار روس کے مشورہ سے ترتیب دیا گیا تھا۔ لہذا یہ بالکل قدرتی امر ہے کہ مسلمان ایک ایسے وزیر کے الفاظ پر بھروسہ کریں جو وزیر اعظم ہے اور جسنے یہ قابل سند یقین دلایا تھا کہ انگلستان اب اس ناپاک پروپگنڈا سے ہاتھ دھو بیٹھا۔

(۳) اب ہم اس مشہور وعدہ کی طرف رجوع کرتے ہیں جیسا کہ ٹائمز آف انڈیا نے نقل کیا ہے۔ وزیر اعظم کے وعدے کے دونوں جزو ایک دوسرے کے خلاف نہیں یہ دونوں پریسیڈنٹ ولسن کے بارھویں اصول میں شامل ہیں جسکا مطلب یہ ہے "موجودہ سلطنت عثمانیہ میں ترکی کے حصہ کے متعلق محفوظ حکومت کا یقین دلایا جاسکے لیکن دوسری قومیں جو ترکی حکومت کے ماتحت ہیں ان کی جانوں کی ضمانت کا یقین دلایا جائے اور انکو بلا دخل اندازی حکومت خود اختیاری کی طرف ترقی کرنے کے موقع دئے جائیں اور بین الاقوامی ضمانتوں کے ماتحت دردانیال کو تمام قوموں کی تجارت اور جہازوں کے لئے دائمی طور پر کھولدیا جائے"۔

اس معاملہ کو بھی جو وزیر اعظم کے وعدے میں پوری طرح پر شامل ہے مسلمانوں نے اتنا ہی قابل اعتماد سمجھا ہے جتنا کہ وعدہ کو بحیثیت مجموعی سمجھا تھا اور لہذا یہ استدلال نہیں کیا جا سکتا کہ مسلمان وعدے کے ایک جزو پر زور ڈالتے ہیں اور دوسرے کو فراموش کرنا چاہتے ہیں۔ "ٹائمز آف انڈیا کا نامہ نگار رقمطراز ہے کہ وزیر اعظم کی تازہ ترین تقریر بمقام گلڈھال وعدہ سے بھی زیادہ تجاوز کر گئی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ایسا ہی ہے

کیونکہ ٹرکی بدنظمی اور اسکے ہاتھوں تکلیف رسانی کا جو جدید بیان پیش کیا گیا ہے وہ پہلے وعدے کی معافی کو خراب رنگ میں پیش کرتا ہے اور اگر ایسا نہ تھا تو پھر مسٹر بونرلا کو یہ بیان کرنے کی ضرورت کیوں پڑی کہ " مسٹر لائیڈ جارج نے کوئی سبب نہیں دیکھا کہ اپنی تقریر مورخہ ۵ جنوری ۱۹۱۸ء کے کسی حصہ کو لوگوں میں خاص طور پر اشاعت دیں۔"

تیسرے اعتراض میں جذ باتی کی طاقت کو ہم تسلیم کرتے ہیں لیکن اسکا بھی ایک جواب ہے۔ عرب کے معاملہ میں قومیت کے اصولوں کو نظر انداز کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اگر ٹائمز کے نامہ نگار نے اس مسئلہ پر مسلمانوں کی رائے کا مطالعہ کیا ہے تو اسکو معلوم ہوگا کہ ایک عرب سلطنت کے قائم کرنیکے متعلق مسٹر لائیڈ جارج نے جو مشکل پیدا کی ہے اسکا حل مسلمانوں نے کر دیا ہے۔ مسئلہ ٹرکی کے زبردست عالم مسٹر مارماڈیوک پکتھال نے گذشتہ جولائی میں لکھا تھا:۔" اگر ہمارے حکمران مجھے یہ جرأت بخشیں کہ مجھ سے اس معاملہ میں مشورہ کریں تو میں کہونگا:۔ آپ حضرات کا اپنے لئے معمولی سی تذلیل برداشت کرنا اس سے زیادہ بہتر ہے کہ انگلستان کو بےعزت کیا جاوے اور اسکی سلطنت کے پرخچے اڑا دئے جاویں۔ لیکن ان دشواریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے آپ کے واسطے ہنوز ایک آسان راستہ کھلا ہوا ہے۔ عرب اتحاد کو حکومت خود اختیاری کی حالت پر پہنچا دیجئے اور جب یہ ہو جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ آپ کو انجمن اقوام میں ایک حکم بردار کی ضرورت پڑیگی تو انکی خوشحالی کی کون نگہداشت کریگا اور انکی صحیح رہبری کے متعلق لیگ کے روبرو کون ذمہ دار ہوگا؟ ٹرکی کو انجمن اقوام کا ممبر بنایا جاوے۔ اسلامی دنیا اسی پر زور دیتی ہے اس سے ہر جگہ خوشی و خورمی پھیل جائیگی اور آپ بھی بڑی خوبصورتی کے ساتھ ایک نفرت انگیز جنجال سے نجات پائینگے لیکن بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس سے تمام حالات کی وہی پوزیشن ہو جائیگی جو کہ پہلے تھی لیکن ان کا یہ اعتراض یقیناً غلط ہے کیونکہ ہم کو یقین دلایا گیا ہے کہ لیگ اقوام کی جانب سے حکمبرداری حقیقی سیادت اور آزادانہ قبضہ سے بالکل مختلف ہے اسمیں ذمہ داری شامل ہے اور لیگ اقوام کی طرف سے نگہداشت بھی ہوگی۔ مزید براں اگر ضرورت ہوگی تو انجمن اقوام کی امداد کا وعدہ بھی کیا گیا ہے۔" اس تجویز کی منطق ہر شخص پر روشن ہے اگرچہ یہ ممکن ہے کہ ہر شخص کے لئے یہ پسندیدہ نہو۔

(۴) حقیقت واقعی سے کوئی بیان بھی اتنا دور نہیں ہے جتنا کہ وہ جو کہ آخری اعتراض میں کیا گیا ہے یعنی یہ کہ ترکی حکومت کے ہر جگہ نتائج خراب رہے ہیں۔ مضمون نگار ایک حال کے مورخ کا حوالہ دیتا ہے لیکن اس امر کو نظر انداز کرتا ہے کہ ٹرکی حکومت کی خرابی کے متعلق اسکے مورخ نے جو افسانہ گھڑا ہے وہ محض " ہنگری، کروشیا، یونان، رومانیہ، بوسینیا یا بلغاریہ " کے متعلق ہے اور کسی مشرقی ملک کا نام درج نہیں ہے لیکن فرض کرو کہ مورخ مذکور اپنے بیان کا اطلاق ہر جگہ پر کرتا ہے جیسا کہ ٹائمز کے نامہ نگار کا خیال ہے پھر بھی کیا یہ بیان ناقابل تردید ہے؟ اگر ہم کو مسٹر مارماڈیوک پکتھال کی رائے کا حوالہ دینے کی اجازت دی جائے جنکی سند ہمارے لئے اتنی ہی قابل اعتبار ہے جتنی کہ نامہ نگار مذکور کے نامعلوم مورخ کی، تو ہم انکی رائے درج کرتے ہیں۔ وہ رقمطراز ہیں:۔ خاص

اپنی رعایا اور دوسری تمام ایشیائی رعایا میں ترک حکومت اور گورنمنٹ ایران یورپین حکومتوں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہر دلعزیز ہیں، لیکن اس سلسلہ میں غالبًا ہم ایک بڑے آدمی کی وزن دار اور تلی ہوئی رائے پر زیادہ اعتماد کرتے ہیں۔ جس پر غالبًا ٹائمز کے نامہ نگار کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا یعنی مسٹر گلیڈ اسٹون [illegible] میں جبکہ مشرقی مسئلہ یورپ کی سیاسی دنیا کو اپنی طرف متوجہ کر رہا تھا۔ انھوں نے کہا تھا "اگر میں یہ پاتا ہوں کہ ترک مسلمان اور عیسائی اقوام پر ایک عمدہ منصفانہ اور مناسب گورنمنٹ قائم رکھنے کے اہل نہیں تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ وہ اس حالت میں بھی نا اہل ہیں جبکہ انکا کام محض اتنا ہو کہ ان باشندوں پر سلطنت قائم کریں جو یا تو تمام تر یا کثیر تعداد میں ایشیائی اور مسلمان ہیں۔ اس عنوان پر میں نہیں جانتا کہ کسی قابل لحاظ سند نے کوئی بھی جرم انکے خلاف ثابت کیا ہے۔"

اب ہم مضمون نگار کے ان "غور طلب" باتوں کی طرف رجوع کرتے ہیں جن سے اُس نے اس مسئلہ کی تمہید کی ہے انمیں سب سے زیادہ اہم یہ واقعہ ہے کہ ٹرکی شکست یافتہ قوموں میں سے ہے و نیز یہ کہ اُن لوگوں نے جو ایک باعزت اور منصفانہ صلح کے متمنی ہیں اس معاملہ کو بھلا رکھا ہے۔ خیر لیکن اگر ہمیں اجازت دی جائے کہ اس بیان کو مکمل کر دیں جو صرف آدھا بیان کیا گیا ہے تو ہم کہینگے کہ واقعہ یہ ہے کہ میدان جنگ میں اگرچہ ٹرکی اور لہذا خلیفہ اسلام شکست خوردہ ہے لیکن وفاداری کے میدان میں ان کو کوئی ہزیمت نہیں ہوئی۔ تمام اسلامی دنیا کی وفاداری اس کے ساتھ ہے اور لہذا وہ ظفریاب ہے اور میدان جنگ میں بھی خلیفہ کی شکست کیسے ہوئی؟ ہندوستانی مسلمانوں کی امداد سے جو ملک معظم کے ساتھ وفاداری کرنے پر مجبور تھے اور جو ملک معظم افواج کے دوش بدوش اس یقین کے ساتھ لڑے کہ مسئلہ خلافت کو کسی حالت میں بھی نہیں چھوا جائے گا لیکن اب جبکہ دھوکے کی ٹٹی بڑی غم انگیزی کے ساتھ ہٹ گئی اب مسلم غضبناک ہے وہ روزہ رکھتا ہے دعائیں مانگتا ہے اور ہنوز اس سلطنت سے جس سے کہ اسکا تعلق ہے یہ اُمید رکھتا ہے کہ اسکے محسوسات اور جذبات کا احترام کیا جاویگا تاہم خواہ کچھ بھی ہو لیکن کیا وہ قوم جسکے مدبرین چند روز گذرے یقین کرتے تھے کہ ترکی سلطنت کا زوال برطانوی سلطنت کے زوال کی ابتدا ہے اس قوم کے لئے یہ کہنا زیبا ہے کہ ترکی ہزیمت خوردہ قوم ہے اور اس کے ساتھ اس اسپرٹ میں سلوک کرنا چاہئے جو نہ تو سپاہیانہ ہے اور نہ ہمدردانہ بلکہ تجارتی مفاد کے مطابق ہے۔

مضمون نگار نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ اُن احسانات کا تذکرہ کیا ہے جن کے سبب سے ٹرکی انگلستان اور فرانس کا مرہون ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ بہت سے احسانات ایسے تھے جو خود انگلستان و فرانس کی بہبود کے لئے بھی اتنے ہی ضروری تھے جتنے کہ ٹرکی کے لئے اور اگر اُن کی نوعیت احسانات کی بھی تھی تو ہم خیال نہیں کرتے کہ ترکی نے ایک دم اُسکو فراموش کر دیا اور حقد ناشناسی کے شکریہ میں دشمنی شروع کر دی لیکن ذرا ہمارے درخ اس الزام کا تو جواب دیں" وہ کہتے ہیں کہ نوجوان ترک جرمنی کے موافق اور لہذا ابتدا سے ہی انگلستان کے

دشمن تھے یہ ایک سفید جھوٹ ہے۔ دوران انقلاب میں انگلستان کی موافقت میں نوجوان ترکیوں کی گرم جوشی ہر جگہ قلم بند ہے اور میں اپنے ذاتی علم کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ ۱۳۱۹ء میں نوجوان ترکوں نے اس امر کی خواہش کی تھی کہ تمام سلطنت عثمانیہ کی (تا لیقی جسمیں فوج بھی شامل تھی) دس سال کے لئے انگلستان اپنے ہاتھ میں لیلے۔ اس تجویز کو مسترد کر دیا گیا پھر انور پاشا جیسے لوگوں نے جو اس تجویز کو ایک امید موہوم سے تعبیر کرتے تھے کہا: "آپ نے دیکھا وہ تنہا کارروائی کرنے کی جراءت نہیں کرتے انگلستان روس کے پیچھے پیچھے دم کی طرح ساتھ ہے۔ ہمارے لئے صرف ایک یہ موقع رہ گیا ہے کہ جرمنی کے ساتھ ہو جاویں، وہ کہتے ہیں کہ ٹرکی انگلستان کا دشمن ہو گیا، یہ بالکل سچ ہے کہ وہ صرف اپنی ہستی کو قائم رکھنے کے لئے جنگ آزما ہوا، لیکن ٹرکی اُسوقت تک جنگ میں شامل نہیں ہوا جبوقت تک کہ انگلستان اسکا دشمن نہیں ہوا تھا اور اس نے زار روس کے ساتھ جو کہ سلطنت عثمانیہ کو فنا کرنے کا درپے تھا اتحاد عمل نہ کیا تھا۔

لیکن بار بار یہ کہا کہ ٹرکی ایک شکست یافتہ قوم ہے آپ مسلمانوں کو ملامت کیوں کرتے ہیں؟ حقیقت انکے دلوں کو چیرتی ہوئی چلی گئی ہے اور اب انھوں نے اطمینان حاصل کرنے کے لئے اس مسئلہ کا دوسرا بہترین حل کا سبق سیکھ لیا ہے۔ ہمیں خوف ہے کہ ٹائمز کا مضمون نگار ان چند لوگوں کی منطق پر جن سے اُسے واسطہ پڑا ہے عیب جوئی کرنے کے لئے (تنا تلا بیٹھا ہے کہ وہ یہ دیکھنے کے لئے تیار نہیں کہ اسلامی دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ اگر اُسنے یہ جاننے کی تکلیف گوارا کی ہوتی کہ اسکس ہال لنڈن کے جلسہ منعقدہ گذشتہ مئی میں کیا ہوا اور یا یہ کہ انگلستان کے چیدہ اور باخبر مسلمانوں کا طبقہ جو مسلمانان ہند کا نمائندہ ہے اس معاملہ میں کیا خیالات رکھتا ہے اور اس نے کیا کیا ہے تو اس نے ہرگز یہ بیان نہ کیا ہوتا کہ مسلمان ایک ایسی جماعت کا نام ہے" جو تعمیری پالیسی کی اہلیت نہیں رکھتی اور جسمیں سے کسی ایک شخص نے بھی کوئی ایسی تدبیر کبھی نہیں بتائی جو فوراً قابل عمل اور قابل تسلیم ہوتی" سر عباس علی بیگ جن سے خلافت کانفرنس کی صدارت کے لئے درخواست کی گئی تھی اور جو انگلستان جانیوالے وفد کے ایک رکن ہیں انہوں نے اسکس ہال کے ایک جلسہ میں ایک خط بھیجا تھا جسمیں اس مسئلہ پر بڑی ہوشیاری کے ساتھ بحث و تحقیق کرنے کے بعد انھوں نے مسلمانوں کے مندرجہ ذیل مطالبات کی تجویز کی تھی:۔

(۱) اسلام کے مقدس مقامات اور مقدس عمارتیں قبل از جنگ کی طرح مسلم حکومت کے ماتحت مسلمانوں کے قبضہ میں رہنی چاہئیں۔

(۲) ترکی، تھریس اور قسطنطنیہ چونکہ ترکوں کے وطن کا ایک جزو ہیں اسلئے سلطنت عثمانیہ کے زیر حکومت ہونا چاہئے

(۳) خفیہ معاہدات جہانتک انکا تعلق اسلامی علاقوں کو منقسم کرنے سے ہے (حکمبرداری یا آزادکن تدابیر کے پردہ میں) باطل کر دئے جائیں کیونکہ وہ ایک متفقہ فیصلہ صلح کے منافی ہیں۔

(۴) اگر اسلامی نسلوں کی ایک حکومت کو جبتک اُس کی رہبری میں کوئی اتحاد اسلام قائم کرنا چاہیں تو انکو اس معاملہ میں آزاد کر دیا جائے۔

(۵) کسی مسلم علاقہ پر حکمبرداری عائد نہ کیجائے تاوقتیکہ وہاں کے خاص باشندے برضا و رغبت اس کی

خواہش نہ کرتے ہوں۔

(۶) مسلمان نسلیں آزاد ہونی چاہئیں کہ وہ جس سیاست یا طرز حکومت کو چاہیں اپنے لئے منتخب کرلیں۔

(۷) دفعات ۴ و ۵ و ۶ مذکورہ بالا کے متعلق باشندوں کی خواہش کا تیقن کرنے کے لئے رائے عامہ کی میزان استعمال کی جائے۔

گذشتہ جولائی میں شیخ مشیر حسین قدوائی نے حسب ذیل تعمیری اسکیم مرتب کی تھی:

(۱) تھریس اور تمام ایشیائے کوچک میں متحدہ سلطنت عثمانیہ کی ایک بڑی حکومت مرتب کی جاوے اور قسطنطنیہ دستوری سلطان کا دار الحکومت ہونا چاہئے۔

(۲) اس بڑی حکومت میں اور خود مختار حکومتیں ریاست ہائے متحدہ امریکہ یا ریاستہائے جرمن یا برطانوی نو آبادیاں کی طرح ملا دی جاویں یعنی شام، عراق عرب، جزیرۃ العرب، آرمینیہ، مصر، طرابلس الغرب، البانیہ اور ساحل بحر اسود کے وہ حصے شامل کر دئے جاویں جہاں ترکی زبان بولنے والی مسلمان آبادی کی اکثریت ہے، یہ چھوٹی خود مختار ریاستیں انجمن اقوام کی ممبر ہونی چاہئیں اور اُن کو انجمن اقوام کی معرفت غیر ملکی تنخواہ سے منظوری حکومت اعلیٰ ترکی گفت و شنید کرنیکا حق حاصل ہو۔ یہ ہیں وہ اُن جذبات کے معقول بیانات جو ہر مسلمان کے سینہ میں موجزن ہیں، کیا اب بھی یہ استدلال کیا جا سکتا ہے کہ یہ بھی محض باقی اور تخیل پسند لوگوں کے مطالبات ہیں جن کے کانوں میں "معقول آواز آسانی سے داخل نہیں ہوتی"

عدمِ تشدد پر یقین رکھنے والا پابند ہوتا ہے کہ وہ کسی کام میں تشدد سے کام نہ لے لیکن اُن لوگوں کی مدد کرنے کو منع نہیں کرتا جنکی بنیاد عدم تشدد پر نہیں ہوتی

خلافت اور عدم تشدد) از قلم مہاتما گاندھی ینگ انڈیا یکم جون ۱۹۲۱ء

سرونٹ آف انڈیا نے مسٹر ویٹ کے ایک مضمون کا حوالہ دیا ہے جو مسٹر نکریاس نے انکے ہفتہ وار اخبار میں گذشتہ ۵ مئی کو شائع کرایا تھا اور مجھ سے کہا ہے کہ میں مسئلہ خلافت پر اس نقطۂ نگاہ سے غور کروں جو مضمون نگار

نے تجویز کی ہے۔ مسٹر زکریا اس اپنے مکمل مضمون میں اس مسئلہ کو اس طرح پیش کرتے ہیں

"اصول اہنسا[1] کے پیغمبر کے متعلق کوئی کیا سمجھے جبکہ وہ اسکے بالکل مخالف اصول یعنی خلافت کا علمبردار ہو۔ میں اصول اہنسا اور خلافت کی حقیقی قدر و قیمت سے تعلق نہیں رکھتا لیکن اتنا ضرور کہتا ہوں کہ یہ ہر دو اصول ایک دوسرے میں شامل نہیں جس بات کی میں نہایت گرمجوشی کے ساتھ پیروی کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس مسئلہ کے دونوں پہلوؤں پر صفائی کے ساتھ غور کیا جائے۔ زمانۂ حال کی تاریخ میں تباہی کی ذمہ داری اتنی کسی اور چیز پر عائد نہیں ہوتی جتنی کہ انتشار کے ساتھ غور و خوض کرنے اور پھر کسی سمجھوتہ پر پہونچنے پر عائد ہوتی ہے" اسکے بعد مضمون نگار پریسیڈنٹ ولسن کی ناکامی کی مثال دیکر یوں لکھتا ہے "کیا مشرق کا زبردست سنت[2] یہ گرہی اس تنبیہ کی پرواہ کریگا؟ کیا وہ اپنی تمام زندگی کے ساتھ وفاداری کریگا؟ کیا وہ اپنی ضمیر سے وفاداری نہیں کریگا بمقابلہ اسکے کہ اصول خلافت سے خواہ وہ ہندو مسلم اتحاد جیسی بیش قیمت چیز کیلئے ہی کیوں نہ ہو کوئی سمجھوتہ کرلے"؟

اس گرم اپیل کی موجودگی میں ضرورت ہے کہ خلافت کے متعلق میں اپنی پوزیشن کو دوبارہ واضح کردوں میں اپنی تمام زندگی کو دھوکا دونگا اگر میں نے اصول عدم تشدد کو ہندو مسلم اتحاد قائم کرنے کیلئے بالائے طاق رکھ دیا ہو۔

میں نے خود کو اس میں اس وقت ڈالا جبکہ یہ معلوم ہوگیا کہ مسلمانوں کا مطالبہ ہر نقطۂ نگاہ سے حق بجانب ہے، میری زندگی میں یہ موقع غنیمت تھا۔ میں نے یہ محسوس کیا کہ اگر میں اپنے مسلمان ہموطنوں کی آزمائش کے وقت میں ان کے ساتھ وفاداری کا اظہار کر سکا تو ان دو بڑی قوموں میں دائمی دوستی قائم ہوسکتی ہے۔ بہر صورت میں نے یہ محسوس کیا کہ یہ کوشش عمل میں لانیکی قابلیت بھی ہے میں اس امکان کا خیال نہیں کرسکتا کہ ان دونوں قوموں میں حقیقی دوستی ہوئے بغیر ہندوستان آزاد ہوسکیگا۔

لیکن مسٹر زکریا اس پر بحث کرتے ہیں کہ خلافت کی بنیاد الفت پر ہے، خلیفہ اسلام کا دنیاوی نائب ہے جو اسکا پابند ہے کہ اسلام کی حفاظت کرے خواہ اسمیں تلوار ہی کیوں نہ استعمال کرنی پڑے اور میں اس حیثیت سے کہ عدم تشدد پر یقین رکھتا ہوں کس طرح ایک ایسے منصب کے قیام کی خاطر جنگ کرسکتا ہوں جو اپنے تحفظ کے لئے جسمانی طاقت استعمال کرنے کا مجاز ہے۔

مسٹر زکریا اس نے خلافت کی تشریح بالکل صحیح کی ہے لیکن ایک حامی عدم تشدد کے متعلق انھوں نے غلط اندازہ لگایا ہے، عدم تشدد پر یقین رکھنے والا پابند ہوتا ہے کہ وہ کسی چیز کی محافظت میں تشدد یا جسمانی طاقت کو استعمال نہ کرے لیکن اسکو ان لوگوں یا انجمنوں کی امداد کرنے سے منع نہیں کیا گیا جنکی بنیاد عدم تشدد پر نہیں ہوتی اگر معاملہ اس کے برعکس ہوتا تو بطور مثال کہتا ہوں کہ میں حصول سوراج میں امداد کرنے سے بھی باز رہتا کیونکہ سوراج کے ماتحت جو ہندوستان کی پارلیمنٹ ہوگی وہ میرے یقین کے مطابق جانتا ہوں کہ ضرور فوج اور پولیس رکھیگی، اس سے بھی زیادہ خانگی مثال لیتے ہوئے کہتا ہوں کہ اگر میرا لڑکا عدم تشدد پر یقین نہ رکھتا ہو تو میں انصاف حاصل کرنے میں اسکی امداد نہ کرسکونگا۔

---

[1] اہنسا کا پیغمبر مہاتما گاندھی سے مراد ہے [2] مشرق کا زبردست سنتیہ گرہی مہاتما گاندھی

مسٹر ڈکریاس کا مقولہ ایک عدم تشدد کے معتقد کے لئے تمام تجارتی کاروبار کو ناممکن کردیگا اور ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جو یہ یقین رکھتے ہیں کہ کامل عدم تشدد سے تمام سرگرمیاں بند ہوجائینگی۔

لیکن میری تعلیم عدم تشدد اس نوعیت کی نہیں میرا کام صرف یہ ہے کہ خود بھی تشدد سے پرہیز کروں اور خدا کی مخلوق میں سے جتنے شامل ہوسکتے ہوں ان کو تحریص و ترغیب اور خدمتگزاری کرکے اس اعتقاد پہ آمادہ کروں اور اسپر عمل درآمد کراؤں لیکن اگر میں حق بجانب معاملہ میں ایسے لوگوں یا ایسے تدابیر کی امداد نہ کروں جو میرے اصول عدم تشدد سے قائل نہوں تو میں اپنے مذہب سے بھی جھوٹا ثابت ہونگا۔ اگر میں مسلمانوں کو حق بجانب پاؤں اور پھر بالکل پرامن ذرائع سے ان لوگوں کی امداد ان لوگوں کے خلاف نہ کروں جنہوں نے بڑی غداری کے ساتھ اسلام کی حرمت مٹانے کے لئے سازش کی ہے تو اسکے یہ معنی ہونگے کہ میں تشدد کو ترقی دینا چاہتا ہوں اگر دونوں فریق بھی تشدد پر یقین رکھتے ہوں تب حق وانصاف ایک نہ ایک فریق کی جانب ضرور ہوگا۔ ایک لٹا کھسٹا انسان حق بجانب ہوسکتا ہے خواہ وہ اپنے مال و دولت کو دوبارہ بذریعہ قوت کے حاصل کرنا کیوں نہ چاہتا ہو اور یہ تو صریحًا عدم تشدد کی فتح ہے کہ مظلوم فریق اس امر پہ مائل ہوجائے کہ اپنی مال و دولت ستیہ گرہ کے ذرائع سے دوبارہ حاصل کرے یعنی محبت یا روح کی قوت کے ذریعہ سے بمقابلہ جنگ و جدال کے۔

مسٹر ڈکریاس کے لئے دروازہ کھلا ہوا ہے کہ وہ میرے دعوے کو جو حیثیت عدم تشدد کے میں نے کیا ہے اور ان قیودات کو مد نظر رکھتے ہوئے جو میں نے اوپر بیانات کی ہیں مسترد کردیں میں ان کو صرف یہ مشورہ دونگا کہ زندگی ایک بہت ہی پیچیدہ چیز ہے اور حقانیت و عدم تشدد ایسے مسائل پیش کرتے ہیں جو اکثر لوگوں کے فیصلوں اور عمل کو الٹ دیتے ہیں۔ ایک شخص حقانیت کی تلاش کرتا ہے اور اسکے حصول کے آئینی ذرائع کے استعمال طریقہ ستیہ گرہ یا روح کی قوت ہے جو صبر کے ساتھ جد و جہد کرنے اور خاموش دعا سے حاصل ہوتی ہے۔ میں اپنے دوستوں کو صرف یقین دلا سکتا ہوں کہ میں حقانیت کا راستہ تلاش کرنے میں کسی تکلیف کی پرواہ نہیں کرتا اور عاجزانہ لیکن مستقل جد و جہد اور خاموش دعائیں ہی میرے دشوار گذار لیکن خوبصورت راستہ کے ساتھی ہیں جسپر ہر شخص کو چلنا چاہیئے۔

سلطان ٹرکی کی دار السلطنت میں مقید یا نظربند کرنا نہ صرف ایفائے وعدہ کی تذلیل ہے بلکہ اید ارسانی بیعزتی کا اضافہ ہے

(مستقل طرز عمل) از قلم مہاتما گاندھی۔ ینگ انڈیا ۱۲ مئی ۱۹۲۰ء

گزشتہ ماکیں کے مضمون نگار نے ٹائمز آف انڈیا میں میرے اس بیان کو چیلنج دینے کی کوشش کی ہے جو میں نے خلافت

آرٹیکل[1] میں تحریر کیا ہے اور جو وزارت کے وعدوں کے متعلق ہے اسکے ساتھ وہ مسٹر اسکوئتھ کی وہ تقریر پیش کرتا ہے جو انھوں نے ۱۰ نومبر ۱۹۱۴ء کو گلڈ ہال میں کی تھی جسوقت میں نے وہ مضمون لکھا تھا تو میرے دماغ میں مسٹر اسکوئتھ کی تقریر موجود تھی مجھے افسوس ہے کہ انھوں نے کیوں ایسی تقریر کی کیونکہ میری رائے میں اس سے خیالات کے اندر بہت انتشار پیدا ہو گیا کیا ان کا یہ خیال تھا کہ سلطنت عثمانیہ اور چیز ہے اور ترکی باشندے اور چیز ہیں؟ اور اگر یورپ اور ایشیا میں عثمانی سلطنت کے ناقوس موت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ترکی حکومت اور لہذا ترکی باشندوں کا بحیثیت آزاد اور خود مختار قوم کے جنازہ نکل گیا تو اور کیا ہے؟ پھر کیا تاریخ اسکی شاہد ہے کہ ترکی حکومت ہمیشہ ایسی تباہ کن ثابت ہوئی ہے جسنے "کرۂ ارض کے بعض بہترین علاقوں کو برباد کر دیا" اور بعد میں جو انھوں نے بیان کیا ہے اسکے کیا معنی ہیں یعنی "ہمارے خیالات اس سے زیادہ کچھ نہیں ہیں کہ ان کے اعتقادات کے خلاف یا تو جہاد کی خود ابتدا کیجائے اور یا دوسروں کی اس معاملہ میں ہمت افزائی کیجائے" اگر الفاظ کے کچھ معنی ہوسکتے ہیں تو مسٹر اسکوئتھ نے اپنی تقریر میں جن اوصاف کو شامل کیا ہے انکے یہ معنی ہونے چاہئیں کہ مسٹر اسکوئتھ کو مسلمانوں کے محسوسات کا خیال ہے اور اگر تقریر مذکور کے یہی معنی ہیں تو میں بلا کسی مزید ثبوت کے دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اگر سان ریمو کانفرنس کی قراردادوں کو عملی جامہ پہنایا گیا تو انکی تقریر بھی برطرف کر دئے جانے کے خطرہ میں ہوگی لیکن میری رائے ان سنجیدہ تقاریر پر مبنی ہے جو دو سال بعد مسٹر اسکوئتھ کے جانشین نے کی تھی جبکہ صورت حالات نے بمقابلہ ۱۹۱۴ء زیادہ نازک شکل اختیار کر لی تھی انکے وعدہ کو بار بار دہرایا جاویگا حتی کہ اسکا ایفا کیا جاوے۔ انھوں نے کہا تھا "ورنہ ہم اسلئے جنگ کر رہے ہیں کہ ترکی کو اسکے دارالسلطنت یا ایشیائے کوچک اور تھریس کے مشہور و زرخیز زمینوں سے جہاں کہ ترکی نسل کثرت سے آباد ہے محروم کر دیں" "ہم ترکی سلطنت کے قیام کو خاص ترکوں کے وطن میں چیلنج نہیں کرتے اور نہ قسطنطنیہ کو دارالسلطنت ترکی قائم رکھنے کے خلاف ہیں" اگر محض اس وعدہ کا ہی ایک ایک لفظ پورا کر دیا جائے تو میں خیال کرتا ہوں کہ پھر بہت تھوڑا اتنا زخم باقی رہ جائیگا جتنا مسٹر اسکوئتھ کا اعلان مسلمانان ہند کے مطالبے کے خلاف تھا اسی قدر مسٹر لائیڈ جارج کے سنجیدہ اعلان نے اسکی تلافی کر دی یہ ایک ایسا اعلان تھا جسکی توقع کو پورا کیا گیا یعنی بہادر مسلمان سپاہی فوج میں داخل ہوئے اور انھیں مقامات پر لڑنے جواب باوجود وعدہ و اقرار تقسیم کئے جا رہے ہیں لیکن "کرنٹ ٹائمس" کا مضمون نگار لکھتا ہے کہ مسٹر لائیڈ جارج "اب اپنے وعدہ کو برقرار رکھنے کی تدابیر عمل میں لا رہے ہیں" میں امید کرتا ہوں کہ اسکا قول صحیح ثابت ہو لیکن ابتک جو کچھ ہوا ہے اسکی رو سے ایسی امید کرنے کی بہت کم گنجایش ہے کیونکہ خلیفہ کو اسی کے دارالسلطنت میں مقید کرنا یا نظر بند کرنا نہ صرف ایفائے وعدہ کی ہی تذلیل ہے بلکہ ایذا رسانی پر بیعزتی کا اضافہ کرنا ہے۔ یا تو ترکی سلطنت کو ترکی نسل کے وطن میں قائم رکھا جائیگا اور قسطنطنیہ دارالسلطنت بحال رہیگا اور یا اسکے برخلاف ہوگا اگر ترکی سلطنت کو قائم رکھا گیا تو مسلمانان ہند کو اسکی پوری خوشی محسوس کرنی چاہئے۔ اور اگر سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے گئے تو مکر و فریب کا پردہ اٹھا کہ ہندوستانیوں کو

---

[1] اس سے مراد وہ مضمون ہے جسکی سرخی "میں تحریک خلافت میں کیوں شامل ہوا ہوں" ہے۔ ملاحظہ ہو مضمون ۲۰ اپریل سنہ ۱۹۲۰ء

سچائی عریاں کر دینی چاہیئے لہٰذا اس سب کا ماحصل یہ ہے کہ تحریک خلافت میں شریک ہونا ایک ایسی تحریک میں شریک ہونے کے مترادف ہے جو برطانوی وزیر اعظم کے وعدہ کو برقرار رکھنے کے لئے جاری کی گئی ہو اور یقیناً ایسی تحریک عدم تعاون کے مقابلہ میں زیادہ قربانیوں کی مستحق ہے۔

تحریک خلافت اب ایک جدید منزل پر پہونچ گئی ہے، خطابات واپس کرنے کے اسکا سنگ بنیاد رکھا گیا ہے

(جدید مرحلہ) ینگ انڈیا۔ ۱۴ر اپریل سنہ ۱۹۲۰ء

گذشتہ بارہ ماہ سے مسئلہ خلافت پر انگلستان و ہندوستان میں ضربیں لگائی جا رہی ہیں۔ یہ مسئلہ اپنے ابتدائی دور میں جسقدر انگلستان میں سرگرمی کے ساتھ پھیل چکا تھا اسقدر ہندوستان میں نہ تھا، انگلستان میں رہنے والے مسلمان لیڈران نے ان ضروری مسائل کے متعلق جنکا اثر اسلام پر پڑتا تھا مسلمانوں کے نقطۂ نگاہ کو واضح کر دیا اور صلح کانفرنس کو بھی اس سے مطلع کیا، انھوں نے اس معاملہ کی پیروی برطانوی وزراء و نیز برطانوی پبلک کے سامنے یکساں طور پر کی ان کوششوں کی ناکامی اور پیرس کے واقعات میں جانبداری کے رنگ نے ہندوستان میں بھی بیداری پیدا کر دی۔ ہندوستان کے مسلمان لیڈروں نے دیکھا کہ اتحادی طاقتیں بغیر استثنا سب کی سب خود غرضانہ مفاد کے بوجھ سے ناقابل برداشت ہو گئی ہیں لہٰذا انھوں نے ایک وفد مرتب کرنے میں ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیا اور جس چیز کو اسوقت تک بعض لوگ محض ایک وحشیانہ چیخ و پکار سے موسوم کرتے تھے اسنے ایک صورت اختیار کر لی اور مسلمانوں کے کم سے کم مطالبات ظاہر کر دیئے گئے۔ وفد کا پہلا بیچ انگلستان روانہ ہو گیا۔

وفد خلافت نے لبرل پارٹی کے بڑے لیڈر سے ملاقات کی۔ انھوں نے وزیر اعظم کے سامنے بھی اپنا معاملہ پیش کیا۔ ان ملاقاتوں کا جو نتیجہ ہوا اس سے ہم سب واقف ہیں۔ وفد مذکور کی کوششیں محض ذاتی ملاقاتوں تک محدود نہیں رہیں بلکہ ۲۳ر مارچ کو ایسکس ہال میں اراکین وفد نے ایک مجمع کو بھی مخاطب کیا۔ اس جلسہ میں انگریز حاضرین کی ایک کثیر تعداد موجود تھی۔ معلوم ہوا ہے کہ اس جلسہ کا حاضرین پر بڑا عمدہ اثر پڑا۔ بمبئی کرانیکل کا نامہ نگار اطلاع دیتا ہے کہ عنقریب اس سے زیادہ عظیم الشان جلسہ اور ہونے والا ہے۔

مسئلہ خلافت کے فیصلہ کا انحصار چار بڑی طاقتوں پر ہے۔ ان میں سے ایک اٹلی کا سائنر نٹی بھی ہے اسکی تقریر نیز وہ جواب جو چیمبر نے اسکی تقریر پر دیا ہے ظاہر کرتا ہے کہ اٹلی نہیں چاہتا کہ ترکی یا ایشیائے کوچک میں کوئی قبضہ کیا جاوے۔ اسنے اعلان کیا ہے کہ مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو بھڑکانا بہت بڑی غلطی ہے لیکن اٹلانٹک پار سے بہت ہی

ناخوشگوار خبریں موصول ہو رہی ہیں۔ "عہد نامہ ٹرکی کی گفت و شنید کے متعلق اتحادیوں کے نوٹ کے جواب میں امریکہ اپنی رائے ظاہر کرتا ہے کہ قسطنطنیہ کے علاقہ سے باہر مشرقی تھریس کا حصہ یونان کو دیدیا جائے لیکن ایڈریانوپل کرکلسیہ اور اسکے گرد و نواح کا علاقہ بلغاریہ کے سپرد کیا جاوے۔ آرمینیہ کی سرحد بنا دیجاوے تاکہ آرمینیوں کے تمام تمام جائز مطالبات تسلیم کرلئے جاویں اور بالخصوص سمندر میں راستہ بنانے کی غرض سے۔ اس جواب میں یہ بھی تجویز کیا گیا ہے کہ طرابزون آرمینیہ کو دیدیا جائے۔ اور ترکی کو چاہئے کہ عراق عرب، جزیرۃ العرب، فلسطین، شام اور جزائر کو بڑی طاقتوں کی مرضی پہ چھوڑ دے" اس سے بھی زیادہ ناخوشگوار خبر آرمینی وامریکن کمیشن کی رپورٹ کا فیصلہ ہے اسکا منشا یہ ہے کہ "مشرق قریبہ کے مسئلہ کا واحد حل یہ ہے کہ کسی طاقت کو اسکی حکمبرداری تفویض کردی جائے جسمیں قسطنطنیہ بھی شامل ہو" ان دونوں تاروں کو پڑھنے کے بعد ہر شخص وفد مذکور کے اس دانشمندانہ فیصلہ کی تعریف کریگا کہ ریاستہائے متحدہ امریکہ کا بھی دورہ کیا جائے۔ سینیٹر لاج اور امریکن پریس کے نام ایک پیغام روانہ کردیا گیا ہے اس اپیل میں زور دیا گیا ہے کہ تمام ہنگامہ و قتل عام کے تمام مسئلہ پر غور کرنے کے لئے ایک غیر جانبدارانہ تحقیقات بین الاقوامی کمیشن کے ذریعہ سے کیجاوے جسمیں ہندوستانی باشندوں کے منتخب کردہ ہندوستانی ممبروں کی بھی کافی تعداد ہو۔ اس اپیل میں شکایت کی گئی ہے کہ قتل عام کے افسانے اسلئے اور بھی زیادہ تاریک و روزنی ہوگئے ہیں کہ وہ یکطرفہ الزامات سے پُر ہیں پھر یہ درخواست کیگئی ہے کہ امریکہ اپنے فیصلہ کو اسوقت تک ملتوی رکھے جب تک کہ پہلی منصفانہ تحقیقات کا نتیجہ ظاہر ہو جاوے۔ آخر میں وفد نے کہا ہے کہ "مہربانی فرماکر ہماری اپیل کو سینیٹ دارالعوام اور تمام امریکہ کے سامنے پیش کردیجائے" ہمیں یقین ہے کہ وفد مذکور آسانی کے ساتھ ان غلطیوں اور متناقض باتوں پر عبور کریگا جو پریسیڈنٹ ولسن کی تلون آمیز پالیسی میں شامل ہیں۔ وفد کے ارکین امریکہ پر ثابت کردینگے کہ خود وہ جو کسی وقت حکومت خود اختیاری کا علمبردار تھا آج اپنی کو ہ ورنن۞ کی تقریر اور بارہویں دفعہ کے خلاف گناہ کر رہا ہے۔

اگرچہ اتحادی اقوام کے نمائندے مسلمانوں کے مطالبہ کو حق بجانب تسلیم نہیں کرتے لیکن ہم عیسائی پبلک سے بالعموم مایوس نہیں ہوئے ہیں اور یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ وفد مذکور اپنے معاملہ کو ہر اُس کان تک پہونچائیگا جو سُننا نہیں چاہتا۔ ہمارے مسلمان بھائیوں کی محنت اور مشقت اس امر کو باور کرانے کے لئے کافی ہے کہ وہ تمام آئینی ذرائع کو استعمال کر رہے ہیں۔

جلد آنے والی ناخوشگواریوں کا سد باب کرنے کے لئے مسلمان رہنما متواتر مسلم رائے کا اظہار نہایت صفائی کے ساتھ کرتے رہے ہیں۔ اسی آزادی خیالی کے ساتھ انھوں نے شیخ الاسلام کی گرفتاری کے خلاف احتجاج کیا ہے۔ گذشتہ جمعہ کو بمبئی میں جو جلسہ ہوا تھا۔ وہاں تقریروں میں ایک مرتبہ پھر مسلمانوں کے صحیح مطالبات کا اعادہ کیا گیا اور ان ذرائع کو بھی ظاہر کیا گیا جو غیر اطمینان بخش فیصلہ کی حالت میں اختیار کئے جاوینگے۔ گورنمنٹ

۞ ڈاکٹر ولسن نے حکومت خود اختیاری کے اصولوں کو مشرح کرنے کے متعلق کوہ ورنن پر ایک تقریر کی تھی۔

سے عدم تعاون کرنا ایک نازک بات ہے اور اگر ممکن ہوتا تو مسلمان اس سے احتراز بھی کرتے لیکن آخر میں وہ لاچار ہو گئے اور کوئی نہ کوئی ابتدا ضرور کرنی تھی خطابات کو واپس کرکے سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اب تحریک خلافت ایک جدید مرحلہ پر پہونچگئی ہے۔ ہماری دلی تمنّا ہے کہ عیسائی طاقتیں اس نازک صورت حالات کا اندازہ کرینگی اور اپنی مذموم سازشوں کو خیرباد کہدیں گی۔

اگر آپنے ہماری تجویز کو اختیار نہ کیا تو ہم مجبور ہو جائینگے کہ گورنمنٹ سے اپنا دست تعاون کھینچ لیں اور اپنے ہندو بھائیوں کو بھی ایسا ہی کرنے پر مائل کریں

(مسلمانوں کی اپیل ہز ایکسیلنسی وائسرائے کے نام) نیگ انڈیا ۳۰ر جون ۱۹۲۰ء

(مندرجہ ذیل عرضداشت وائسرائے کی خدمت میں منجانب مسلمانان ہند متعدد سربرآوردہ لیڈران نے جن میں آنریبل مسٹر مظہر الحق، مسٹر یعقوب حسن، مولانا عبد الباری، مسٹر شوکت علی اور مسٹر آزاد بھی شامل ہیں ارسال کی ہے)

ہم ذیل کے دستخط کنندگان سنی مسلمانوں کی سب سے زیادہ کثیر التعداد انجمن کی جانب سے اظہار رائے کرتے ہیں۔ ہم نے ترکی شرائط کو بہت غور کے ساتھ مطالعہ کیا ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ شرائط مذکورہ مسلمانوں کے جذبات کے بالکل منافی ہیں یہ اُن فرائض کے بھی منافی ہیں جو سُنّی مسلمانوں پر عائد کئے گئے ہیں اور تمام مسلمانوں کے محسوسات کو مجروح کرتی ہیں۔ یہ برطانوی وزرا کے اُن وعدوں کے بھی خلاف ہیں جنکی تقویت پر یہ تسلیم کیا جا چکا ہے کہ دوران جنگ میں مسلمان رنگروٹ ہندوستان سے حاصل ہوئے تھے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ سلطنت برطانیہ جو دنیا میں "سب سے بڑی مسلمان طاقت ہے" ترکی سلطنت سے جو خلافت کی نمائندگی کرتی ہے ایسا ہی سلوک نہیں کر سکتی جیسا کہ ایک شکست خوردہ دشمن کے ساتھ اسکو کرنا چاہیئے درحقیقت ہم کہہ سکتے ہیں کہ ترکی کے ساتھ بعض اعتبارات سے دوسری طاقتوں کے مقابلہ میں زیادہ برا سلوک کیا گیا ہے۔ ہم نہایت ادب کے ساتھ التماس کرتے ہیں کہ ترکی کے معاملہ میں برطانوی گورنمنٹ کو مسلمانان ہند کے جذبات کا اس حد تک ضرور احترام کرنا چاہیئے جس حد تک کہ وہ غیر معقول اور غیر منصفانہ نہوں۔ ہماری رائے میں مسلمانان ہند نے جو پوزیشن اختیار کی ہے وہ بالکل سادہ ہے وہ اس خیال کو برداشت نہیں کر سکتے کہ بطور سزا سلطان کی دنیاوی قوت پر کوئی متخاصمانہ اثر پڑے لیکن ہماری یہ خواہش نہیں ہے

کہ کسی ایسی چیز کے لئے کہیں جو اصول خود اختیاری میں دخل انداز ہو نہ ہماری یہ تمنا ہے کہ کسی بدنظمی کی تائید کریں جو ٹرکی کے ساتھ منسوب کیگئی ہے۔ یورپ میں ہمارے ڈیلیگیٹوں نے ایک آزاد و غیر جانبدار کمیشن کے تقرر کا مطالبہ کیا ہے جو ان مظالم کی تحقیقات کرے جنکے متعلق کہا جاتا ہے کہ ترکی سپاہیوں نے آرمینیہ میں روا رکھے ہیں۔ اگر ٹرکی کو یا اسکی سلطنت کو بطور سزا یا عاجز کرنے کی غرض سے منقسم کیا گیا تو ہم اس فعل کو بے اعتنائی کے ساتھ نہیں دیکھ سکتے۔

اسلئے ہم یور اکسلنسی اور آپ کی گورنمنٹ سے یہ درخواست کرینگے کہ آپ ملک معظم کے وزراء سے شرائط صلح پر نظر ثانی کرنے کے لئے کہیں و نیز ان کو جتلا دیں کہ اگر وہ ایسا کرنے میں ناکام رہے تو یور اکسلنسی باشندگان ہند کے ساتھ اشتراک عمل کر لینگے۔ ہم یہ تجویز اسلئے کرتے ہیں کہ چونکہ یور اکسلنسی نے بار بار اس امر کا اعلان کیا ہے کہ آپ کی گورنمنٹ نے متواتر اور اکثر ملک معظم کے وزراء کی توجہ مسلمانان ہند کی کثیر تعداد سے تعلق رکھنے والے نہایت اہم معاملہ کی طرف مبذول کرائی ہے لہذا ہم محسوس کرتے ہیں کہ ہمیں یہ حق حاصل ہے کہ یور اکسلنسی سے مسلمانان ہند کو دوبارہ یقین دلانے کی درخواست کریں کہ ہنوز آپ کا سرگرم تعاون ان کے ساتھ ہے اور ان کے مطالبات پر عملدرآمد کرانے کے لئے آپ اب تک مضبوط وکالت کرنے کو تیار ہیں یہاں تک کہ اگر ملک معظم کے وزراء شرائط صلح پر نظر ثانی کرانے میں قاصر رہے تو آپ اپنے اعلیٰ عہدہ سے مستعفی ہو جائینگے۔ ہم ادب کے ساتھ یہ تجویز کرنے کی جرأت کرتے ہیں کہ اگر ہندوستان نو آبادیات کی طرح مکمل خود اختیاری حاصل کئے ہوئے ہوتا تو اسکے وزراء یقیناً وعدوں کے وفا ہونے اور مذہبی رائے کی بیحرمتی کی بنا پر بطور احتجاج مستعفی ہو جاتے

اگر بدقسمتی سے آپ نے ہماری ناچیز تجویز کو اختیار نہ کیا تو ہم مجبور ہو جائینگے کہ آیندہ یکم اگست سے گورنمنٹ سے اپنا دست تعاون کھینچ لیں اور اپنے ہم مذہبوں اور ہندو بھائیوں کو بھی ایسا ہی کرنے پر مائل کریں۔

ہم یور اکسلنسی سے ملتمس ہیں کہ ہمارے بیان کو کسی قسم کی دھمکی یا بیعزتی خیال نفرما دیں۔ ہم تاج کی وفاداری کا اتنا ہی دعویٰ کرتے ہیں جتنا کہ ہندوستان میں وفادار سے وفادار انسان کر سکتا ہے لیکن کسی دنیاوی بادشاہ وفاداری کو ہم اسلام کی وفاداری پر مقدم نہیں سمجھتے۔ موخر الذکر وفاداری ہر مسلمان کو ہدایت کرتی ہے کہ وہ ان لوگوں کو دشمن اسلام سمجھے جو منصب خلیفہ کو ایذا پہونچا ئیں اور ان کا مقابلہ کرے حتیٰ کہ اگر ضرورت ہو تو اسلحہ کا بھی استعمال کرے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اگر ہم میں طاقت ہوتی پھر بھی اسوقت ہتھیاروں کو نہ اٹھاتے جب تک کہ دوسرے ذرائع موجود رہتے ہم محسوس کرتے ہیں کہ ایسی صورت حالات میں ایک مسلمان کم سے کم جو کر سکتا ہے وہ یہ ہے کہ ان لوگوں کی امداد سے دست کش ہو جاوے جو عملاً خلافت کو کالعدم کرنے کی کوشش میں ہیں لہذا ہمارا اہم فرض ہو جائیگا کہ ایسی گورنمنٹ سے عدم تعاون کر دیں جو شرائط صلح کو خود بھی منظور کرتی ہے اور ہمیں بھی مشورہ دیتی ہے کہ ان کو قبول کر لیں۔

ہم امید کرتے ہیں کہ عدم تعاون جیسا نازک قدم اٹھانے کی ضرورت نہو گی اور اگر بدقسمتی سے ایسا ہوا بھی تو ہم یور اکسلنسی کو یقین دلاتے ہیں کہ تشدد سے اجتناب کرنے کی انتہائی کوشش کرینگے ہم اپنی ذمہ داری پوری پوری طرح

محسوس کرتے ہیں ہم جانتے ہیں کہ تشدد کا طوفان ہمارے پُرامن مظاہرہ کو نقصان پہونچائیگا اور اس میں رکاوٹ پیدا کر دیگا۔ علاوہ ازیں ہمارے مقدس مطالبہ کو جو ہمیں جانوں سے بھی زیادہ عزیز ہے نقصان پہونچائیگا لہذا ہم عدم تعاون کے بتدریج مراحل کو اختیار کرینگے تاکہ گورنمنٹ کو کم سے کم لیکن ضروری پریشانیوں میں ڈالا جائے اور عوام کے جذبات کی تربیت اور انپر قابو حاصل ہو جائے۔

ایسی حالت میں جبکہ روس کی کا دروازہ کھٹکھٹا رہا ہو ترکی کا اتحادیوں کیخلاف شریک جنگ ہونا آسان کام تھا

(مسلمانوں کے اعلان پر تنقید) از قلم مہاتما گاندھی۔ ینگ انڈیا ۔ جولائی سنہ ۱۹۲۰ء

والیسرائے کے نام مسلمانوں کی عرضداشت اور اسی مضمون کے متعلق میرے مراسلہ پر اینگلو انڈین پریس نے بڑی سختی کے ساتھ نکتہ چینی کی ہے۔ ٹائمز آف انڈیا نے جسکا رویہ عام طور پر غیر جانبدارانہ رہتا ہے مسلمانوں کے اعلان کے بعض بیانات کو مستثنی کر دیا ہے اور اپنے آرٹیکل کا ایک پورا پیراگراف میری اس تجویز کی مخالفانہ تنقید میں صرف کیا ہے کہ اگر شرائط صلح پر نظر ثانی نہ ہوئی تو ہر ایک مسلمان کو مستعفی ہو جانا چاہیئے۔

مسلمانوں کی اس عرضداشت کو برطانوی سلطنت کو ترکی کے ساتھ ہزیمت خوردہ دشمن کی مانند سلوک کرنا چاہیئے ٹائمز آف انڈیا مستثنی قرار دیتا ہے میں سمجھتا ہوں کہ تحریر کنندگان نے بہترین دلائل اپنے اعلان میں پیش کئے ہیں وہ کہتے ہیں:

ہم نہایت ادب کے ساتھ ملتمس ہیں کہ ترکی کے معاملہ میں برطانوی گورنمنٹ مسلمانان ہند کے جذبات کا اس حد تک احترام کرنے پر مجبور ہے جس حد تک کہ وہ غیر منصفانہ اور غیر معقول نہوں۔ اگر سات کروڑ مسلمان سلطنت میں حصہ دار ہیں تو میں کہتا ہوں کہ ترکی کو سزا دینے سے باز رکھنے کے لئے انکی خواہش کافی ہونی چاہیئے۔ یہ مطالبہ اس سوال سے علاوہ ہے کہ ترکی نے دوران جنگ میں کیا کیا۔ جو کچھ اس نے دوران جنگ میں کیا اس کا کافی نقصان بھگت لیا۔ ٹائمز دریافت کرتا ہے کہ کس اعتبار سے ترکی کے ساتھ دوسری طاقتوں کے مقابلہ میں زیادہ برا سلوک کیا گیا ہے۔ میں نے خیال کیا تھا کہ حقیقت خود اپنا اظہار کرتی ہے۔ نہ جرمنی اور نہ آسٹریا ہنگری کے ساتھ وہ سلوک کیا گیا جو ترکی کے ساتھ ہوا ہے تمام سلطنت کو کم کرتے کرتے محض اسکے دار السلطنت کے ایک حصہ تک محدود کر دیا ہے گویا کہ سلطان کا مضحکہ اڑانا منظور ہے اور یہ بھی ایسی شرائط کے ماتحت جو اس قدر ذلت آمیز ہیں کہ ایک حکمران بادشاہ تو درکنار کوئی خود دار انسان بھی انکو منظور نہیں کر سکتا۔

ٹائمز نے اس واقعہ سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے کہ مسلمانوں کی عرضداشت میں کوئی سبب نہیں بتایا گیا

کہ ترکی اتحادیوں کے ساتھ شریک جنگ کیوں نہوا۔ اسمیں کوئی بھید نہ تھا صرف روس کا اتحادیوں میں شامل ہونا ترکوں کو ہوشیار کرنے کے لیئے کافی تھا کہ وہ اتحادیوں کے ساتھی نہ بنیں۔ اس حالت میں کہ روس تو ترکی سلطنت کے دروازہ کو دوران جنگ میں کھٹکھٹا رہا ہو۔ ترکی کے لیئے اتحادیوں کے ساتھ اشتراک عمل کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ علاوہ ازیں ترکی کے پاس برطانیہ سے شکوک رکھنے کے بھی وجوہات موجود تھے وہ جانتا تھا کہ جنگ بلغاریہ میں انگلستان نے کوئی دوستانہ کام نہیں کیا تھا۔ اٹلی سے جنگ کے موقعہ پر بھی مشکل سے اُسے کوئی امداد دیگئی تھی تاہم اسمیں شک نہیں کہ ترکوں کا فیصلہ درست تھا یہ دیکھتے ہوئے کہ مسلمانان ہند بیدار ہو چکے تھے اور اُسکی پشت پناہی کے لیئے تیار تھے۔ ترکی کے مدبرین برطانیہ پر اعتماد کرنا چاہیئے تھا لیکن یہ تمام دانشمندی ایک واقعہ کے گذر جانے کے بعد ظاہر کیجا رہی ہے۔ ترکی نے ایک فیصلہ لیا تھا اور اسکو اسکی سزا مل گئی اب اسکو مزید ذلیل کرنا یہ معنی رکھتا ہے کہ گویا مسلمانان ہند کے جذبات کو نظرانداز کر دیا گیا۔ برطانیہ کو ایسا نہ کرنا چاہیئے اور بیدار مسلمانان ہند کی وفاداری کو قائم رکھنا چاہیئے۔

ٹائمز یہ کہکر کہ شرائط صلح اصول خود اختیاری کے عین مطابق ہے اپنے ناظرین کی آنکھوں میں دھول جھونکتا ہے کیا اصول خود اختیاری کو ملحوظ رکھتے ہوئے بھی ایڈریانوپل اور تھریس یونان کے حوالہ کیا جا رہا ہے؟ اصول خود اختیاری کے کونسے اصول کے ماتحت سمرنا یونان کے سپرد کیا گیا؟ کیا تھریس اور سمرنا کے باشندوں نے یونان کی نگہبانی کی درخواست کی تھی؟

مجھے یقین نہیں آتا کہ عرب اس انتظام کو پسند کرتے ہیں جو انکے لیے کیا گیا ہے۔ شاہ حجاز اور امیر فیصل کون ہیں؟ کیا ان بادشاہوں اور امیروں کو عربوں نے منتخب کیا ہے؟ کیا عرب والے انگلستان کی حکمبرداری کو پسند کرتے ہیں؟ جس عرصہ میں تمام معاملہ ختم ہوجائیگا لفظ خود داری ایک بدبودار چیز ہو جائیگی ابھی سے ایسے آثار نمایاں ہو رہے ہیں کہ عرب و تھریس اور سمرنا کے باشندے اپنے فیصلہ پر پشیمان ہیں ممکن ہے کہ وہ ترکی حکومت کو ناپسند کرتے ہوں لیکن موجودہ انتظامات کو اس سے بھی کہیں زیادہ ناپسند کرتے ہیں وہ خود ترکی سے باعزت شرائط صلح طے کر لیتے لیکن یہ حکومت خود اختیاری پسند کرنیوالے لوگ اب اتحادیوں کی لاثانی قوت یعنی برطانوی فوجوں کے سامنے سرنگون رہینگے۔ برطانیہ کے سامنے یہ سیدھا سچا راستہ موجود تھا کہ وہ سلطنت ترکی کو قائم رکھتا اور اچھی حکومت کے متعلق کافی ضمانتیں حاصل کر لیتا لیکن برطانیہ کے وزیراعظم نے خفیہ عہدناموں، مکاری، ریاکاری اور حیلہ سازی کا ٹیڑھا راستہ اختیار کیا۔ تاہم ان مشکلات سے عہدہ برآ ہونے کا ایک طریقہ ہنوز کھلا ہوا ہے اسکو چاہیئے کہ وہ ہندوستان کے ساتھ ایک حقیقی شریک سلطنت کا برتاؤ کرے، مسلمانوں کے صحیح نمائندوں کو طلب کیا جائے اور عرب اور سلطنت ترکی کے دوسرے حصوں میں جانیکی اجازت دیجائے۔ نیز مسلمانوں کی مطابقت میں ایک سکیم مرتب کیجائے جو ترکی کے لئے ذلت آمیز نہو بلکہ مسلمانوں کے صحیح جذبات کیلئے تسلی بخش ہو اور جس سے سلطنت عثمانیہ میں رہنے والی قوموں کے لیئے حکومت خود اختیاری حاصل ہوسکے۔ اگر کناڈا، اسٹریلیا یا جنوبی افریقہ کا معاملہ ہوتا تو انکی موافقت میں سمجھوتہ کرنا پڑتا اور مسٹر لائیڈ جارج کی یہ مجال نہوتی کہ انکو فراموش کر دیتے کیونکہ اول الذکر میں

مسئلہ خلافت اور محض انصاف کو چھوڑ کر بھی انگلستان کو عراق عرب پر قبضہ رکھنے کا کوئی حق نہیں۔ ہماری وفاداری میں یہ فرض ہمپر عائد نہیں ہوتا کہ دن دہاڑے رہزنی میں ہم شاہی گورنمنٹ کی امداد کریں اسلئے اگر ہم نے عراق عرب میں فوجی یا سول ملازمتیں کرلیں تو وہ صرف بسر اوقات کی بنا پر ہونگی۔ لہذا ہمیں دیکھ لینا چاہئے کہ ذرائع آمدنی کی آلودگی سے تو ملوث نہیں ہے۔

یہ دیکھ کر مجھے حیرت ہوتی ہے کہ لوگ بالک عدم تعاون کا نام سنکر ہی جی چرانے لگتے ہیں، کوئی ہتھیار اتنا صاف اتنا بے ضرر اور اسپر بھی اتنا موثر نہیں جتنا کہ عدم تعاون ہے اگر اسکو عقلمندی کے ساتھ استعمال کیا جاوے تو اس سے بہترین نتائج پیدا ہونگے اور اسکی مضبوطی کا انحصار ذاتی قربانی کی قابلیت پر موقوف ہے۔

خاص کام یہ ہے کہ عدم تعاون کے لیئے فضا درست کیجائے۔ یہ کہدینا ہر دانشمند رعایا کا فرض اور حق ہے کہ "ناانصافی میں ہم تمہارے ساتھ تعاون نہیں کرسکتے" اگر ہم میں غلامی کی خو، لاچاری کی عادت اور اپنے اوپر اعتماد کرنے کی کمی نہوئی تو یقیناً اس صاف ہتھیار کو مضبوط پکڑ لینگے۔ اور پھر اسکا موثر استعمال کرینگے۔ بڑی سے بڑی شخصی حکومت کرنیوالی گورنمنٹ محکوم کی مرضی کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی جسکو وہ اکثر جبر حاصل کرتی ہے جسوقت رعایا شخصی حکمران کی طاقت سے بیخوف ہوجاتی ہے تو فوراً اسکی طاقت بھی کافور ہوجاتی ہے لیکن برطانوی حکومت کبھی اور کسی جگہ بالکل یا زیادہ تر طاقت پر منحصر نہیں، وہ رعایا کی خوش اعتقادی حاصل کرنیکی ایماندارانہ کوشش کرتی ہے تاہم محکوم کی مرضی جبر یہ اپنی موافقت میں کرنیکے لئے وہ غیر دانشمندانہ ذرائع میں بھی پس وپیش نہیں کرتی۔ وہ اس خیال سے کبھی متجاوز نہیں ہوتی کہ "ایمانداری بہترین پالیسی ہے" لہذا وہ کبھی خطابات، تمغے اور معزز نشانات عطا کرکے کبھی ملازمتیں دیکر کبھی اونچی عہدہ والی قابلیت کی بنا پر اپنے ملازموں کو مالدار بننے کے موقع دیکر گویا رشوت دیتی ہے اور آخر میں جب یہ سب تدبیریں ناکام رہتی ہیں تب وہ قوت کا استعمال کرتی ہے۔

مسٹر میکائیل اوڈوائر نے یہی کیا تھا اور ہر برطانوی منتظم اگر اسکو ضروری خیال کرتا ہے تو یقیناً ایسا ہی کریگا۔ اسلئے اگر ہم لالچی نہیں اور خطابات اور تمغہ جات اور آنریری عہدوں کے پیچھے نہ پھریں جن سے ملک کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا تو آدھی جنگ فتح ہوجائیگی۔

میرے ناصح یہ بتانے سے کبھی نہیں تھکتے کہ اگر ترکی کی شرائط صلح پر نظر ثانی بھی کی گئی تو وہ عدم تعاون کی وجہ نہوگی۔ میں ان سے یہ کہنے کی جرات کرتا ہوں کہ عدم تعاون کا منشا وغرض محض شرائط پر نظر ثانی کرانے سے کہیں زیادہ بلند ہے۔ اگر میں نظر ثانی کے لیے مجبور نہیں کرسکتا تو کم ازکم اس حکومت کی تائید سے تو دست کش ہوسکتا ہوں جو غصب کرنے میں ایک فریق ہے۔ اگر میں عدم تعاون کو اسکے انتہائی حدود تک پہونچانے میں کامیاب ہوگیا تو یقیناً گورنمنٹ کو مجبور کردونگا کہ وہ ہندوستان اور غصب میں جسے چاہے پسند کرے اور مجھے انگلستان پر کافی اعتماد ہے کہ اسوقت وہ اپنے موجودہ ناکارہ وزرا کو نکال دیگا اور ان کے بجائے ایسوں کو منتخب کریگا جو بیدار ہندوستان سے مشورہ لیکر شرائط کو بالکل صاف کردینگے اور ایسی شرائط کا مسودہ تیار کرینگے جو اسکے اور ترکی کے لئے باعزت اور ہندوستان

کی مرضی کے مطابق ہوگا۔

لیکن میں چند نکتہ چینیوں کو یہ کہتے ہوئے سنتا ہوں کہ "ہندوستان میں اتنی قوت عمل اور ذاتی قربانی کی اہلیت موجود نہیں ہے جو ان پاک مقاصد کو حاصل کر سکے" جزوی طور پر ٹھیک کہتے ہیں۔ ہندوستان میں فی الحال یہ اوصاف موجود نہیں ہیں۔ اسلئے کہ ہمارے اندر موجود نہیں ہیں لیکن کیا ہم ان اوصاف کو پیدا کر کے قوم کو اس سے متاثر نہیں کر سکتے؟ کیا یہ جد وجہد عمل میں لانے کے مستحق نہیں ہے؟ کیا ایسے مقصد کے حصول کے لئے کوئی بھی قربانی زیادہ کہی جا سکتی ہے؟

فلسطین کسی حال بھی یہودیوں کے حوالے نہیں کیا جاسکتا

(مسئلہ خلافت) از قلم مہاتما گاندھی۔ ینگ انڈیا ۲۳ر مارچ سنہ ۱۹۲۱ء

معاہدہ سیورے کی مجوزہ تبدیلی سے مسلمانان ہند مطمئن نہیں ہو سکتے اور یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ برطانیہ کے سامنے محض ٹرکی کو ٹھنڈا کرنے کا سوال نہیں ہے بلکہ اسکو حقیقتاً ہندوستان کی آگ بجھانی ہے میرا تو خیال ہے کہ اگر مسلمانان ہند کے مطالبات پورے کر دیئے جاویں تو پھر اسکی کچھ پروا نہیں کہ ٹرکی راضی ہوا یا نہیں۔ اسکے دو سبب ہیں مسئلہ خلافت ایک نصب العین ہے اور انسان جب کسی نصب العین کی کوشش کرتا ہے تو وہ کسی رکاوٹ سے باز نہیں آسکتا۔ مسلمان جن کے نزدیک مسئلہ خلافت نصب العین ہے اپنی پشت پر تمام ہندوستان کی آواز بھی رکھتے ہیں۔ یہ کہنا غلط ہے کہ مسلمان محض ٹرکی کے لئے ہی جد وجہد کر رہے ہیں۔ وہ ٹرکی کی حمایت آج ترک کر دیں اگر ترک اپنے مطالبات میں انصاف کو ہاتھ سے کھو دیں مثلاً اگر وہ حماقت سے آج اپنی سلطنت کے واسطے سلیمان اعظم کے زمانہ کا حدود اربعہ چاہیں۔ اسکے علاوہ مسلمان صرف اسوجہ سے اپنے مطالبات کم نہیں کر سکتے کہ ناتوان ولاچار ترک اُن سے دست بردار ہوتے ہیں کیونکہ انکے مطالبات تو قرآنی احکام پر مبنی ہیں۔

اگرچہ ٹرکی کی دُنیوی طاقت کے قیام کی کوشش کرنا ہر اچھے مسلمان کے لئے ضروری ہے مگر یہ اسکا فرض ہے کہ وہ "جزیرۃ العرب" کو ہر غیر اسلامی اثر سے پاک کرے اور اُس پر خلیفۃ المسلمین (خواہ خلیفہ کوئی بھی ہو) کے روحانی اقتدار کا حامی ہو۔ "جزیرۃ العرب" میں عراق عرب، شام، فلسطین، شامل ہیں۔ انکے علاوہ اور کوئی شرط خواہ دوسرے لحاظ سے وہ کیسی ہی دل خوش کن ہو اسلامی دنیا کی آواز نہیں دبا سکتی۔ مسلمانان عالم کسی حالت میں مقامات مقدسہ پر غیر اسلامی اثر کو بالواسطہ یا بلا واسطہ برداشت نہیں کر سکتے۔

سب سے زیادہ متنازعہ فیہ مسئلہ فلسطین کا ہے، برطانیہ نے اس سرزمین کے متعلق یہودیوں سے وعدہ کر لیا ہے اس میں شک نہیں کہ یہودی بھی اس مقام کو مقدس مانتے ہیں۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اگر یہودیوں کو فلسطین نہ دیا جاوے تو وہ دنیا میں خانہ برباد اور آوارہ گرد قوم رہینگے۔ میں اس مسئلہ کی اصلیت پر بحث کرنا نہیں چاہتا،

میں تو صرف اتنا کہتا ہوں کہ ان کو فلسطین دھوکہ فریب اور بداخلاقی کے صلہ میں نہ ملنا چاہئے۔ دوران جنگ میں فلسطین وہ مقام نہ تھا جس پر جھگڑا اٹھا۔ برطانوی حکومت کو یہ جرأت کبھی نہیں ہو سکتی تھی کہ مسلم سپاہیوں کو حکم دے کہ فلسطین اپنے برادران اسلام سے چھین کر یہودیوں کے سپرد کر دیں۔ ہم اس بات کو جانتے ہیں کہ فلسطین یہودیوں کا مقدس مقام ہے اور اگر مسلمان یہودیوں کو اپنے مذہبی ارکان ادا کرنے کی ایسی ہی آزادی نہ دیں جیسی کہ خود انکو حاصل ہے تو یہودیوں کی شکایت بجا ہوگی

لہذا کسی اصول سے بھی خواہ وہ جنگ کا ہو یا فلسفہ کا فلسطین جنگ یورپ کے نتیجہ میں یہودیوں کے حوالہ نہیں کیا جا سکتا یا تو یہودیوں کو فلسطین کے متعلق اپنا نقطۂ نظر بدلنا چاہئے ورنہ (اگر ان کا مذہب اجازت دیتا ہو) عیسائیوں کو ساتھ لیکر مسلمانان عالم کے مقابلہ میں ایک مذہبی جنگ کے لئے انھیں تیار ہو جانا چاہئے۔ لیکن امید ہے کہ دنیا کی رائے کا زبردست اثر مذہبی جنگوں کو ناممکن کر دیگا۔ اور مذہبی اختلافات آئندہ رفتہ رفتہ جنگ کی گتھیوں کو سلجھا دینگے۔ اور خالص اخلاقی اصولوں پر فیصلہ کرنے میں معاون ہونگے مگر ایسا مبارک زمانہ کبھی آوے یا نہیں یہ امر روز روشن کی طرح بین ہے کہ مطالبات خلافت کے جائز ہونے کے یہ معنی ہیں کہ جزیرۃ العرب تمام و کمال مسلم ہاتھوں میں واپس جانا چاہئے اور اس پر خلیفہ کی مذہبی حکومت بھی مسلم ہے "

حصۂ چہارم

آفتاب عدم تعاون کا طلوع

سلامت تیری کشتی کو خدا لیجائے ساحل تک
تیری کوشش میں شامل ہے غریبوں کی دعا گاندھی

محروم

قوموں کی تاریخ میں یہ عزائم بھی یادگار رہینگے اور قوم کو زندگی کی یاد دلاتے رہینگے

اوائل ستمبر ۱۹۲۰ء میں کانگریس کا ایک خاص عظیم الشان اجلاس زیر صدارت لالہ لاجپت رائے کلکتہ میں منعقد ہوا۔ اس کانگریس میں مہاتما گاندھی نے عدم تعاون کا ریزولیشن پیش کیا جو بڑی بحث اور طویل مباحثہ کے بعد کثرت رائے سے منظور کیا گیا۔ یہ ایک ایسی روحانی تحریک تھی جس نے تمام دنیا میں تہلکہ ڈالدیا اور ہندوستان کے تینتیس کروڑ انسانوں کو آزادی کی جنگ کے لئے آمادہ کردیا۔

اس کانگریس میں یہ بھی تجویز کیا گیا کہ چونکہ گورنمنٹ ہند اور برطانیہ دونوں نے خلافت کے معاملہ میں مسلمانان ہند کے ساتھ اپنے قول و اقرار کو ادا کرنے میں قطعی غفلت برتی ہے اور نیز انہوں نے اپنے وعدہ کو توڑ ڈالا ہے اور یہ کہ ان دونوں حکومتوں نے مظالم پنجاب کے سلسلہ میں بیگناہ اور مظلوم لوگوں کی حفاظت کرنے اور ان افسران کو جو کہ ان لوگوں کے ساتھ وحشیانہ اور بزدلانہ طرز عمل کے مجرم ہوئے سزا دینے میں قاصر رہیں اور انکی حمایت کی گئی اسلئے اس کانگریس کی رائے ہے کہ مذکورہ بالا ہر دو مظالم کی تلافی کے بغیر ہندوستان کی بے چینی دور نہیں ہوسکتی۔ اور قومی عزت کو برقرار رکھنے اور آئندہ اس قسم کے مظالم کے اعادہ کو روکنے کے لئے واحد راستہ یہ ہے کہ ہندوستان میں سوراج قائم کیا جائے اور جب تک ان مظالم کی تلافی نہ کردی جائے اور ملک میں سوراج قائم نہ ہوجائے تب تک عدم تعاون کی پالیسی کو برابر جاری رکھا جائے۔ اس ریزولیشن کے بموجب کانگریس نے یہ مشورہ دیا :

(الف) خطابات اور آنریری عہدوں کو واپس کردیا جائے اور مقامی اداروں کی نامزد ممبریوں سے استعفیٰ دیدیا جاوے۔

(ب) سرکاری جلسوں، درباروں وغیرہ میں حاضر ہونے سے انکار کردیا جائے۔

(ج) ان اسکولوں اور کالجوں سے بچوں کو بتدریج واپس بلالیا جائے جو مملوکہ، یا امدادی، یا زیر نگرانی گورنمنٹ ہوں - اور ان کی بجائے قومی اسکول اور کالج قائم کئے جاویں -

(د) وکلاء اور مقدمہ باز، برطانی عدالتوں کا بتدریج بائیکاٹ کریں اور پرائیویٹ مقدمات کا تصفیہ کرنے کے لئے پنچایتی عدالتیں قائم کی جاویں -

(ہ) فوج کے مزدور یا کلرک عراق عرب کی ملازمت کے لئے اپنے آپ کو بطور رنگروٹ بھرتی ہونے سے انکار کردیں

(و) غیر ملکی مال کا بائیکاٹ کردیا جائے -

کانگریس نے یہ بھی مشورہ دیا کہ سودیشی پارچہ جات کا استعمال بڑے پیمانہ پر اختیار کیا جاوے اور چونکہ قوم کی ضرورت صرف ہندوستانی کارخانوں کے ذریعہ پوری نہیں ہو سکتیں اسلئے ہر گھر میں چرخہ کاتنے کو دوبارہ جاری کر کے سودیشی کپڑے بڑے پیمانے پر تیار کئے جاویں اور لاکھوں جلاہوں میں کپڑا بننے کو رواج دیا جاوے جنھوں نے اپنے قدیم اور باعزت پیشہ میں بہت افزائی کی کمی کو دیکھ کر اسکو ترک کردیا ہے -

مسٹر بپن چندر پال کی ترمیم جس میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ وزیر اعظم کی خدمت میں ایک مشن روانہ کیا جاوے جو ہندوستانی شکایات کو انکے سامنے پیش کرے اور اسکے ساتھ ساتھ فوری حکومت خود اختیاری کا مطالبہ کرے اور اس حالت میں کہ وزیر اعظم اس مشن کو باریاب ہونے یا ایکٹ ۱۹۱۹ء کی بجائے ہندوستان کو مکمل حکومت خود اختیاری کے لئے تدابیر منظور کرنے سے انکار کردیں اس وقت جارحانہ ترک اتحادن اختیار کیا جاوے - اور اس عرصہ میں مہاتما گاندھی کے پروگرام و نیز ان تدابیر کو اختیار کرنے پر غور کیا جاوے جو اس پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے بطور ابتدائی منازل کے ہیں، پیش ہوئی اور کانگریس کی ایک زبردست اکثریت نے اسکو مسترد کردیا -

اس ریزولیشن کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ایک سب کمیٹی کلکتہ میں مقرر کی گئی تاکہ وہ ہدایات کا مسودہ تیار کرے - ۵ نومبر ۱۹۲۰ء کو سب کمیٹی کی رپورٹ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے سامنے برائے غور پیش ہوئی اور مفصل ہدایات شائع کی گئیں -

لیکن ہنوز بعض حلقوں میں یہ شبہ کیا جاتا تھا کہ ماہ دسمبر کے سالانہ اجلاس ناگپور میں کانگریس اس ریزولیشن کو منسوخ کردے گی -

دسمبر ۱۹۲۰ء میں آل انڈیا نیشنل کانگریس کا سالانہ اجلاس ناگپور میں زیر صدارت مسٹر وجیا راگھو آچاریہ منعقد ہوا - اس کانگریس نے اپنے نصب العین کو ان الفاظ میں تبدیل کردیا -

" باشندگان ہند کی طرف سے سوراج کا حصول پرامن اور آئینی ذرائع سے "

اور کلکتہ میں عدم تعاون کا جو ریزولیشن پاس کیا گیا تھا اُسکی دوبارہ تصدیق کی گئی - اس کانگریس نے اعلان کیا کہ پرامن عدم تعاون کی پوری اسکیم یا اس کے کسی جزو کو (جسکی ایک انتہا موجودہ گورنمنٹ سے رضاکارانہ تمام تعلقات منقطع کرنا ہے اور دوسری انتہا عدم ادائگی محصولات ہے) ایسے اوقات میں عملی جامہ پہنایا جاوے جن کو

انڈین نیشنل کانگریس یا آل انڈیا کانگریس کمیٹی متعین کرے۔ نیز اس عرصہ میں اس اسکیم کے لئے ملک کو تیار کرنے کی غرض سے مؤثر تدابیر جاری رکھی جاویں۔ یعنی یہ کہ سولہ برس سے کم عمر کے بچوں کے متعلق ان کے والدین سے اور سولہ برس سے زیادہ عمر کے بچوں کے متعلق خود اُن بچوں سے کہا جاوے کہ وہ گورنمنٹ کی زیر نگرانی اسکولوں سے اپنا نام خارج کرالیں۔

وکلاء سے کہا جائے کہ وہ وکالت ترک کرنے میں زیادہ جد وجہد کریں اور اپنی توجہ قومی خدمت کیطرف مبذول کریں۔

ہاتھ سے کاتنے اور ہاتھ سے بننے کی ہمت افزائی کر کے غیر ملکی تجارتی تعلقات کا بتدریج بائیکاٹ کیا جائے اور ہر طبقہ اور ملک کے ہر مرد وعورت سے کہا جائے کہ وہ جہانتک ہو سکے ذاتی قربانی میں حصہ لے۔

اور سب سے اخیر میں ہر گاؤں یا چند گاؤں کی ایک کمیٹی ترتیب دی جائے اور ایک پراونشل سنٹرل آرگنزیشن (صوبہ کا مرکزی نظام) بنائی جائے۔

اور قومی کارکنوں کی ایک جماعت تیار کی جاوے جسکا نام "انڈین نیشنل سروس" ہو۔ اور جسکے اخراجات آل انڈیا تلک میموریل سوراج فنڈ سے پورے کئے جاویں۔

نیز کانگریس نے ان لوگوں سے (جو باوجود اس امر کے کہ انکے حلقہ کی کثیر تعداد انکی رائے دینے کے لئے تیار نہیں آئی لیکن انھوں نے اپنے آپکو جدید کونسلوں میں پہونچایا) مطالبہ کیا کہ وہ اپنی نشستوں سے مستعفی ہو جاویں۔ اور ایسی حالت میں کہ یہ لوگ ایسا کرنے میں قاصر رہے کانگریس نے عوام کو مشورہ دیا کہ ایسے کونسلروں سے کسی قسم کی سیاسی خدمت لینے سے پرہیز کریں۔

کانگریس نے فوجی سپاہیوں، پولیس والوں اور عوام الناس کے اندر بڑھتی ہوئی دوستی کو تسلیم کیا۔ اور تمام سرکاری ملازموں سے اپیل کی کہ آئندہ قومی آواز پر اپنی ملازمتوں سے مستعفی ہونیکے لئے تیار رہیں اور عوام الناس کے ساتھ مہربانی اور زیادہ ایمان داری کا برتاؤ کریں قومی مشاغل کی امداد کریں نیز یہ کہ اس تحریک میں بذات خود کوئی سرگرم حصہ لیتے ہوئے جلسوں میں بیخوفی کے ساتھ علانیہ شریک ہوں اور علانیہ اس قومی تحریک کی مالی امداد کریں۔

کانگریس نے اس امر پر خاص طور پر زور دیا کہ عدم تشدد، عدم تعاون کے ریزولیشن کا بنیادی فیکٹر اور پبلک جماعتوں پر زور دیا کہ ہندو مسلم اتحاد کو ترقی دیں اور جہاں کہیں برہمن اور غیر برہمن میں جھگڑے ہوں ان کا تصفیہ کریں۔

کانگریس نے ہندوؤں پر زور دیا کہ وہ ہندو دھرم کو اچھوت کی ملامت سے پاک کریں اور مذہبی پیشواؤں سے موقع بانہ عرض کیا کہ اچھوت ذاتوں کے ساتھ برتاؤ کرنے کے معاملہ میں وہ ہندوؤں کی اصلاح کی بڑھتی ہوئی خواہشات کی مدد کریں۔

یہ ریزولیشن ایک پرجوش اور ولولہ انگیز منظر کے درمیان باتفاق رائے پاس ہوا۔ اور قوم نے ارادہ کرلیا کہ وہ مصیبتیں اور تکالیف برداشت کر کے سوراج کا راستہ حاصل کریگی۔

کوئی جرنل پسپائیوں اور غلطیوں کی وجہ سے جنگ ترک نہیں کرتا اسیطرح ہمکو بھی عدم تعاون کا استقبال اعتماد اور اُمید کے ساتھ کرنا چاہئے

(یکم اگست اور عدم تعاون) از قلم مہاتما گاندھی۔ ینگ انڈیا ۲۸ رجولائی سنہ ۱۹۲۰ء

بمشکل اسکا امکان ہوسکتا ہے کہ یکم اگست سے بیشتر ملک معظم کے وزراء شرائط صلح پر نظرثانی کریں لہذا عدم تعاون کا افتتاح ملتوی نہیں کیا جاسکتا۔ گذشتہ سال ۶ر اپریل تاریخ ہند میں جتنی اہم تھی اُسی قدر یکم اگست ہوگی۔ ۶ر اپریل رولٹ ایکٹ کی منسوخی کے آغاز کے لئے مخصوص تھی۔ ایسی شورش کی موجودگی میں جو اب ترک نہیں کی گئی بلکہ محض ملتوی کی گئی ہے رولٹ ایکٹ کا زندہ رہنا کسی فردبشر کی سمجھ میں نہیں آسکتا۔ ہر شخص پر یہ بات ظاہر ہوجانی چاہئے کہ ایسی گورنمنٹ سے مظالم پنجاب اور مسئلہ خلافت کے متعلق انصاف حاصل کرنا جو بخوشی اُسکے لئے تیار نہو صرف اس طاقت پر منحصر ہے جو رولٹ ایکٹ کی منسوخی عمل میں لائے گی۔ وہ طاقت ستیہ گرہ کی طاقت ہے، خواہ وہ سول نافرمانی کے نام سے موسوم ہو یا عدم تعاون کے۔

سال گذشتہ کے واقعات کی وجہ سے بہت سے لوگ عدم تعاون کی آمد سے خوفزدہ ہیں، وہ عوام کی مجنونانہ حرکات سے ڈرتے ہیں اور نتیجہ میں اس انتقام کے اعادہ سے بھی خوف کھاتے ہیں جسکی وحشتناکی زمانہ حال کی تاریخ میں اپنا نظیر نہیں رکھتی۔ میں ذاتی طور پر حکومت کے غصہ کی اتنی پروا نہیں کرتا جسقدر کہ عوام الناس کی غضبناکی کی کرتا ہوں بوجہ الذکر قومی بدمزاجی کی علامت ہے اور لہذا گورنمنٹ (جو کہ صرف ایک چھوٹی سی جماعت تک محدود ہے) کی بہ نسبت اس کا مقابلہ کرنا زیادہ دشوار ہے۔ کسی ایسی گورنمنٹ کا جس نے خود کو حکمرانی کے ناقابل ثابت کیا ہو نکال باہر کرنا آسان ہے لیکن مجمع عام میں جنون سے بھرے ہوئے نامعلوم لوگوں کا علاج زیادہ دشوار ہے۔ لیکن صرف اس وجہ سے کہ حکومت یا عوام الناس یا دونوں غلط راستہ پر چلینگے بڑی بڑی تحریکیں بالکل بند نہیں کیجا سکتیں۔ ہم اپنی غلطیوں اور ناکامیوں سے سبق حاصل کرکے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ کوئی جرنل جو حقیقی معنوں میں جرنل ہو پسپائیوں یا اُسی کے مرادف یعنی غلطیاں کرنے کی وجہ سے جنگ کو ترک نہیں کرتا ہے اور لہذا ہمکو بھی اسی طرح عدم تعاون کا استقبال اعتماد اور اُمید کے ساتھ کرنا چاہئے۔ گذشتہ کی طرح اس مرتبہ بھی شروعات روزہ اور نماز کے ساتھ مخصوص ہونی چاہئے نیز مظاہرہ بھی

مذہبی رنگ کی علامت ہونی چاہئے۔ اس دن تمام کام بند کر دیئے جاویں۔ جلسوں میں شرائط صلح پر نظر ثانی اور مظالم پنجاب کے لئے انصاف طلبی کی قراردادیں منظور کی جاویں۔ اور جب تک انصاف نہ کیا جائے اُس وقت تک کے لئے عدم تعاون کی تعلیم دی جاوے۔

آنریری عہدوں سے علیحدگی اور خطابات کی واپسی بھی یکم اگست سے شروع ہونی چاہئے۔ آنریری عہدوں سے علیحدگی اور خطابات کی واپسی کے متعلق جو نوٹس دیا گیا ہے اُسکے کافی ہونے میں شبہ کا اظہار کیا گیا ہے لیکن جب دل میں یہ خیال کیا جاوے کہ خطابات کی واپسی کا آغاز یکم اگست سے مخصوص ہے تو فوراً اس شبہ کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ صرف اسی تاریخ میں واپسی خطابات ضروری نہیں ہیں۔ اور درحقیقت مجھے یہ امید نہیں کہ پہلے ہی دن کوئی بڑی تعداد اس پر لبیک کہیگی بلکہ ایک سرگرم پروپاگنڈا کرنا پڑیگا۔ ہر عہدہ دار اور خطاب یافتہ کے کان تک پیغام پہونچایا جاویگا اور واپسی خطاب و آنریری عہدوں سے علیحدگی کے متعلق اُن کے سامنے دلائل پیش کئے جاویں گے۔

لیکن عدم تعاون کی جنگ میں سب سے بڑا کام یہ ہے کہ عوام میں تعاون، کارکنوں میں یکجہتی، ترتیب و نظام پیدا کیا جاوے۔ مؤثر عدم تعاون کا انحصار مکمل تنظیم پر ہے۔ تمام پنجاب میں شریک جلسہ ہونے والے ہزارہا آدمیوں نے مجھے یقین دلایا ہے کہ وہ گورنمنٹ سے عدم تعاون کرنے کے لئے خواہش رکھتے ہیں لیکن انہیں بتانا ہے کہ عدم تعاون کس طرح کیا جاوے۔ عوام کی زیادہ تعداد گورنمنٹ کی پیچیدہ مشنری سے واقف نہیں۔ وہ اس بات کو محسوس نہیں کرتے کہ ہر شہری خاموشی کے ساتھ یقیناً موجودہ گورنمنٹ کو اپنے ذرائع سے تھامے ہوئے ہے جن کا اُسکو علم نہیں۔ لہذا گورنمنٹ کی ہر حرکت کا ہر شہری ذمہ دار ہے جب تک گورنمنٹ کے افعال قابل برداشت ہوں اُس وقت تک اُسکی حمایت کرنا مناسب و موزوں ہے لیکن جب اُسکے افعال اس شہری یا اُس کی قوم کو صدمہ پہنچانے لگیں تو اُسوقت اس شہری کا فرض ہے کہ حمایت کرنے سے دست بردار ہو جاوے۔

لیکن جیسا میں نے کہا ہے ہر شہری نہیں جانتا کہ کس طرح قاعدہ کے اندر دست بردار ہو۔ بدنظمی خفگی سے پیدا ہوتی ہے اور حکومت انتظامی کا ذریعہ ہوشیاری کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے۔ لہذا حقیقی کامیابی کی پہلی شرط یہ ہے کہ تشدد کی عدم موجودگی کا تیقن کیا جاوے۔ گورنمنٹ کے نمائندوں یا اُن لوگوں کے ساتھ جو ہمارے اندر شامل نہوں تشدد کرنا ہر حالت میں ہماری پسپائی، عدم تعاون کی بندش اور بے گناہوں کے خون بہانے کے مترادف ہے۔ لہذا وہ لوگ جو عدم تعاون کو جلد از جلد کامیاب بنانا چاہتے ہیں، اپنا پہلا فرض یہ سمجھینگے کہ ان کے پڑوس میں مکمل امن و امان قائم رہے۔

میں ان تمغہ جات کو عدم تعاون کی اس اسکیم کی مطابقت میں واپس کرنیکی جرأت کرتا ہوں جو مسئلہ خلافت کے سلسلہ میں شروع کیگئی ہے

(والسرائے کے نام خط) ینگ انڈیا - ۴ اگست - سنہ ۱۹۲۰ء

(عدم تعاون کے افتتاح کے موقع پر مہاتما گاندھی نے یکم اگست سنہ ۱۹۲۰ء کو حسب ذیل خط والسرائے کے پاس ارسال کیا)

بڑے رنج کے ساتھ میں قیصر ہند کا طلائی تمغہ واپس کرتا ہوں جو جناب کے سکرٹری نے مجھے بنی نوع انسان کے لئے ہمدردانہ جذبات کے صلہ میں عنایت فرمایا تھا سنہ ۱۹۰۶ء میں بحیثیت افسر انچارج انڈین امبولینس کور کی خدمات کے صلہ میں بمقام جنوبی افریقہ جنگ زولو کا تمغہ مرحمت فرمایا گیا - اور سنہ ۱۸۹۹ء و سنہ ۱۹۰۰ء کی جنگ بوئر میں انڈین والنٹیر اسٹریچر بیرر کور Indian Volunteer Stretcher Bearer Corps کی خدمات کے صلہ میں جنگ بوئر کا تمغہ دیا گیا - میں ان تمغہ جات کو ترک موالات کی اس اسکیم کی مطابقت میں جو مسئلہ خلافت کے سلسلہ میں شروع کیگئی ہے واپس کرنے کی جرأت کرتا ہوں - ان عزتوں کی میں بہت زیادہ قدر کرتا رہا ہوں لیکن اسوقت تک میں ان کو اطمینان قلب کے ساتھ نہیں پہن سکتا جب تک کہ میرے مسلمان ہموطنوں کو ان مظالم کے ماتحت سخت محنت کرنی ہے جو ان کے مذہبی جذبات کے ساتھ کئے گئے ہیں - گزشتہ ماہ کے واقعات نے میری رائے مستحکم کردی ہے کہ خلافت کے معاملہ میں شہنشاہی حکومت نے خلاف اصول، بد اخلاق اور غیر منصفانہ طریقہ پر عملدرآمد کیا ہے اور اپنی بداخلاقی کی مدافعت میں ظلم پر ظلم ڈھائے ہیں - لہذا ایسی گورنمنٹ کی نہ میں عزت کرتا ہوں اور نہ اس سے محبت کرسکتا ہوں -

پنجاب کے مسئلہ میں شہنشاہی و نیز یور اکسیلینسی کی حکومت نے جو رویہ اختیار کیا، اس سے مجھے مزید بے اطمینانی پیدا ہوگئی - یور اکسیلینسی کو علم ہوگا کہ ماہ اپریل سنہ ۱۹۱۹ء کے فسادات پنجاب کی تحقیقات کرنے میں مجھے کانگریس کمشنر ہونیکا فخر حاصل تھا اور یہ میرا پختہ یقین ہے کہ سر مائیکل اوڈائر پنجاب کی لفٹننٹ گورنری کے لئے قطعاً ناموزوں تھے - اور یہ کہ عوام الناس کو امرتسر میں غضبناک کرنے کی ذمہ داری خاصکر ان کی پالیسی پر عائد ہوتی ہے - اس میں شک نہیں کہ عوام کی زیادتیاں ناقابل معافی تھیں - آتش زنی، پانچ بیگناہ انگریزوں کا قتل اور مس شروڈ پر بزدلانہ حملہ نہایت درجہ قابل افسوس اور غیر متوقع تھا لیکن جنرل ڈائر، کرنل فرینک جانسن، کرنل اوبرائن، مسٹر

باسورتھ اسمتھ، رائے سری رام، مسٹر ملک خان اور دوسرے افسران نے جو تعزیری تدابیر اختیار کیں وہ عوام کے جرم کی بہ نسبت بہت زیادہ تھیں۔ اور سفاکانہ مظالم اور انسانیت سوز زیادتیوں کی برابر کہی جاسکتی تھیں۔ حکام کے جرائم کے ساتھ یور اکسیلینسی کا نرم ولانہ برتاؤ، سر مائیکل اوڈوائر کو آپ کا بری کرنا، مسٹر مانٹیگو کی تحریر اور ان سب سے زیادہ واقعات پنجاب کی طرف سے شرمناک لاعلمی، دارالامراء میں ہندوستانی جذبات سے بے اعتنائی، غرض ان تمام واقعات نے مجھے سلطنت کے مستقبل کے متعلق بڑی نازک بدگمانیوں سے پُر اور موجودہ گورنمنٹ سے بالکل علیحدہ ہونے پر مجبور کردیا ہے اور جیسا کہ میں نے اب تک دلی وفادارانہ تعاون کیا ہے اب اسکے ناقابل بنادیا ہے۔

میری ناچیز رائے میں عرضداشتوں، وفود اور اسی قسم کے دوسرے ذرائع سے ایجی ٹیشن کا معمولی طریقہ ایک ایسی حکومت کو متاسف نہیں کرسکتا جو اپنی ذمہ داریوں کی خوشحالی سے اسقدر بے پرواہ ہے جیسی کہ حکومت ہند۔ یوروپین ممالک میں خلافت اور پنجاب جیسے مظالم کی معافی کا نتیجہ خونریز انقلاب کی صورت میں ظہور پذیر ہوتا۔ جیسا کہ مذکورہ بالا مظالم میں پایا جاتا ہے۔ یورپ والے اس قومی انحطاط کا پورا پورا مقابلہ کرتے لیکن ہندوستان کا نصف حصہ اس قدر کمزور ہے کہ وہ متشددانہ مقابلہ نہیں کرسکتا۔ باقی نصف حصہ تشدد آمیز مقابلہ کے لئے تیار نہیں۔ لہذا میں نے ترک موالات ہی ایک علاج سوچا ہے جو ان لوگوں کو گورنمنٹ سے عدم تعاون کرنے کے قابل بناتا ہے جو اسکی تمنا کرتے ہیں اور جو اگر اس میں تشدد نہوا اور پُرامن اور باضابطہ طریق پر کیا گیا۔ تو گورنمنٹ کو قدم پیچھے ہٹانے پر مجبور کردیگا۔ ونیز ان مظالم کی تلافی کرائیگا جو عمل میں آچکے ہیں، لیکن اس حالت میں بھی جبکہ میں ترک موالات کی پالیسی پر عامل ہونگا میری یہ امید منقطع نہو گی کہ آپ اب بھی راہ انصاف تلاش کرینگے۔ لہذا یور اکسیلنسی سے میں ادب کے ساتھ کہتا ہوں کہ رعایا کے مسلمہ لیڈروں کی ایک کانفرنس طلب کریں اور اُن سے مشورہ کرکے ایسا طریق اختیار کریں جو مسلمانوں کو نرم کردے اور جس سے بدقسمت پنجاب کی تلافی ہوسکے۔

خلافت کا فیصلہ اگر مسلمانوں کے خلاف ہوا تو عدم تعاون کے سوا اور کوئی علاج نہیں

(عدم تعاون) از قلم مہاتما گاندھی۔ ینگ انڈیا۔ ۲۸ر اپریل سنہ ۱۹۲۰ء

اخبار ٹائمز کے ایک نامہ نگار اور اس حیرت انگیز پرچہ کے ایڈیٹر ونیز مسٹر بیسنٹ نے اپنے اپنے طریقہ پر تحریک عدم تعاون سے مخالفت کی ہے، ان تینوں تحریروں میں قدرتاً بہت سی ضمنی باتوں پر بحث کیگئی ہے جنکو میں فی الحال نظرانداز کرتا ہوں۔ اس وقت میں صرف دو خاص اعتراضات کا جواب دینا چاہتا ہوں جو مذکورہ بالا مضمون نگاروں نے

پیش کئے ہیں۔ ان اعتراضوں کو جس سنجیدگی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اس کے لئے بڑے غور وخوض کی ضرورت ہے اور اسلئے بہتر ہے کہ انکا جواب متشددانہ الفاظ میں نہ دیا جاوے۔ مضمون نگاروں کا خیال ہے کہ تحریک عدم تعاون میں تشدد سے بچنا اگر ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ ٹائمز آف انڈیا کا مقالہ افتتاحیہ مظہر ہے کہ دہلی اور کلکتہ میں جلاوطنی شروع ہوگئی اور لہذا معلوم ہوتا ہے کہ تشدد کا پہلے ہی سے آغاز ہوچکا ہے لیکن ایک حد تک جلاوطنی کو دور کرنا ناممکن ہے۔ مجھے یاد ہے کہ جنوبی افریقیہ کی جنگ خاموش مقابلہ کی ابتدائی منازل میں وہ لوگ جو علیحدہ ہوگئے تھے اُن کو شہر بدر کردیا۔ جلاوطنی میں تشدد اور عدم تشدد اسکے طریقہ عمل پر منحصر ہے۔ عبادت گذار لوگوں کے گروہ کو اختیار حاصل ہے کہ ایک ایسے پادری کے پیچھے عبادت کرنے سے انکار کردیں جو عزت کے مقابلہ میں اپنے منصب کی زیادہ قدر کرتا ہو لیکن اگر کسی شخص کی زندگی بے عزتی اور دشنام دہی کے ذریعہ سے ناقابل برداشت کردیجاوے تو اُس وقت یہ عدم تعاون تشدد آمیز کہا جائیگا اگر لوگ غیر متحمل اور انتقام پسند ہوجاویں تو عدم تعاون میں تشدد کا خطرہ ہے۔ اگر محصولات کی ادائیگی فوراً بند کردیجاوے یا سپاہیوں سے کہا جاوے کہ وہ فوراً اپنے ہتھیار ڈالدیں تو اسوقت تشدد ضرور واقع ہوگا۔ میں بُرے نتائج سے نہیں ڈرتا اور اسکی سیدھی سادی وجہ یہ ہے کہ ہر ذمہ دار مسلمان سمجھتا ہے کہ عدم تعاون اُسوقت کامیاب ہوگا جبکہ وہ تشدد سے پاک ہو۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ جو لوگ ملازمتوں کو ترک کردینگے وہ بھوکے مرینگے۔ اسکا امکان ہے لیکن بہت بعید امکان۔ کیونکہ کمیٹی ان لوگوں کے واسطے کوئی نہ کوئی ذریعہ نکالیگی جو بیکار رہ جائینگے۔ میں کسی دوسری اشاعت میں اس دشوار مسئلہ کے متعلق مفصل بحث کرونگا اور یہ ظاہر کرونگا کہ اگر مسلمانوں کے محسوسات کا احترام کرنا ہے تو اس حالت میں کہ فیصلہ مسلمانوں کے خلاف ہوا تو عدم تعاون کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے۔

کوئی گورنمنٹ قائم نہیں رہ سکتی اگر عوام الناس اسکی ملازمت سے انکار کردیں

(عدم تعاون) از قلم مہاتما گاندھی۔ ینگ انڈیا ۲۸ راپریل ۱۹۲۰ء

عدم تعاون پر اظہار خوف اور نکتہ چینیوں کے جواب دینے کا غالباً بہترین طریقہ یہ ہے کہ عدم تعاون کی اسکیم کو اور زیادہ مکمل بنایا جاوے۔ غالباً نکتہ چین لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اس اسکیم کے مرتب کرنے والے عام اسکیم ایکدم نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ترک موالات کے منتظموں نے چار محدود اور بتدریج ترقی کرنے والے مراحل مقرر کئے ہیں۔ پہلا مرحلہ یہ ہے کہ خطابات واپس کردئے جاویں اور آنریری عہدوں سے استعفیٰ دیدیا جاوے۔ اگر پبلک نے اسپر لبیک نہ کہا یا یہ کہ اسپر اتنا عمل کیا جو موثر نہ کہا جاسکے تو پھر دوسرے مرحلہ کی طرف توجہ کی جاویگی۔ دوسرے مرحلہ میں

بہت سے انتظامات پہلے سے ہی کرنے ہونگے۔ یقیناً ایک ملازم سرکار کو بھی عدم تعاون کی اُسوقت تک دعوت نہ دیجاویگی جبتک کہ وہ اپنے اور اپنے متعلقین کے مصارف برداشت کرنیکے قابل نہ ہو یا یہ کہ خلافت کمیٹی اُسکے اخراجات کی ذمہ دار ہے ہر طرح کے ملازموں سے فوراً ملازمت ترک نہیں کرائی جائیگی اور کسی ملازم سرکار پر یہ زور نہیں ڈالا جائیگا کہ وہ گورنمنٹ سے دست بردار ہوجائے۔ اور چونکہ یہ تحریک انگریز قوم کے خلاف نہیں ہے اسلئے کسی نجی ملازم کو ہاتھ نہیں لگایا جاویگا۔ یہ تحریک گورنمنٹ کے خلاف بھی نہیں۔ گورنمنٹ سے محض موالات اس غرض سے ترک کی جاتی ہے کہ رعایا ایک ایسے فریق کے شریک کار نہیں ہوسکتی جو غلطی پر ہے جس نے مواعید کو پاش پاش کردیا، اور جو مذہبی جذبات ٹھکراتی ہے۔ لہذا اگر خلافت کمیٹی کے کسی مخبر سے تشدد سرزد ہوا یا کسی ملازم سرکار پر کوئی ناجائز دباؤ ڈالا گیا، تو قدرتاً یہ تحریک رک جاویگی تحریک کے دوسرے مرحلہ میں اگر کافی پیمانہ پر عوام نے لبیک کہا تو اُسکی کامیابی یقینی ہے۔ کیونکہ کوئی گورنمنٹ (خصوصیت سے گورنمنٹ ہند) قائم نہیں رہ سکتی اگر عوام الناس اُسکی ملازمت سے انکار کردیں۔ لہذا فوج اور پولیس کا عدم تعاون (تیسرا مرحلہ) ایک دور افتادہ مقصد ہے لیکن تحریک کے بانیوں کا ہر کام ایماندارانہ صداقت اور ایسا ہوگا کہ جسمیں شبہ کی گنجایش نہو۔ وہ یہ نہیں چاہتے کہ گورنمنٹ یا پبلک سے کوئی بات بھی جو اُن کے ذہن میں ہو، یا جو کسی آیندہ ضرورت کے موقعہ پر استعمال کیجانیوالی ہو اُسکو پوشیدہ رکھیں۔ چوتھا مرحلہ یعنی عدم ادائگی محصولات تیسرے مرحلہ سے بھی زیادہ دور افتادہ ہے۔ بانیان تحریک جانتے ہیں کہ عام طور پر محصولات کی عدم ادائگی سنگین خطرات سے پُر ہے کیونکہ ایسی صورت میں ایک جلد مخصوص کرنیوالی جماعت کا پولیس سے تصادم ہوگا لہذا یہ اُسوقت تک بر سر عمل نہ آئیگا جبتک کہ کارکنان تحریک کو یقین کامل نہ ہوجائے کہ عوام کی جانب سے کوئی تشدد سرزد نہوگا۔

میں پہلے بھی اس امر کا اقبال کرچکا ہوں اور اب بھی تسلیم کرتا ہوں کہ ترک موالات میں خطرے موجود ہیں لیکن ایک عظیم الشان معاملہ میں غفلت شعاری برتنے کا خطرہ عدم تعاون میں تشدد کے خطرہ سے کہیں زیادہ زبردست ہے۔ ہاتھ پہ ہاتھ رکھے بیٹھے رہنا تشدد کو بلانے کا مترادف ہے۔

قرار دادوں کا منظور کرنا یا ترک موالات کی برائیوں پر آرٹیکل لکھنا آسان ہے لیکن ایسے لوگوں کے غصہ کو دبانا جو مظالم کے متعلق گہرے جذبات سے متاثر ہوچکے ہوں دشوار کام ہے۔ وہ لوگ جو عدم تعاون کے خلاف پروپگنڈا کر رہے ہیں۔ میں اُن سے کہتا ہوں کہ وہ اپنی کرسیوں سے اُتریں اور عوام الناس میں جاکر اُن کے محسوسات کو معلوم کریں اور پھر لکھیں کہ آیا تب بھی وہ عدم تعاون کے خلاف ہی رہینگے۔ اُنھیں پتہ چلیگا جبکہ میں معلوم کرچکا ہوں کہ تشدد سے رستگاری حاصل کرنیکا واحد طریقہ یہ ہے کہ عوام کو اس قابل بنا دیا جائے کہ وہ اپنے جذبات کا اظہار اس طرح پر کریں جس سے گورنمنٹ تلافی مافات پر مجبور ہوجائے۔ مجھے اس کام کے لئے عدم تعاون کے سوا اور کوئی ذریعہ معلوم نہیں ہوا۔ یہ طریقہ بالکل معقول اور بے ضرر ہے۔ رعایا کا یہ موروثی حق ہے کہ وہ ایسی گورنمنٹ کی امداد سے انکار کردے جو اُس کی آواز پر کان دھرنے کے لئے تیار نہو۔

عدم تعاون کی تحریک صرف اُسوقت ہی کامیاب ہوسکتی ہے جبکہ محسوسات بالکل خالص اور اس قدر مضبوط

ہوں کہ عوام انتہائی قربانی سے بھی گریز نہ کریں۔ اگر مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو گہرا صدمہ پہونچا ہے اور اگر ہندوؤں کو اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ ہمسائگانہ خیال ہے تو اُن دونوں کو حصول مقصد میں بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑیگا عدم تعاون محض ایک موثر علاج ہی نہ ہوگا بلکہ اس سے اس امر کا بھی امتحان ہو جائیگا کہ مسلمانوں کے دعویٰ اور ہندوؤں کے اظہار دوستی میں کہاں تک خلوص ہے۔

لیکن تحریک خلافت میں شامل ہونیکے متعلق میرے دوستوں کا ایک خوفناک استدلال ابھی باقی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھ جیسے شخص کے لئے جو انگریزوں کا دوست اور برطانوی دستور اساسی کا مداح ہے یہ بالکل نامناسب ہے کہ ان لوگوں کی طرف دست مودت بڑھائے جنکے قلوب میں آج انگریزوں کی طرف سے بجز نفرت کے اور کچھ نہیں، مجھے افسوس کے ساتھ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ عام مسلمانوں کے دلوں میں آج انگریزوں سے کوئی محبت نہیں۔ ہر مسلمان چند وجوہ کی بنا پر یہ سمجھتا ہے کہ انگریزوں نے ایمانداری سے کام نہیں کیا۔ لیکن اگر میں انگریزوں کا دوست ہوں تو ساتھ ہی ساتھ اپنے ہموطن مسلمانوں کا اُن سے کم دوست نہیں ہوں۔ اور اس اعتبار سے مسلمانوں کا حق انگریزوں کے مقابلہ میں مجھپر زیادہ ہے۔ میرا ذاتی مذہب مجھے اس قابل بناتا ہے کہ انگریزوں کو مضرت پہونچائے بغیر اپنے ہموطنوں کی خدمت گذاری کروں۔ جو بات میں اپنے اس بھائی سے کرنے کے لئے تیار نہیں جس سے میرا خون ملا ہو وہ بات انگریز کے ساتھ بھی نہیں کرونگا۔ اگر میرا بھائی کوئی سلطنت حاصل کرنا چاہے تو میں اُسکو نقصان نہیں پہونچاؤنگا لیکن اگر ضرورت پڑے تو میں اُس سے بھی عدم تعاون کرلونگا جیسا کہ میں نے ضرورت کے وقت اپنے حقیقی بھائی (جو اب مر گئے ہیں) سے کیا تھا۔ میں سلطنت کی غلط کاریوں سے دست بردار ہو کر اُسکی خدمت انجام دیتا ہوں۔ جنگ بوئر کے دوران میں ولیم اسٹڈ نے برطانوی سپاہیوں پر پبلک میں دعائیں مانگیں کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ جس قوم سے اسکا تعلق تھا وہ ایک ناپاک جنگ میں منہمک تھی۔ اس زمانہ کے وزیر اعظم نے اس جنگ کی مخالفت میں اپنی جان تک کو خطرہ میں ڈالدیا اور جسقدر ممکن ہوسکتا تھا اپنی گورنمنٹ کو بھی اس میں حصہ لینے سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ اگر آج میں نے اپنی قسمت مسلمانوں سے وابستہ کردی جنکی کثیر تعداد برطانیہ سے دوستانہ جذبات نہیں رکھتی تو یہ میں نے برطانیہ کے ساتھ دوستی کی بنا پر کیا ہے اور میرے اس عمل کی اصل غایت حصول انصاف ہے اور یہ ظاہر کرنا ہے کہ برطانوی دستور اساسی میں اتنی قابلیت موجود ہے کہ وہ ہر ایماندارانہ عزم پر لبیک کہہ سکتا ہے مسلمانوں سے اتحاد کرکے میں سہ گونہ مقاصد حاصل کرنیکی امید رکھتا ہوں۔ اول ستیہ گرہ کے ذریعہ سے حصول انصاف سے ستیہ گرہ کی دوسرے ذرائع پر برتری ظاہر ہوگی دوسرے ہندوؤں کے لئے مسلمانوں کی دوستی حاصل کرنا جس سے اندرون ملک میں امن وسکون کی فضا پیدا ہوگی۔ اور سب سے اخیر میں لیکن سب سے زیادہ برطانیہ اور اسکے دستور اساسی کے خلاف جو نفرت پھیلی ہوئی ہے اسکو محبت سے مبدل کرنا۔ ممکن ہے کہ میں ان مقاصد کو حاصل کرنے میں ناکام رہوں لیکن میرا کام محض کوشش کرنا ہے اور کامیابی تو خدا کے اختیار میں ہے اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مقاصد نہایت اچھے ہیں۔ لہذا میں ہندوا ور انگریزوں کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ اس بوجھ کو اٹھانے میں تہ دل سے میرے شریک ہو جاویں جسکو تنہا مسلمانوں نے اٹھا رکھا ہے۔ یہ مسلہ ہے

کہ جنگ بالکل حق بجانب ہے۔ اور وائسرائے وزیر ہند، مہاراجہ بیکانیر اور لارڈ سنہا نے اسکی تصدیق کی ہے۔ وقت آگیا ہے کہ اس تصدیق سے فائدہ اٹھایا جاوے۔ وہ لوگ جو حق بجانب معاملہ کے حامی ہوں محض احتجاج سے مطمئن نہیں ہو سکتے تاریخ بتاتی ہے کہ حق بجانب معاملہ کے لئے لوگوں نے جانیں تک دیدی ہیں۔ کیا مسلمان جیسے عالی ہمت لوگوں سے اس سے کم توقع کی جا سکتی ہے۔

ہر ایک ہندو کا فرض ہے کہ وہ تحریک عدم تعاون میں انتہا تک مسلمانوں کا ساتھ دے

(کمیٹی عدم تعاون) از قلم مہاتما گاندھی۔ ینگ انڈیا ۲۳ر جون سنہ ۲۰ء۔

۳ر ماہ رواں کو خلافت کمیٹی نے بمقام الہ آباد جو نان کوآپریشن کی کمیٹی بنائی ہے، اسکے متعلق بہت غلط فہمی سے کام لیا جا رہا ہے۔ میرا ایک دوست جو جلسہ میں موجود تھا رقمطراز ہے کہ کمیٹی کا انعقاد عدم تعاون کو پورے طور پر عملی جامہ پہنانے اور اس سلسلہ میں تمام معاملات پر عملدرآمد کرنیکے لئے ہوا ہے گویا کہ یہ جلسہ ہندوستان کی تمام مسلم آبادی کی نمائندگی کر رہا تھا حتیٰ کہ حکام تک مسلمانوں کی نمائندگی کے لئے بھی تیار تھے۔ میری اس تحریر کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ کمیٹی کا یہ منشا نہ تھا جو کہ مذکورہ فقروں میں ادا کیا گیا ہے۔

جسوقت میں نے کمیٹی بنانیکے لئے درخواست بھیجی تو یہ ظاہر کر دیا تھا کہ اسکے مقاصد یہ تھے کہ ترک موالات کے متعلق قوم کی رائے متیقن ہو جاوے۔ اور اگرچہ کمیٹی مذکور عملی کام کے لئے پورے اختیارات رکھتے ہوئے ایک نمائندہ جماعت ہے لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ تمام بہترین اور با اثر مسلم رائے کی نمائندگی بھی کرتی ہے۔ مثال کے طور پر وہ اسلام کے خطاب یافتہ رؤسا کی نمائندہ نہیں ہے۔ بلکہ بالارادہ یہ اُن لوگوں تک محدود کر دی گئی ہے جو عدم تعاون کی تنظیم میں پورا وقت اور کامل توجہ مبذول کر سکتے ہیں۔ لہذا یہ کارکنوں کی ایک کمیٹی ہے۔ یہ امید نہیں کیجاتی کہ ہندوستان کے تمام مسلمان مساوی طور پر ترک موالات کو مضبوطی سے پکڑ لینگے بعض کو اسکے مُؤثر ہونے میں شبہ ہے بعض سمجھتے ہیں کہ ترک موالات محض پانی اور دودھ کا علاج ہے، بعض کو یہ خوف سوار ہے کہ موجودہ زمانہ میں عدم تعاون ہندوستان کی طاقت سے باہر ہے۔ یہ معترضین کہتے ہیں کہ ہندوستان نے قربانی کے معاملہ میں اتنی ترقی نہیں کی ہے جس سے کامیابی کا یقین ہو سکے کمیٹی میں نہ تو ایسے مشکوک عناصر شامل ہیں اور نہ وہ اُن کی نمائندگی کرتی ہے چاہے وہ کمیٹی میں شامل ہونے والے بہت سے مسلمانوں سے زیادہ با اثر ہی کیوں نہوں۔ اس میں صرف وہ لوگ شامل ہیں جن کو عدم تعاون پر عقیدہ ہے۔ اور جو اگرچہ عدم تعاون کا حلف اٹھا چکے ہیں لیکن اپنے قدم کو ہلاکت میں نہ ڈالینگے بلکہ قوم کو عدم تعاون کے پروگرام پر اُس حد

تک عمل پیرا کرائینگے جہانتک کہ وہ قابل عمل ہوگا۔ یہ لوگ دلیرانہ قدم اُٹھانے میں نہیں ہچکچائینگے اور اُن لوگوں کی بھی تلاش کرینگے جو اُن کے مانند کام کرنے کیلئے تیار ہوں۔ لہٰذا اس کمیٹی کو اپنی شہرت کی تعمیر اپنے کام اور اُن نتائج پر تیار کرنی ہے جو وہ حاصل کریگی۔ اگر کمیٹی مذکور نے کوئی کام نہ دکھایا۔ یا کام کے باوجود کوئی نتیجہ برآمد نہوا۔ تو پھر اُسکا وجود بھی قائم نہ رہے گا۔ باہر والوں کے لیے اس کمیٹی میں کوئی بھی صحیح نمایندہ نہیں۔ ان کی نظروں میں شوکت علی اگرچہ نیک نہاد شخص ہے لیکن مذہبی دیوانہ بھی ہے جسکا کسی شخص پر اثر نہیں۔ حسرت موہانی ایک بیکار آدمی ہے جسکو سودیشی کے سوا اور کسی چیز کی دھن ہی نہیں ڈاکٹر کچلو کل کا لونڈا ہے جسکو امرتسر کے باہر اور کوئی تجربہ نہیں۔ دوسروں کے متعلق بھی اس قسم کی بہت سی باتیں کہی جا سکتی ہیں۔ مجھے یہ لوگ اسمیں شک نہیں زیادہ بدتر سمجھتے ہیں لیکن با ایں ہمہ میرے متعلق بھی یہ خیال ہے کہ میں بیجا گفتگو کرنے والا اور دخل در معقولات ہونے والا شخص ہوں۔ لہٰذا اس کمیٹی کی دستخط کردہ عرضداشت کا اثر بیرونی دنیا پر بہت کم ہوگا اسلئے کہ اہمیت کا انحصار دستخط کنندگان کے با اثر ہونے پر ہوتا ہے۔ اور نہ یہ کمیٹی کسی قسم کی عرضداشتیں بھیجیگی۔ ہاں البتہ جب دوسرے لوگ مصالحتًا یا کسی دوسری وجہ سے نیابت کیلئے تیار ہونگے تو پھر البتہ یہ کمیٹی بیرونی دنیا میں بھی نیابت کریگی۔ عوام الناس اور اندرونی کام کے لئے کمیٹی مذکور بہترین نمائندہ ہے۔ غالبًا شوکت علی اور حسرت موہانی سے زیادہ مسلم رائے کی نیابت کرنیوالوں کا ملنا بہت دشوار ہے انکے علاوہ جو لوگ کمیٹی میں شامل ہیں وہ اگرچہ اتنے مشہور تو نہیں جتنے کہ شوکت علی اور حسرت ہیں تاہم قوت استقلال، صبر و تحمل، بردباری، صداقت، اولوالعزمی، اور ایثار کے اوصاف ان میں موجود ہیں اور انہیں وجوہ سے اُن کا انتخاب کیا گیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ میں اس تحریک کی رہنمائی کرونگا یہ بیان جزوی طور پر صحیح ہے۔ میں یہ کسی انکساری کی وجہ سے نہیں کہتا بلکہ واقعہ یہی ہے۔ اگر اس یقین نے جڑ پکڑ لی کہ میں تحریک کی رہنمائی کر رہا ہوں تو یہ اُسکے لیے مہلک ثابت ہوگا۔ میں تحریک کی رہنمائی اُن معنوں میں کر رہا ہوں کہ میں ایک ایسا مشیر ہوں جسکا مشورہ آج سب سے زیادہ قابل قبول ہے اور جسکا عزم نان کو اپریشن کے پروگرام چلانے میں سب پر فوقیت رکھتا ہے لیکن میں مسلمان رائے کی نمائندگی کا دعوٰی نہیں کرتا بلکہ اسکی ترجمانی کی کوشش کرسکتا ہوں۔ میں مسلمانان عوام الناس کی رہنمائی کیلئے تنہا نہیں کھڑا ہو سکتا تھا۔ اگر مذہبی معاملات میں میں بہترین مسلم رائے کے خلاف کوئی تقریر کرتا تو غالبًا بجا طور پر مسلمانوں کا مخلوط جلسہ مجھے دھتکار دیتا۔ لیکن اگر میں مسلمان ہوتا تو مسلمان جلسہ میں باوجود سخت مخالفت کے امور متنازعہ میں بحث و تمحیص کی ہرگز پروا نہ کرتا۔ میں خود کو ایک دانشمند کارکن تصور کرتا ہوں اور میری دانشمندی میری ذاتی حدود کے نفیس ادراک سے کم یا زیادہ مطلب نہیں رکھتی۔ میں اپنے حدود سے باہر کبھی گامزن ہونیکی امید نہیں رکھتا۔ اور یقینًا دیدہ و دانستہ میں نے کبھی ایسا کیا بھی نہیں۔ ہر ذہین مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ میری حدود اور میرے کام کی وسعت کو ذہن نشین کر لے۔ ورنہ بالکل ممکن ہے کہ عدم واقفیت تحریک کیلئے مہلک ثابت ہو۔ تحریک سے میرا تعلق ہونیکا یہ مطلب نہیں ہے کہ کارکنان مدہوش ہوکر غفلت شعاری اور بے اعتنائی اختیار کر لیں بلکہ اس تعلق سے اگر کچھ مفید نتائج برآمد کرانے ہیں تو زیادہ ہوشیاری ذمہ داری کا زیادہ احساس اور کام میں زیادہ رغبت اور قابلیت اور زیادہ تکمیل و عمدگی پیدا کیجائے۔ میں تو صرف تدابیر بتا سکتا ہوں اور اُنپر عملدرآمد کرنا مسلمان کارکنان پر منحصر ہے۔

تحریک پر عملدرآمد کرانا اور اسکی رہنمائی کرنا مسلمانوں کا کام ہے مجھ جیسے لوگوں کی امداد کو بھی قبول کرنا چاہئے لیکن اگر ضرورت واقع ہو تو مسلمان بغیر کسی کی امداد کے اس کام کو چلائیں۔ مجھ سے یہ امید نہ کرنی چاہئے کہ میں لوگوں کو تارک موالات بناؤں گا یہ کام صرف مسلمان لیڈران ہی کر سکتے ہیں۔ میں خواہ کتنی ہی قربانی کیوں نہ کروں اس سے اسلامی دنیا میں عدم تعاون کا جوش پیدا نہیں ہو سکتا۔ قربانی سے یہاں میرا مطلب مذہبی معاہدات میں قربانی کرنا ہے۔ مسلمان لیڈروں کو قبل اسکے کہ وہ عوام الناس میں یہ اسپرٹ پیدا کریں، خاص اپنی ذات کے اندر قربانی کی اسپرٹ کو ظاہر کرنا ہوگا۔

اب اس سوال کا جواب کہ کمیٹی میں ہندو ممبران کیوں شامل نہیں، آسانی سے دیا گیا۔ بڑی کمیٹی میں خالصتاً مسلمان ہی ہو سکتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ کمیٹی مذکور میں میری موجودگی بھی ایک برائی ہے لیکن میرے اوصاف کی بنا پر اس برائی کا قائم رکھنا ضروری ہے۔ میں نے نان کواپریشن میں خصوصیت حاصل کی ہے، میں نے اسکے کامیاب تجربے کئے ہیں۔ دہلی کی کانفرنس میں میں نے نان کواپریشن کے ریزولیشن کا خیال کیا تھا۔ لہذا کمیٹی میں میری شمولیت ایک ماہر کی حیثیت سے ہے نہ کہ ہندو ہونے کی وجہ سے۔ لہذا میرا کام محض یہ ہے کہ مشورہ دوں۔ یہ بات کہ میں ایک راسخ الاعتقاد ہندو ہوں، اور یہ یقین رکھتا ہوں کہ ہر ہندو کو اپنا فرض سمجھنا چاہئے کہ وہ عدم تعاون میں انتہا درجہ تک مسلمانوں کا ساتھ دے، اس سے کمیٹی مذکور کو بلاشبہ ایک مزید فائدہ حاصل ہو گیا ہے۔

تحریک خلافت سے ہندوؤں کے اتفاق پیدا ہونے پر غور کرتے وقت میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اپنی پوزیشن کو صاف کر دوں۔ چونکہ میں مسلمانوں کے مطالبہ کو درحقیقت حق بجانب خیال کرتا ہوں (مذہب سے علیحدہ لیتے ہوئے) اس لئے میں تجویز کرتا ہوں کہ عدم تعاون کی پوری پوری سرحد تک ان کا ساتھ دیا جائے۔ میں اس کو برطانیہ کے ساتھ اپنی وفاداری کے بھی عین مطابق سمجھتا ہوں۔ تشدد آمیز جنگ میں میں ہرگز مسلمانوں کا ساتھ نہ دونگا۔ بطور مثال میں ہرگز اس بارہ میں اُن کی امداد نہیں کر سکتا کہ وہ افغانستان کو ہندوستان پر حملہ آور کرا کے یا کسی دوسرے طریقہ پر زیادہ بہتر شرائط صلح جبریہ منوانے کے لئے کوشاں ہوں۔ میری رائے میں جسطرح ایک ہندو کا یہ فرض ہے کہ جب تک ہندوستان کی آزادی خطرہ میں نہو۔ اور جب تک کسی فردِ واحد پر تشدد نہو) وہ عدم تعاون کے ذریعہ سے خواہ اس میں بڑی سے بڑی قربانیاں کیوں نہ کرنی پڑیں، اپنے مسلمان بھائیوں کی اُن کے حق بجانب مطالبات کے حاصل کرنے میں امداد دے۔ ٹھیک اسیطرح اُس کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ ہر اُس بیرونی حملہ کا مقابلہ کرے جو ہندوستان پر کیا جاوے خواہ اس حملہ کا مقصد مذکورہ بالا ہی کیوں نہو۔ اور چونکہ میں مسلح معرکہ آرائی کو بند کرنا چاہتا ہوں اس لئے میں نے بدل و جان خود کو تحریک عدم تعاون میں ڈالا۔

اگر ہندوستانی اعلیٰ عہدہ داران نے اسپر عملدرآمد کیا تو بہت جلد یہ جنگ ختم ہو جائیگی اور گورنمنٹ کے ہوش حواس درست ہو جائیں گے

(ملک کی آواز پر لبیک) از قلم مہاتما گاندھی ۔ ینگ انڈیا ۔ ۲۱ جولائی سنہ ۱۹۲۰ء

الہ آباد میں خلافت کانفرنس کے موقع پر ڈاکٹر سپرو نے مسلمانوں سے اُن کی مشکلات پر ہمدردی کرتے ہوئے ایک سرگرم تقریر کی لیکن نان کوآپریشن سے اُن کو منع کیا ۔ اُنہوں نے عدم تعاون کی بجائے کوئی دوسری اسکیم بتلانے سے اپنی ناقابلیت کا اظہار کیا لیکن تاکیداً یہ رائے ظاہر کی کہ خواہ اسکی بجائے کوئی اسکیم ہو یا نہ ہو، عدم تعاون ایک ایسا علاج ہے جو خود مرض سے بھی زیادہ بُرا ہے ۔ اُنہوں نے کہا کہ عوام الناس سے شمولیت کی اپیل کرکے اگر مسلمان ہندوستانی ججوں کو مستعفی ہونے کی اپیل نہ کر سکے تو وہ اپنے کندھوں پر ایک زبردست ذمہ واری لیں گے ۔ اور اگر انہوں نے اپیل کی بھی تو وہ ناکام رہینگے ۔

ڈاکٹر سپرو کے موخر الذکر استدلال کی اہمیت کو میں تسلیم کرتا ہوں ۔ ڈاکٹر سپرو کے ذہن میں یہ خوف معلوم ہوتا ہے کہ جاہل لوگوں کے عدم تعاون کرنے سے تکلیف اور گڑبڑ پیدا ہو جائیگی اور کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا ۔ میری رائے میں کوئی عدم تعاون کیوں نہ ہو اس سے کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہوتا ہے حتیٰ کہ والسرائے کے دربان کا یہ کہنا کہ "جناب عالی گورنمنٹ نے میری قومی عزت کو ایذا پہونچائی ہے اسلئے اب میں زیادہ عرصہ تک اسکی خدمات انجام نہیں دے سکتا" اور مستعفی ہو جانا گورنمنٹ کی ناانصافی کے خلاف بڑی سے بڑی تقریر سے زیادہ زبردست اور زیادہ موثر ہے ۔

تاہم اس وقت تک دربان سے اپیل کرنا جبتک کہ بڑے سے بڑے عہدہ داروں سے اپیل نہ کر لی جاوے غلطی ہے جس طرح میں والسرائے کے دربانوں سے یہ اپیل کرتا ہوں کہ وہ ایک غیر منصفانہ حکومت سے علیحدگی اختیار کر لیں ۔ اسی طرح اب میں ججوں اور اکزیکٹو کونسلروں سے بھی اپیل کرتا ہوں کہ ایسے احتجاج میں شامل ہو جاویں، جو ہندوستان پر دوگونہ مظالم یعنی خلافت اور واقعات پنجاب کے خلاف تمام ہندوستان کی جانب سے اٹھایا گیا ہے ان دونوں مسائل میں قومی عزت کا سوال ہے ۔

میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ حضرات (جج و ایکزیکٹو کونسلرس) کسی منافع یا شہرت کی غرض سے اعلیٰ عہدوں پر متمکن نہیں ہوئے بلکہ محض اپنے ملک کی خدمات انجام دینے کے لیئے اُنہوں نے بڑے بڑے عہدے قبول کیئے ہیں ۔

انہیں دولت جمع کرنا مقصود نہیں، کیونکہ وہ جتنا اب کما رہے ہیں پہلے اس سے زیادہ کماتے تھے۔ نہ یہ حصول شہرت کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کیونکہ قومی عزت کو قربان کر کے شہرت نہیں خریدی جا سکتی لہٰذا اپنے عہدوں پر اب بھی برقرار رہنے میں اُن کو محض خدمت ملک ملحوظ خاطر ہے۔

جب کوئی گورنمنٹ عوام الناس کی مرضی کی نمایندگی کرتی ہو، اور اس وقت لوگ اس پر بھروسہ رکھیں تو اس وقت ممکن ہے کہ ایگزیکیٹو آفیسران ملک کی خدمات انجام دے سکیں لیکن جب کوئی گورنمنٹ عوام الناس کی مرضی کی نمائندگی نہ کرتی ہو، اور جب وہ ناانصافی اور ظلم کی مؤید ہو تو اسوقت جج اور ایگزیکیٹو افسران اپنے اپنے عہدوں پر برقرار رہ کر ظلم اور بے ایمانی کا آلہ بن جاتے ہیں۔ لہٰذا یہ بڑے بڑے عہدہ دار ملک کے لئے کم سے کم یہ کر سکتے ہیں کہ ایک بے ایمان اور مخوف کرنیوالی گورنمنٹ کے کارپرداز بننے سے انکار کر دیں۔

ججوں کے متعلق یہ اعتراض اٹھایا جائیگا کہ وہ سیاست سے بالا ہیں اور یہ واقعہ بھی ہے اور ایسا ہونا بھی چاہیئے لیکن یہ اصول صرف اسی وقت صحیح کہا جا سکتا ہے جبکہ گورنمنٹ عوام الناس کو فائدہ پہنچاتی ہو، یا کم از کم رعایا کی اکثریت کی مرضی کی نمائندگی کرتی ہو۔ سیاست میں حصہ نہ لینے کے یہ معنی ہیں کہ کسی فریق میں شامل نہ ہوا جائے۔ لیکن جب تمام ملک ایک دل اور ایک زبان ہو جائے اور جبکہ تمام ملک کے ساتھ انصاف کرنے سے انکار کر دیا جائے تو اُسوقت سوال فرقہ وارانہ سیاست کا نہیں رہتا، بلکہ موت و حیات کا مسئلہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اسوقت ہر شہری کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ ایک ایسی گورنمنٹ کی خدمات انجام دینے سے انکار کرے جو قومی فریق کو ٹھکراتی یا اُسکی اہانت کرتی ہو۔ اسوقت ججوں کا بھی فرض ہو جاتا ہے کہ اگر وہ واقعی قوم کے خدمتگزار ہیں تو اسکی پیروی کریں۔

ابھی ایک استدلال برائے تنقید باقی ہے۔ یہ جج اور ممبران ایگزیکیٹو دونوں پر عائد ہوتا ہے۔ بڑے زور کے ساتھ یہ بات کہی جائیگی کہ میری اپیل محض ہندوستانیوں تک محدود ہے اور بالفرض اگر ہندوستانی ان عہدوں سے دستبردار بھی ہو گئے جو بڑی کشمکش کے بعد اُن کے لئے حاصل کئے گئے ہیں تو اس سے کیا فائدہ ہوگا لیکن میری تمنا تو یہ ہے کہ کاش میں ہندوستانی اور انگریز دونوں سے ایک مؤثر اپیل کر سکوں۔ میں اس امر کا اعتراف کرتا ہوں۔ کہ میرے ذہن میں لکھتے وقت اپیل محض ہندوستانیوں ہی سے تھی۔ لہٰذا جو استدلال اوپر بیان کیا گیا ہے مجھے اس پر تنقید کرنی چاہیئے۔ یہ سچ ہے کہ یہ عہدے مدت تک کشمکش کے بعد حاصل کئے گئے ہیں لیکن یہ اس وجہ سے فائدہ مند نہیں ہیں کہ چونکہ ان کو بڑی کشمکش کے بعد حاصل کیا گیا ہے۔ بلکہ اُن کا اصل فائدہ یہ ہے کہ اُن سے قوم کی خدمتگزاری ملحوظ ہے۔ لہٰذا جب وقت ان عہدوں میں یہ وصف باقی نہ رہے اُس وقت وہ بیکار ہو جاتے ہیں، اور موجودہ زمانہ میں تو وہ مضرت رساں ہیں۔

میں اپنے ان ممتاز ہموطنوں کے سامنے جو بڑے بڑے عہدوں پر متمکن ہیں یہ بھی پیش کرونگا کہ اگر وہ اپنے عہدوں سے دستبردار ہو گئے تو بہت جلد یہ جنگ اختتام پر پہونچ جائیگی اور غالبا عدم تعاون کے ذریعہ سے عوام الناس کی اظہار ناپسندیدگی کا خطرہ بھی زائل ہو جائیگا۔ اگر خطاب یافتگان نے اپنے خطابات واپس کر دئے، اگر آنریری عہدہ داران اپنے عہدوں سے دستبردار ہو گئے، اگر اعلیٰ حکام نے اپنے عہدے ترک کر دئے، اور اگر آئندہ کونسلوں میں جانیوالوں نے

کونسلوں کا بائیکاٹ کردیا تو بہت جلد گورنمنٹ کے ہوش حواس درست ہوجائینگے، اور عوام الناس کی مرضی کا نفاذ ہوجائیگا۔ کیونکہ اسوقت گورنمنٹ کے پاس دوسری صورت محض یہ رہجائیگی کہ وہ خالصتاً شخصی جابرانہ طرز حکومت اختیار کرے جسکے غالباً یہ معنی ہونگے کہ فوجی مطلق العنانی قائم کیجائے۔ اب تک دنیا کی یہ رائے ہے کہ برطانیہ مطلق العنانی کی استقلال کے ساتھ جرأت نہیں کرسکتی جن تدابیر کو میں نے تجویز کیا ہے ان سے ایک ایسا پُرامن انقلاب ہوگا جسکا مشاہدہ دنیا کی آنکھوں نے کبھی نہیں کیا۔ اگر عدم تعاون کے غیر ناقص ہونیکا ایک دفعہ بھی احساس کرلیا گیا، تو تمام خونریزی اور تشدد خواہ وہ کسی شکل و صورت میں ہو، قطعاً بند ہوجائیگا۔

اس میں شک نہیں کہ قومی عدم تعاون جیسے قوی طریقۂ کار کو معرض عمل میں لانیکے لئے اسکا سبب بھی بہت ہی زبردست ہونا چاہیئے۔ میں کہتا ہوں کہ اسلام کی جو تذلیل کیگئی ہے ایک صدی تک اسکا اعادہ نہیں ہوسکتا۔ اسلام کو یا تو ابھی ابھرنا چاہیئے۔ ورنہ اگر ہمیشہ کے لئے نہیں تو یقیناً ایک صدی کے لئے وہ قعر ذلت میں گر پڑیگا۔ نیز میں نہیں خیال کرسکتا کہ اس سے زیادہ ظلم اور کیا ہوگا جو جلیانوالہ باغ کے قتل عام میں روا رکھا گیا، اور جو اُسکے بعد کے وحشیانہ مظالم سے ظاہر ہوا۔ ہنٹر کمیٹی کا رویہ، قانونی گورنمنٹ آف انڈیا کا مراسلہ اور مسٹر مانٹیگو کا مکتوب جسکی رو سے وائسرائے اور لفٹنٹ گورنر پنجاب کو اُن کے عہدوں پر برقرار رکھا گیا۔ و نیز اُن افسران کو ملازمتوں سے برخاست کرنے سے انکار کرنا جنھوں نے پنجابیوں کی زندگی کو دوران مارشل لا میں "دوزخ" بنا دیا تھا۔ یہ تمام مذکورہ بالا حرکات ہندوستان کے خلاف مسلسل مظالم کو ظاہر کرتی ہیں۔

رائے شماری سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملک عدم تعاون کا خواہشمند ہے

(اسپیشل کانگریس کلکتہ) از قلم مہاتما گاندھی۔ ینگ انڈیا ۱۵ ستمبر ۱۹۲۰ء

کانگریس کا انعقاد اس سے پہلے کبھی ایسے اہم مسئلہ کا تصفیہ کرنے کے لئے نہیں ہوا جیسا کہ لالہ لاجپت رائے کی زیر صدارت اجلاس خصوصی ہوا ہے اور غالباً کانگریس نے اس سے پہلے نان کوآپریشن کی اتنی سخت مخالفت کا مشاہدہ بھی کبھی نہ کیا ہوگا (بایں ہمہ میرے تجربہ میں ایک فیصلہ پر پہونچی ہوئی اکثریت نے اس سے بیشتر مخالفانہ استدلال کو اتنے احترام اور توجہ کے ساتھ کبھی نہیں سُنا جتنا کہ گذشتہ اجلاس میں سُنا ہے اور نہ کبھی عوام الناس کے مشہور لیڈروں نے سبجکٹ کمیٹی کے ریزولیشن کی اتنی متحدہ مخالفت اس سے بیشتر کی ہے۔ ہندوستان کی خدمات کے سلسلہ میں مسز بیسنٹ کا اعمال نامہ نہایت عمدہ ہے۔ پنڈت مدن موہن مالوی جی ایک ایسا نام ہے جو اپنے اندر جادو کا اثر رکھتا ہے۔ ان کا

اعمال نامہ برسوں کی روشن ملکی خدمات سے مزین ہے۔ اور ان کا چال چلن ناقابل الزام ہے۔ مسٹر داس ایک ایسی جماعت کی رہبری کر رہے ہیں جو دن بدن زیادہ زیادہ باا ثر اور قوی ہوتی جا رہی ہے۔ ایسے نازک وقت میں آنجہانی لوکمانیہ بال گنگادھر کی غیر موجودگی میں نے بڑی بے چینی کے ساتھ محسوس کی۔ مسٹر ہیٹپا نے دکن کی رہنمائی کی۔ معاصر ہندو اخبار کے صاحب کمال اڈیٹر مسٹر کستوری رنگا آئر نے مدراس نیشنلسٹ پارٹی کی رہبری کی۔ ان تمام اور انکے علاوہ دوسرے لیڈران نے بڑے زور کے ساتھ عدم تعاون کے ریزولیوشن کی مخالفت کی۔ میں نے اس عظیم الشان اجتماع کو آگاہ کر دیا تھا کہ وہ میری تجویز اُس وقت تک منظور نہ کریں جبتک کہ وہ تکالیف برداشت کرنیکے لئے تیار نہوں اور جبتک کہ اُن کو یہ یقین نہ ہو جائے کہ حقیقی عدم تعاون محض میرے ہی پیش کردہ ریزولیوشن کے ذریعہ سے ممکن ہوسکتا ہے۔ لیکن حاضرین جلسہ کرنا چاہتے تھے اور مصائب کے برداشت کرنے کے لئے تیار تھے۔ ووٹ بڑی احتیاط سے قلمبند کئے گئے۔ ووٹ شمار کرنے کی غرض سے کانگریس پنڈال بالکل خالی کر دیا گیا۔ لالہ لاجپت رائے نے بذات خود اسکی نگرانی کی۔ رائے کا شمار چھ گھنٹہ میں ختم ہوا۔ ممالک متوسط اور برار کے علاوہ تمام صوبوں نے میرے ریزولیوشن سے موافقت کی۔ ممالک متوسط نے ۳۰ ووٹ میری موافقت میں دئے اور ۳۳ ووٹ بابو بپن چندر پال کی حمایت میں۔ میں ذیل میں اعداد درج کرتا ہوں:-

صوبہ	ریزولیوشن کی موافقت میں	ترمیم کی موافقت میں
بمبئی	۲۴۳	۹۳
مدراس	۱۶۱	۱۳۵
بنگال	۵۰۱	۱۹۵
ممالک متحدہ	۲۵۹	۲۸
پنجاب	۲۵۴	۹۲
اندھرا	۵۹	۱۲
سندھ	۳۶	۱۶
دہلی	۵۹	۹
بہار	۱۸۴	۳۸
برما	۱۴	۴
ممالک متوسط	۳۰	۳۳
برار	۵	۲۸
	۱۸۵۵	۶۸۳

میرے ریزولیوشن میں خلافت پر وگرام کا اصول تمام شامل تھا جنکہ عدم ادائگی ٹیکس اور فوری ضرورت کیلئے میرے

ریزولیوشن میں یہ مشورہ دیا گیا ہے کہ آنریری عہدوں، خطابات، مقدمہ بازعدالتوں، اسکول، کالجوں اوراصلاحی کونسلوں کا بائیکاٹ کر دیا جاسئے - بابوجپندرپال نے تجویز کیا کہ ایک مشن انگلستان کو روانہ کیا جاسئے جو ہمارے مطالبات کو وہاں پیش کرسے اوراس عرصہ میں قومی مدارس کھولے جاویں، پنچائتیں مرتب کیجاویں، اور کونسلوں کا بائیکاٹ نہ کیا جاوے غالبًا ان کے ریزولیوشن کا یہ مطلب ہوتا کہ کونسلوں کے انتخاب میں حصہ لیا جائے اور جسکے غالبًا یہ معنی ہوسئے کہ تخریبی وذرائع اختیار کئے جاویں - اسکا نتیجہ یہ ہوتا کہ حقیقی جنگ کو آئندہ عام انتخاب کے وقت تک ملتوی کر دیا جاسئے - لہذ اتمام مخالفت کا مرکز کونسل بائیکاٹ بن گیا - اور کانگریس نے ایک زبردست اکثریت سے فیصلہ کر دیا کہ کونسلیں ترک کر دی جاویں - میں امید کرتا ہوں کہ وہ لوگ جو یہ یقین رکھتے ہیں کہ کونسل بائیکاٹ کی وجہ سے حصول سوراج معرض التواء میں نہیں پڑجائیگا اپنی پوری قوت کے ساتھ کانگریس کے مقصد کو کامیاب بنائینگے - رایوں کے نقشہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملک عدم تعاون کا خواہشمند ہے - مسٹر بسنٹ جنھوں نے متواتر بے خوفی اور صفائی کے ساتھ ریزولیوشن کی مخالفت کی جندہی مویدحاصل کرسکیں - میں فی الحال اس معاملہ کے اوصاف پر جرح نہیں کرنا چاہتا - کونسلوں، اسکولوں اور عدالتوں کے بائیکاٹ کے متعلق میرا استدلال ملک کے سامنے ہے - کانگریس پلیٹ فارم پر جو کچھ میں نے سنا اس میں سے کسی نے بھی ان تدابیر کے ضرورت اور موثر ہونے کے یقین کو متزلزل نہ کیا لیکن میں اکثریت اور اقلیت دونوں کے سامنے چند الفاظ نہایت ادب کے ساتھ پیش کرنا چاہتا ہوں -

اکثریت سے میں کہتا ہوں جبوقت سب سے بڑی فتح حاصل ہو وہی وقت سب سے زیادہ انکساری ظاہر کرنیکا ہوتا ہے - اکثریت نے اپنے کندھوں پر ایک زبردست ذمہ داری اٹھائی ہے - ہر وہ شخص جس نے میری موافقت میں رائے دی ہے اگر وہ کسی بچہ کا باپ ہے تو اپنے بچوں کو ایسے اسکول یا کالجوں سے اٹھالے جو کسی شکل سے بھی گورنمنٹ کے زیرنگرانی ہوں - ہر وکیل ووٹر کا فرض ہو گیا ہے کہ وہ اپنی وکالت کو بند کرے اور پنچائتوں کے ذریعہ مقدمات فیصل کرانے میں امداد کرے - کونسل کا ہر وہ امیدوار جس نے اکثریت کے ساتھ رائے دی ہے یہ بات اپنے ذمہ لے لی ہے کہ وہ امیدواری سے دست بردار ہو جائیگا اور ایسی ہی ہر ووٹر کسی انتخاب کونسل میں اپنی رائے ہر اس ڈیلیگیٹ ووٹر نے جو کہ اکثریت کا ہم رائے تھا یہ فرض اپنے اوپر عائد کرلیا ہے کہ وہ ہاتھ سے کاتنے اور ہاتھ سے بننے کو ترقی دیگا اور خود ہاتھ کا کتا اور ہاتھ کا بنا کپڑا استعمال کریگا - اکثریت کے ہر فرد نے عدم تشدد، ذاتی قربانی اور ترک موالات میں ضابطہ و ترتیب کی پابندی کو تسلیم کر کے خود کو اسپر مجبور کر دیا ہے کہ وہ اقلیت کے ساتھ باعزت اور منصفانہ برتاؤ کریگا - ہم اقلیت کے خلاف قولًا یا فعلًا تشدد نہیں کر سکتے - ہم کو اپنے وسیع عمل اور باعزت طریقۂ کار سے لوگوں کو اپنا ہم خیال بنانا چاہئے - وہ لوگ جنھوں نے اقلیت کی موافقت میں رائے دی وہ یا تو کمزور تھے یا اسکے لئے تیار نہ تھے بعض کو اس میں ہی شک تھا کہ بچوں کو اسکولوں سے بلا لینا صحیح بھی ہے یا نہیں لیکن جب وہ دیکھینگے کہ اسکول خالی ہوتے جا رہے ہیں، اور قومی مدارس معرض وجود میں آرہے ہیں، وکلاء وکالت

چھوڑ رہے ہیں لیکن بھوکے نہیں مرتے اور کونسلوں میں کم از کم بہترین قوم پرست موجود نہیں ہیں تب یہ لوگ اس پروگرام پر یقین لانا شروع کرینگے، اپنی کمزوریوں کو خیرباد کہینگے اور خود عدم تعاون کو اختیار کرنے پر تیار ہو جائیں گے، لہذا ہمیں تحمل کو خیرباد کہہ کر فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اقلیت کیوں واقعات کو ہماری طرح مشاہدہ نہیں کرتی۔

اقلیت سے میں کہونگا کہ انہیں ایک منصفانہ جنگ میں شکست ہوگئی۔ اب یہ مسئلہ انکے لئے ضمیر کا مسئلہ رہ گیا ہے۔ ان کو چاہئے کہ وہ عدم تعاون کے پروگرام پر سرگرمی کے ساتھ عمل کرنے کے لئے آگے بڑھیں جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اکثریت نے غلطی کی ہے بلاشک اُن کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اکثریت کو اپنے رائے کے موافق بدلنے میں جنگ شروع کر دیں بہرکیف اقلیت کی کثیر تعداد نے بھی قیام پنچایت و قومی مدارس کو تسلیم کر لیا ہے، وہ صرف یہ چاہتے تھے کہ کونسل کے معاملہ کو ملتوی کر دیا جائے۔ میں یہ تجویز کرنیکی جرأت کرتا ہوں کہ اب جبکہ اکثریت نے تجویز و تی کی موافقت میں فیصلہ کر لیا ہو اقلیت کو بھی یہ فیصلہ تسلیم کر لینا چاہئے اور پروگرام کو کامیاب بنانے میں امداد دینی چاہئے۔

غیر ملکی مال کا بائیکاٹ بھی میرے ریزولیوشن میں شامل ہے مجھے اس کا افسوس ہے۔ میں یہ بیان کرنا نہیں چاہتا کہ کیونکر پروگرام مذکور میں اسکو داخل کیا گیا لیکن چونکہ یہ امر میرے ضمیر سے متصادم نہیں ہوتا ہے اسلئے اس ریزولیوشن کی تحریک کو میں نے اپنے ذمہ لے لیا غیر ملکی پارچہ جات کا مقاطعہ سودیشی میں شامل ہے اسکے علاوہ دوسرے غیر ملکی مال کے بائیکاٹ کا مسئلہ اگر ناممکن العمل ہے تو یہ ریزولیوشن ہی بے معنی ہو جاتا ہے لیکن اگر سودیشی کے ریزولیوشن میں غیر ملکی مال کے بائیکاٹ کے ضمیمہ کا داخل کرنا ہماری عیش پسندیوں اور فضول خرچیوں کو نابود کرتا ہے تو اس سے بھی ایک اچھا مقصد حاصل ہو جائیگا یقیناً یہ ہمارا حق ہے اور فرض ہے کہ ہر اس غیر ملکی چیز کو ترک کر دیں جو نہ ہو اور ہمیں تو ہماری ملک کی غیر ملکی ضروری اشیاء کو بھی علحدہ کر دیں بشرطیکہ ہم ان کو اپنے ملک میں تیار کر سکتے ہوں۔

کیا ملک تیار ہے کہ وہ اپنی دولت اور بال بچوں کو قومی قربانگاہ پر بھینٹ چڑھا دے

(مہاتما گاندھی نے کانگریس میں عدم تعاون کا ریزولیوشن پیش کرتے وقت حسب ذیل تقریر فرمائی)

ینگ انڈیا۔ ۱۵ ستمبر ۱۹۲۰ء

اس بڑے مجمع میں جس ریزولیوشن کے پیش کرنیکا فخر مجھے حاصل ہے اسکے متعلق مجھے علم ہے کہ کتنی ذمہ داری میں اپنے کندھوں پر لے رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ اگر آپ نے اس ریزولیوشن کو منظور کر لیا تو میری مشکلات جو کہ آپ کی مشکلات بھی

میں بڑھ جائینگی۔ مجھے اس امر کا بھی علم ہے کہ میرے ریزولیوشن کو اختیار کرنے سے اس پالیسی میں ایک خاص تبدیلی ہوجائیگی جوکہ ملک نے اب تک اپنے حقوق اور عزت کی مدافعت کی غرض سے اختیار کی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ ہمارے لیڈران کی ایک بڑی تعداد جنہوں نے مادر وطن کے معاملات میں اتنا وقت اور اتنی توجہ دی ہے جو میں نہ دے سکا۔ آج میرے خلاف صف آرا ہے وہ گورنمنٹ پالیسی کے خلاف انقلاب پیدا کرنیوالی پالیسی کا مقابلہ کرنا اپنا فرض خیال کرتے ہیں۔ ان تمام باتوں کو جانتے ہوئے میں خوبیٔ خدا دل میں محسوس کرتے ہوئے آپکے سامنے کھڑا ہوا ہوں اور اپنا فرض سمجھتے ہوئے یہ ریزلیوشن آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں کہ آپ دل کے ساتھ اسے منظور کرلیں۔

غیر جانبداری کام لیجئے

فی الحال آپ میری ذات کو اپنے دماغوں سے نکال دیجئے۔ مجھ پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ میں درویش ہوں اور مطلق العنان رہبر بننے کی خواہش رکھتا ہوں۔ میں آپ کے سامنے نہ تو بحیثیت درویش کے اور نہ مطلق العنان رہبر کے کھڑا ہوا ہوں بلکہ ان عملی تجربات کو پیش کرنیکے لئے کھڑا ہوا ہوں جو میں نے عدم تعاون کے متعلق کئے ہیں۔ میں اس الزام کی تردید کرتا ہوں کہ ملک میں عدم تعاون کوئی جدید چیز ہے۔ ہزارہا آدمیوں کے سینکڑوں جلسوں میں اسکو منظور کیا گیا ہے اور مسلمان تو یکم اگست سے باقاعدہ اسپر عامل ہیں اور پروگرام مذکور کی بہت سی باتیں کم و بیش نافذ ہو چکی ہیں۔ میں آپسے دوبارہ کہتا ہوں کہ اس اہم مسئلہ پر غور کرتے وقت ذاتیات کو دماغوں سے نکال دیجئے اور صبر و سکون کے ساتھ اسکا فیصلہ کیجئے لیکن ریزولیشن کو محض منظور کرنے سے ہی کام نہیں چلتا۔ ہر فرد بشر کو اس ریزولیوشن کی ذمہ داری اپنے اوپر عائد کرنی پڑیگی۔ میں التجا کرتا ہوں کہ آپ میری تقریر کو صبر کے ساتھ سنیں اور نہ تو تالیاں بجائیں اور نہ سی سی کرکے حقارت کا اظہار کریں۔ اگرچہ جہاں تک میرا تعلق ہے میں تالیاں بجانے یا سی سی کرنے کی پروا نہیں کرتا لیکن تالیاں بجانے سے خیالات کی روانی میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے اور تالیاں بجانا اور سی سی کرنا مقرر اور حاضرین کی مطابقت میں دخل انداز ہوتے ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ کسی مقرر کو بھی شرم شرم کے نعرے بلند کرکے اسٹیج سے الگ نہ کرینگے کیونکہ عدم تعاون ترتیب اور مصائب برداشت کرنیوالی تدبیر ہے اسمیں ضرورت ہے کہ مخالف خیالات کو تحمل اور احترام کے ساتھ سنا جائے اور جب تک ہم میں بالکل مخالف آرا کو بھی رواداری سے سننے کی اسپرٹ پیدا نہ ہوگی اُس وقت تک عدم تعاون بالکل ناممکن ہے۔ غصہ ناک فضا میں بھی عدم تعاون ناممکن ہے۔ میں نے ایک تلخ تجربہ کے ذریعہ سے اپنے غصہ کی حفاظت کرنیکا سبق حاصل کیا ہے۔ حرارت جب محفوظ رکھی جاتی ہے تو وہ قوت میں تبدیل ہوجاتی ہے اسی طرح اگر ہم اپنے غصہ کو قابو میں رکھیں تو وہ بھی ایک ایسی طاقت میں تبدیل ہوسکتا ہے جس سے تمام دنیا جنبش میں آجائے۔ کانگریس میں شریک ہونیوالے بھائیوں سے میں دریافت کرتا ہوں کہ جو ڈسپلن ہم تو اپنے اندر رکھیں اُس سے زیادہ اچھا اور کونسا ڈسپلن ہوسکتا ہے۔

مجھ سے کہا گیا ہے کہ میں تباہی کے سوا اور کچھ نہیں کر رہا اور یہ کہ اسی ریزولیشن کو پیش کرکے میں ملک کی سیاسی زندگی کو پاش پاش کر رہا ہوں۔ کانگریس کوئی جماعتی تنظیم نہیں ہے۔ اسکے پلیٹ فارم ہر قسم کی رائے رکھنے والے کے لئے

گنجائش ہونی چاہئے۔ اقلیت کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ اس نظام سے علیحدہ ہوجائے بلکہ خود اکثریت بنانے کی کوشش کرے۔ اگر ملک اسکی رائے سے موافقت کرتا ہو لیکن کانگریس کے نام سے کسی شخص کو بھی یہ اجازت نہیں کہ وہ ایسی پالیسی کی اشاعت کرے جسکو کانگریس نے مسترد کردیا ہو۔ اگر آپ میری پالیسی کو مسترد کردیں تو میں کانگریس سے علیحدہ نہ ہونگا بلکہ کوشش کرونگا کہ اقلیت کو اکثریت میں تبدیل کردوں۔

خلافت کے مسئلہ میں جو مظالم ہوئے ہیں اس کے متعلق دو مختلف رائیں قائم نہیں کیجا سکتیں۔ اگر مسلمانوں نے اپنی عزت کی حمایت نہ کی تو نہ تو وہ باعزت رہ سکتے ہیں اور نہ اپنے پیغمبر کی پیروی کر سکتے ہیں۔ پنجاب کے ساتھ بہت ہی وحشیانہ اور ظالمانہ سلوک کیا گیا ہے اور چونکہ پنجاب کا ایک آدمی پیٹ کے بل رینگنے پر مجبور کیا گیا لہذا اسکے یہ معنی ہیں کہ تمام ہندوستان پیٹ کے بل رینگیگا۔ اور اگر ہم ہندوستان کے لائق فرزند ہیں تو ہم کو ان مظالم کے دور کرنے کا عہد کرنا چاہئے انہیں مظالم کو دور کرنے کیلئے ملک میں شورش ہو رہی ہے لیکن ہم گورنمنٹ کو اپنی مرضی کے مطابق ابھی تک نہیں جھکا سکے محض اپنی محسوسات کا اظہار کرکے ہم مطمئن نہیں ہو سکتے۔ مظالم پنجاب کے متعلق پرجوش ملامت اتنی کہیں نہ ہوگی جتنی کہ خطبہ صدارت کے اوراق میں موجود ہے۔ اگر کانگریس غیر رضامند ہاتھوں سے انصاف کو نہیں چھین سکتی تو کس طرح وہ اپنی عزت اور وجود کی مدافعت کر سکتی ہے؟ اور قبل اسکے کہ وہ خون آلودہ ہاتھوں سے کسی انعام کو قبول کرے خواہ وہ کتنا ہی بیش بہا کیوں نہ ہو اگر وہ حکومت کو صاف طور پر تاسف ہونے پر مجبور نہیں کر سکتی تو کس طرح اسکی عزت اور ہستی محفوظ رہ سکتی ہے۔

قربانی کی اسٹیج کو وسیع کرو

لہذا اس مقصد کے حصول کے لئے میں نے نان کوآپریشن کی اسکیم آپکے سامنے پیش کی ہے اور آپ سے اس امر کا خواہشمند ہوں کہ تا وقتیکہ آپ غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر نہ پہنچ جائیں کہ کوئی دوسری اسکیم میری اسکیم سے زیادہ اچھی ہے آپ ہر دوسری اسکیم کو مسترد کردیں۔ اگر میری اسکیم پر پوری طرح لبیک کہا گیا تو میں پھر دلیرانہ اپنے اس بیان کا اعادہ کرتا ہوں کہ آپ ایک سال میں سوراج حاصل کرلیں گے۔ قرارداد کے منظور کرنے سے سوراج نہ ملیگا بلکہ دن بدن اور منزل بمنزل ملکی حالت کا خیال رکھتے ہوئے اس ریزولیوشن کا نفاذ کرکے سوراج مل سکتا ہے۔ ملک کے سامنے ایک اور علاج موجود ہے اور وہ تلوار اٹھانے کا ہے اگر یہ علاج ممکن ہوتا تو غالباً ہندوستان ترک موالات کے پیغام پر کان بھی نہ دھرتا لیکن میں یہ کہنا چاہتا ہوں اگر آپ تشدد کے طریقوں سے ہی ناانصافی کا گلا گھونٹتے تب بھی ڈسپلن اور ذاتی قربانی کی ضرورت پڑتی۔ میں نے کہیں نہیں سنا کہ بلوائیوں نے کسی جنگ کو سر کیا ہو البتہ یہ ضرور جانتا ہوں کہ باترتیب فوجوں نے جنگی فتوحات حاصل کی ہیں۔ اگر آپ برطانوی گورنمنٹ اور یورپ کی مشترکہ طاقت سے برسر جنگ ہونا چاہتے ہیں تو اپنے اندر ڈسپلن اور ذاتی قربانی کی تعلیم پھیلائیے۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ مجھ میں بے صبری آگئی ہے۔ میں معلوم کرچکا ہوں کہ ہم آج ہی سوراج کے مستحق ہیں لیکن ہم میں قومی قربانی کی اسپرٹ نہیں

خانگی معاملات میں ہم نے یہ اسپرٹ ضرور پیدا کی ہے لیکن ہم کو چاہئے کہ اس اسپرٹ کو دوسرے معاملات پر بھی حاوی کریں۔ میں ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک یہ دیکھنے کے لئے سفر کرتا رہا ہوں کہ آیا ملک میں قومی اسپرٹ پیدا ہوئی یا نہیں اور آیا ملک اگر ابتدائی قربانی کے لئے تیار تھا تو وہ اب اس امر کے لئے تیار ہے کہ وہ اپنی دولت اور بال بچوں کو قومی قربانگاہ پر بھینٹ چڑھا دے؟ کیا ملک تیار ہے؟ کیا خطاب یافتگان خطابات کی واپسی پر تیار رہیں؟ کیا ملک کے خاطر ماں باپ اپنے بچوں کی تعلیمی قربانی پر کمربستہ ہیں؟ اسکول اور کالج درحقیقت ایک ایسی فیکٹری ہے جہاں سے گورنمنٹ کے لئے کلرک تیار ہوتے ہیں۔ اگر ماں باپ قربانی کے لئے تیار نہیں، اگر خطاب یافتگان واپسی خطابات پر کمربستہ نہیں تو سوراج قریب قریب ناممکن ہے۔ کوئی ماتحت قوم ایسا نہیں کرسکتی کہ فاتح قوم کے انعامات تو قبول کرے لیکن ان انعامات کی وجہ سے جو ذمہ داریاں اس پر عائد ہوتی ہیں ان کو ٹھکرا دے جس وقت مفتوح قوم یہ تسلیم کریگی کہ جو انعامات اسکو دئے جاتے ہیں وہ اسکی بہبود کیلئے نہیں ہیں بلکہ فاتح کے مفاد کی خاطر ہیں تو وہ فاتح کو خوشی امداد دینے سے انکار کردیگی۔ ملک کی آزادی حاصل کرنے کیلئے خواہ وہ آزادی سلطنت کے ماتحت ہو یا بالکل مکمل بیان کردہ باتیں بنیادی لوازمات ہیں۔ میری رائے میں حقیقی ہندو مسلم اتحاد برطانوی تعلقات سے کہیں زیادہ فوقیت رکھتا ہے اور اگر ہندو مسلم اتحاد اور برطانوی تعلق میں سے مجھے کوئی ایک صورت منتخب کرنی پڑے تو میں اول الذکر کو منظور کرلونگا اور موخر الذکر کو مسترد کردونگا اور اگر مجھے پنجاب کی عزت اتارنے کی تعلیم سے یہ تو بھی۔ تمام قانون ساز سرگرمیوں کی بندش اور برطانوی تعلق میں سے کسی ایک چیز کو چننا پڑے تو میں پنجاب کی عزت اور جو کچھ بھی اسکے ساتھ ہوچکی کہ اتارنے کی اور اسکولوں کے بند ہونے کو بھی ملا لیں دیتیں برطانوی تعلق کے مقابلہ میں پسند کرونگا اگر آپکے اندر بھی اسلام اور پنجاب کی خاطر وہی جذبات بھڑک رہے ہیں جو میرے اندر موجود ہیں تو مجھے امید ہے کہ آپ میرے ریزولیوشن کو منظور کرلیں گے۔

(کونسلوں کا بائیکاٹ)

اب میں ایک سرگرم بحث یعنی کونسل بائیکاٹ کیطرف رجوع کرتا ہوں۔ اسکے متعلق بڑے باریک اختلافات موجود تھے اور اگر ایوان اسپر اتفاق نہیں کرسکتا تو اسکو ضرور اختلاف کرنا چاہئے۔ آپ سمجھ جائینگے کہ ایوان کا اختلاف ایک امر پر ہی ہوگا یعنی یہ کہ آیا سوراج کونسلوں کے ذریعہ سے حاصل ہوسکتا ہے یا کونسلوں سے باہر رہ کر۔ اگر ہم برطانوی گورنمنٹ پر بالکل بھروسہ نہیں رکھتے اور اگر ہم یہ جانتے ہیں کہ وہ اپنی کرتوتوں پر متاسف بھی نہیں ہوتے تو کس طرح آپ یقین کرسکتے ہیں کہ کونسلیں حصول سوراج میں رہنمائی کرینگی اور برطانوی گرفت کو اور زیادہ سخت نہ کردینگی؟

(سودیشی)

اب میں سودیشی کا معاملہ لیتا ہوں۔ غیر ملکی مال کا بائیکاٹ اس ریزولیوشن میں شامل ہے۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ آپ

اس ریزولیوشن میں ایسی بے ضابطگی پائینگے جسکا در اصل میں ذمہ دار نہیں ہوں لیکن میں نے اسکو منظور کر لیا ہے
میں تفصیل کے ساتھ یہ نہیں بتاؤنگا کہ غیر ملکی بائیکاٹ کے ریزولیوشن نے سودیشی کے ریزولیوشن میں کس طرح جگہ پائی۔
سودیشی کے معنی یہ ہیں کہ وہ اسی طور پر غیر ملکی مال کا بائیکاٹ کیا جائے۔ لہذا غیر ملکی مال کا بائیکاٹ اور سودیشی کو علیحدہ
علیحدہ کرنا بالکل فضول ہے لیکن میں نے اسکو اس لئے داخل کر لیا ہے کیونکہ میں ضمیر کو محفوظ رکھتے ہوئے اس سے انکار
نہیں کر سکتا تھا تاہم میں جانتا ہوں کہ ظاہراً یہ ناممکن ہے جبتک ہم چرخے اور سوئیوں پر اپنے کام کا انحصار رکھینگے اسوقت
تک غیر ملکی مال کا مکمل طور پر بائیکاٹ نہیں کر سکتے مجھے یہ کہنے میں پس و پیش نہیں کہ اس دفعہ سے میرے پروگرام کی
دلفریب مناسبت میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے میں محسوس کرتا ہوں کہ ان الفاظ سے پروگرام کا تناسب زائل ہوتا ہے لیکن
میں یہاں پروگرام کے تناسب کیلئے نہیں آیا ہوں بلکہ اسکے قابل عمل ہونیکے متعلق کھڑا ہوا ہوں۔
میں دوبارہ آپ سے کہتا ہوں کہ ذرا آپ متاثر نہ ہوجئے اسوقت اپنے دماغ سے ہر اس خدمت کو نکال دیجئے جسکو میں نے انجام دیا ہے

اگر ہم یہ محسوس کرتے کہ خدا کی موجودگی ہمارے ہر قول فعل کی شاہد ہے تو کوئی بات کسی شخص سے پوشیدہ رکھنے کی ضرورت نہ ہوتی

(در پردہ گناہ) از قلم مہاتما گاندھی۔ ینگ انڈیا۔ ۲۲ دسمبر ۱۹۲۰ء

ہندوستان کی برائیوں میں سے ایک یہ ہے کہ باتوں کو پردے میں رکھنے کے گناہ کا ارتکاب کیا جاتا ہے کسی غیر معلوم
نتیجہ سے خوفزدہ ہو کر ہم لوگ کاناپھوسی کرتے ہیں۔ بنگال سے زیادہ اور کہیں مجھے اس اخفاء نے تکلیف نہیں پہونچائی ہر شخص
یہ چاہتا ہے کہ خفیہ طور پر آپ سے گفتگو کرے۔ بنگالی نوجوانوں کے اس فعل سے کہ وہ لب کشائی سے قبل اپنے چاروں طرف سے
نظر دوڑاتے ہیں کہ آیا کوئی تیسرا فریق تو انکی گفتگو نہیں سن رہا مجھے بہت برا رنج پہونچتا ہے۔ ہر اجنبی شخص کے متعلق
شبہ کیا جاتا ہے کہ کسی خفیہ سوسائٹی سے تعلق رکھتا ہے۔ خود مجھے متنبہ کیا گیا کہ میں اجنبیوں سے خبردار رہوں لیکن میری
تکلیف کا جام اسوقت لبریز ہو گیا جبکہ مجھ سے کہا گیا کہ جس طالب علم نے طالب علموں کے جلسہ کی صدارت کی تھی اسکا تعلق
خفیہ سوسائٹی کے محکمہ سے تھا میں کم از کم ان دو مقتدر لیڈروں کے نام بتا سکتا ہوں جنکے متعلق ہندوستانی اعلیٰ طبقوں میں
یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ وہ گورنمنٹ کے جاسوس ہیں۔ خدا کا شکر گزار ہوں کہ میں چند گذشتہ سالوں سے اخفاء کو بالخصوص سیاسی

میں ایک گناہ خیال کرتا ہوں۔ اگر ہم یہ محسوس کر لیتے کہ خدا کی موجودگی ہمارے ہر فعل اور قول کی شاہد ہے تو ہمیں کوئی بات کسی شخص سے پوشیدہ رکھنے کی ضرورت نہ پڑتی۔ کیونکہ ہم اپنے خالق کے سامنے ناپاک خیالات کو اپنے دماغ میں جگہ نہیں دے سکتے چہ جائیکہ ان کا زبان پر لانا۔ محض ناپاکی ہی پوشیدگی اور تاریکی کو تلاش کرتی ہے۔ انسان کا طبعی میلان یہ ہے کہ میل کچیل کو پوشیدہ رکھے۔ ہم گندی چیزوں کو دیکھنا یا چھونا پسند نہیں کرتے۔ بلکہ اپنی نظروں سے اسکو اوجھل کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے تقریروں میں بھی یہی اصول ہونا چاہیے۔ میں تو تجویز کروں گا کہ جن خیالات کو ہم دنیا سے چھپائیں وہ ہمارے دماغوں میں بھی نہ آنے چاہئیں۔ ہمارے پاس اس مار آستین خفیہ سوسائٹی سے جلد نجات حاصل کرنیکا بہترین طریقہ یہ ہے کہ دنیا میں کسی شخص سے بھی خاص طور پر بات نکریں اور جاسوس سے خوف کھانا چھوڑ دیں۔

ہمیں جاسوس کی موجودگی کو بھی نظر انداز کر دینا چاہیے اور اُس شخص سے جو ہمارے خیالات اور تدابیر کو جاننے کا مستحق ہو بحیثیت دوست کے برتاؤ کرنا چاہیے۔ میں جانتا ہوں کہ میں نے بعض بڑی سے بڑی اسکیموں کو دن کی روشنی میں ظاہر کر کے بڑے اطمینان بخش نتائج حاصل کیے ہیں۔ خفیہ والوں کو اپنے ہمراہ دیکھکر مجھے کبھی ایک منٹ کے لئے بھی طمانیت قلب کو ہاتھ سے نہیں دیا۔ شاید پبلک نہیں جانتی کہ ہندوستان کے دوران قیام میں خفیہ سایہ کی طرح میرے ہمراہ لگی ہوتی ہے۔ یہی نہیں کہ مجھے اس فعل سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی بلکہ میں نے خفیہ والے حضرات سے دوستانہ خدمات بھی لی ہیں۔ ان میں سے اکثر نے سایہ کیطرح ساتھ رہنے کی بنا پر مجھ سے معذرت چاہی جو کچھ میں نے اُن کے سامنے کہا وہ دنیا کے سامنے بھی شایع ہو گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب میں ان خطرات کی موجودگی کا خیال بھی نہیں کرتا اور میں نہیں کہہ سکتا کہ گورنمنٹ نے خفیہ ایجنسی کے ذریعے میری حرکات وسکنات کی نگرانی کر کے کونسی عقلمندی کا کام کیا ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ یہ خفیہ والے اپنے دستور العمل کے موافق یا رسمیہ طور پر میرے ہمراہ رہتے ہیں وہ کبھی مجھے پریشان نہیں کرتے ہیں لیکن تجربہ کا ہے یہ ہر نوجوان بنگالی اور اس غرض سے ہر نوجوان ہندوستانی کے سامنے پیش کرتا ہوں کسی شخص کو بھی یہ خیال کرنے کی ضرورت نہیں کہ علی الاعلان گفتگو کرنے کے مقابلہ میں میری پبلک پوزیشن مجھے خفیہ کی دل آزاری کو جرأت سے محفوظ رکھتی ہے یہ معلوم کرنا بالکل آسان ہے کہ جس وقت آپ جاسوس کی موجودگی سے ڈرنا چھوڑ دینگے اور اس سے جاسوسوں کے مناسب حال برتاؤ بھی نکرینگے، اُسی وقت اُس کی موجودگی آپ کے لئے دل آزار نہ رہیگی۔ نتیجہ یہ کہ گورنمنٹ جلد خفیہ ڈیپارٹمنٹ کی وجہ سے شرمندگی محسوس کرنے لگے گی اور اگر اُس نے شرمندگی بھی محسوس نہ کی تو خود خفیہ پولیس ایک ایسی ملازمت سے اُکتا جائیگی جسکا کوئی فائدہ نہیں۔

عدم تعاون صفائی پیدا کرنے والا طریقہ ہے، اسے آثار ونشانات کی بہ نسبت اسباب سے زیادہ تعلق ہے۔ رازداری کو ترک کرنے سے خفیہ کا محکمہ بغیر کسی جدوجہد کے خود بخود مفقود ہو جائے گا۔ پریس ایکٹ بزدلی کی بیماری کا نشان ہے، اگر ہم اپنے ارادوں کو دلیری کے ساتھ ظاہر کر دیں تو پریس ایکٹ بیکار ہونے کی وجہ سے خود فنا ہو جائے گا۔ مبتدیوں کو اس جرأت سے نقصان اٹھانا پڑے گا۔ میں سنتا ہوں کہ کلکتہ کے اخبار "سرونٹ" کو اس بنا پر تنبیہ کی گئی ہے کہ اُس نے ینگ انڈیا کے ایک مضمون کو جس میں مسٹر راجگوپال اچاریہ کی رائے دہندگان کو قابل تحسین ہدایات کے متعلق تذکرہ تھا شائع کر دیا

کہا میں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ پریس نے بظاہر سنسر کے خوف سے میری کلکتہ والی تقریر کے نہایت موثر حصوں کو حذف کر دیا میں اس بات کو دیکھنا بہت زیادہ پسند کرتا ہوں کہ ایسے اخبار کو قطعاً بند کر دیا جائے جس کا اڈیٹر نتائج کا خوف کئے بغیر اپنے جذبات یا کسی دوسرے کے جذبات کو جنہیں وہ پسند کرتا ہو شائع نہ کر سکے۔

عدم تعاون اگرچہ پریس کی امداد سے فائدہ اٹھانے کے لئے تیار ہے لیکن طبعًا وہ پریس سے آزاد ہے۔ اسمیں شک نہیں ہر خیال جسے ہم چھاپتے ہیں وہ اجازت سے طبع ہوتا ہے اور جونہی اسکی اشاعت ہوتی ہے گورنمنٹ اپنے وجود کو قائم رکھنے کی خاطر اسکو ممنوع قرار دینے کی کوشش کریگی۔ ہم اسی گورنمنٹ یا کسی دوسری گورنمنٹ سے یہ امید نہیں رکھ سکتے کہ وہ خودکشی کریگی اسکو یا تو اصلاح کرنی چاہیئے یا جابرانہ کارروائی اختیار کرلی چاہیئے۔

بالعموم مطلق العنان حکومت (جیسی ہماری گورنمنٹ ہے) کے ماتحت انسدادی کارروائی اصلاح پر مقدم سمجھی جاتی ہے، ایسے مضبوط خیالات جو گورنمنٹ کو تباہ کرنیوالے ہوں یا اسکو توبہ کرنے پر مجبور کرتے ہوں ان کی اشاعت کا بند کرنا گورنمنٹ کے انسدادی اسلحہ میں سے سب سے چھوٹا ہتھیار ہے لہذا تا وقتیکہ تمام پریس بےخوف نہو جائے اور نتائج کے خوف کو ٹھکرا کر خیالات کو خواہ اس کو ان خیالات سے اختلاف ہی کیوں نہو محض اپنی آزادی کی خاطر شائع کرنے لگے اس وقت تک کیلیئے ہمیں اپنے خیالات کو پھیلانے کے لئے دوسرے ذرائع اختیار کرلینے چاہئیں۔ ایک اڈیٹر ان خیالات کے متعلق اپنی ذاتی رائے یا ہندوستان کی بیماری کے لئے ایک نسخہ آسانی کے ساتھ لکھ سکتا ہے سینکڑوں ہاتھ اسکو نقل کرینگے اور اس سے بھی کہیں زیادہ لوگ پڑھکر یا پڑھ کر ہزار ہا آدمیوں کو سنا سکتے ہیں لہذا میں امید کرتا ہوں کہ عدم تعاون کرنیوالے اڈیٹر ان کسی صورت میں بھی پریس ایکٹ کے خوف سے اپنے خیالات کو ظاہر کرنے سے باز نہ رہینگے ان کو چاہیئے کہ اپنے خیالات کو بیہودہ یا کمنام گناہ تعصب

ہندوستان تشدّد کے ذریعہ اپنا کھویا ہوا حصّہ کبھی واپس نہیں لے سکتا

ہفت کشور جس سے ہوں تسخیر بے تیغ و تفنگ
تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے
اقبال

(مہاتما گاندھی کی معرکۃ الآرا تقریر) ینگ انڈیا۔ ۲۲ دسمبر ۱۹۲۰ء

جو کہ انھوں نے ۱۴ دسمبر کو کلکتہ کے ایک عظیم الشان جلسہ میں کی

"انگریزی زبان میں تقریر کرنے کا مطالبہ"

ہندی زبان جو تمام ہندوستانی جلسوں میں مختلف حصّوں کے باشندوں کے لیئے ایک مشترکہ قومی زبان ہونیوالی ہے ہنوز اس کو ایک کثیر تعداد نہیں سمجھتی۔

یہ واقعہ اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ ہم پستی کی کس گہرائی تک غرق ہو چکے ہیں۔ نیز اس سے تحریک عدم تعاون کی ضرورت کی طرف بھی اشارہ ہے جو ہمیں موجودہ حالت سے نکالنے کے لیئے وضع کی گئی ہے۔

اس حکومت نے ہماری عظیم الشان قوم کو مختلف طریقوں سے پستی میں گرا دیا ہے اور آپس میں اتحاد و تعاون کئے بغیر اس پستی سے نکلنا ناممکن ہے اور یہ اسوقت تک نہیں ہو سکتا جبتک کہ ہمارے اظہار خیالات کیلئے کوئی واحد زبان نہ ہو۔

(ترقی کرنیوالے پر امن عدم تعاون)

لیکن میں یہاں اس پر بحث کرنیکے لئے نہیں کھڑا ہوا ہوں بلکہ بے تشدد و بتدریج ترقی کرنیوالے عدم تعاون کے پروگرام کو منظور کرانیکے لئے آپکے سامنے آیا ہوں میں نے جتنے الفاظ استعمال کئے ہیں وہ سبکے سب ضروری ہیں۔ بغیر تشدد اور "بتدریج ترقی کرنیوالا" ایسی صفات ہیں جو کُل کا جزو لاینفک ہیں۔ میرے لئے عدم تشدد میرے مذہب کا ایک جزو اور میرے عقیدہ سے تعلق رکھتا ہے لیکن مسلمانوں کی بڑی تعداد کے لئے عدم تشدد محض پالیسی ہے۔ اور اگر لاکھوں نہیں تو ہزار ہا ہندو بھی اس کو پالیسی سمجھتے ہیں لیکن عدم تشدد خواہ پالیسی ہو یا عقیدہ۔ کروڑ ہا ہندوستانیوں کے حقوق حاصل کرنیکے لئے یہ ناممکن ہے کہ عدم تشدد کی قیمت اور ضرورت کو تسلیم کئے بغیر آپ اس پروگرام کو مکمل کر سکیں۔ ممکن ہے کہ تشدد کے ذریعہ سے تھوڑی دیر کے لئے کسیقدر کامیابی حاصل ہو جائے لیکن بالآخر اس سے کوئی قابل تحسین نتیجہ بر آمد نہیں ہو سکتا

برخلاف اسکے تشدد قومی عزت اور خودداری کے لیئے مہلک ثابت ہوگا۔ گورنمنٹ ہند کی نیلی کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ جبقدر ہم نے تشدد کا استعمال کیا اسی قدر فوجی اخراجات میں اضافہ ہوگیا اور یہ اضافہ تشدد کے تناسب نہیں ہوا بلکہ اقلیدس کے قاعدے سے ہوا ہے۔ تشددی طریقہ استعمال کرنیکی وجہ سے غلامی کی زنجیریں اور زیادہ مضبوط ہوگئیں۔ ہندوستان میں برطانوی حکومت کی کل تاریخ اس حقیقت کو عریاں کرتی ہے کہ تشدد کر کے ہم نے کبھی کامیابی حاصل نہیں کی۔ اسلیئے بجائے اسکے کہ میں یہ کہوں کہ چونکہ اس گورنمنٹ نے ہمیں نامرد کیا ہے اسلیئے اسکا جوا اپنے کندھوں پر رکھنے سے زیادہ بہتر میں یہ سمجھتا ہوں کہ تشدد کا خیر مقدم کروں۔ میں اسبات پر زور دونگا کہ ہندوستان تشدد کے ذریعہ سے کبھی اپنا کھویا ہوا حصہ واپس نہیں لے سکتا۔

(میرے نصب العین کے مطابق سوراج)

لارڈ رانلڈشے جنہوں نے ہوم رول کے متعلق میری کتاب کو پڑھنے کی عزت بخشی ہے میرے ہموطنوں کو تنبیہ کیا تھا کہ وہ ایسے سوراج کے لئے بر سر جنگ نہوں جیسا کہ اس کتاب میں بیان کیا گیا ہے۔ اب اگرچہ میں اس کتاب کا ایک لفظ بھی واپس لینا نہیں چاہتا تاہم آپ سے کہونگا کہ اب میں ہندوستان سے ان طریقوں کی پیروی کرنیکے لئے نہیں کہتا جو اس کتاب میں درج ہیں۔ اگر ہندوستانیوں نے ان طریقوں پر عمل کیا ہوتا تو سوراج ایک سال کیا ایک دن میں حاصل ہو جاتا۔ ہندوستان اس نصب العین کا احساس کر کے تمام دنیا پر برتری حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن فی الحال اسکو کم و بیش ایک دن کا خواب ہی سمجھنا چاہئیے۔

(عدم تعاون بتدریج ترقی کرنیوالا کیوں ہے ؟)

جبوقت اس حقیقت کا احساس کر لیا گیا اور عدم تعاون کا نفاذ ہو گیا گورنمنٹ کے ٹکڑے ہو جائینگے۔ اگر میں یہ جانتا کہ عوام الناس ایک دم کل پروگرام پر عمل پیرا ہونیکے لئے تیار ہیں تو میں اسکو ایکدم عمل میں لانے میں تاخیر نہ کرتا۔ لیکن فی الحال یہ ممکن نہیں ہے کہ عوام الناس کو ان لوگوں کے خلاف جو ان سے قوانین حکومت کی تعمیل کرانا چاہیں، غضبناک ہونے سے باز رکھا جائے۔ یہ بھی ممکن نہیں کہ فوج ذرا سے تشدد کے بغیر اپنے ہتھیاروں کو رکھدیگی۔ اگر آج یہ ممکن ہوتا تو میں عدم تعاون کے جملہ مدارج ایکدم عمل میں لانیکی تجویز کرتا لیکن ہم نے عوام الناس پر ابھی ایسا قابو حاصل نہیں کیا ہے۔ ہم نے قوم کی زندگی کے بیش بہا برسوں کو ایک ایسی زبان پر عبور حاصل کرنے میں غارت کیا ہے جس کی ضرورت آزادی حاصل کرنیکے لئے ہمیں سب سے کم تھی۔ ہم نے اُن بیش قیمت سالوں کو ملٹن اور شیکسپیر کے اقوال کے ذریعہ آزادی سیکھنے اور مل کے صفحات سے الہامات حاصل کرنے میں بیکار صرف کیا ہے حالانکہ آزادی کا سبق ہم خاص اپنے دروازہ پر ہی سیکھ سکتے تھے۔ ہم نے خود کو عوام الناس سے جدا رہنے میں کامیاب بنایا۔ ہم بالکل مغربی رنگ میں رنگے گئے۔ ان گذشتہ ۳۵ سالوں میں ہم عوام الناس کو بیدار کرنیکی خاطر اپنی تعلیم کو استعمال نہ کرسکے۔ ہم ایک ستون کے اوپر چڑھ بیٹھے اور وہاں سے ایک ایسی زبان میں گفتگو کرنی شروع کر دی جسکو عوام الناس نہیں سمجھتے اور اب دیکھتے ہیں

کہ آج ہم اس قابل بھی نہیں کہ اپنے بڑے بڑے جلسوں کو باقاعدہ امن وامان کے ساتھ جاری رکھ سکیں۔ باقاعدگی ہی کامیابی کی کلید ہے۔ لہذا عدم تعاون کے ریزولیوشن میں لفظ "بتدریج ترقی کرنیوالا" Progressive شامل کرنے کا ایک سبب یہ ہے بغیر کسی گستاخی کے میں کہہ سکتا ہوں کہ عوام الناس کے دل ودماغ کو جسقدر میں سمجھتا ہوں تعلیم یافتہ ہندوستان میں سے اور کوئی بھی اتنا نہیں سمجھتا۔ میں کہتا ہوں کہ عوام ادائگی محصولات کے بند کرنے کے لئے تیار نہیں۔ ابھی تک انہوں نے اپنے اوپر قابو رکھنے کا سبق کافی طور سے نہیں سیکھا ہے اگر مجھے ان کی طرف سے عدم تشدد کا یقین ہوتا تو آج اُن سے کہدیتا کہ ٹیکس کی ادائگی بند کردیں اور ہرگز قوم کے وقت کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ کرتا۔ ہندوستان کی آزادی کا مجھے عشق ہے۔ اسلام کی آزادی بھی مجھے اسی قدر محبوب ہے لہذا اگر مجھے یہ معلوم ہوجائے کہ تمام پروگرام کا نفاذ ایک ساتھ ہوسکتا ہے تو میں ایسا کرنے میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہ کروں گا۔

عدم تعاون پُرامن کیوں ہو

اس مجمع میں مقدس اور پیارے لیڈران کی چہرے نہ دیکھ کر مجھے رنج ہوتا ہے۔ مسٹر بپن چندر پال اور سرسریندر ناتھ بنرجی جنہوں نے ملک کی بیشمار خدمات انجام دی ہیں آج اُن کی بانسری کی طرح گونجنے والی آواز یہاں موجود نہیں۔ اگرچہ ہم قطب شمالی اور قطب جنوبی کی طرح ایک دوسرے سے جُدا کھڑے ہوئے ہیں اور گوکہ ہمارے اور مسٹر سریندر ناتھ بنرجی کے درمیان اختلافات ہیں تاہم ہم کو چاہیئے کہ ان اختلافات کو اپنی طبیعتوں پر قابو رکھتے ہوئے ظاہر کریں۔ میں آپسے یہ نہیں کہتا کہ آپ اصول میں سے ایک شمہ برابر بھی ترک کردیں، میں توصرف اقوال وافعال میں عدم تشدد کو ملحوظ رکھنے پر زور دیتا ہوں، اگر عدم تشدد گورنمنٹ کے ساتھ ہمارے کاروائیوں میں ضروری ہے تو یہ اپنے لیڈروں کے ساتھ برتاؤ کرنے میں اس سے بھی کہیں زیادہ ضروری ہے۔ تشدد کی بعض تازہ ترین مثالوں کو سُنکر جنکے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ مشرقی بنگال میں خاص اپنے آدمیوں کے ساتھ تشدد کو روا رکھا گیا، مجھے بیحد تکلیف ہوئی۔ مجھے یہ سُنکر بہت دُکھ پہونچا ہے کہ ایک شخص جس نے تازہ انتخابات میں رائے دی تھی اسکے کان کاٹ دیے گئے اور ایک شخص جو بحیثیت امیدوار کے کھڑا ہوا تھا اسکے بستر پر گندگی پھینکی گئی۔ عدم تعاون اس طرح کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ یہ تحریک اسوقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک کہ ہم مکمل آزادی کی فضا پیدا نہ کریں اور اپنے مخالف کی آزادی کی بھی اتنی ہی قدر کریں جتنی کہ اپنی آزادی کی کرتے ہیں۔ عقیدہ، ضمیر، خیال اور عمل کی آزادی کا جسقدر ہم مطالبہ کرتے ہیں اُسی قدر دوسروں کو بھی دینا چاہیئے عدم تعاون تزکیۂ عمل ہے۔ ہم کو اپنے مخالفین کے دل ودماغ اور جذبات کو چھونے کی متواتر کوشش کرنی چاہیئے لیکن انکے جسموں کو ہرگز ہاتھ نہ لگانا چاہیئے۔ ہمارے چال چلن کا اصل الاصول ترتیب باضابطگی اور اپنے اوپر قابو رکھنا ہے اور میں ظالمانہ سوشیل بائیکاٹ کے خلاف آپ کو تنبیہ کرتا ہوں۔ مجھے یہ سُنکر دلی صدمہ پہونچا کہ دہلی میں ایک مردہ نعش کے ساتھ بے حرمتی کیگئی اور اگر یہ فعل پیروان عدم تعاون کا تھا تو میں محسوس کرتا ہوں کہ انہوں نے اپنے آپ و نیز اپنے نصب العین کو بے عزتی کا دھبہ لگایا۔ میں پھر اسکا اعادہ کرتا ہوں کہ تشدد کے ذریعہ ہم اپنے ملک کو نجات نہیں دلا سکتے۔

سوراج ایک سال کے اندر

یہ کوئی مذاق نہ تھا جب کانگریس پلیٹ فارم پر میں نے یہ کہا تھا اگر قوم نے کافی لبیک کہا تو سوراج ایک سال کے اندر قائم ہوسکیگا۔ اس سال کے تین مہینے گذر چکے ہیں۔ اگر ہم نمک حلال ہیں، اگر ہم قوم کے وفادار رہیں، اگر ہم قومی ترانوں کی سچائی کو سمجھتے ہیں، اور اگر ہم بھگوت گیتا اور قرآن کے ساتھ وفاداری کرنا چاہتے ہیں تو ہم باقی ماندہ نو ماہ کے اندر اندر پروگرام کو ختم کردینگے اور اسلام، پنجاب اور ہندوستان کو نجات دلا دینگے۔

میں نے ایک محدود پروگرام تجویز کیا ہے جسپر ایک سال میں عملدرآمد ہوسکتا ہے اور جسمیں تعلیم یافتہ جماعتوں کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں نے شش وپنج میں ڈال رکھا ہے کہ بغیر کونسلوں، عدالتوں اور سرکاری اسکولوں کے زندہ رہنا ممکن نہیں جسوقت ہم اس دھوکہ سے نکلجائینگے اُسی وقت سوراج حاصل ہوجائیگا۔ یہ بات حکومت اور محکوم دونوں کے لئے مخرب اخلاق ہے کہ ایک لاکھ باہر سے آئے ہوئے تیس کروڑ انسانوں کی قوم سے مطلق العنانی کے ساتھ شرائط منوائیں اور اس طرح شرائط منوانے کا سبب کیا ہے؟ اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم میں نفاق ہوگیا اور انہوں نے حکومت کی۔ میں ہیومس لکے اس صاف اقبال کو نہیں بھولا ہوں کہ برطانی حکومت "نفاق ڈلواکر حکومت کرو" کی پالیسی سے قائم رہی ہے۔ لہذا یہی وجہ ہے کہ میں نے ہندو مسلم اتحاد پر اتنا زور دیا ہے جو عدم تعاون کی کامیابی کا سبب زبردست اور اہم لازمہ ہے لیکن یہ اتحاد زبانی لیپاپوتی یا بنیا اتحاد کی مانند نہ ہونا چاہئے بلکہ ایک ایسا اتحاد ہونا چاہئے جو ایک دوسرے کے جذبات کو تسلیم کرنے پر قائم ہو۔ اگر ہم ہندو مذہب کو بچانا چاہتے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ خدا کے واسطے مسلمانوں سے سودا چکانے کی جستجو مت کرو۔ میں ان مہینوں میں مولانا شوکت علی کے ساتھ اِدھر اُدھر گھوما ہوں لیکن گائے کے تحفظ کے متعلق میں نے کبھی اُن سے کانا پھوسی نہیں کی۔ میں نے علی برادران سے باعزت اتحاد کیا ہے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ میری عزت میں کوئی فرق نہیں آیا اور نہ ہندو مذہب کی عزت میں کوئی فرق آیا ہے۔ اور اگر ہندو مذہب میں باعزت ہونے کی کمی نہیں ہے تو مسلمانان ہند کے ساتھ اپنے فرائض کو پورا کریگا کسی قسم کا سودا چکانا ہمارے لئے باعث توہین ہوگا۔ روشنی سے روشنی ہی پھیلتی ہے تاریکی نہیں آتی اور اگر کسی نیک مقصد کے ساتھ کوئی شریفانہ کام کیا جاوے تو اسکا دوگونہ اجر ملے گا۔ گائے کی حفاظت صرف خدا کرسکتا ہے۔ آج مجھ سے یہ سوال مت کرو کہ "گائے کے متعلق کیا کہتے ہو" بلکہ یہ سوال اُسوقت کرنا جب ہندوستان کے ذریعہ سے اسلام کا استحکام ہوجاوے۔ راجاؤں سے پوچھو کہ وہ اپنے انگریز مہمانوں کی ضیافت کس طرح کرتے ہیں؟ کیا وہ اپنے مہمانوں کیلئے گائے کا گوشت اور شراب مہیا نہیں کرتے؟ پہلے ان کو گاؤکشی بند کرنے پر مائل کرو اور پھر مسلمانوں سے سودا چکانے کا خیال کرنا۔ ہاں یہ تو بتاؤ کہ خود ہم ہندو گائے اور اسکی نسل کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہیں؟ کیا اس کے ساتھ ہمارا برتاؤ ایسا ہی ہے جیسا کہ مذہب چاہتا ہے؟ جبتک کہ ہم اپنے گھر کا انتظام درست نکرینگے اور انگریزوں سے گائے کو نہ بچائینگے اُسوقت تک ہمیں کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ گائے کی جانب سے مسلمانوں کے ساتھ حجت کریں۔ مسلمانوں سے گائے کو

بچانیکا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ان کے مصیبت کے وقت میں بغیر کسی شرط کے ان کی امداد کیجاوے۔

(پنجاب کا سبق)

اس طرح پنجاب کے سلسلہ میں ہمارے فرائض کیا ہیں؟ امرتسر میں ایک گرد آلودگلی کے اندر ایک پنجابی کا پیٹ کے بل مجبوراً رینگنا یہ معنی رکھتا ہے کہ تمام ہندوستان کو پیٹ کے بل رینگایا گیا۔ ایک گستاخ افسر نے سیالکوالہ کی بیگناہ عورتوں کو بے نقاب کرکے تمام ہندوستان کی صنف نازک کو بے نقاب کیا ہے۔ پنجاب میں مارشل لا کے رقبہ کے اندر متعینہ مقامات پر اسکول کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو ایک دن میں چار مرتبہ پھرا کر اور یونین جیک کی سلامی دلوا کر تمام ہندوستانی بچوں کی بے عزتی کی گئی۔ اس حکم سے ۷ سالہ دو بچے تمازت آفتاب کے صدمہ سے جان بحق تسلیم ہوئے۔ میری رائے میں جبتک کہ گورنمنٹ ان جرائم کی آلودگی سے اپنے تئیں پاک نہ کرے اسوقت تک سرکاری اسکولوں یا کالجوں میں تعلیم پانا جو اسکے زیر عاطفت چلائے جا رہے ہوں گناہ ہے۔ جب ہم یہ یاد کرتے ہیں کہ پنجاب کی عدالتوں کے ذریعہ بے گناہ انسانوں کو قید خانہ اور پھانسی کی سزا دیگئی تو اس وقت سرکاری عدالتوں میں خودداری قائم رکھتے ہوئے ہم مقدمات کی پیروی نہیں کر سکتے اگر ہم بخوشی گورنمنٹ کی امداد کریں یا اسکی امداد حاصل کریں تو ہم بھی گورنمنٹ کے جرائم میں حصہ دار ہونگے۔

ہندوستان کی عورتوں نے بغیر کسی دلیل کے اس جنگ کی روحانی نوعیت کو سمجھ لیا ہے۔ پُرامن عدم تعاون کے پیغام کو سُننے کے لئے ہزارہا عورتیں جلسوں میں شریک ہوئیں، اور سوراج کو ترقی دینے کے لئے انھوں نے اپنے بیش قیمت زیورات مجھے دیے۔ کیا پھر بھی یہ کوئی تعجب کی بات ہے اگر میں ان تمام حیرت انگیز مظاہرات کے بعد ایک سال کے اندر سوراج حاصل کرنے کے امکان کا یقین کرلوں؟ اگر میں ہندوستان کی مستورات کی لبیک کو کم سمجھوں تو میں خدا پر کم بھروسہ رکھنے کا مجرم ہونگا۔ میں امید کرتا ہوں کہ طلبا اپنے فرائض انجام دینگے۔ وکلا جنہوں نے اسوقت تک پبلک ایجی ٹیشن کی رہنمائی کی ہے ان سے ملک کو پوری امید ہے کہ وہ اس نئی بیداری کو تسلیم کر لینگے۔

(نتیجہ)

میں نے سخت الفاظ ضرور استعمال کئے ہیں لیکن پورے غور و خوض کے بعد ایسا کیا ہے مجھے کسی انتقامی جذبہ نے نہیں اُکسایا۔ میں انگریزوں کو اپنا دشمن نہیں سمجھتا میں اُن میں سے بہت سوں کی قدر جانتا ہوں مجھے بہت سے انگریزوں سے دوستی کا شرف حاصل ہے لیکن انگریزی حکومت کا جیسی کہ اسوقت موجود ہے میں جانی دشمن ہوں اور اگر ایک انسان کی عبادت کی طاقت اس حکومت کو فنا کر سکتی تو میں اگر اس میں ترمیم نہ کر سکتا تو ضرور تباہ کر دیتا۔ ایک ایسی سلطنت جو ناانصافی اور وعدہ شکنی پر قائم ہو اگر وہ اپنی حرکات پر منفعل نہ ہو تو اسکو قائم رہنے کا کوئی استحقاق نہیں۔ اور عدم تعاون صرف اسی غرض سے وضع کیا گیا ہے کہ وہ قوم کو انصاف حاصل کرنیکے قابل بنا دے۔

میں امید کرتا ہوں کہ بنگال اس تزکیہ نفس کی تحریک میں اپنی مناسب جگہ لیگا۔ بنگال نے سودیشی اور قومی تعلیم کو اسوقت اختیار کیا تھا جبکہ باقیماندہ ملک خواب گراں میں مدہوش تھا۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ تزکیہ نفس اور ذاتی قربانی کے ذریعہ سے حصول سوراج مسئلہ خلافت اور پنجاب کے معاملات میں انصاف حاصل کرنے کے لئے بنگال اس تحریک میں سب سے آگے رہیگا۔

ہندوستان اُسوقت تک اپنی کھوئی ہوئی عزت اور آزادی دوبارہ حاصل نہیں کرسکتا جب تک کہ وہ عدم تعاون کی آواز پر لبیک کہنے کیلئے تیار نہ ہوگا

(نئی پیدائش کا دور) ینگ انڈیا۔ ۲ فروری ۱۹۲۱ء

(طلبا رکے عظیم الشان جلسہ منعقدہ مرزاپور پارک کلکتہ میں مہاتما گاندھی نے حسب ذیل ولولہ انگیز تقریر فرمائی)

تیاسے سے ... اور میرے دوستو! میں بنگال کے طلبا رکو ان کے اس التیاسے پر مبارکباد دیتا ہوں جو انہوں نے ملک کی آواز پر کہا ہے۔ میں جانتا تھا کہ کلکتہ کے طلبا اپنی رہبری کے لئے میرے دوست مسٹر سی، آر، داس کا انتظار کر رہے تھے۔ میں ان کو اس رہبری پر مبارکباد دیتا ہوں اور آپ کو بھی مبارکباد دیتا ہوں کہ آپنے انکی رہنمائی کی تقلید کی لیکن آپ بھی جانتے ہیں اور میں بھی جانتا ہوں کہ آپ کے لئے وتیز مسٹر سی، آر، داس کے لئے کام ابھی ابھی شروع ہوا ہے۔ ہم ایک جدید پیدائش کے دور میں مبتلا ہیں اور ان مشکلات اور بے چینیوں کا تجربہ کر رہے جو کہ ایک جدید پیدائش کے موقعہ پر رونما ہوتی ہیں۔ مسٹر سی، آر، داس کے یا ہندوستان کے لئے آپ کا کالجوں کو خالی کر دینا ہی کفایت نہ کریگا نہایت ضروری ہے کہ آپ لوگ ان کالجوں یا اسکولوں میں دوبارہ نجائیں جن کو آپ نے خیرباد کہا ہے اور مسٹر سی، آر، داس کیلئے ضروری ہے کہ وہ اس آزمائش کی مدت کے اور تزکیہ نفس کے وقت کیلئے آپ کے واسطے کوئی کام تلاش کریں۔

(واحد طریقہ کار)

اب مسٹر داس اور آپ کے لئے ضروری ہوگیا ہے کہ سر جوڑ کر ایسا ذریعہ تجویز کریں جو آپ کے شروع کردہ کام کو مکمل کرسکے۔ بہرکیف آپ لوگوں نے بحیثیت طلبا رکے گورنمنٹ اور گورنمنٹ کے امدادی مدارس سے دست کش ہوکر اپنا کام پایۂ تکمیل کو پہونچا دیا ہے لیکن اس کام کو قائم اور جاری رکھنے کیلئے و نیز حصول سوراج میں آپ کی خدمات کو ساز بنانے کی غرض سے طریقوں اور ذریعوں کا معلوم کرنا ضروری ہے اور میں آپ سے بیان نہیں کرسکتا کہ مجھے اس واقعہ سے کتنا

پہنچ پہونچتا ہے کہ طالب علموں کی دُنیا نے تو ملک کی آواز پر اتنا شریفانہ لبّیک کہا لیکن بنگال کی تعلیمی انجمنوں کے پروفیسروں، ماہرین تعلیم اور ٹرسٹیوں نے عنان رہبری اپنے ہاتھ میں نہ لی جوان کو لینی چاہیئے تھی۔ اس حقیقت پر آپ کی و نیز ان لوگوں کی توجہ مبذول کرا کر میری یہ خواہش نہیں ہے کہ یہ مفہوم سمجھا جائے کہ میں اُنپر یا اُنکی حب الوطنی پر کوئی عکس ڈال رہا ہوں میں جانتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ یہ حضرات بدرجہ یقین سمجھتے ہیں کہ آپ لوگوں نے غلطی کی ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ یقین رکھتے ہیں کہ مسٹر داس نے آپ لوگوں کو آپکے ضمیر کے پس پشت پناہ لینے سے باز رکھکر اور ملک کی آواز پر لبیک کہلوا کر غلطی کی ہے۔ اُن کو یقین ہے کہ میں ملک کے سامنے عدم تعاون پیش کرنے میں بڑی سخت غلطی پر ہوں اور وہ خلوص کے ساتھ اس امر پر بھی یقین رکھتے ہیں کہ طلبا سے گورنمنٹ کی درسگاہوں کا بائیکاٹ کرا کر میں نے اس سے بھی زیادہ تر غلطی کی ہے

لیکن اس تمام تجربہ کے باوجود جس میں کو ہو کر میں گذرا ہوں، اُن تمام باتوں کے باوجود جنکو میں سنتا ہوں او پڑھتا ہوں، نیز اس تمام ادب کے باوجود جو میں اپنے بزرگوں اور لیڈروں کا ملحوظ رکھتا ہوں میں یہاں آپکے سامنے اس امر کا اعتراف کرنے آیا ہوں کہ میں اس تدبیر کی صحت کے متعلق جو میں نے ملک کے لئے تجویز کی ہے پیشتر سے زیادہ یقین رکھتا ہوں مجھے پہلے سے زیادہ اب اس بات کا یقین ہے کہ اگر ہم اپنی پسند کا سوراج قائم کرنا چاہتے ہیں، اگر ہم ہندوستان کی کھوئی ہوئی عزت کو دوبارہ حاصل کرنا چاہتے ہیں، اگر ہم اسلام کی عزت کو جو اسوقت میزان میں لرز رہی ہے بار دگر حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمارے لئے قطعًا ضروری ہے کہ موجودہ حکومت سے کہدیں کہ اسکو ہم سے کوئی مدد نہ ملیگی اور نہ ہم ایک ایسی گورنمنٹ سے کسی قسم کی مدد چاہینگے جس نے اپنا اعتماد زائل کر دیا میں جانتا ہوں کہ جو لوگ شکی مزاج ہیں وہ مجھ سے یا خود آپ سے یہ کہینگے کہ ایسے پلیٹ فارم سے اس قسم کی باتیں تو پہلے ہی بہت سُنی ہیں۔ یہ سچ ہے لیکن ماکس ملر نے سنسکرت کی ایک کہاوت کو دوسرے الفاظ میں ہمپر اس طرح ظاہر کیا ہے۔ صداقت بار بار ظاہر ہوتی ہے حتیٰ کہ وہ اپنے مقام پر پہونچ جاتی ہے۔ میں اس صداقت کو بار بار اپنے ہموطنوں کے کانوں میں دُہرانا چاہتا ہوں میں اسکو اپنے لیڈران کے سامنے بھی دُہرانا چاہتا ہوں یہانتک کہ یہ اپنے مقام پر پہونچ جائے یعنی یہ لوگ اسپر لبیک کہیں۔ میں اسی بات کو پھر آپ کے سامنے دُہرانے آیا ہوں جسکو میں نے بہت سے پلیٹ فارموں سے کہا ہے کہ ہندوستان اپنی کھوئی ہوئی عزت اور ضائع کردہ آزادی اُسوقت تک دوبارہ حاصل نہیں کر سکتا جبتک کہ وہ عدم تعاون کی آواز پر لبیک نہ کہیگا۔ ہندوستانیوں کے لئے موجودہ حالت میں یہ ممکن نہیں کہ وہ کسی دوسری شرائط پر اس زبردست گورنمنٹ سے جنگ کر سکیں۔

(عدم تعاون کی پیدائش)

عدم تعاون نے ہر ہندوستانی کے مغز میں نشو و نما پائی ہے اور اگر آپ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ عدم تعاون کی آواز پر لکھو کھا اور کروڑ ہا آدمیوں نے اس قدر لبیک کیوں کہا جتنا کہ انہوں نے کبھی کسی آواز پر نہیں کہا تو اسکی وجہ یہ نہیں ہے کہ میں نے اس آواز کو اٹھایا ہے۔ عدم تعاون انہیں کے اندر پیدا ہوا اور انہیں کے اندر اس نے نشو و نما پائی ہے یہ ہر مذہب کا ایک جزو ہے۔ یہ ہندو مذہب کا ایک جزو ہے۔ یہ اسلام کا ایک جزو ہے یہی وجہ ہے

کہ اگرچہ ہم پستی میں پڑے ہوئے ہیں اور اپنے آپ کو بے یار و مددگار محسوس کرتے ہیں لیکن عدم تعاون نے ہمیں اس طویل خواب گراں سے بیدار کر دیا۔ عدم تعاون نے ہم میں بھروسہ پیدا کیا، ہمت دی، امید اور طاقت بخشی۔

(شک و انکار کے وجوہ)

اور اگر ہمارے رہنماؤں نے عدم تعاون پر لبیک نہیں کہا ہے تو پھر مجھے نہایت انکساری کے ساتھ کہنے دیجئے کہ وہ شکی اور انکار پسند طبیعت کے لوگ ہیں۔ اُن میں وہ مذہبی آگ نہیں جو عوام الناس میں موجود ہے۔ وہ موجودہ تہذیب یا دوسرے الفاظ میں مغربی تہذیب میں سرشار ہو گئے ہیں۔ میں نے مغربی تہذیب کا لفظ استعمال کیا ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ اس شام کے جلسہ میں آپ اور میں ان دونوں کا امتیاز سمجھ جائیں۔ میں اس بات کو صاف کرنا چاہتا ہوں کہ مجھے مغرب سے نفرت نہیں ہے۔ بلکہ بہت سی باتوں میں میں مغرب کا شکر گذار ہوں۔ میں نے مغربی علم ادب سے سبق حاصل کیا ہے لیکن میں یہاں اس امر کا اعتراف کرنے آیا ہوں کہ میں موجودہ تہذیب کا شکر گذار ہوں کہ اس نے مجھے یہ سکھایا ہے کہ اگر میں ہندوستان کو اسکی پوری بلندی پر پہونچانا چاہتا ہوں تو مجھے اپنے ہموطنوں سے صاف طور پر کہدینا چاہئے کہ موجودہ تہذیب کے سالہا سال کے تجربہ کے بعد میں نے اس سے ایک سبق حاصل کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم کو بہر صورت اس سے کنارہ کشی اختیار کر لینی چاہئے۔ یہ موجودہ تہذیب کیا ہے؟ مادہ پرستی اور نفس امارہ کی اطاعت۔ یہ بغیر آمیزش کی مادیت ہے اور اگر موجودہ تہذیب کو ہر قدم پر مادی تہذیب کی فتح حاصل کرنے کا خیال ہو تو وہ عدم کے برابر ہے۔

(موجودہ تہذیب)

اگر میں اپنے ملک کو نہ جانتا ہوتا، اگر مجھے عوام الناس کے قلوب سے واقفیت نہ ہوتی تو میں بھی غلطی کرتا اور گمراہ ہو جاتا جیسا کہ میں ہندوستان کے تعلیم یافتہ لوگوں کے متعلق کہتا ہوں کہ وہ گمراہ ہو گئے ہیں۔ میرے ہموطنو! آپ لوگ جانتے ہیں کہ میں بتیس سال کے عرصہ سے موجودہ سرگرمیوں میں پھنسا ہوا ہوں۔ میں ایک ایسے ملک میں رہ چکا ہوں جس نے ہر جدید چیز کی نقل کی ہے۔ میں ایک ایسے ملک میں زندگی بسر کر چکا ہوں جو نئی زندگی کیلئے بیچین ہے۔ جنوبی افریقہ میں روئے زمین کے بعض بہادر ترین انسان موجود ہیں اور میں دیکھ چکا ہوں کہ اس قوم نے موجودہ تہذیب کا اپنے اوپر پورا عمل درآمد کر لیا ہے لیکن اے بنگال کے نوجوانوں اور میرے تعلیمیافتہ رہنماؤں! میں آپ سے یہاں یہ کہنے آیا ہوں کہ موجودہ تہذیب کے تجربہ نے مجھے ۱۹۰۸ء میں بڑے زور دار الفاظ میں کہا تھا "اے خدا تو ہندوستان کو موجودہ تہذیب کی لعنت سے محفوظ رکھنا" یہ سبق میں جنوبی افریقہ میں سیکھ چکا ہوں۔ ۱۹۰۸ء سے میں اس سبق کی تقلید کر رہا ہوں اور یہ پرانی تہذیب پر بھروسہ رکھنے، اپنی سادگی پر اعتماد کرنے اور ہر ہندوستانی (عام اسکے کہ وہ ہندو ہو یا مسلمان عیسائی ہو یا پارسی یا یہودی) کی پیدائشی مذہبی عقل پر یقین رکھنے کا ہی نتیجہ ہے جو میں مضحکہ خیزی، انکار و مخالفت کے تاریک ایام میں مستقل مزاجی کے ساتھ اپنے اصول پر قائم رہا۔

(مذہبی جنگ)

میں جانتا ہوں کہ مخالفت آج بھی آپ کے و نیز میرے چہرہ کو گھور رہی ہے لیکن ہم نے ابھی ابھی کام شروع کیا ہے - اور یہ سچ ہے کہ اگر ہم اس جنگ عظیم کو جسکو گذشتہ سال ماہ ستمبر میں کلکتہ کے باشندوں نے شروع کیا تھا فتح کرنا چاہتے ہیں تو ہم کو اُسی پورے اعتماد کے ساتھ اسکو جاری رکھنا چاہیئے جس اعتماد کے ساتھ اسکو شروع کیا تھا میں آپ صاحبان کے سامنے جنہوں نے موجودہ روایات کے آغوش میں پرورش پائی ہے اور جو موجودہ مصنفین کی تصانیف سے بہرہ اندوز ہوئے ہیں تو میں یہ بات کہنے میں ندامت محسوس نہیں کرتا کہ یہ مذہبی جنگ ہے میں اس امر کا اعادہ کرنے سے بھی شرمندگی محسوس نہیں کرتا کہ یہ سیاسی نقطۂ نگاہ میں انقلاب پیدا کرنے اور اپنی سیاسیات میں روحانیت کا رنگ جمانے کی جدوجہد ہے اور ہمیں جسقدر زیادہ کامیابی حاصل کرینگے اُسی قدر زیادہ اپنے منزل کی طرف پیش قدمی کرینگے - اور چونکہ میں یہ یقین رکھتا ہوں کہ ہندوستان کا دماغ اب تیار ہے اور موجودہ شکل میں برطانوی جوئے سے تھک گیا ہے لہذا میں جرأت کے ساتھ کہتا ہوں کہ سوراج ایک سال میں حاصل ہو سکتا ہے -

(سوراج ۸ ماہ کے اندر)

اس ایک سال کے چار مہینے گذر چکے ہیں اور میرا اعتماد اتنا کبھی روشن نہیں ہوا جتنا آج اس شب کو جبکہ میں آج آپ نوجوانان بنگال کے سامنے تقریر کر رہا ہوں روشن ہوا ہے - آپ نے میری امیدوں کو زیادہ مضبوط میری ہمت کو زیادہ بلند، اور میری قوت کو زیادہ مستحکم کر دیا ہے - ایشور کرے کہ شوکت علی محمد علی اور میں سوراج کا جھنڈا اس سال کے اندر اندر نصب کرنیکے لئے زندہ رہیں اور اگر ایشور کی مرضی یہ ہے کہ اس سال کے ۸ ماہ گذرنے سے پیشتر ہی میری راکھ گنگا کے پانی کے سپرد کر دیجائے تو میں اس یقین کو اپنے پہلو میں لے کر مرونگا کہ آپ اس سال کے ختم ہونے سے پہلے پہلے سوراج حاصل کرنیکی کوشش کریں گے -

یہ اتنا مشکل نہیں ہے جتنا کہ آپ خیال کرتے ہیں دشواری مضمر ہمارے یقین کے اندر پوشیدہ ہے - ہمارا یہ یقین سوراج کا سبق کونسل کے ایوانکے اندر حاصل کیا جاسکتا ہے اصل دشواری ہے - نیز دشواری اس امر میں مضمر ہے کہ ہم یقین کرتے ہیں کہ تاوقتیکہ ہم ۱۶ سال کے تعلیمی زمانہ سے نہ گذر جاویں ہم سوراج حاصل نہیں کر سکتے لہذا اگر ہمارا یقین مذکورہ بالا تمام باتوں پر قائم رہا تو میں اس امر کا اعتراف کرتا ہوں کہ ہمیں آزاد ہونگا کہ سوراج حاصل کرنیکے لئے ہمیں کامل ایک صدی کی ضرورت ہے لیکن چونکہ مجھے یہ یقین ہے کہ ہمیں ان چیزوں کی ضرورت نہیں بلکہ محض اعتماد، ہمت اور قوت درکار ہے و نیز یہ کہ عوام الناس میں اب یہ تمام باتیں موجود ہیں لہذا میں یقین کرتا ہوں کہ سوراج کا اسی سال کے اندر حاصل ہونا ممکن ہے -

(ہندوستان اور عوام الناس)

کانگریس کی اپیل کا کیا مطلب ہے؟ کانگریس کی اپیل کا یہ مطلب ہے کہ میرے اور آپکے و نیز تمام تعلیمیافتہ

ہندوستان اور ہندوستان کی تمام تجارت پیشہ جماعت جو ہندوستان کے کروڑہا انسانوں کی سمندر میں ایک قطرہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ و نیز صنعت و حرفت اور زراعت پیشہ اصحاب کے سامنے ایک آزمائش کی چیز رکھدی گئی ہے اور آپ میرا یقین کیجئے کہ کانگریس اگر ممکن ہوا تو آپ کی امداد سے ورنہ آپکی امداد بغیر ہندوستان کو علیحدہ کریگی اور گستاخ ہاتھوں سے سوراج چھین کر آزادی کا جھنڈا خود نصب کردیگی تعلیم یافتہ طبقہ ہی میں سارے ہندوستان کا نچوڑ نہیں ہے اگر تمام تعلیمیافتہ طبقہ منکر ہوجائے اور امید، اعتماد، ہمت اور قوت کو خیر باد کہدے پھر بھی ہندوستان کی امید برقرار رہ سکتی ہے۔ یہی اعتماد ہے جس نے مجھے مستقل مزاج بنا رکھا ہے لیکن اگر طلبہ کی دنیا اور بالخصوص بنگال کے طالب علم اپنے عہد پر ثابت قدم رہے تو میں امید کرتا ہوں کہ بنگال و نیز تمام ہندوستان کے پروفیسر، ٹرسٹی اور ماہرین تعلیم اس آواز پر لبیک کہینگے اور آپ انکی بددلی کے موسم سرما کو امید کے موسم گرما میں تبدیل کردینگے۔

اے بنگال کے نونہالو! میں آپ سے کہتا ہوں کہ نتائج کی پرواہ کئے بغیر آپ اپنے فیصلہ پر کاربند رہیں میں جانتا ہوں کہ مسٹر سی، آر، داس اپنے وعدہ پر ثابت قدم رہنا چاہتے ہیں۔ ایک مالدار بنگالی نے اُن سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انکو دس ہزار روپیہ فی الحال دیگا اور دس ہزار سالانہ کا چندہ دیتا رہیگا۔ کلکتہ میں مستقل طور پر بود و باش اختیار کرنیوالے بعض مارواڑیوں نے بھی ان سے وعدے کئے ہیں اور مالی مشکلات کا جہانتک تعلق ہے اور بہت سے وعدے بھی ہوئے ہیں لیکن مالی مشکلات تو بہت ہی چھوٹی سی چیز ہے۔ مسٹر سی، آر، داس کو کالج قائم کرنے کے لئے ایک جگہ بھی تلاش کرنی ہے اُن کو اچھے پروفیسر بھی حاصل کرنے ہیں۔ میں عدم تعاون کرنیوالے آپ طلبا سے کہتا ہوں کہ اُسی پرانے معیار تعلیم کو پیش نظر نہ رکھیں۔ کیونکہ وہ سوراج جو ہمارے ذہن میں ہے، موجودہ نظام حکومت کی ذلیل نقل نہ ہونی چاہئے لہذا آپ کو براہ عنایت یہ دیکھنا ہوگا کہ آپ کا جدید کالج اُن کالجوں کی ذلیل نقل نہ ہو جو اب موجود ہے۔ آپ کو اینٹ اور چمکدار پتھروں پر نظر نہ ڈالنی چاہئے۔ نہ آپ کو تعلیم حاصل کرنے کیلئے بنچوں اور کرسیوں کی پرواہ کرنی چاہئے۔ آپ کو تو صرف اخلاق کی طرف نظر ڈالنی ہوگی اور اپنے پروفیسروں اور اُستادوں کے خالص اخلاق سے سبق سیکھنا ہوگا۔ آپ کو خود ضروری قوت اور تعلیم حاصل کرنیکے لئے اپنے عزم کا اظہار کرنا پڑیگا اور پھر میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کو ناامیدی نہ ہوگی لیکن اگر آپ یہ یقین کرتے ہیں کہ مسٹر سی، آر، داس آپ کے لئے عمدہ عمارتوں کا انتظام کرینگے یا ہر قسم کا آرام و آسائش مہیا کرینگے جسکے آپ ابتک عادی ہیں تو آپ کو یقیناً مایوس ہونا پڑیگا۔

(ایک نیا پیغام)

میں اس شام کے جلسہ میں ایک نیا پیغام جو زیادہ بہتر بھی ہے پیش کرنے آیا ہوں۔ اگر آپ یہ ارادہ کرچکے ہیں کہ بارہ ماہ کے اندر سوراج حاصل کرلینگے۔ اور اگر آپ یہ بھی طے کرچکے ہیں کہ ایک سال کے اندر سوراج حاصل کرنے میں آپ امداد دینگے تو میں آپ سے مطالبہ کرتا ہوں کہ آپ ان لوگوں کے راستہ کو زیادہ آسان اور زیادہ صاف کردیں گے جنہوں نے میرے مشورہ کو مان کر اپنی زندگیوں کو حصول سوراج کے لئے وقف کردیا ہے۔ اگر آپ یہ یقین رکھتے ہیں کہ

اسکولوں اور کالجوں کو اس طریقہ پر جاری رکھکر جیسا کہ وہ کالج اور اسکول چلائے جارہے ہیں جبکہ آپنے خیرباد کہا ہے کچھ حاصل ہوسکتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ آپ افسوسناک غلطی کررہے ہیں۔ دنیا میں آج تک کسی ملک نے مشکلات تکلیف اور قربانی کے بغیر آزادی یا نئی زندگی حاصل نہیں کی لیکن کیا آپ کو معلوم ہے کہ قربانی کسے کہتے ہیں؟ میں نے اپنی جوانی کے زمانہ میں قربانی کے صحیح معنی مقدس اور پاک بنانا سیکھے تھے۔ عدم تعاون تزکیۂ نفس کا ایک طریقہ ہے اور اگر معمولی دستور العمل میں صفائی پیدا کرنیکی خاطر کسی قسم کی ترمیم و تنسیخ کی ضرورت ہو تو فوراً عدم تعاون کو عمل میں لانا چاہئے اگر مجھے بنگال سے کچھ بھی واقفیت ہے تو میں جانتا ہوں کہ آپ اس سے جی نہ چرائینگے اور اس پر لبیک کہینگے۔

(کاتنے کا فرض)

ہماری تعلیم دو باتوں میں بہت زیادہ ناقص رہی ہے جن لوگوں نے نصاب تعلیم مرتب کیا وہ جسمانی اور روحانی تربیت کو بھول گئے۔ آپ روح کی تعلیم حاصل نہیں کررہے ہیں۔ عدم تعاون اسکے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ اس برائی سے وسعت کشی اختیار کرلی جائے جو موجودہ گورنمنٹ کررہی ہے اور اسکو جاری رکھنا چاہتی ہے۔ اور اگر ہم برائی سے دانستہ اور غور و خوض کے بعد دست بردار ہورہے ہیں تو اسکے یہ معنی ہیں کہ ہم خدا کی سمت کی طرف مُنہ کئے جارہے ہیں۔ اس سے روح کی تربیت شروع ہوتی ہے اور مکمل ہوتی ہے لیکن یہ دیکھئے کہ ہماری جسمانی تعلیم نظر انداز کردی گئی اور یہ دیکھ کر کہ چونکہ ہندوستان چرخہ کو بھول گیا اسلئے وہ غلام بنالیا گیا۔ تبھی آپ نوجوانان بنگال کے سامنے یہ بات پیش کرنے میں کوئی باک نہیں کہ آپ چرخہ کو اختیار کرلیں اور اس آزمائش کے سال میں آپ کی خاص تعلیم اور خاص مقصد یہ ہونا چاہئے کہ چرخہ کاتنا سیکھیں اور جسقدر ممکن ہوسکے سوت مہیا کریں۔ آپ کی معمولی تعلیم اُسوقت شروع ہونی چاہئے جبکہ آپ سوراج قائم کردیں لیکن بنگال کے ہر نوجوان مرد اور عورت کو اپنا مقدس فرض سمجھنا چاہئے کہ وہ اپنا تمام وقت اور طاقت چرخہ کاتنے میں صرف کرے

(جنگی خدمات)

آپ میں سے اکثر لوگوں کو یہ یاد ہوگا کہ انگلستان میں جنگ کے زمانہ میں وہاں کے ہر لڑکے اور لڑکی نے اپنی تعلیم کو بند کردیا تھا اور جنگ کے ضروری کاموں میں لگا دئے گئے تھے وہ معمولی درزی کے کام میں مشغول کردئے گئے تھے اور پٹیاں تیار کرتے تھے۔ وہاں کو چھوڑئے خاص ہندوستان میں اُس زمانہ میں کیا ہورہا تھا مجھے بہت سے ایسے گھر یاد ہیں جہاں چھوٹے چھوٹے بچے جنگ کے کاموں میں لگا دئے گئے تھے اور جب میں نے کیرا کے نوجوانوں کو اُنکے والدین کی مرضی کے خلاف میدان جنگ میں لڑنے کا موقعہ بتایا تو گورنمنٹ نے میری سرگرمیوں کو پسندیدگی توجہ اور ہمدردی کی نظر سے دیکھا تھا۔ زمانہ بدل گیا ہے اور اب اُن نوجوانوں کو جنکے دوش پر سر ہے اور جن کے دلوں میں ضمیر ہے یہ کہنے کی وجہ ہے کہ تم اپنے والدین کے احکام کے مقابلہ میں بھی اپنی ضمیر کی آواز کی اطاعت کرو مجھے سرزنش کیجاتی ہے لیکن میں بنگال کے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں سے کہتا ہوں کہ اگر تمہاری آتما اور تمہاری ضمیر کی آواز تم سے

یہ کہتی ہے کہ اس آزمائش کے سال کے دوران میں تمہیں حصول سوراج کے لئے اپنا تمام وقت اور تمام قوت صَرف کر دینی
چاہیئے تو میری بات کا یقین کرو کہ غیر ملکی پارچہ جات یا غیر ملکی مال کا مکمل بائیکاٹ اُس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ
ہم ہر مرد و عورت اور ہر بچہ کو سوت کاتنے میں مشغول نہ کر دینگے۔ اس ۳۵ سال کی طویل مدت میں ہم نے کانگریس پلیٹ فارم
پر بہت سوت کاتا ہے اب ہم کو وہ سوت کاتنا چاہیئے جسکی حقیقتاً ہندوستان کو ضرورت ہے اور میں بتانا چاہتا ہوں کہ
اگر آپ بھوکے کو روٹی کھلانا اور ننگے کو کپڑا پہنانا چاہتے ہیں تو اس مشکل سے نجات حاصل کرنے کا صرف یہی ایک طریقہ
ہے کہ تمام ہندوستان سوت کاتے۔ اسلئے اے بنگال کے نوجوانوں میں آپ سے مطالبہ کرتا ہوں کہ اس تہمت کو منظور
کر لو جسکو میں نے آپ کے قدموں میں ڈالا ہے اگر ہم غیر ملکی کپڑے کا مکمل بائیکاٹ کر سکے تو پھر ہم دارالعوام کے ان
پچپن ممبران کی سرگرمیوں کو بیکار کر دینگے جو لنکا شائر کی طرف سے منتخب ہوتے ہیں اور بوالہوس جاپان بھی جسکی نظریں
ہندوستان پر لگی ہوئی ہیں اپنی سرگرمیوں میں ناکام رہیگا جیسا کہ کانگریس نے کہا ہے تم اُسوقت تک اقتصادی آزادی
حاصل نہیں کر سکتے جیسا تک کہ ہندوستان اپنے کپڑے اور خوردنی اشیاء کے مہیا کرنے میں دوسروں کا محتاج رہیگا
ہم ہر چیز کے بغیر زندہ رہ سکتے ہیں لیکن غذا اور کپڑے کے بغیر اپنا کام نہیں چلا سکتے۔ ہندوستان جیسا وسیع ملک
جسکی لمبائی ۱۹۰۰ میل اور چوڑائی ۱۵۰۰ میل ہے پُرانے ذرائع کو اختیار کئے بغیر اپنی ٹانگوں پر کھڑا نہیں ہو سکتا اگر آپ
یہ چاہتے ہیں کہ ان حرکات کا کفارہ کریں جو بنگال اور تمام ہندوستان نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے دوران حکومت میں
کی ہیں تو اسکے سوا کوئی دوسرا علاج یا کفارہ نہیں ہے کہ پُرانے فنون اور صنعت و حرفت کو دوبارہ زندہ کیا جائے اور ہندوستان
کیلئے کافی سوت مہیا کیا جائے تاکہ کپڑوں کا نرخ گھٹ جائے اور ہندوستان کو اپنی خاص ضرورتوں کیلئے غیر ممالک کا محتاج نہ ہونا پڑے

(اقتصادی ضرورت)

پس اے بنگال کے نوجوانو! اگر تم ایک سال کے اندر سوراج حاصل کرنا چاہتے ہو تو ایک ایسے آدمی کے مشورہ کو
منظور کر لو جسنے متواتر تجربے کئے ہیں اور جسکے سامنے یہ پیغام ۱۹۰۸ء میں آیا تھا اور اب تک بال برابر بھی اس سے علیحدہ
نہیں ہوا ہے۔ جتنا زیادہ میں نے ہندوستان کی اقتصادیات کا مطالعہ کیا اور کارخانہ داروں کی باتوں کو سنا اُسی قدر
میرے یقین میں اضافہ ہوتا گیا کہ جب تک ہم ہندوستان کے ہر گھر میں چرخا کو رائج نہ کرینگے ہندوستان کی اقتصادی نجات
اور آزادی ناممکن ہے جس کارخانہ دار سے چاہو معلوم کر لو وہ تم سے یہی کہیگا کہ جہاں تک کپڑا مہیا کرنیکا تعلق ہے اگر ہندوستان
صرف اپنے کارخانہ جات پر ہی بھروسہ کرے تو بھی اسکو غیر محتاج ہونیکے لئے پچاس سال درکار ہیں۔ میں اسمیں اتنا اور
اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ آج کل سینکڑوں اور ہزاروں جُلاہے بُننے کا کام کر رہے ہیں اور گھر کے کتے ہوئے سوت کا
کپڑا بُن سکتے ہیں لیکن چونکہ ملیں اُنکی ضرورت کو پورا نہیں کر سکتیں لہذا انہیں غیر ملکی سوت کو خریدنا پڑتا ہے لہذا میں
بنگال کے اُن نوجوان دوستوں سے جنہوں نے کالجوں کو چھوڑا ہے کہتا ہوں کہ وہ امید اور ہمت کے ساتھ آگے
قدم بڑھا دیں اور اس بُھلائی ہوئی دستکاری کو کم از کم اس عرصہ کیلئے اپنے ہاتھ میں لیں جبتک کہ سوراج حاصل ہو

اور اسکے بعد کسی دوسری بات کی طرف خیال کریں۔

(ہندوستانی کی ضرورت)

میں نے ایک اور بات بھی تجویز کی ہے تم اور میں اور ہم میں سے ہر شخص نے اس حقیقی تعلیم کو نظرانداز کیا ہے جو ہم کو قومی مدارس میں ملتی - بنگال، دکن اور گجرات کے نوجوانوں کے لئے یہ ناممکن ہے کہ ممالک متوسط، ممالک متحدہ اور پنجاب اور ہندوستان کے اُن وسیع علاقوں میں جاسکیں جہاں ہندوستانی زبان بولی جاتی ہے - لہذا میں آپ سے کہتا ہوں کہ اپنے فاضل گھنٹوں میں ہندوستانی سیکھو یعنی اُن گھنٹوں میں جو چرخہ کاتنے سے باقی بچیں اگر آپ دونوں چیزوں کو سیکھنا چاہیں تو دو ماہ کے عرصہ میں چرخہ کاتنا اور ہندوستانی سیکھ سکتے ہیں - میں وعدہ کرتا ہوں کہ ایک ذہین اور شریف لڑکا، ایک محب وطن اور مشقت پسند لڑکا دو ماہ میں ان دونوں چیزوں کو سیکھ سکتا ہے اور پھر آپ آزاد ہیں کہ اپنے گاؤں میں جائیں، مدراس کے علاوہ ہندوستان کے کسی حصہ میں چلے جاویں اور عوام الناس کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار کریں - ایک لمحہ کیلئے بھی یہ خیال نہ کرنا کہ عوام الناس کے درمیان انگریزی کو آپ اظہار خیالات کیلئے ایک مشترکہ ذریعہ بنا سکینگے - ۲۲ کروڑ ہندوستان کے باشندے ہندوستانی زبان جانتے ہیں اور اسکے سوا دوسری زبان نہیں جانتے اور اگر آپ ۲۲ کروڑ ہندوستانیوں کے دل کا حال معلوم کرنا چاہتے ہیں تو آپ کیلئے صرف ہندوستانی زبان ہی واحد ذریعہ ہے اگر آپ ایک سال کے عرصہ میں یا ۹ ماہ کے دوران میں ان دو باتوں کو کرلیں تو جیوقت آپ اسکو ختم کر لینگے آپ کے اندر وہ ہمت اور قوت پیدا ہوجائیگی جو اسوقت موجود نہیں ہے - میں ہزارہا ایسے طلبا کو جانتا ہوں جن سے اگر یہ کہدیا جاوے کہ انہیں سرکاری ملازمت نہیں مل سکتی تو اُن کے چہروں پر مایوسی طاری ہوجائیگی - اگر آپ گورنمنٹ کو ختم کرنے یا اُسکی اصلاح پر مائل ہیں تو پھر کیونکر آپ اسکی ملازمت کی تجویز کر سکتے ہیں؟ اور اگر آپ گورنمنٹ سے دوبارہ تعلق نہیں رکھنا چاہتے تو پھر آپ کے اس انگریزی قلم کی کیا قیمت ہے؟ میرا اس سے یہ مطلب نہیں کہ میں انگریزی زبان کی ادبی قیمت کی بے قدری کرتا ہوں اور نہ میں اُن وسیع خزانوں کی بے قدری کرتا ہوں جو انگریزی کتابوں میں پوشیدہ ہیں - میں آپ سے یہ کہنا نہیں چاہتا کہ ہم نے انگریزی زبان کی اہمیت کی حد سے زیادہ قدر کی ہے بلکہ آپ سے یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ سوراج کی اقتصادیات میں انگریزی زبان کو بہت کم دخل ہے -

(سب کچھ مادر وطن کیلئے)

سوراج حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ آپ انگریزی الفاظ کے ذخیرہ میں اضافہ کریں اسلئے میں نے گجرات کے نوجوانوں کیلئے تجویز کیا تھا کہ وہ اس ۹ یا ۱۲ ماہ کے عرصہ کے لئے اپنی انگریزی ادبی تعلیم کو بند کردیں اور چرخہ کاتنے اور ہندوستانی زبان سیکھنے میں اپنا وقت صرف کریں اور پھر خود کو ہندوستان کی مرضی پر چھوڑ کر نیشنل سروس میں شامل ہوجاویں جو اب قائم کیجانے والی ہے - آپ کانگریس کے بنائے ہوئے دستور اساسی کا خیر مقدم اُسوقت تک نہیں کرسکتے جبتک کہ ہمارے پاس کارکنوں کی ایک فوج نہو جو ہندوستان کے ۷ لاکھ گانوؤں میں گشت لگاوے

اگر ہم ہندوستان کے ہر گاؤں میں ایک مقابلہ کا نظام اور کانگریس کا نمائندہ قائم کرنا چاہتے ہیں تو یہ اُس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک ہندوستان کے نوجوان مادر وطن کے مطالبہ پر لبیک نہ کہینگے۔ اب بنگال اور باقیماندہ ہندوستان کے نوجوانوں تک مادرِ وطن کی آواز پہونچ چکی ہے۔ میں امید کرتا ہوں اور مجھے ہر طرح پر بھروسہ ہے کہ تمام نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اس مقدس آواز پر لبیک کہینگے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ سال ختم ہونے سے پیشتر آپ اُس دن پر افسوس نکرینگے جبکہ آپنے مذکورہ بالا دو باتوں پر عمل کرنیکے لئے اپنا دل لگایا تھا اور اس بات کے اختتام پر آپ معلوم کرینگے کہ جو کچھ میں آج شب کے وقت آپسے کہہ رہا ہوں وہ بالآخر صحیح ثابت ہوا یعنی یہ کہ آپنے ہندوستان کی عزت کا بدلہ لے لیا۔ آپنے اسلام اور تمام قوم کی عزت کی حمایت کی اور سوراج حاصل کرلیا۔ ایشور بنگال کے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو ہمت دے، امید دے اور ایسا ضروری اعتماد پیدا کردے کہ آپ اس تہذیبِ نفس اور قربانی کے زمانہ کو طے کرلیں ایشور آپ کی مدد کرے۔

مسٹر لائڈ جارج کی غداری اسپر آپکی تحسین اور مظالم پنجاب کی معافی نے میرے اس اعتماد کو پاش پاش کردیا جو مجھے گورنمنٹ کے نیک ارادوں میں تھا

(مہاتما گاندھی کا خط ہر ہندوستانی انگریز کے نام) ینگ انڈیا ۲۷ اکتوبر ۱۹۲۰ء

پیارے دوست!

میں چاہتا ہوں کہ ہر انگریز اس اپیل کو دیکھیگا اور اسپر غور کے ساتھ توجہ کریگا۔ پہلے میں آپسے اپنا تعارف کراتا ہوں۔ میری ناچیز رائے میں پبلک زندگی کی مسلسل ۲۹ سالہ مدت تک ایسے واقعات کے ماتحت جنہوں نے کسی دوسرے شخص کو باغی کردیا ہوتا مجھ سے زیادہ کسی دوسرے ہندوستانی نے برطانوی گورنمنٹ سے تعاون نکیا ہوگا۔ آپ یقین کیجئے کہ میرا تعاون کسی ایسی سزا کے خوف پر مبنی نہ تھا جو آپ کے قوانین یا خود غرضانہ اغراض کے ماتحت دیجاتی ہے۔ یہ بالکل آزاد اور خوشی خواں کا تعاون تھا جسکا انحصار اس یقین پر تھا کہ برطانوی گورنمنٹ کی سرگرمیاں بحیثیت مجموعی ہندوستان کی مفاد کی محافظ ہیں۔ میں نے سلطنت کی خاطر چار مرتبہ اپنی جان کو خطرہ میں ڈالا۔ ایک تو جنگ بوئر کے زمانہ میں جبکہ میں ایمبولینس کور Ambulence Corps کا انچارج تھا جسکا ذکر جنرل بلر کے خطوط میں موجود ہے۔ دوسرے نانال میں زولو بغاوت کے موقعہ پر۔ تیسرے گذشتہ جنگ کے موقعہ پر جبکہ میں نے ایمبولینس کور Ambulence Corps

جمع کی جنکی تعلیم و تربیت میں سخت محنت کی وجہ سے مجھے ذات الصدر کی سخت شکایت ہو گئی - اور جو تھے دہلی کی جنگی کانفرنس کے موقعہ پر لارڈ چیمسفورڈ سے اپنا وعدہ پورا کرنیکے لئے ضلع کیرا میں میں نے خود کو رنگروٹ بھرتی کرنیکی سرگرم جنگ میں ڈالدیا اس ضلع میں مجھے اتنی طویل اور صبر آزما دوڑ دھوپ کرنی پڑی کہ مجھے مہلک قسم کی پیچش ہو گئی - میں نے یہ سب کچھ اس کامل یقین پر کیا کہ اس قسم کے کام میرے ملک کیلئے سلطنت میں مساوی حیثیت حاصل کرلیں گے - گذشتہ دسمبر تک میں نے قابل اعتماد و تعاون کیلئے سخت بحث و تمحیص کی بعد مجھے کامل یقین تھا کہ مسٹر لائیڈ جارج اپنے اس وعدہ کو پورا کرینگے جو انہوں نے مسلمانوں سے کیا تھا اور پنجاب میں حکام کے مظالم کا انکشاف پنجابیوں کیلئے انکی تلافی حاصل کرلیگا لیکن مسٹر لائیڈ جارج کی غداری اسپر آپکی تحسین اور مظالم پنجاب کی معافی نے میرے اس اعتماد کو پاش پاش کردیا جو مجھے گورنمنٹ کے نیک ارادوں میں تھا -

لیکن اگرچہ آپکے نیک ارادوں میں مجھے اعتماد نہیں رہا ہے تاہم میں آپکی بہادری کو تسلیم کرتا ہوں اور جانتا ہوں کہ جس بات کے لئے انصاف اور دلائل آپ کا سر خم نہ کرا سکینگے اسکے لئے آپ کی بہادری آپ کے سر کو جھکا دیگی -

لہذا دیکھئے اس سلطنت کی نعمتیں ہندوستان پر کیا کیا ہیں -

(۱) ہندوستان کے جملہ ذرائع و وسائل آمدنی کو انگلستان کے مفاد کے لئے استعمال کرنا -

(۲) ہمیشہ بڑھنے والے فوجی اخراجات، سول سروس جو تمام دنیا میں سب سے زیادہ اخراجات کا باعث ہے -

(۳) ہندوستان کے افلاس کی پرواہ کئے بغیر ہر محکمہ میں فضول خرچی سے کام لینا -

(۴) ہندوستان کو غیر مسلح کرنا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام ہندوستانی قوم نامرد اور بزدل بن گئی محض اس خوف سے کہ کہیں ایک مسلح قوم آپ چند اشخاص کی جانوں کو خطرہ میں نہ ڈالدے -

(۵) نظام حکومت کو پائیدار بنانیکے لئے مسکرات اور ادویات کی تجارت

(۶) تبدریج انسدادی قانون سازی تاکہ ہمیشہ بڑھنے والے ایجی ٹیشن کی سرکوبی کی جاسکے جس کے ذریعہ سے قوم کے درد کا اظہار کیا جاتا ہے -

(۷) آپ کی سلطنت کی نو آبادیات میں جو ہندوستانی رہتے ہیں انکے ساتھ ذلت آمیز سلوک -

(۸) ان سب باتوں کے علاوہ آپنے پنجاب کے انتظام حکومت کی تحسین کرکے اور مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس لگا کر ہمارے محسوسات کی طرف سے تغافل انتہائی کا ثبوت دیا ہے -

میں جانتا ہوں کہ اگر ہم نے لڑکر آپکے ہاتھوں سے عصائے حکومت چھین لیا تو آپ اسکی پروا کرینگے - آپ بخوبی جانتے ہیں کہ ہم ایسا کرنیکے قابل نہیں کیونکہ آپنے ہمیں ایک کھلے اور باعزت میدان جنگ میں لڑنیکے نا قابل بنا دیا ہے - اس طرح پر میدان جنگ میں بہادری کے جوہر دکھانا تو ہمارے لئے بالکل ناممکن ہے البتہ روح کی بہادری دکھانے کا میدان ہنوز ہمارے لئے کھلا ہوا ہے - میں جانتا ہوں کہ آپ اسپر بھی لبیک کہینگے - میں اس موخر الذکر بہادری کو مدعو کرنے میں مشغول ہوں - عدم تعاون کے معنی اسکے سوا کچھ نہیں کہ ذاتی قربانی کی تعلیم دیجاوے - جب ہم یہ جانتے ہیں کہ اس وسیع ملک میں آپکے نظام حکومت

کے ذریعہ سے ہم دن بدن غلام بنتے چلے جارہے ہیں تو پھر ہم کیونکر آپ سے تعاون کریں۔ لوگوں نے جو میری اپیل پر لبیک کہا ہے وہ کوئی میری شخصیت کی وجہ سے نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے اور علی برادران کو اپنے ذہن سے نکالدیں کیونکہ اگر میں اتنا احمق بنجاؤں کہ مسلمانوں کے خلاف صدا بلند کرکے لوگوں سے اسپر لبیک کہلوانا چاہوں تو میری شخصیت اس میں ناکام رہیگی اسی طرح اگر علی برادران دیوانہ بن جائیں ہندوؤں کے خلاف آواز بلند کرکے مسلمانوں کو جوش دلانا چاہیں تو اُن کا جادو بھرا تمام اس کوشش میں ناکام رہیگا۔ لوگ جو ہزارہا کی تعداد میں ہماری باتیں سننے کے لئے جمع ہوتے ہیں اُس کی وجہ یہ ہے کہ ہم انکے سامنے اُس قوم کی آواز کو پیش کرتے ہیں جو آپ کی فولادی ایڑیوں کے نیچے کراہ رہی ہے۔ علی برادران بھی آپکے ایسے ہی دوست تھے جیسا کہ میں تھا اور میں تو اب بھی آپ کا دوست ہوں۔ میرا مذہب آپکی طرف سے کوئی نفرت اپنے دل میں جاگزیں کرنے سے منع کرتا ہے اگر مجھ میں طاقت ہو تب بھی میں آپکے خلاف اپنا ہاتھ نہ اٹھاؤں گا میں صرف اپنے اوپر مصیبتیں برداشت کرکے آپ پر فتح حاصل کرنا چاہتا ہوں لیکن علی برادران اپنے ملک اور مذہب کی مدافعت میں اگر وہ ایسا کرنے پر قادر ہوئے تو یقیناً تلوار اٹھائینگے لیکن ہندوستانیوں کی اس جدوجہد میں کہ وہ اپنے محسوسات کا آوازہ بلند کریں اور اپنی مصیبتوں کا علاج معلوم کریں میں نے اور علی برادران نے اشتراک عمل کیا ہے۔

آپ اس قومی جذبہ کے اُبال کو ٹھنڈا کرنیکا علاج تلاش کر رہے ہیں لیکن میں آپسے یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ انکو دبانے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ انکے اسباب کا دفعیہ کر دیا جاوے۔ آپ میں ابتک طاقت موجود ہے۔ ہندوستانیوں پر جو مظالم توڑے گئے ہیں آپ اس سے توبہ کرسکتے ہیں۔ آپ مسٹر لائیڈ جارج کو بھی مجبور کرسکتے ہیں کہ وہ واپس ہو جاوے اور اسکے بجائے اس سے بہتر وائسرائے مقرر ہو۔ آپ سر میکانیل او ڈائر اور جنرل ڈائر کے متعلق بھی اپنے خیالات پر نظر ثانی کرسکتے ہیں۔ آپ گورنمنٹ کو بھی مجبور کرسکتے ہیں کہ وہ عوام کے منتخبہ لیڈران کی ایک ایسی کانفرنس مدعو کرے جو عوام کی منتخبہ ہوں اور ہر نقطہ نگاہ کی نمائندگی کرتے ہوں تاکہ ہندوستانیوں کی خواہشات کے مطابق حصول سوراج کے ذرائع مرتب کئے جاسکیں لیکن یہ تمام باتیں اُسوقت تک نہیں ہوسکتیں تا وقتیکہ آپ ہر ہندوستانی کو درحقیقت اپنی برابر اور اپنا بھائی نہ سمجھینگے میں کسی قسم کی سرپرستی کے لئے نہیں کہتا بلکہ ایک دوست کی حیثیت سے آپسے یہ کہتا ہوں کہ اس نازک مسئلہ کا باعزت حل کیا جاوے اسکے علاوہ دوسرا حل یعنی انسدادی کارروائی آپکے لئے کھلی ہوئی ہے۔ میں پیشینگوئی کرتا ہوں کہ یہ ناکام رہیگی۔ انسدادی کارروائی شروع ہو چکی ہے۔ گورنمنٹ نے پانی پت کے دو بہادر آدمیوں کو آزادانہ اظہار رائے کے جرم میں جیل خانہ بھیجدیا۔ ایک دوسرا شخص اسی قسم کے اظہار خیال کی بنا پر لاہور میں زیر سماعت ہے۔ ایک شخص علاقہ اودھ میں مقید کیا جاچکا ہے۔ دوسرا ابھی فیصلہ کا منتظر ہے۔ جو کچھ آپکے یہاں ہو رہا ہے اُسکو آپ کو جاننا چاہئیے۔ ہمارا پروپگنڈا اس انسداد کے حفظ ماتقدم کے طور پر جاری ہوا ہے۔ میں آپ کو نہایت ادب کے ساتھ مدعو کرتا ہوں کہ آپ بہتر طریقہ اختیار کریں اور باشندگان ہند کے جنکے آپ نمک خوار ہیں اشتراک عمل کریں انکی خواہشات کی مخالفت کرنا مالک کے ساتھ بیوفائی کرنے کے مترادف ہے۔

میں ہوں آپ کا وفادار دوست

ایم۔ کے۔ گاندھی

شیطان کی یہ ترکیب ہے کہ وہ نیکی کا اظہار کر کے برائی پھیلاتا ہے اور اسطرح بیخبر لوگوں کو دام فریب میں پھنساتا ہے

(ایک خط کا جواب) مہاتما گاندھی کے قلم سے۔ ینگ انڈیا ۱۵ دسمبر ۱۹۲۰ء

مسٹر پاپلے اور رفلپ نے مجھپر بڑی مہربانی فرمائی کہ میرے اس خط کا جواب دیا جو میں نے ہر ہندوستانی انگریز کے نام شائع کیا تھا۔ میں انکے خط کی دوستانہ اسپرٹ کو تسلیم کرتا ہوں اور تعریف کرتا ہوں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ ایسے اصولی اختلافات موجود ہیں جو فی الحال مجھے اور انھیں متفق نہیں ہونے دینگے لیکن جب تک باوجود بعض تکلیف دہ فروگذاشتوں کے میں نے یہ محسوس کیا کہ سلطنت برطانیہ ہندوستان و نیز تمام دنیا کی بہبودی میں سرگرمی دکھاتی ہے اُس وقت میں اس سے اس طرح پیوستہ رہا جیسا کہ ایک بچہ اپنے ماں کے سینہ سے چمٹا رہتا ہے لیکن اب وہ اعتماد جاتا رہا۔ برطانوی قوم نے خلافت اور پنجاب کے جرائم پر مُہر لگا دی۔ اسمیں شک نہیں کہ برطانوی قوم کی ایک قلیل تعداد اس سے اختلاف رکھتی ہے لیکن ایک اختلاف رکھنے والی اقلیت جو اپنی رائے کا محض اظہار کرکے اپنے دل کو مطمئن کرلیتی ہے لیکن ظالم کی امداد جاری رکھتی ہے وہ بھی اس ظلم میں شریک ہے۔ شیطان کی یہ خاص ترکیب ہے کہ وہ نیکی ظاہر کرکے برائی پھیلاتا ہے اور اسطرح بیخبر لوگوں کو دام تزویر میں پھنساتا ہے۔ شیطان کو شکست دینے کا دنیا نے جو واحد طریقہ معلوم کیا ہے وہ یہ ہے کہ اس سے اجتناب کیا جائے۔ میں ہر اُس انگریز کو جو اپنے نصب العین پر عمل درآمد کرسکتا ہے دعوت دیتا ہوں کہ وہ پیروان عدم تعاون کے زمرہ میں شامل ہو جائے۔ جنگ بوئر کے زمانہ میں ڈبلیو۔ ٹی۔ اسٹیڈ نے برطانوی افواج کی پسپائی کیلئے دعا کی تھی۔ مسٹر واسب ٹراوس نے بوئر لوگوں کو مدعو کیا تھا کہ وہ جنگ کو جاری رکھیں۔ ہندوستان کو جو دھوکہ دیا گیا ہے وہ تو اس ناانصافی سے کہیں بدتر ہے جو بوئر لوگوں کے ساتھ کیگئی تھی۔ بوئر لوگ اپنے حقوق کی خاطر لڑے اور اپنا خون بہایا۔ پس اگر ہم خون بہانے کے لئے تیار رہیں تو ہمارا حق ایک مجسم شکل اختیار کرلیگا اور بت پرست دنیا اسکو معلوم کرکے اُس کے آگے سر جھکا دے گی۔

لیکن مسٹر پاپلے اور رفلپ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ میں نے ان لوگوں سے اتحاد عمل کیا ہے جن کو اگر مقدور ہوا تو تلوار کھینچ لینگے لیکن میں اس میں کوئی خرابی نہیں دیکھتا وہ بھی اپنے حق کی اتنی ہی نمائندگی کرتے ہیں جسقدر کہ میں کرتا ہوں وہ لوگ جو ہندوستانی پوزیشن کی صداقت کو تسلیم کرتے ہیں اس جنگ میں امداد دیکر خدا کا کام انجام دینگے۔

ان انگریز دوستوں کا دوسرا اعتراض زیادہ معقول ہے اگر مسلمانوں کا معاملہ انصاف پسندانہ نہیں ہے تو میں بھی غلط کاری کا مجرم ہونگا۔ درحقیقت مسلمانوں کا مطالبہ یہ ہے غیر ترکی اقوام پر غیر مسلم اور غیر ملکی حکومت ہمیشہ کیلئے قائم

نہ لینا چاہئے۔ ہندوستانی مسلمان حکومت خود اختیاری کے مخالف نہیں لیکن اصول خود اختیاری کے بہانہ سے عراق عرب کو لوٹنے کی جو شرارت آمیز ترکیب نکالی گئی ہے اس کے خلاف وہ آخر تک لڑینگے۔ اُن کو اس جد و جہد کے خلاف بھی لڑنا چاہئے جو آرمینی آزادی کے غلط بہانہ سے ترکی اور اسکی معرفت اسلام کو ذلیل کرنیکی خاطر کی جا رہی ہے۔

تیسرا اعتراض اسکولوں کے متعلق ہے۔ مجھے بیشک مشنری یا دوسرے اسکولوں پر اعتراض ہے جو گورنمنٹ کے روپیہ سے چلائے جا رہے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ کسی وقت میں یہ روپیہ ہمارا تھا۔ تو کیا یہ نیک مشنری اس بات میں حق بجانب ہونگے کہ مجھے ایسے سرمایہ سے تعلیم دیں جو ان کو ایک ایسے ڈاکو نے دیا ہے جس نے میرا روپیہ، میرا مذہب اور میری عزت چھین لی کیونکہ روپیہ دراصل میرا ہی تھا؟

میں نے ذاتی طور پر ہندوستان کی مالی لوٹ مار کو برداشت کر لیا لیکن پنجاب کے معاملہ میں عزت کی لوٹ مار یا ترکی کے معاملہ میں مذہب کی لوٹ مار کو اگر میں ضبط کر لیتا تو گنہگار ہوتا۔ یہ الفاظ سخت ضرور ہیں لیکن یہ ہے کہ سے لقینی کا اظہار ان سے کم سخت الفاظ میں نہیں ہو سکتا۔ اس بات کے کہنے کی ضرورت نہیں کہ گورنمنٹ اسکول یا گورنمنٹ کے امدادی یا ملحقہ مدارس کے خالی کرنیکا یہ مطلب نہیں ہے کہ نوجوانوں کو غیر تعلیم یافتہ رکھا جائے۔ قومی مدارس اتنی ہی تیزی سے معرض وجود میں آرہے ہیں جتنی تیزی سے کہ دوسرے مدارس خالی کئے جا رہے ہیں۔

مسز پا پیلے اور فلپ خیال کرتے ہیں کہ مظالم خلافت و پنجاب کے علم نے میری انصاف پسند طبیعت پر دھبہ لگا دیا لیکن میں اپنے دوستوں سے دریافت کر چکا ہوں کہ وہ ہندوستان میں برطانوی قبضہ کے نتیجے تھوڑے سے ہی ایسے اچھے ثمرات دکھائیں جو واقعی بالارادہ اور غور و خوض کے بعد پیدا کئے گئے ہوں۔ میں پھر اُسی درخواست کا اعادہ کرتا ہوں اور میں ان کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر مظالم پنجاب و خلافت میں سرگرمی دکھا کر میں نے کوئی غلطی کی ہے تو اسکی اصلاح کرونگا۔

آپ کس حد تک اُن خدمات کا اثر ہم پر ڈالنے کی امید کر سکتے ہیں جبکہ ہزارہا انگریز محض انصاف کی خاطر فوج میں شامل ہوئے

(ایک سویلین کا جواب) ینگ انڈیا ۲۳ فروری ۱۹۲۱ء

ذیل میں ہم اُس خط و کتابت کو درج کرتے ہیں جو حال میں مسٹر فریمینٹل (انڈین سول سروس کے ملازم) اور مسٹر گاندھی کے درمیان اسی سلسلہ میں ہوئی تھی جو مہاتما گاندھی کے مکتوب "ہر ہندوستانی انگریز کے نام" کے متعلق ہوا اور جو صفحہ ۲۲۴ پر شائع کیا گیا ہے

مسٹر فریمینٹل کا خط بنام مہاتما گاندھی

جناب مجھے یہ خوشی حاصل نہیں ہوئی کہ آپ کی اس کھلی چٹھی کو پورا پورا پڑھتا۔ جو آپ نے ہندوستان میں رہنے والے ہر انگریز کے نام

شائع کی تھی اور جسکو میں سمجھتا ہوں کہ آپنے گذشتہ سال تحریر کیا تھا۔ میں نے اس چٹھی کے مضمون کو ہندی کے ترجمہ کے ذریعہ سے تھوڑا سا پڑھا تھا۔ میں یقین کرتا ہوں کہ آپنے اپنے خط کو ان خدمات کی تفصیل سے شروع کیا ہے جو سلطنت برطانیہ کی خاطر آپنے انجام دی تھیں۔ کیا آپنے کبھی اپنی ذات سے یہ سوال کیا ہے (اور اگر نہیں کیا ہے تو میں درخواست کرتا ہوں کہ آپ ایسا کریں) کہ صورت حال کو مدنظر رکھتے ہوئے کس حد تک آپ ان خدمات کا اثر ہم پر ڈالنے کی امید کر سکتے ہیں۔ ۴ اگست ۱۹۱۴ء اور ۱۱ نومبر ۱۹۱۸ء کے درمیان ہزار ہا انگریز (میں ان ہزار ہا انگریزوں کو ان میں شامل نہیں کر رہا ہوں جو پہلے ہی سے ملازمت میں ہوں یا ملک کی خاطر یا کارنامہ حاصل کرنیکی خاطر لڑائی میں شریک ہوئے) محض نقصان کی خاطر فوج میں شامل ہوئے۔ ان سب لوگوں نے جن کو فتوحات کا شوق نہ تھا اور جو کبھی جنگ بوئر یا کسی دوسری ایسی جنگ میں نہ لڑے ہوتے جو ان کے ضمیر کے خلاف ہوتی محض موت کا ہی خوشی سے مقابلہ نہیں کیا کیونکہ یہ کوئی انوٹھی بات نہ تھی بلکہ ایسی زمین پر جو کسی کی بھی ملکیت نہو گھنٹوں تک مجروح پڑے رہنے اور جرمنی قید خانہ کی سختی کی مصیبتیں بھی جھیلی ہیں۔ ان میں سے بہتیرے بار بار زخمی ہوئے ان کے علاوہ بہت سے جو صحیح و سالم بچے تھے بڑی امیدوں کے ساتھ چھ سال گذرے اپنی طرز زندگی قائم کرنیکے لئے نکلے لیکن اب دیکھتے ہیں کہ آوازِ حق کے ساتھ بخوشی شامل ہونیکی وجہ سے بالکل مفلس بنا دئے گئے۔ تمام باتیں کسی جزوی غرض کی بنا پر نہ تھیں۔ بلکہ ایک عام اصول قائم کرنیکے لئے تھیں۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ ان کے مقابلہ میں آپنے کس قدر نقصان اٹھایا ہے۔ آپنے ایسا کون سا نقصان اٹھایا ہے کہ آپ نقصانات اور مصائب کی بنا پر خود کو اتنا بڑھاتے ہیں اور دوسروں کو لیکچر دیتے ہیں۔

میں اس سے انکار نہیں کرونگا کہ آپ بلند مرتبہ پر ہیں لیکن یہ بلندی کتنی ہے؟ کیا آپ ٹیراسکن کے الپائین کلب کے متعلق الفانس ڈاڈٹ کا دل خوش کن قصہ جانتے ہیں؟ آپنے ان نیچی پہاڑیوں کو دیکھا ہوگا جنکے متعلق اس شخص نے مارسیلز اور پیرس کے درمیان سفر کرتے وقت ریلوے ٹرین میں سے تذکرہ کیا ہے۔ اس کلب کے ممبران میں جوش تھا انکے انتظامات بالکل مکمل تھے انکے پاس ان کے جوش کے مطابق کلہاڑیاں تھیں رسیاں تھیں اور پہاڑ پر چڑھنے کے تھیلے اور وہ تمام سامان تھا جو پہاڑیوں کو درکار ہوتا ہے وہ جوش اور ہمت کے ساتھ پہاڑ کی سب سے اونچی چوٹی پر جسکو کہ وہ اپنے قصبہ کی سڑک سے دیکھ چکے تھے چڑھ گئے لیکن وہ چوٹی "مونٹ بلانک" نہ تھی بلکہ مشکل سے اسکے مقابلہ میں ۱/۲ حصہ اونچی تھی۔ بجنسہ آپ بھی اپنے زاویۂ نگاہ میں بلند ترین مقام پر پہونچ گئے ہیں اور اس سے زیادہ بلندی پر نہیں چڑھ سکتے تاوقتیکہ دوبارہ نیچے نہ اتریں لیکن ایسا آپ نہیں کرینگے آپکے اندر ایک اور چیز مابہ الامتیاز ہے یعنی آپ کی تخیل پرستی میرے نزدیک اس صفت کی کوئی عظمت نہیں ہے بلکہ میں تو اسکو تارک الدنیا ہونے کے مشابہ سمجھتا ہوں۔ مثلاً یہ فرض کر لینا کہ ہندوستان سے مغرب کے تعلقات کی تاریخ (ایک ایسی تاریخ جو ان واقعات سے پر ہے کہ برطانوی اور فرانسیسی تاجروں، سپاہیوں اور مدبروں کو ان لوگوں نے مدعو کیا تھا جو یہ یقین رکھتے تھے کہ مغرب کوئی بیش قیمت چیز عطا کریگی پھر ان برطانوی اور فرانسیسی لوگوں کو بخوشی اپنے بڑے بڑے علاقہ جات کا سپرد کرنا اور آخر میں حکومت برطانیہ کا استحکام) بیلزبب[1] کی ترقی کے مانند ہے جسکا نتیجہ ایک

---

[1] Beelzebub فلسطین میں ایک دیوتا مانا جاتا ہے۔ بعض کے نزدیک یہ گروہ شیاطین کا شہزادہ ہے۔

ایسی طاقت کی سرفرازی میں ہوا جو شیطانی اوصاف رکھتی تھی۔ کیا اس قسم کے خیالات انسانی فطرت کے متعلق تارک الدنیا لوگوں کے نقطۂ نگاہ کے مطابق نہیں ہیں۔

لیکن اگرچہ آپ میں اتنی بلند تخیل پرستی نہیں جو واقعات کو نظر حقارت سے دیکھتی ہے اور ان میں نصب العین کو تلاش کرتی اور جو تاریخ کے طویل سفر میں یہی معلوم کرتی ہے کہ دنیا متواتر نیکی کی طرف جا رہی ہے تاہم آپ میں ایک ادنیٰ قسم کی تخیل پرستی ہے۔ آپ گہرائیوں سے اونچے ہیں اور ان انقلاب پسندوں سے بہتر ہیں جنکے ہتھیار جھوٹ، خنجر اور بم ہوتے ہیں ہم اس معاملہ میں آپکے بہت شکرگذار ہیں کہ آپ اپنے حلقہ اثر میں تشدد نہونے دینگے۔ حقانیت کی آپ عجیب و غریب قیمت بتاتے ہیں۔ لوگ فرض کر لینگے کہ آپ کے ہاتھ میں اتھوریل[1] کا خاص نیزہ ہے جسکے چھوانے سے کوئی جھوٹ برقرار نہیں رہ سکتا لیکن اگر ہم اس اعلیٰ خیال سے چکا چوند میں آگئے جو آپ کے پیش نظر ہے اور جسکی رو سے یہ محسوس نہیں کیا جا سکتا کہ دنیا دعمل کس محنت و مشقت کے ساتھ اسکے پیچھے اپنا کام کرتی ہے تو ہم غلطی کرینگے۔ ایک حال کی مثال کو لیتے ہوئے آپنے ہز رائل ہائینس دی ڈیوک آف کناٹ کو جو ایک غیر ضروری خط ارسال کیا اسمیں صرف یہی نہیں کہ غلط بیانات شامل ہوں بلکہ یہ جانتے ہوئے کہ آپ خود نہایت ایماندار اور سچے ہیں اگر اخبارات کی رپورٹ صحیح ہے تو آپ اُن جھوٹ باتوں کی پروا نہیں کرتے جو آپ کی موجودگی میں کسی جاتی ہیں۔ اس ذلت آمیز تہمت کے آپ خود شاہد ہیں جو ایک برطانوی افسر پر لگائی گئی تھی کہ اس نے ایک مرے ہوئے پٹھان کے منہ اور گردن پر بڑے وحشیانہ طریق سے گھاؤ لگائے اور جو ایک جاگیردار کا جھوٹا فسانہ مان لیا گیا ہے یہ کہا جاتا ہے کہ جب ایک خلافت کا لیکچرار بڑھا چڑھا کر اس فسانہ کی تفصیل آپکے سامنے بیان کر رہا تھا تو بجائے اسکے کہ آپ ایک ایسی بات کو جو انگریزوں اور ان کے طریقہ زندگی کے متعلق ابتدائی معلومات کی بنا پر بالکل ایک بیہودہ اختراع ظاہر ہوتی بُرا کہتے۔ آپ اس تقریر کے اختتام پر کھڑے ہو گئے اور اس قصہ کا اس طرح حوالہ دیا گویا کہ وہ مصدقہ اور مسلّمہ واقعہ تھا۔ اخبار ٹائمز آف انڈیا کی معذرت اس غلط افسانہ کے متعلق چھپ گئی ہے اور آپ کی معذرت کے ہم منتظر ہیں اور ممکن ہے کہ ہمیں ابھی مزید انتظار کرنا پڑے کیونکہ آپ کی ذمہ داری کیا ہے؟ محض اسقدر کہ جھوٹی باتوں پر اپنی منظوری کی مُہر لگا دیں اور پھر آپ کی مہر تصدیق کی کیا قدر و قیمت ہے؟ بظاہر خاص آپکے ہی اندازہ میں بہت کم۔

لیکن عوام الناس کے سامنے ایک زبردست ہجو کی حمایت پر اظہار تاسف کرنا سچائی کی خاطر اتنی بڑی قربانی ہے جسکو آپ نہیں کر سکتے۔ آپسے یہ توقع رکھنا بہت زیادہ ہے کہ راستی کے جو معنی ہم سمجھتے ہیں آپ اسے محسوس کریں۔ آپسے یہ توقع رکھنی بھی زیادہ ہے کہ آپ یہ سمجھ جائینگے کہ ایک راست گو آدمی کبھی ہرگز ان احکامات کے نفاذ کو ملتوی نہیں کرتا ہے (جیسا کہ آپ کرتے ہیں) جو اسکے ماتحتوں کے جوش کے خلاف ہوں لیکن آپ راست گو آدمی نہیں ہیں اگر آپ راست گو انسان ہوتے تو ایک ایسے قاعدہ کی مذمت کرتے جو اسکی تو اجازت دیتا ہے کہ سولہ برس سے زائد عمر کے لڑکوں سے اسکول چھڑوا کر ان پر بوجھ ڈالدیا جائے لیکن ۱۶ برس سے کم عمر کے بچوں پر یہ بوجھ نہ ڈالا جائے یہ ایک خوشنما دغا بازی ہے

---

[1] Ithuriel ' اتھوریل' ملٹن "Paradise Lost" میں ایک فرشتہ ہے جس نے شیطان کو مینڈک کی شکل میں دیکھکر اپنا نیزہ چھوا دیا جس سے شیطان اپنی اصلی ہیئت پر آگیا۔

لیکن ہم آپسے یہ اُمید نہیں کر سکتے کہ آپ اس امر کی طرف نظر دوڑائینگے - آپ جہاں بیٹھے ہوئے ہیں وہاں سے "ماؤنٹ بلانک" کی چوٹی کو دیکھ سکتے اگرچہ وہ راست گوئی کی ایک ایسی چوٹی ہے جو آپکے اُن آوارہ گرد مقلدین کی ذہنی دلدل سے بالاتر ہے جو پنجاب کے کسانوں کے سامنے بیان کرتے ہیں کہ رولٹ بل کیا کیا فتور برپا کریگا۔

اگر آپ نے صبر و تحمل کے ساتھ میری تحریک کو اتنک پڑھا ہے تو آپ یہ معلوم کرنیکے کسی قدر قابل ہو گئے ہونگے کہ میں آپکے روحانی عروج کے دعووں کو کیوں تسلیم نہیں کرتا - مجھے خوف ہے کہ یہ دعوے مجھے ناپاک معلوم ہوتے ہیں نہ ان دعووں سے اور نہ کسی اور بات سے جسکو میں جانتا ہوں آپ کو اس امر کا استحقاق تھا کہ آپ "ہندوستان میں رہنے والے یوروپین لوگوں کے نام کھلی چٹھی" تحریر کرتے لیکن آپنے ایسا کیا - لہذا میں بھی سمجھتا ہوں کہ اسکے جواب دینے کا مجھے بھی استحقاق ہے۔

میں آپسے یہ نہیں کہتا کہ آپ اپنے قدموں کو پیچھے ہٹاویں صرف اس وجہ سے نہیں کہ ایسا کرنا محض بیکار ہے یا یہ کہ میں ہندوستان کی بہتری کی غرض سے یہ نہیں چاہتا کہ آپکے منہ سے آپکا پردہ فاش کراؤں اور اس شبہ کو ظاہر کراؤں جو مجھے آپ کی دل کی حالت کے متعلق ہے (یعنی یہ کہ آپ ایک موالالی ہیں جو ایک مناسب وقت کی آمد کے منتظر ہیں جب اس شیطانی گورنمنٹ سے شرائط طے کی جاوینگی) نہیں بلکہ اسکا سبب یہی ہے کہ آپ صحیح راستہ پر ہیں اگرچہ آپ مشکل سے یہ جانتے ہونگے کہ میں نے اسکو صحیح راستہ کیوں کہا ہے آپکے خیالات صحیح ہیں لیکن یہ ضروری ہے کہ نالائق عوامل کو علیحدہ کر دیا جاوے - یہ جو آپ گورنمنٹ کے خلاف جنگ کرکے اسکے وجود کو تسلیم کرتے ہیں اسے بھی بند کر دیجئے اس سے بھی آگے ایک اور قدم بڑھائیے یعنی یہ کہ گورنمنٹ کو بالکل نظر انداز کر دیجئے - ہم میں سے وہ لوگ تحصیل علم کو محض علم کی خاطر محبوب رکھتے ہیں اور جن کو بار بار یہ دیکھ کر تکلیف پہونچی ہے کہ اب علم کی تحصیل محض ڈگری حاصل کرنے کی خاطر ہونے لگی ہے (اور ڈگری کی قدر اس وجہ سے ہے کہ اسکے ذریعہ سے گورنمنٹ ملازمت ملتی ہے) تعلیمی انجمنوں کو گورنمنٹ سے بے نیاز دیکھ کر خوش ہونگے لیکن ابھی مقدمہ بازی کا معاملہ باقی ہے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے حال ہی میں اس برائی کو پہچان لیا ہے یہ ایک ایسی برائی ہے جو مجھپر اسی وقت ظاہر ہوگئی تھی جب میں نے اس ملک میں قدم رکھا تھا اور جسکو بیس سال کا عرصہ ہوا ہے لیکن خیر یہ بھی اچھا ہے کہ آپ نے ایسا کیا صرف گذشتہ ۵ ماہ کے اندر اندر میرے ضلع میں مقدمہ بازی کی وجہ سے دو دردناک قتل کے واقعات ہوئے - ہماری عدالتوں کو خالی کر دیجئے لیکن اس لئے نہیں کہ چونکہ آپ کا یہ خیال ہے کہ گورنمنٹ انکو بھرا رکھنا پسند کرتی ہے بلکہ محض اس خیال سے کہ مقدمہ بازی بذات خود ایک بری چیز ہے - دوسرا خیال ملکی صنعت و حرفت کے متعلق ہے - چرخہ کو سوراج سے پیوستہ کرنا لڑکوں کی سی بات ہے لیکن اگر آپ اپنے ہموطنوں کو یہ تعلیم دینگے کہ وہ اپنے مکانات کو خوبصورت بناویں اور ان سے محبت کریں جسمانی محنت و مشقت کی قدر کریں اور مشین کے تیار کردہ نکمے سامان کو علیحدہ کر دیں تو آپ صحیح راستہ پر ہونگے اگر اسپین کی یہ کہاوت صحیح ہے کہ میٹھے الفاظ سے گاجروں میں مٹھاس پیدا نہیں ہوتی تو یہ بھی اتنا ہی صحیح ہے کہ سخت الفاظ سے بھی شیرینی پیدا نہیں ہو سکتی - جو کام آپکے سامنے موجود ہے اسمیں نسلی نفرت پیدا کرنیکی ضرورت نہیں - اگر آپ اسکو

چلا سکے تو یہ ایک کافی مشکل کام ہوگا بانسبت گورنمنٹ برطانیہ کو زیر و زبر کرنیکے مقابلہ میں زیادہ آسان اور فائدہ مند ثابت ہوگا۔

۱۲، فروری ۱۹۲۱ء

میں ہوں جناب من آپ کا وفادار

(دستخط) اے، ایف فری منٹل - انڈین سول سروس

میں تسلیم نہیں کرتا کہ گذشتہ جنگ بے غرضی یا انصاف کی خاطر کی گئی تھی

(مسٹر گاندھی کا جواب)

جناب من آپ کا خط مرسلہ ۱۲ ماہ رواں ابھی ابھی مجھے موصول ہوا ہے۔ آپ مجھے مہربانی فرماکر معاف کرینگے اگر میں اسکا مفصل جواب نہ دوں۔ آپنے ایک ایسے خط پر نکتہ چینی کرکے جسکو آپنے نہیں دیکھا بلکہ اُسکے ایک حصّہ کا ترجمہ پڑھا ہے مشکل سے اپنے ساتھ انصاف کیا ہے۔ اگر آپنے اس خط کو پڑھا ہوتا تو آپ معلوم کرلیتے کہ میں نے اپنی خدمات کو اپنے مصائب کا اظہار کرنے کی غرض سے بیان نہیں کیا تھا۔ میں نے ان کو محض یہ ظاہر کرنیکے لیے قلم بند کیا تھا کہ خلاف صورت حالات کے باوجود میں برطانیہ سے تعلق قائم رکھنے میں کس درجہ وفادار رہا۔ میری خدمات بے غرضانہ تھیں کیونکہ میں یقین رکھتا تھا کہ ان خدمات کے ذریعہ سے میں آزادی کی طرف پیشقدمی کرنے میں ملک کی مدد کررہا تھا لہذا برطانیہ کے متعلق بہادری اور بے غرضی کے متعلق آپکا اظہار بے محل ہے۔ برطانیہ کی بہادری اور مصائب برداشت کرنے کی قابلیت وشک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ رہا قومی حیثیت سے بے غرض ہونیکا دعویٰ تو معاف کیجیے میں اس سے بالکل انکار کرتا ہوں مجھے اُسوقت بھی یقین نہ تھا اور نہ دنیا آج یقین کرتی ہے کہ گذشتہ جنگ بے غرضی یا انصاف کی خاطر کیگئی تھی۔ آپ جرمنی کو شکست دینا چاہتے تھے اور اس میں آپ کامیاب ہو گئے۔ میں نہیں سمجھتا کہ جرمن لوگ اتنے شیطان ہیں جتنا کہ انگریزی پریس نے انکو بنا دیا ہے۔ اور نہ میرا یہ یقین ہے کہ اگر وہ فتحیاب ہوجاتے تو دنیا ہی ختم ہوجاتی آپ خیال کرتے ہیں کہ میں کسی بلندی پر ہوں لیکن یقین کیجیے کہ مجھے اسکا علم نہیں ہاں اتنا جانتا ہوں کہ میں ایک ایسے کوہ آتش فشاں کی چوٹی پر ہوں جسکو میں سوختنی بنانیکی کوشش کررہا ہوں۔ بدقسمتی سے ہمیشہ ہر مصلح کی یہی تقدیر ہوا کرتی ہے۔

میری "تخیل پرستی" آپ کو تکلیف پہونچاتی ہے۔ اگر آپ نے میری تحریروں کو پڑھنے کی تکلیف گوارا کی ہوتی تو آپ کو معلوم ہوجاتا کہ میری تخیل پرستی بالکل قابل عمل ہے۔

آپنے بجا طور پر یہ خیال کیا ہے کہ میں در پردہ موالاتی ہوں تقریباً تیس سال سے تو میں موالاتی رہا ہوں پھر اب کیونکر اسکے خلاف ہو سکتا ہوں؟ میں یقیناً اُس پہلے موقعہ کا منتظر ہوں جو موالات قائم کرا سکے لیکن یقین جانئے کہ میں اُسوقت تک موالات نہ کرونگا جب تک کہ انگریز خلافت کی شرائط کو مسلمانوں کے جذبات کے مطابق تصفیہ کرنیکی ضرورت کو محسوس نہ کر لینگے اور جب تک کہ وہ پنجاب کے مظالم کا کفارہ نکرینگے نیز اس خیال کو اپنے دلوں سے نہ نکالدینگے کہ وہ ہمارے سرپرست اور حکمراں ہیں۔ ہندوستان انگریزوں کو اپنا دوست، ساتھی، کارکن اور ہندوستان میں برابر کا حصہ دار تسلیم کرنیکے لئے خوشی سے تیار رہے لیکن اگر وہ اپنے مفاد کی خاطر ہندوستان کو لوٹنا چاہیں تو وہ ضرور ایسا کریں اگر بغیر ہمارے تعاون کے وہ ایسا کر سکتے ہیں۔

آپنے مجھے صداقت سے انحراف کرنیکا ملزم گردانا ہے یہاں بھی آپکی حیرت انگیز لاعلمی مورد الزام ہے آپکو صحیح خبر دیکئی ہے کہ میں نے کاچا گڑھی کے سانحہ کے متعلق جو بیان پیش ہوا اُسکا یقین کر لیا تھا لیکن یہ بیان از روئے حلف اُن لوگوں نے دیا تھا جنپر شبہ کرنیکی کوئی وجہ نہ تھی مجھے جسوقت خبر موصول ہوئی فوراً اسکی تردید اپنے دستخط سے شائع کردی یہاں میں آپ کو ینگ انڈیا کے فائل کا حوالہ دیتا ہوں اور سب سے آخر میں کیا میں آپ سے درخواست کر سکتا ہوں کہ آپ تحریک عدم تعاون کا مطالعہ کریں اور اسکو سمجھیں؟ یہ ایک ایسی تحریک ہے جو غیر انصافی عدم صداقت اور ظلم کا مقابلہ کرنے اور ہندوستان میں سوراج حاصل کرنیکے لئے شروع کی گئی ہے۔ آپ اس بات کو تو مان لینگے کہ باہمی عدم اعتمادی اور بے خوفی کا ہونا زیادہ اچھا ہے۔

اور یہ تحریک اس کمبخت صورت حالات کو ختم کرنیکی ایک جد و جہد ہے میں اس جد و جہد میں آپکے تعاون کا متلاشی ہوں۔

میں ہوں آپکا وفادار۔ (دستخط) ایم۔ کے۔ گاندھی۔

جب کوئی شخص کسی بات میں غیر متزلزل یقین رکھتا ہو تو اسکے لئے کانگرس کے فیصلہ کا انتظار کرنا حماقت ہے

(کانگرس اور عدم تعاون) از قلم مہاتما گاندھی۔ ینگ انڈیا ۴ اگست ۱۹۲۰ء

آنریبل پنڈت مدن موہن مالوی جی جنکی میرے دل میں بڑی عزت ہے اور جنکو میں نے اکثر دھرماتما کے نام سے پکارا ہے علانیہ اور نجی طور پر مجھ سے اپیل کرتے ہیں کہ جب تک کانگریس کوئی فیصلہ صادر کرے میں عدم تعاون کو ملتوی

کردوں۔ اخبار مرہٹہ بھی یہی کہتا ہے۔ ان اپیلوں نے مجھے روکدیا اور اسکے متعلق مزید غور و فکر کرنے پر مجبور کیا لیکن میں افسوس کے ساتھ کہتا ہوں کہ میں اُنپر لبیک نہیں کہہ سکتا میں پنڈت جی کو خوش کرنیکی بہت کوشش کرونگا۔ میں اپنے افعال پر پنڈت جی کی تعریف و تحسین اور مبارکبادی کے لئے بے چین ہوں لیکن اس سے بھی زیادہ ایک اعلیٰ فرض ہے جو مجھے مجبور کرتا ہے کہ اس راستہ سے منہ موڑوں جسکا خاکہ عدم تعاون کمیٹی نے کھینچا ہے۔ زندگی میں بعض گھڑیاں ایسی ہوتی ہیں جب آپکو کام کرنا لازمی ہوتا ہے خواہ آپ اپنے بہترین دوستوں کو اپنے ہمراہ بھی نہ لیجا سکیں تو آپکے دل کی "دھیمی چھوٹی سی آواز" ہمیشہ آپ کی رہنماء ہونی چاہئے۔

مجھسے عملی کارروائی کو ملتوی کرنیکے متعلق جو کہا جاتا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ کانگریس حال میں منعقد ہونے والی ہے اور مسئلہ عدم تعاون پر غور کریگی اور اپنا فیصلہ صادر کریگی۔ لہذا پنڈت جی کہتے ہیں کہ زیادہ بہتر ہو کہ کانگریس کے فیصلہ کا انتظار کیا جائے۔ میری ناچیز رائے میں کانگریس والے کا یہ فرض نہیں ہے کہ وہ کسی ایسے معاملہ میں عملی کارروائی کرنے سے قبل کانگریس سے مشورہ طلب کرے جسمیں اُسے کسی قسم کا شک و شبہ ہو اس سے کاموں میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔

باینہمہ کانگریس تمام قوم کی آواز ہے۔ اور اگر کسی شخص کی کوئی پالیسی یا پروگرام ایسا ہو جسکو وہ رائج کرنا چاہتا ہو اور اُسپر پبلک کی رائے معلوم کرنیکی خواہش رکھتا ہو تو وہ قدرتاً کانگریس سے ہی اسپر غور و خوض کرنے اور رائے کا اظہار کرنے کیلئے کہیگا لیکن اگر کوئی شخص کسی پالیسی میں غیر متزلزل یقین رکھتا ہو تو اسکے لئے کانگریس کے فیصلہ کا انتظار کرنا حماقت ہے بلکہ اس کے برعکس اس شخص کو کام کرنا چاہئے اور اپنی پالیسی کا اثر دکھانا چاہئے تاکہ تمام قوم کی منظوری حاصل ہو سکے۔

کانگریس سے میری وفاداری مطالبہ کرتی ہے کہ میں اُسکی پالیسی پر اُسوقت تک عملدرآمد کروں جبتک وہ میرے ضمیر کے خلاف نہو۔ اگر میری تائید میں اقلیت ہو تو میں کانگریس کے نام سے اپنی پالیسی پر عملدرآمد نہیں کرسکتا لہذا کسی پیش کردہ مسئلہ پر کانگریس کا فیصلہ یہ معنی نہیں رکھتا کہ اسکی رو سے کوئی شخص اسکے خلاف عمل نہیں کرسکتا بلکہ اگر کوئی شخص کانگریس کے فیصلہ کے خلاف عمل کرتا ہے تو وہ اپنی ذاتی ذمہ داری پر کرتا ہے اور یہ علم رکھتے ہوئے کرتا ہے کہ کانگریس اسکے ساتھ نہیں ہے۔ ہر کانگریس والے اور ہر پبلک انجمن کو یہ حق حاصل ہے اور بعض اوقات فرض ہو جاتا ہے کہ اپنی ذاتی رائے کو ظاہر کریں حتی کہ اسپر عملدرآمد بھی کریں اور اس طرح کانگریس کے فیصلہ کا انتظار کریں یقیناً قوم کی خدمت بجالانیکا بہترین طریقہ یہی ہے۔ عمدہ تدابیر کی ایجاد کرکے ہم کانگریس جیسی زبردست سوچنے والی انجمن کیلئے ایسے امور مہیا کرتے ہیں جنپر وہ اپنی رائے قائم کرسکے۔ کانگریس پوری طور پر قومی رائے کا اظہار اُسوقت تک نہیں کرسکتی جبتک کہ ہم میں سے کم از کم بعض اشخاص ایک مخصوص راہ عمل کے لیے مستقل رائے نہ رکھتے ہوں۔ اگر سب لوگ اپنی رائے کو ملتوی کردیں تو کانگریس کو بھی اپنی رائے ملتوی کرنی پڑیگی۔

ہر انجمن میں تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں ایک وہ جو کسی پیش کردہ پالیسی کی موافقت میں رائے رکھتے ہوں۔ دوسرے وہ جو رائے تو قائم کرچکے ہوں لیکن اس پالیسی کی موافقت میں نہوں۔ تیسرے وہ لوگ ہوتے ہیں جنکی کوئی رائے مقرر

نہیں ہوتی۔ کانگریس اس تیسرے اور بڑے گروہ کے متعلق فیصلہ کرتی ہے۔ میں عدم تعاون پر رائے مستحکم کر چکا ہوں۔ میرا یقین ہے کہ اگر ہم اصلاحات سے کوئی فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہم کو موجودہ گندی، مخاصمانہ اور ذلت آمیز فضا کی بجائے خالص صاف اور ارفع و اعلیٰ کرنے والی فضا پیدا کرنی پڑیگی۔ ہمارا پہلا فرض یہ ہے کہ مسائل خلافت و پنجاب میں شاہی گورنمنٹ کو انصاف کرنے پر مجبور کریں ان دونوں معاملات میں جھوٹ اور دیدہ دلیری سے ناانصافی کو جاری رکھا گیا ہے۔ لہذا میں قوم کا فرض سمجھتا ہوں کہ وہ گورنمنٹ کو گندگی کی آلایش سے پاک کرلے۔ قبل اسکے ان دونوں میں تعاون ہو باہمی احترام اور اعتماد کی حالت میں بھی مخالفت اور رکاوٹیں پیدا کی جاسکتی ہیں۔ فی الحال حکمران قوت ہمارا یا ہمارے حسیات کا احترام نہیں کرتی اور ہم اس پر بھروسہ نہیں کرتے ایسی صورت حالات میں تعاون کرنا جرم ہے ایسے مستحکم خیالات رکھتے ہوئے میں کانگریس اور ملک کی خدمت گذاری صرف اسی صورت میں کرسکتا ہوں کہ اُن خیالات کو عملی جامہ پہناؤں اور کانگریس کے واسطے رائے قائم کرنیکے لئے مواد جمع کروں۔ میرے لئے عدم تعاون کا ملتوی کرنا یہ معنی رکھتا ہے کہ میں اپنے مسلمان بھائیوں سے جھوٹا بنوں۔ ان کو اپنا مذہبی فرض انجام دینا ہے تمام قاعدے قانون انصاف کو بالائے طاق رکھکر اور خود اپنے مواعید کو وزراء کے ذریعہ سے توڑ کر مسلمانوں کو گہرا صدمہ پہونچایا گیا ہے مسلمانوں کو ضرور راب عمل کی طرف قدم بڑھانا چاہئے۔ وہ کانگریس کے فیصلہ کا انتظار نہیں کرسکتے وہ صرف یہ امید کرسکتے ہیں کہ کانگریس انکے عمل کی تصدیق کردے اور انکے غم اور بوجھ میں حصہ لے انکے عمل میں اسوقت تک کیلئے تاخیر نہیں کیجا سکتی جبتک کہ کانگریس کسی پالیسی کا فیصلہ کرے ورنہ وہ کانگریس کے کسی مخالفانہ فیصلہ کی وجہ سے اپنا راستہ تبدیل کرسکتے ہیں تاوقتیکہ یہ ثابت نہ ہوجائے کہ انکا عمل غلط ہے خلافت انکے نزدیک ایسا معاملہ ہے جو ان کے ضمیر سے تعلق رکھتا ہے اور ضمیر کے معاملات میں کثرت کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔

بھگوت گیتا۔ تاریکی اور روشنی کی قوتوں کے درمیان عدم تعاون کا پیغام ہے

(عدم تعاون کے خلاف جہاد) از قلم مہاتما گاندھی۔ ینگ انڈیا ۲۰ راگست سنہ ۱۹۲۰ء

میں نے سر نرائن چندا ورکر اور دوسرے لوگوں کے اس اعلان کو غور سے پڑھا ہے جسمیں انھوں نے عوام الناس کو تحریک عدم تعاون میں شامل ہونے سے منع کیا ہے۔ مجھے یہ امید تھی کہ عدم تعاون کے خلاف کچھ معقول دلائل دئے گئے ہونگے لیکن بڑے افسوس کی بات ہے کہ اس میں بڑے مذاہب اور تاریخ کی تاویل کرنیکے سوا اور کوئی بات نہیں پائی گئی۔ اعلان میں لکھا ہے "ہماری مادر وطن کی روایات اور مذہبی عقیدوں نے نہیں بلکہ اُن تمام مذاہب کی روایات اور عقیدوں

سے جنہوں نے نسل انسان کو بلند مرتبہ پر پہونچایا ہے اور اسکو نجات دلائی ہے عدم تعاون سے پناہ مانگی ہے" میں یہ پیش کرنیکی جرأت کرتا ہوں کہ بھگوت گیتا تاریکی اور روشنی کی قوتوں کے درمیان عدم تعاون کا پیغام ہے۔ اگر اسکا لفظی مفہوم لیا جائے تو وہ یہ ہے کہ ایک منصفانہ معاملہ کی وجہ سے ارجن کو غیر منصف کوروں کے خلاف ایک خونریز جنگ میں مبتلا ہونا پڑا تلسی داس سنت (نیک شخص) کو نصیحت کرتا ہے کہ وہ اسنت (بدمعاش) سے پرہیز کرے۔ ژند اوستا ارمز[1] اور اہرمن[2] کے درمیان ایک دائمی لڑائی کو پیش کرتی ہے جنہیں کبھی ملاپ نہیں ہوا۔ انجیل کے متعلق یہ کہنا کہ وہ عدم تعاون کو منع کرتی ہے یہ بتاتا ہے کہ حضرت مسیح کو سمجھا ہی نہیں گیا وہ خاموش مقابلہ کرنیوالوں کے شہزادہ تھے۔ انھوں نے سدوسیوں[3] اور فیراسیوں[4] کی قوت کو چیلنج دیا اور حقانیت و صداقت کی خاطر بیٹوں کو والدین سے جُدا کرنے میں بھی پس و پیش نہ کیا۔ اور پیغمبر اسلام نے کیا کیا انھوں نے جبتک انکی جان خطرہ میں نہ تھی خاص مکہ[5] میں عدم تعاون کیا لیکن جب انھوں نے یہ دیکھا کہ اب وہ اور ان کے پیرو بے فائدہ فنا ہو جائینگے تو مکہ کی خاک اپنے پیروں سے جھاڑ کر مدینہ[6] کی طرف ہجرت کی اور جب وہ اس قابل ہو گئے کہ اپنے مخالفین سے جنگ کر سکیں تو پھر مکہ میں واپس ہوئے۔ نا منصف آدمیوں اور بادشاہوں سے عدم تعاون کا حکم تمام مذاہب نے اس سختی کے ساتھ دیا ہے جتنا کہ انصاف پسند آدمیوں اور بادشاہوں سے تعاون کا حتی کہ دنیا کی بعض مقدس کتابیں عدم تعاون سے بھی بڑھ گئی ہیں اور ظلم کے سامنے گردن جھکانے پر تشدد کو ترجیح دیتی ہیں۔ ہندو مذہبی روایت جسکا اعلان مذکور میں تذکرہ کیا گیا ہے صاف طور پر عدم تعاون کی اجازت دیتی ہے پرہلاد[7] نے خود کو اپنے باپ سے علیحدہ کر لیا۔ میراں بائی[8] نے اپنے شوہر کو خیرباد کہا اور ببھیشن[9] نے اپنے ظالم بھائی راون سے علیحدگی اختیار کی۔

دنیاوی پہلو کا تذکرہ کرتے ہوئے اعلان مذکور کہتا ہے" قوموں کی تاریخ میں کوئی ایسی مثال موجود نہیں جو یہ ظاہر کرتی ہو کہ

---

[1] ارمز۔ قدیم ایرانیوں اور موجودہ پارسیوں کا بڑا خدا۔

[2] اہرمن۔ پارس کے زردشتی مذہب کے رو سے اہرمن خبیث روح کا نام ہے جو ہمیشہ ارمز کے خلاف معرکہ آرا رہتی ہے۔

[3] سدوسیوں Saducees قدیم یہودیوں میں ایک فرقہ تھا جو خدا کے سوا اور کسی روحانی موجودات کے وجود کا قائل نہ تھا انکا عقیدہ تھا کہ جسم کے ساتھ روح بھی مرجاتی ہے اور حشر و نشر کے قائل نہ تھے

[4] فیراسیوں Pharisees یہودیوں کا ایک فرقہ جو رسم و رواج اور بڑوں کی روایات کا ماننے والا تھا وہ خود کو دوسرے یہودی فرقوں سے افضل سمجھتا تھا

[5] مکہ۔ پیغمبر اسلام کی جائے پیدائش اور مسلمانوں کا مقدس مقام۔

[6] مدینہ۔ پیغمبر اسلام کی جائے وفات۔

[7] پرہلاد۔ ہرناکشب کا لڑکا۔ ہرناکشب اپنے آپکو خدا کہتا تھا اس لئے پرہلاد نے اُس سے علیحدگی اختیار کی۔

[8] میراں بائی۔ مارواڑ کی مشہور رانی۔ اکبر کے زمانہ میں گذری ہے۔ اسکا شوہر راجہ اسکے مذہبی کاموں میں حارج ہوتا تھا اس لئے اُسنے اپنے شوہر سے جُدائی اختیار کی۔

[9] ببھیشن۔ راون کا چھوٹا بھائی ایشور بھگت تھا اور راون ناستک اس لئے ببھیشن نے رام چندر جی کا ساتھ دیا اور لنکا کی فتح کے بعد اسکو راج گدی دی گئی۔

عدم تعاون نے جاری ہوکر کامیابی حاصل کی ہو یا کوئی فائدہ پہونچا ہو"۔ عدم تعاون کی کامیابی کی ایک تازہ ترین روشن مثال جنرل بوتھا کی ہے جنہوں نے لارڈ ملنر کی اصلاحی کونسلوں کا بائیکاٹ کرکے اپنے ملک کے لئے مکمل دستور آئینی حاصل کرلیا۔ روس کے دھکوبور لوگوں نے عدم تعاون اختیار کیا اور اگرچہ وہ محض مٹھی بھر آدمی تھے تاہم انکی شکایات نے مہذب دنیا کو آتنا جنبش میں ڈالا کہ کناڈا نے ان کو بود و باش اختیار کرنے کے لئے اپنے ملک میں جگہ پیش کی جہاں اب ان کا فرقہ بڑی خوشحالی سے زندگی بسر کر رہا ہے۔ ہندوستان میں ایسی درجنوں مثالیں دی جاسکتی ہیں جہاں چھوٹے چھوٹے علاقوں میں رعیت نے اپنے سرداروں سے شاکی ہوکر تعلقات منقطع کر دیئے اور اپنی مرضی کے سامنے ان کا سر جھکوا دیا۔ مجھے تاریخ میں کوئی ایسی مثال نہیں ملی جہاں خوش مرتب عدم تعاون ناکام رہا ہو۔

ابتک میں نے بلا خونریزی عدم تعاون کی تاریخی مثالیں دی ہیں۔ اب میں تشدد آمیز عدم تعاون کی تاریخی مثالیں بیان کرکے ناظرین کی معلومات کی بے حرمتی نہ کرونگا لیکن اس امر کا اعتراف کرنے میں آزاد ہوں کہ تشدد آمیز عدم تعاون کی تاریخ میں جتنی ناکامیابی ہیں اُسی قدر کامیابیاں بھی موجود ہیں اور چونکہ میں اس حقیقت سے باخبر ہوں اسی وجہ سے میں نے ملک کے سامنے عدم اشتدادی اسکیم رکھی ہے جسمیں اگر کام قابل اطمینان طریق پر کیا گیا تو کامیابی یقینی ہے۔ اور اگر اسکا خیر مقدم نہ کیا گیا تو پھر بھی اس سے کوئی نقصان نہ ہوگا۔ یہ اس تحریک کا مذہبی یا اخلاقی پہلو ہے سیاسی نتائج کیلئے قدرتاً اسمیں تمام لوگوں کی حمایت کی ضرورت ہے لہذا مجھے یہ خوف نہیں ہے کہ عدم تعاون سے تباہ کن نتائج رونما ہونگے بجز اسکے کہ عوام میں اشتعال کے ماتحت یا بغیر اشتعال کے کبھی کوئی تشدد برپا ہو لیکن میں تمام نسل کو بزدل اور نامرد بنانے کے بجائے تشدد میں پڑنے کو ہزار گونہ ترجیح دونگا۔

میرا اعتقاد نہیں ہے کہ نیکی کرنے کیلئے "گیتا" تشدد کے استعمال کی تعلیم دیتی ہے

عدم تعاون کیلئے مذہبی ثبوت) از قلم مہاتما گاندھی ینگ انڈیا ۲۵ راگست سنہ ۱۹۲۰ء

میں باول ناخواستہ ایک ایسی بحث میں پڑتا ہوں جو مسٹر نراین چنداورکر کے خلاف مجھے شروع کرنی پڑی ہے لیکن اس حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ میں ہی تحریک عدم تعاون کا بانی ہوں یہ میرا تکلیف دہ فرض ہوجاتا ہے کہ اپنے خیالات کا اظہار کروں خواہ وہ ان لیڈران کے مخالف ہی کیوں نہ ہوں جنکا میں احترام کرتا ہوں۔ مالابار کے سفر کے دوران میں میں نے اپنے اس جواب کا جواب الجواب دیکھا ہے جو میں نے بمبئی کے اعلان کے خلاف لکھا تھا، مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جواب الجواب

سے بھی مجھے کسی قسم کی تسکین نہیں ہوئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اور میں انجیل، گیتا اور قرآن کی تعلیمات کو مختلف نقطۂ نگاہ سے مطالعہ کرتے ہیں یا یہ کہ ان کا مختلف مفہوم سمجھتے ہیں۔ اہنسا، سیاست اور مذہب کے سمجھنے میں ہم دونوں میں اختلاف معلوم ہوتا ہے۔ میں ہر ممکن کوشش سے اس امر کو صاف کروں گا کہ میں ان تمام اصطلاحات اور مختلف مذاہب کے کیا معنی سمجھتا ہوں۔

ابتدا میں سر نرائن کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میں نے اہنسا کے متعلق اپنی رائے کو تبدیل نہیں کیا ہے مجھے اب تک یقین ہے کہ چونکہ انسان کو قوت خلق عطا نہیں کی گئی ہے اسلئے اسکو یہ حق حاصل نہیں کہ ادنےٰ سے ادنےٰ مخلوقات کو بھی فنا کر دے فنا کرنے کا اختیار محض مخلوقات کے پیدا کرنیوالے کو حاصل ہے۔ میں اہنسا کے اس مفہوم کو تسلیم کرتا ہوں کہ یہ عدم مضرت رسانی کی حالت نفی ہی نہیں ہے بلکہ محبت اور بدکاروں کے ساتھ بھی نیک عمل کرنے کی حالت اثبات بھی ہے لیکن اسکے یہ معنی نہیں ہیں کہ بدکاروں کی امداد بدکاری جاری رکھنے کے لئے کیجائے۔ صابرانہ رضامندی کے ساتھ اسکو برداشت کیا جائے بلکہ اسکے برعکس اہنسا کی عملی حالت اس امر کی متقاضی ہے کہ بدکار سے علیحدگی اختیار کرکے اسکا مقابلہ کیا جائے خواہ اس فعل سے اُسے غصہ یا جسمانی تکلیف ہی کیوں نہ پہونچے۔ اس طرح اگر میرا بیٹا ندامت خیز زندگی بسر کرتا ہے تو مجھکو چاہئے کہ اسکی حمایت کرکے اسکے فعل کو جاری رکھنے میں امداد نہ کروں۔ برخلاف اسکے میری محبت اس امر کی متقاضی ہے کہ اس سے اپنی تمام امداد کو علیحدہ کرلوں خواہ ایسا کرنے سے اسکو موت سے دوچار ہونا کیوں نہ پڑے پھر بھی محبت مجھپر یہ فرض عائد کرتی ہے کہ اگر میرا بیٹا اپنی بدکاریوں سے توبہ کرے تو اُس کو اپنے سینہ سے لگالوں لیکن جسمانی قوت کا استعمال کرکے میں اپنے بیٹے کو نیک بنانے پر مجبور نہیں کرسکتا۔

عدم تعاون خاموش حالت کو نہیں کہتے بلکہ یہ تو بڑی سخت عملی حالت ہوتی ہے حتّٰی کہ تشدد آمیز اور جسمانی مقابلہ سے بھی زیادہ عملی ہوتی ہے اسکو خاموش مقابلہ کہنا غلط ہے۔ میں جن معنوں میں عدم تعاون کو استعمال کرتا ہوں وہ بے تشدد ہونا چاہئے لہذا نہ تو وہ تعزیری ہو اور نہ منتقمانہ اور نہ اُسکی بنیاد بغض وحسد، عدم اعتماد اور نفرت پر ہونی چاہئے لہذا اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جنرل ڈائر کی خدمت بجالانا یا بیگناہوں کو گولی سے اُڑانے میں انکے ساتھ تعاون کرنا گناہ عظیم ہے لیکن اگر وہ کسی جسمانی مرض میں گرفتار ہو تو اسوقت اُسکی تیمارداری کرنا میرے نزدیک عفو و محبت کی بجاآوری ہے۔ میں اسکو تعاون نہیں کہہ سکتا جیسا کہ ممکن ہے کہ سر نرائن کہینگے میں گورنمنٹ کو اُسکی جابرانہ طرز زندگی سے علیحدہ کرنے کیلئے ہزار مرتبہ تعاون کرسکتا ہوں لیکن اس طرز زندگی کو جاری رکھنے میں میں ایک لمحہ کے لئے بھی اس کے ساتھ تعاون قائم رکھنا گوارا نہیں کرسکتا اور اگر میں اس کا کوئی خطاب بحال رکھوں یا اسکے ماتحت ملازمت اختیار کروں یا اُسکی عدالتوں یا اسکولوں کی حمایت کروں تو میں بھی غلط کاری کا مجرم ہونگا۔ میرے لئے کاسۂ گدائی لینا اس بیش بہا سے بیش بہا چیز سے زیادہ بہتر ہے جو ایسے ہاتھوں سے ملے جو جلیانوالہ باغ کے بیگناہ لوگوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔ ان لوگوں کے میٹھے الفاظ کے مقابلہ میں وارنٹ گرفتاری کہیں زیادہ اچھا ہے جنہوں نے میرے سات کروڑ بھائیوں کے مذہبی جذبات کو بری طرح سے مجروح کیا ہے میں نے جسطرح گیتا کا مطالعہ کیا ہے وہ اس سے بالکل مختلف ہے جس طرح سر نرائن نے کہا ہے۔ میرا یہ اعتقاد

نہیں ہے کہ نیکی کرنے کیلئے گیتا تشدد کے استعمال کی تعلیم دیتی ہے بلکہ وہ ایسے جھگڑے کا بیان ہے جو ہمارے دلوں میں ہوتا رہتا ہے اسکے عیب دان مظہر[1] نے تاریخی واقعہ استعمال کرکے یہ سبق دیا ہے کہ ہر شخص کو اپنی جان کے خطرہ کی حالت میں بھی اپنا فرض ادا کرنا چاہیئے۔ وہ تعلیم دیتی ہے کہ وہ فرائض کو بغیر یہ خیال کئے کہ انکا کیا نتیجہ ہوگا انجام دینا چاہئے کیونکہ ہم فانی لوگ اپنے اعمال کے سوا دوسروں کے اعمال پر قابو رکھنے کے نا قابل ہیں۔ گیتا روشنی اور تاریکی کی قوتوں میں امتیاز پیدا کرتی ہے اور ان کی باہمی ناموافقت کو ظاہر کرتی ہے۔

مسیح میری رائے میں سیاسی آدمیوں کا شہزادہ تھا اس نے سیزر کو وہی دیا جو اسکا تھا اسنے شیطان کو بھی اسکا حصہ دیا۔ اس نے ہمیشہ شیطان سے پرہیز کیا اور معلوم ہوا ہے کبھی اسکے افسوں کے سامنے گردن نہیں جھکائی۔ اسکے زمانہ کی سیاست لوگوں کی خیر و عافیت حاصل کرنے پر مشتمل تھی۔ وہ لوگوں کو تعلیم دیتا تھا کہ پادریوں اور فریسیوں کی فریب کاریوں کے پھندے میں نہ پھنسنا چاہئے۔ موخر الذکر اس زمانہ میں عوام الناس کی زندگیوں پر قابو رکھتے تھے۔ آج گورنمنٹ سسٹم اس ترکیب سے تراشا گیا ہے کہ اسکا اثر ہماری زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے۔ یہ خاص ہماری ہستی کے لئے خطرناک ہے لہذا اگر ہم اپنی قوم کی خیر و عافیت کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں تو ہم کو چاہئے کہ گورنروں کے افعال میں از روئے مذہب اپنے آپ کو ڈالدیں اور قوانین اخلاق کی تعمیل کرانے کے لئے اپنے اثر کو کام میں لادیں۔ جنرل ڈائر نے قتل عام کرکے ایک "اخلاقی نتیجہ" پیدا کیا۔ وہ لوگ جو تحریک عدم تعاون کو پیش کرنے میں مشغول ہیں۔ ذاتی قربانی، ایثار اور تزکیہ نفس کے ذریعہ سے 'اخلاقی نتیجہ' پیدا کرنیکی امید کرتے ہیں مجھے تعجب ہے کہ سر نرائن نے جنرل ڈائر کے قتل عام کا بھی اس روشنی میں تذکرہ فرمایا ہے جسمیں عدم تعاون کا کیا ہے میں نے بہت کوشش کی کہ انکا مطلب سمجھ جاؤں لیکن افسوس کے ساتھ اس امر کا اعتراف کرتا ہوں کہ میں اسمیں ناکام رہا۔

میں تسلیم کرتا ہوں کہ عدم تعاون کا راستہ خطرات سے پر ہے لیکن اگر ہمیں ایک خود مختار قوم بننا ہے تو اسکو طے کرنا ہوگا

مزید اعتراضات کے جواب) مہاتما گاندھی کے قلم سے۔ ۱۰ راگست ۱۹۲۰ء

سودیشی متران۔ مدراس کے تامل روزانہ اخبارات میں سب سے زیادہ با اثر اخبار ہے، دور دراز کے لوگ اس کو دیکھتے ہیں۔ اسکے کالموں میں جو چیز شائع ہوتی ہے وہ قابل احترام ہے۔ اڈیٹر اخبار مذکور نے عدم تعاون کے راستہ میں چند عملی مشکلات تجویز کی ہیں۔ لہذا میں اپنی بہترین قابلیت کے ساتھ اُن پر تبصرہ کرونگا۔

---

[1] کرشن بھگوان سے مراد ہے۔

میں نہیں جانتا کہ اطلاع کہاں سے حاصل کی گئی کہ میں نے عدم تعاون کی آخری دو منزلوں کو ترک کر دیا ہے۔ میں نے صرف اسقدر کہا ہے کہ وہ دور افتادہ منزل مقصود ہے اور میں اسپر قائم ہوں میں تسلیم کرتا ہوں کہ عدم تعاون کی تمام منزلیں خطرات سے پُر ہیں لیکن آخری دو منزلوں میں سب سے زیادہ خطرات ہیں اور سب سے آخری منزل تو سب سے زیادہ خطروں سے بھری ہوئی ہے۔ اُن آخری دو منزلوں کو اُسوقت تک اختیار نہیں کیا جاویگا جبتک کہ کمیٹی کو یہ یقین کرنے کے لئے عوام الناس پر پورا قابو حاصل نہ ہو جائیگا کہ ہتھیاروں کا رکھنا یا عدم ادائیگی محصولات عوام کی طرف سے ہر طرح کے تشدد سے پاک و صاف ہوگی مجھے یقین کامل ہے کہ ان دو مذکورہ بالا منزلوں کے لئے عوام کا ضروری ترتیب و باقاعدگی اختیار کرنا ممکن ہے جسوقت وہ اس حقیقت کو محسوس کر لینگے کہ ایک غیر رضامند گورنمنٹ کو اپنی مرضی کے سامنے خم کرنے میں تشدد بالکل غیر ضروری ہے اور یقینی نتیجہ صرف اعلیٰ عدم تعاون سے ہی حاصل ہو سکتا ہے تب وہ انتقام لینے کی خاطر بھی تشدد کا خیال ترک کر دینگے واقعہ یہ ہے کہ ہم نے ابتک عوام الناس سے باقاعدہ کام لینے کی کوشش ہی نہیں کی۔ اگر ہمیں درحقیقت ایک خود مختار قوم بننا ہے تو کسی نہ کسی طرح یہ کوشش ہمکو کرنی پڑیگی۔ موجودہ تحریک میری رائے میں اس کام کے لئے نہایت موزوں ہے۔ ہر ہندوستانی پنجاب کی بے عزتی کو اپنی ذاتی بے عزتی محسوس کرتا ہے۔ خلافت کے معاملہ میں جو زیادتی کی گئی ہے ہر مسلمان اس سے برافروختہ ہے۔ لہذا عوام کی طرف سے ایک قابو یافتہ تحریک کی توقع رکھنے کیلئے فضا بالکل موافق ہے۔

جہانتک عوام الناس کی منظوری کا تعلق ہے میں اڈیٹر مذکور سے متفق ہوں کہ عدم ادائیگی ٹکس میں سب سے زیادہ اور بہت جلد لبیک کہنا ضروری ہے لیکن جیسا کہ میں نے کہا ہے جب تک عوام الناس ایسی صورت میں بھی کہ انکے مقبوضات فروخت کر دیئے جائیں عدم تشدد کی قدر کرنے کے لئے شائستہ نہیں بنا دیئے جاوینگے اُسوقت تک آخری منزل کا اختیار کرنا مشکل ہے۔

میں اس امر سے بھی متفق ہوں کہ اگر ہم میں اتنی قابلیت پیدا ہو جاوے کہ چوروں اور ڈاکوؤں سے خود کو محفوظ رکھ سکیں تو پولیس اور فوج کا عدم تعاون کرانا تباہ کن ثابت ہوگا لیکن میں کہتا ہوں کہ جب ہم فوج اور پولیس کو ایک بڑے پیمانہ پر علیحدہ کرینگے تو اسوقت ہماری پوزیشن اس قابل ہو جائیگی کہ اپنی مدافعت کر سکیں۔ اگر پولیس اور فوج حب الوطنی کی غرض سے مستعفی ہوگی تو میں یقیناً اُن سے امید کرونگا کہ انہیں فرائض کو بحیثیت قومی رضاکاروں کے یہاں بھی انجام دیں۔ یہاں فرائض کا انجام دینا بطور کرایہ کے ٹٹو کے نہ ہوگا بلکہ اپنے ہموطنوں کی آزادی اور جان کے محافظ ہونیکی حیثیت سے ہوگا۔ تحریک عدم تعاون ایک خود رو ضابطہ ہے اگر سرکاری مدارس خالی کر دیئے گئے تو میں یقیناً امید کرتا ہوں کہ قومی مدارس معرض وجود میں آجائینگے اگر وکلا نے بحیثیت مجموعی وکالت ترک کر دی تو وہ خود پنچایتی عدالتیں ترتیب دے لینگے اور قوم کو نجی تنازعات کا تصفیہ کرنے اور غلط کار کو سزا دینے کا ایک زیادہ عمدہ اور سستا طریقہ ہاتھ لگ جائیگا۔ میں اس بات کا اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ کام کی مشکلات کے لئے خلافت کمیٹی پورے طور پر زندہ ہے اور جیسی جیسی ضروریات رونما ہوتی رہتی ہیں انہیں کے موافق وہ ضروری تدابیر اختیار کر رہی ہے۔

سول محکموں کو چھوڑنے کے متعلق کسی قسم کے خطرہ کا خوف نہیں ہے کیونکہ کوئی شخص اسوقت تک اپنی ملازمت ترک نہ کریگا

تاوقتیکہ وہ اس پوزیشن میں نہو کہ اپنے اور اپنے متعلقین کے لئے اپنے دوستوں یا کسی دوسرے ذریعہ سے امداد حاصل کرے۔

طلبار کے مجوزہ عدم تعاون سے اظہار عدم رضامندی اس امر کو بتاتی ہے کہ عدم تعاون کی اصل نوعیت کو نہیں سمجھا گیا یہ بالکل سچ ہے کہ ہم روپیہ ادا کرتے ہیں جس سے ہمارے بچے تعلیم حاصل کرتے ہیں لیکن جبکہ تعلیم دینے کی ایجنسی ہی خراب ہوگئی ہو تو اب ہم ایجنٹ کی خرابیوں میں حصہ لئے بغیر اسکو جاری نہیں رکھ سکتے جسوقت طلبار اسکول اور کالجوں کو خیر باد کہدینگے تو میں مشکل سے خیال کرسکتا ہوں کہ اساتذہ مستعفی ہونیکی مصلحت کو سمجھنے میں قاصر رہینگے۔ اور بالفرض اگر وہ مستعفی نہ بھی ہوئے جب مذہب اور عزت خطرہ میں ہو روپیہ کے سوال کی مشکل سے اجازت دیجاسکتی ہے۔

رہا کونسل بائیکاٹ کا مسئلہ تو اسکے متعلق یہ ہے کہ اعتدال پسند یا کسی دوسرے شخص کے داخلہ کونسل سے اتنا ہرج نہیں ہوتا ہے جتنا کہ ان لوگوں کے داخلہ سے ہوتا ہے جو عدم تعاون پر یقین رکھتے ہیں یہ نہیں ہوسکتا کہ ظاہر میں تو آپ تعاون کریں اور باطن میں عدم تعاون۔ ایک کونسلر کونسل میں رہ کر کونسل کی میز پر نشاکر نیوالے گماشتہ سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ تو مستعفی ہوجا۔

اگر تلوار ہی فیصلہ کرسکتی ہی تو وہ صرف سکھوں یا گورکھوں کی کیوں ہو بلکہ تمام ہندوستانیوں کی ہونی چاہئے

(ایک مشورہ) مہاتما گاندھی کے قلم سے یکم دسمبر ۱۹۲۰ء

مجھے حسب ذیل گمنام مشورہ موصول ہوا ہے :۔

"مہاتما" ایک عورت کے مشورہ کو سنئے۔ اسکو نہ مانئے لیکن قبل اسکے کہ آپ اس کو مسترد کریں اسپر کافی غور کرلیجئے اور خدائے حکیم علی الاطلاق سے عقل اور الہام کی دعا کیجئے۔ اجماع میں طاقت ہے تفرقہ میں کمزوری ہے۔ عدم تعاون کے دائرہ کو صرف تین چیزوں تک محدود رکھئے۔ (۱) غیر ملکی مال (۲) پولیس کی ملازمت (۳) فوج کی ملازمت اس سے اندرونی اختلافات دور ہوجائینگے ہماری تحریک زیادہ مستحکم ہوجائیگی اور حصول سوراج کی طرف بعجلت ترقی کیجاسکے گی اپنے مساعی کو اگرچہ کلی طور پر نہیں لیکن خصوصیت کے ساتھ سرحدی قبائل یعنی سکھ، پنجابی، ڈوگرا، اور خصوصاً لوگوں تک محدود کیجئے۔ تاریخ کی تعلیم کے مطابق نقارہ کی گونج میں نہیں بلکہ خفیہ سوسائٹی کے ذریعہ سے کام کیجئے، دھمکیاں نہ دیجئے بلکہ ضرب لگائیے اور ضرب بھی شاخوں پر نہیں بلکہ جڑ پر۔ خدا آپکے اور ہمارے مسائل کو جلد کامیاب کرے۔ "مسز الفیت"

خط مذکورہ بالا میں کوئی تاریخ درج نہیں۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اسکی لکھنے والی عورت نہیں ہے اسکی عبارت شان نسوانی کے اسقدر خلاف ہے کہ اسکو عورت کا مراسلہ نہیں کہا جاسکتا۔ خط مذکور میں ہندوستانی مستورات کو جسقدر بہادر ظاہر کیا گیا ہے

اسکے مقابلہ میں ہندوستانی عورتیں کہیں زیادہ بہادر ہیں۔ راقم نے خدا کا حوالہ دیا ہے لیکن برطانوی سنگینوں کا خوف اسکے دل پر قابض ہے اور لہذا سکھ اور گورکھوں کی تلواروں کے استعمال کا آرزومند ہے۔ اسلئے عدم تعاون کے پیغام کو غلط طرح پر ہضم کیا ہے۔ حالت خوف میں وہ اس بات کو نہیں دیکھتا کہ برطانوی ظالمانہ طاقت کا تبادلہ کسی دوسری ظالمانہ طاقت سے کرنا ہندوستان کی بیماریوں کا حقیقی علاج نہیں۔ اور اگر امور متنازعہ کا تصفیہ صرف تلوار ہی کر سکتی ہے تو وہ سکھ یا گورکھوں کی تلوار نہ ہونی چاہیئے بلکہ تمام ہندوستان کی ہونی چاہیئے۔ یورپ نے یہی ایک اعلیٰ سبق پڑھایا ہے اگر صرف ظالمانہ طاقت ہی حکومت کر سکتی ہے تو کروڑہا ہندوستانیوں کو فن حرب سیکھنا چاہیئے۔ یا ہمیشہ کے لئے اس شخص کے قدموں پر سرنگوں رہنا چاہیئے جو تلوار چلانا جانتا ہے خواہ پردیسی ہو یا سودیشی اور کروڑہا باشندوں کو بے زبان ہکنے والے چوپایوں کی طرح زندگی بسر کرنی چاہیئے لیکن عدم تعاون ایک ایسی جد وجہد ہے جو عوام الناس کو بیدار کرنیکی غرض سے بنائی گئی تاکہ وہ اپنی طاقت اور مرتبہ کو پہچانیں اور یہ صرف اُسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ عوام یہ محسوس کرنے کے قابل بنا دیئے جاویں کہ ظالمانہ قوت سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ہمیں ڈوگرا، سکھ اور گورکھا لوگوں کی ضرورت ہے لیکن اس غرض سے نہیں کہ ان کو برطانوی سپاہ سے برسر پیکار کیا جاوے بلکہ اسلئے تاکہ ان کو روکا جاوے کہ وہ ہمیں غلام بنانے میں برطانوی سپاہیوں کی امداد نہ کریں۔ ہم اپنے فوجی طبقوں کو یہ محسوس کرانا چاہتے ہیں کہ ایک برطانوی افسر کے حکم پر تلوار چلا کر وہ ہماری اور اپنی طوق غلامی کو پائیدار نہ بناویں اور یہ زمانہ اُس وقت آئیگا جبکہ وہ درسگاہ مُردہ ہو جائیگی جسکو راقم خط انکو رستے پیش کیا ہے اور ہمارے فوجی طبقے عدم تشدد کی ضرورت کو سمجھ جائینگے۔

راقم خط ہم سے یہ کہکر کہ ہمیں اپنی تمام تر توجہ غیر ملکی مال، پولیس اور فوج پر مبذول کرنی چاہیئے مجھے اپنی طرف سے شبہ میں ڈالتا ہے۔ اس طرح پر وہ اندرونی اتحاد، تمام قربانیوں سے دست بردار ہو کر حاصل کرنا چاہتا ہے گویا وہ یہ چاہتا ہے کہ وہی طبقہ جنہوں نے اب تک پبلک رائے کی رہبری کی ہے تزکیہ نفس کی تمام قربانیوں کو خیرباد کہدیں حالانکہ تحریک عدم تعاون کی جنگ انہیں طبقوں کے ارد گرد موجزن ہے ممکن ہے کہ فی الحال عدم تعاون ایک بے شرار آگ معلوم ہو لیکن درحقیقت جب تزکیہ نفس کا عمل ختم ہو جائیگا تو یہ بھی ایک حقیقی اتحاد حاصل کرلیگا۔

علاوہ ازیں راقم نے اس عظیم الشان نتیجہ کو بھی نظر انداز کر دیا ہے جو ہماری جنگ کی صفائی نے حاصل کیا ہے میری رائے میں پبلک نے اپنی رائے کا اظہار اتنی بیخوفی اور آزادی کے ساتھ کبھی نہیں کیا جتنا کہ اس مرتبہ کیا ہے اس نے قریب قریب بغاوت کے مصنوعی قانون سے ڈرنا چھوڑ دیا۔ جس وقت راقم مکتوب خفیہ سوسائٹیوں کا ذکر کرتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ زمانہ گذشتہ کا تذکرہ کر رہا ہے۔ ہم اس زبردست قوم کو اخفا کے کثیف طریقے استعمال کرکے اسکی پوری بلندی پر نہیں پہونچا سکتے۔ ہمکو صفائی کے چمکدار سورج کی روشنی میں اپنی جنگ کو دلیرانہ جاری رکھکر خفیہ ذرائع اور پولیس کے اخلاق شکن محکمہ کو غیر مسلح کرنا چاہیئے۔ عدم تعاون اگر جڑ پر ضرب نہیں لگاتا تو پھر کسی کام کا نہیں اور ہم اسوقت تک جڑ پر ضرب نہیں لگا سکتے جب تک کہ برطانوی گورنمنٹ کے مہلک درخت کو پانی دینا بند

نہ کروگے اور اس کا ذریعہ صرف یہ ہے کہ علانیہ اور باعزت عدم تعاون اختیار کیا جائے۔ راقم مکتوب خدا کا نام فضول لیتا ہے جبکہ وہ شیطان کے خفیہ طریقوں کی وکالت کرتا ہے۔

عدم تعاون ہمیں تعلیم دیتا ہے کہ اپنے ہم جنسوں سے باوجود انکی خطاؤں کے محبت کریں لیکن اسکے معنی نہیں کہ ان خطاؤں کو فراموش یا نظر انداز بھی کردیا جائے

(بعض شکوک) مہاتما گاندھی کے قلم سے۔ ینگ انڈیا ۱۵ردسمبر ۱۹۲۰ء

بابو جنک دھاری پرشاد چمپارن میں میرے ہمراہ ایک سرگرم کارکن تھے انھوں نے ایک طویل خط میں اپنے اس لقین کے وجوہات بتائے ہیں کہ ہندوستان کے سامنے ایک عظیم الشان مشن درپیش ہے اور یہ کہ وہ اپنا مقصد محض بے تشدد عدم تعاون کے ذریعہ سے بھی حاصل کرسکتا ہے لیکن ان کو بعض شکوک ہیں جن کے متعلق وہ چاہتے ہیں کہ میں علانیہ ان کے جوابات دوں۔ خط چونکہ بہت طویل ہے اسلئے میں اس کو شائع نہیں کرتا لیکن اس میں جن شبہات کا اظہار کیا گیا ہے وہ قابل احترام ہیں اور مجھکو انکے جواب دینے کی کوشش کرنی چاہئے۔ ذیل میں میں ان کو اسی طرح درج کرتا ہوں جسطرح بابو جنک دھاری پرشاد نے ارسال کئے ہیں:۔

(الف) کیا عدم تعاون کی تحریک انگریزوں اور ہندوستانیوں کے مابین نسلی منافرت پیدا نہیں کررہی ہے اور کیا یہ عالمگیر محبت اور اخوت کی عمدہ تدبیر کے مطابق ہے؟

(ب) کیا لفظ "شیطانی"[1] وغیرہ وغیرہ کا استعمال غیر برادرانہ جذبات کی چاشنی پیدا نہیں کرتا اور نفرت کے جذبات کو نہیں ابھارتا؟

(ج) کیا تحریک عدم تعاون کو قول اور فعل دونوں اعتبار سے سختی کے ساتھ عدم استدادی اور غیر جذباتی روش پر نہیں چلنا چاہئے؟

(د) کیا یہ خطرہ نہیں ہے کہ تحریک قابو سے باہر ہوجائے اور تشدد کی رہنمائی کرے؟

(آ) کا جواب یہ ہے کہ تحریک نسلی منافرت پیدا نہیں کررہی ہے یہ یقیناً اسکا باقاعدہ اظہار کرتی ہے آپ برائی کو نظر انداز کرکے اس کو نیست و نابود نہیں کرسکتے اور میں نے جو عدم تعاون کو ہاتھ میں لیا ہے اسکی وجہ ہی یہ ہے کہ میں عالمگیر اخوت کو ترقی

[1] devilish اور Satanic سے مراد ہے جو مہاتما جی نے اکثر اپنے مضامین میں موجودہ گورنمنٹ سسٹم کے خلاف استعمال کئے ہیں

دینا چاہتا ہوں تاکہ ہندوستان تزکیہ نفس کے ذریعہ سے دنیا میں موجودہ حالت کے مقابلہ میں زیادہ حصہ لینے لگے۔

رہا دوسرا شبہ سو میں جانتا ہوں کہ لفظ (شیطانی) سخت الفاظ ہیں لیکن وہ حقیقت واقعہ کو ظاہر کرتے ہیں۔ انکا ذاتیات سے تعلق نہیں بلکہ ایک سسٹم پر عائد کئے گئے ہیں اگر ہم برائی سے پرہیز کرنا چاہتے ہیں تو اسکو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے پر مجبور ہیں لیکن عدم تعاون کے ذریعہ سے برائی اور برائی کرنیوالے کے درمیان امتیاز کیا جا سکتا ہے۔ میں نے اپنے بھائی کی کسی خاص سرگرمی کو لفظ 'شیطانی سرگرمی' سے تعبیر کرنے میں کوئی دقت محسوس نہیں کی لیکن مجھے اس بات کا علم نہیں کہ خاص اس بھائی کی ذات سے بھی مجھے کوئی نفرت تھی۔ ہمیں عدم تعاون یہ تعلیم دیتا ہے کہ اپنے ہم جنسوں سے باوجود انکی خطاؤں کے محبت کریں لیکن اسکے یہ معنی نہیں ہیں کہ ان خطاؤں کو فراموش یا نظر انداز بھی کر دیا جائے۔

دفعہ (ج) کا جواب یہ ہے کہ تحریک یقیناً عدم اشتدادی روش پر چلائی جا رہی ہے۔ یہ سچ ہے کہ تمام پیروان عدم تعاون نے اس تعلیم کو اچھی طرح اپنے اندر جذب نہیں کیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کس قدر برا ترکہ ہمیں ملا ہے تحریک میں جذبات ضرور موجود ہیں لیکن جس آدمی میں جذبات نہیں اس میں حسیات بھی نہیں ہوتے۔

رہا دفعہ (د) سو یقیناً یہ خطرہ ہے کہ تحریک اشتدادی بن جائے لیکن خطرات کی وجہ سے ہم بے تشدد عدم تعاون کو اسی طرح بند نہیں کر سکتے جسطرح کہ آزادی کو اسکی برائی کی وجہ سے نہیں روکا جا سکتا۔

اگر انگریز اسلحہ کے ذریعے ہمارے سروں پر حکومت نہ کرتے تو آج ہمارے ملک کی عورتیں اور مرد بھی دوسری قوموں کیطرح بہادر ہوتیں

(نفرت کا پیغام) مہاتما گاندھی کے قلم سے ینگ انڈیا ۲۹ دسمبر ۱۹۲۰ء

'انڈین انٹرپریٹر' عدم تعاون کے خلاف بہت کچھ کہنا چاہتا ہے۔ کاش کہ اڈیٹران پبلک مسائل پر قلم اٹھانے سے پیشتر انکو سمجھ لیا کریں "انڈین انٹرپریٹر" ایک عیسائی اخبار ہے اور ایک ذمہ دار اخبار ہے جو مذہبی معاملات کے لئے ہے ہر شخص یہ امید کرتا ہے کہ اسکو کافی معلومات ہونی چاہئے۔ انٹرپریٹر مذکور رقمطراز ہے کہ "ہندوستان مشترکہ منافرت سے اتحاد کبھی حاصل نہیں کر سکتا اور ایک ظاہر بین یہی قیاس کر سکتا ہے کہ مسٹر گاندھی نے جو ایک تخیل پرست ہیں اس مشترکہ منافرت کے سامنے اپنا سر خم کر دیا ہے" مسٹر اسٹوکس جنہوں نے اس تحریک کا مطالعہ بحیثیت ایک ظاہر بین کے کیا ہے کہتے ہیں کہ

یہ تحریک نفرت پر مبنی نہیں ہے۔ خود میں نے بھی یہی کہا ہے لیکن تعصبات مشکل سے فنا ہوتے ہیں اور موجودہ مجنونانہ دوڑ جھپٹ کے دور میں جبکہ زمانہ حال کی جدید نگاری اس میں کافی حصہ لے رہی ہے لوگ اپنے تعصبات کو ناکافی معلومات پر جلد بازانہ نتائج اخذ کرکے تر و تازہ کرتے ہیں۔

ایک مشترک خطرہ – ہندو اور مسلمانوں کو جو چیز پیوستہ کر رہی ہے وہ ایک مشترکہ خطرہ اور مشترکہ مصیبت ہے "دشمن اجنبی کو ساتھی بنا دیتا ہے" اس نے دو اجنبیوں کو نہیں بلکہ دو پڑوسیوں کو جو ایک ہی مٹی سے بنے ہیں ایک دوسرے سے پیوستہ کیا ہے۔

البتہ یہ بات دریافت کرنے میں ایڈیٹر نے کسی معقولیت سے کام لیا ہے کہ "کیا مسٹر گاندھی کی بالیسی و پیش بیہ رائے ہے کہ ہندوستان میں حکومت برطانیہ قطعًا ایک برائی ہے اور کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہندوستان کے عوام الناس کو یہی تعلیم دیجانی چاہیے کہ وہ حکومت برطانیہ کو ایسا سمجھیں؟ مسٹر گاندھی غالبًا اس حکومت کو اتنا برا خیال کرتے ہیں کہ اسکے منافع کو اسکی غلط کاریوں سے زیادہ نہیں سمجھتے کیونکہ تحریک نان کو اپریشن ضمیر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم کے موافق اسیطرح حق بجانب ثابت کیجا سکتی ہے" میرا جواب پر زور طریق پر اثبات میں ہے جسوقت تک مجھے یقین رہا کہ برطانوی جد و جہد سے بحیثیت مجموعی اچھے نتائج برآمد ہونگے اسوقت تک میں اس سے باوجود اسکی بہت سی عارضی گمراہیوں کے وابستہ رہا۔ اب میں گذشتہ پر افسوس نہیں کرتا لیکن کھلی ہوئی آنکھیں رکھتے ہوئے میں سلطنت سے تعلق قائم رکھنے کو گناہ سمجھتا ہوں تاوقتیکہ اسکا چال چلن برائیوں سے پاک نہو جائے میں افسوس کے ساتھ اس بات کو تحریر میں لاتا ہوں اور یہ معلوم کرکے مجھے خوشی حاصل ہوگی کہ میں غلطی پر تھا اور یہ کہ میرا موجودہ رویہ کسی ردّ عمل کی بنا پر قائم ہوا ہے۔ میری رائے میں مسلسل مالی خورد برد، پنجاب کی ذلت اور مسلم جذبات کے ساتھ دغا بازی ہندوستان پر سہ گونہ ڈاکہ زنی ہے۔ لہٰذا میں سمجھتا ہوں کہ حکومت برطانیہ کی برکتیں محض ایک لعنت ہے۔ ہمارے ملک کی عورتیں اور مرد بھی دوسری قوموں کی طرح بہادر ہوتے اور اس قدر بے بس اور عاجز نظر نہ آتے جیسا کہ اب ہم محسوس کر رہے ہیں۔ اگر برطانوی حکومت ہمارے سروں پر امن و امان اسلحہ کے بل بوتہ پر قائم نہ کرتی۔ سڑکوں اور ریلوے کی برکات ایک ایسا معاوضہ ہے جو کوئی خود دار قوم اپنے تنزل کے صلہ میں قبول نہیں کر سکتی۔ تعلیم کی نعمت آزادی کیطرف ترقی کرنے میں سب سے زیادہ سنگ راہ بن رہی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ عدم تشدد کے سبب سے عدم تعاون ایک مذہبی اور پاک تحریک ہوگئی ہے اس سے قوم کو روزانہ قوت پہونچ رہی ہے۔ یہ تحریک قوم کی کمزوریاں اسپر ظاہر کرتی اور ان کو دور کرنیکا علاج بھی بتاتی ہے۔ یہ اپنے اوپر بھروسہ کرنیکی تحریک ہے یہ رائے میں انقلاب پیدا کرنے اور خیال میں تقویت دینے کی سب سے بڑی طاقت ہے یہ خود اپنے اوپر تکالیف عائد کرنیکی تحریک ہے اور لہٰذا اسمیں فضول بے صبری اور عدم تحمل کے لیئے رکاوٹیں موجود ہیں۔ قوم میں قربانی کرنیکی جسقدر اہلیت پیدا ہوگی اسی قدر وہ آزادی کی طرف پیشقدمی کریگی۔ یہ تحریک برائی کی طاقتوں کو ان میں حصہ لینے سے اجتناب کرکے دور کرتی ہے خواہ وہ کسی شکل و صورت میں ہو۔

فیجی کی طرف سے ایک آواز – کسی دوسری جگہ یہ خط شائع کیا گیا ہے اس سے اس تحریک کی مضبوط تائید ہوتی ہے

میرے معزز نامہ نگار نے ہمارے ہموطنوں کی اس کثیر تعداد کی واپسی کے وجوہ قلم بند کئے ہیں جو اب تک ہو چکی ہے اور ہنوز جاری ہے فیجی میں عورتیں تک بھی مقدمہ اور قید کی سزا سے بری نہ رکھی گئیں - اور واقعی کوئی وجہ نہیں کہ ایک ثابت شدہ جرم کے انجام میں عورتیں سزا وہی سے کیوں مستثنیٰ کیجاویں لیکن فیجی سے جو حالات موصول ہوئے ہیں اُن سے ثابت ہوتا ہے کہ فیجی میں بالکل پنجاب کی طرح مقدمات چلائے گئے یعنی وہی خوف پیدا کرنیوالا طریقہ استعمال کیا گیا جو کسی قدر آزادی حاصل کرنے کے لئے جنگ کرنیوالے لوگوں کے جوش کو مارنے کیلئے استعمال کیا جاتا ہے - مجھے خوف ہے کہ کانگریسی ڈیپوٹیشن بھیجکر ہم اپنے فیجی کے مصیبت زدہ ہموطنوں کو بہت کم تسکین پہونچا سکتے ہیں مجھے فیجی گورنمنٹ پر بالکل اعتبار نہیں وفد کا وہاں جاکر تحقیقات کرنا بالکل بیکار ہے ممکن ہے کہ ساحل سمندر کو خیر باد کہنے سے قبل گورنمنٹ وفد کو روک دے - میں سمجھتا ہوں کہ تحریک عدم تعاون کو بہت جلد عملی جامہ پہنانے کے لئے فیجی کی مشکلات نے مزید اسباب پیدا کر دئے ہیں - اس اثناء میں ہمیں چاہئے کہ جو لوگ ہندوستان واپس آنا چاہتے ہیں ان کی ہر طرح خبر گیری کریں واپسی کا بندوبست اُن پر نہ چھوڑا جائے اور نہ اُنھیں مایوسی محسوس کرنیکا موقع دیا جائے جس سے وہ بددل ہوکر پھر فیجی واپس ہونیکا خیال کریں - مجھے مسرت ہے کہ مسٹر ٹھاکر داس جو ابھی پوری سے اپنا کام ختم کر کے آئے ہیں اور مسٹر بنارسی داس جو مسٹر اینڈریوز کی امداد کر رہے ہیں ان لوگوں کی خبر گیری کر رہے ہیں جو واپس آ چکے ہیں -

مجھے یقین نہیں کہ انگریز ایک رات میں ہندوستان چھوڑ کر چلے جائیں گے

(میرے لئے ایک قدم کافی ہے) (از قلم مہاتما گاندھی - ینگ انڈیا ۲۹ ردسمبر ۱۹۲۰ء)

مسٹر اسٹوکس ایک عیسائی ہیں جو خدا کی عطا کردہ روشنی کی رہنمائی میں گامزن ہونا چاہتے ہیں انہوں نے ہندوستان کو اپنا وطن بنالیا ہے وہ کوٹا گری کی پہاڑیوں سے تحریک عدم تعاون کی نگرانی کر رہے ہیں جہاں کہ ہندوستان کے میدانوں سے علیحدگی اختیار کر کے وہ پہاڑیوں کی خدمت گذاری میں مصروف ہیں انہوں نے کلکتہ کے اخبار سرونٹ اور دیگر اخبارات کو عدم تعاون کے متعلق تین مضامین ارسال کئے ہیں - بنگال کے سفر میں میں نے ان مضامین کو پڑھا مسٹر اسٹوکس عدم تعاون کو تو پسند کرتے ہیں لیکن پوری کامیابی کے بعد جو نتائج پیدا ہونگے اُن سے خوفزدہ ہیں یعنی یہ کہ برطانیہ ہندوستان کو خالی کر دیگی - ان کے ذہن میں ہندوستان کی یہ تصویر پھرتی ہے کہ اُسپر شمال و مغرب سے افغان حملہ آور ہونگے اور پہاڑوں کی سمت سے گورکھے لوٹ مار کرینگے لیکن میں کارڈنل نیومین کے الفاظ میں کہتا ہوں " میں دور کے منظر کو دیکھنے کے لئے نہیں کہتا میرے لئے صرف ایک قدم کافی ہے " یہ تحریک درحقیقت مذہبی تحریک ہے ہر خدا ترس انسان کا

کام ہے کہ نتائج کا خیال کئے بغیر برائی سے اپنی ذات کو علیحدہ کرلے اسکا اعتماد اس بات پر ہونا چاہئے کہ نیک اعمال ہی اچھے نتائج پیدا کرسکتے ہیں اور یہی میری رائے میں گیتا کی تعلیم ہے خدا اسکو یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ مستقبل کی دیکھ بھال کرے وہ حقانیت کی پیروی کرتا ہے خواہ ایسا کرنے سے اسکی جان ہی معرض خطر میں کیوں نہ پڑجائے۔ وہ جانتا ہے کہ خدا کی راہ میں جان دینا شیطان کی راہ میں زندہ رہنے سے بہتر ہے۔ لہذا ہر وہ شخص جو اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ یہ حکومت شیطان کی سرگرمیوں کی نمائندگی کرتی ہے اسکے لئے اور کوئی چارہ کار نہیں بجز اسکے کہ اس سے علیحدگی اختیار کرلے

تاہم ہمیں اس بُرے سے بُرے نتیجہ پر غور کرنا چاہئے جو یکایک برطانیہ کے ہندوستان خالی کرنے سے رونما ہوسکتا ہے اگر گورکھے یا پٹھان ہم پر حملہ آور ہوئے تو اسکی کیا پرواہ ہے؟ یقیناً ہم انکے تشدد کا مقابلہ زیادہ اچھی طرح کرسکینگے بمقابلہ اس تشدد کے جو برابر جاری ہے اور جو موجودہ گورنمنٹ کی طرف سے اخلاقی وجسمانی تشدد کی صورت میں ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر اسٹوکس جسمانی طاقت سے اجتناب نہیں کرتے ہیں۔ یقیناً راجپوت، سکھ اور مسلمان بہادروں کی متحدہ کوششیں ہر سمت سے آنیوالے لیٹروں کا مقابلہ کرنے کے لئے اعتبار کے قابل نہیں تاہم اس سے بھی زیادہ خراب نتائج کا خیال کرنا چاہئے۔ فرض کرو کہ جاپان خلیج بنگال کی سمت سے ہم پر دباؤ ڈال رہا ہے، پہاڑوں سے گورکھے اتر رہے ہیں اور شمال ومغرب سے پٹھان حملہ آور ہیں اگر ہم ان کو پسپا کرنے میں کامیاب نہیں ہوتے ہیں تو ان سے شرائط طے کرکے پہلے ہی موقعہ پر واپس کردینگے۔ یہ طریقہ زیادہ بہادرانہ ہوگا بہ نسبت اسکے کہ ایک مسلمہ غلط کار حکومت کے سامنے عاجزانہ سر جھکا دیا جائے۔ لیکن میں اس اندوہناک منظر کا خیال نہیں کرسکتا اگر تحریک پرامن عدم تعاون کے ذریعہ سے کامیاب ہوتی ہے اور یہی مسٹر اسٹوکس نے ابتدا میں فرض کیا ہے تو انگریز دوستوں کی حیثیت سے نیز ایک ایسے عہدنامہ کی رو سے جو حصہ داروں میں ہوتا ہے وہ ایسا ہی کرینگے۔ میں ہنوز یہ یقین رکھتا ہوں کہ انسان کی فطرت میں نیکی ہے لہذا میں یقین نہیں کرتا کہ انگریز "ایک شب کے اندر" ہندوستان چھوڑ کر چلے جائینگے۔

اور کیا میں یہ سمجھتا ہوں کہ پٹھان اور گورکھے ایسے ناقابل علاج چور یا ڈاکو ہیں کہ ان میں اصلاحی اثرات پر لبیک کہنے کی قابلیت ہی نہیں؟ ہرگز نہیں۔ اگر ہندوستان اپنی روحانیت کی طرف پھر لوٹ گیا تو ہمسایہ قبائل پر بار دگر یہ روحانیت اپنا عمل کریگی۔ ہندوستان ان محنت پسند لیکن غریب لوگوں کی خوشحالی میں دلچسپی لیگا حتیٰ کہ اگر ضرورت ہوئی تو کسی خوف کی وجہ سے نہیں بلکہ ہمسائیگانہ فرض سمجھ کر اُن کی امداد بھی کریگا۔ اگر ہندوستان یہ سمجھ جائے کہ جن اشیاء کو وہ خود اپنی سرحد کے اندر تیار کرسکتا ہے اُن میں سے ایک چیز بھی غیر ممالک سے منگا کر استعمال کرنا گناہ ہے تو جاپان اسپر حملہ آور ہونیکی خواہش نہ کریگا وہ کھانے کے لئے کافی پیدا کرتا ہے اور اسکے عورت اور مرد اتنا کافی کپڑا تیار کرسکتے ہیں جو ان کو جاڑے اور گرمی سے محفوظ رکھ سکے اگر ہم غیر ملکی اقوام کے محتاج ہوکر اُن سے لین دین کرینگے تو اُن کی حرص بڑھ جائیگی اور پھر ہم بیرونی حملہ کے شکار ہوجائینگے۔

اسلئے خواہ ہم تشدد کے ذریعہ سے کامیاب ہوں یا عدم تشدد سے میری رائے میں مستقبل کی امید اتنی مایوس کن نہیں جتنا کہ مسٹر اسٹوکس نے خیال کیا ہے۔ میری رائے میں موجودہ بزدلانہ اور بیچارگی کی حالت سے مستقبل کی ہر امید کم تاریک

ہے اور ہمارے لئے اس سے زیادہ بہتر اور کوئی بات نہیں ہے کہ بے خوفی اور اعتماد کے ساتھ عدم تشدد اور قربانی کے معزز اور علانیہ پروگرام پر کاربند ہوں جو ہمارے لئے وضع کیا گیا ہے۔

مسیح نے گنہگاروں کیساتھ مل کر کام کرنے سے انکار نہیں کیا بلکہ محبت آمیز تعاون کر کے انکو اُن کی بُرائی سے علیحدہ کیا

(کیا یسوع نے تعاون کیا تھا) از قلم مہاتما گاندھی ینگ انڈیا ۱۹ جنوری ۱۹۲۱ء

پیارے مسٹر گاندھی

مسٹر لایل یہاں موجود ہیں انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ آپ مجھے دریافت کرتے تھے میں آپ کی اس مہربانی کا شکرگذار ہوں میں آپ کی سرگرمیوں کو بڑی دلچسپی کے ساتھ دیکھتا رہا ہوں لیکن بڑے رنج کے ساتھ مجھے کہنا پڑتا ہے کہ میں آپکی تحریک عدم تعاون کو پسند نہیں کر سکتا میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ پر آپ کی غلطیاں ظاہر کر دے اور آپ کو نیز ہم سب کو اپنے مقدس نام کی عظمت بڑھانے میں مصروف رکھے اور تمام ہندوستان کی خوشحالی میں لگائے۔ آپ کی بہت سی تقریروں اور مضامین سے میں نے یہ جمع کیا ہے کہ آپ اس بنیاد پر اپنی تحریک کو حق بجانب ثابت کرنیکی کوشش کرتے ہیں کہ اگر دلائل پیش کرنے اور منع کرنے کے باوجود بھی کسی کا سب سے زیادہ اور قریبی رشتہ دار غلط راہ عمل پر گامزن ہے تو اول الذکر کا فرض ہے کہ اس مرد یا عورت سے کنارہ کش ہو جائے ورنہ خوف ہے کہ وہ بھی اس غلط کاری میں شریک ہونے کا مجرم گردانا جائیگا۔

لیکن ہندو اور عیسائی مذہب کی کتب مقدسہ کی بنیادی تعلیم اس سے بالکل مختلف راہ عمل اختیار کرنے کی تلقین کرتی ہیں۔ یہ دونوں خداوندی تعلیم دیتی ہیں اور اگرچہ بعض اعتبارات سے ان میں اختلاف ہے تاہم ہر مثال میں پوشیدہ خیال یہ ہے کہ جب خدا نے جو بیحد مقدس ہے انسانوں کے گنہگارانہ مصائب کو دیکھا تو وہ ان سے کنارہ کش نہوا بلکہ نیچے اُترا اور انکی امداد کرنے اور گناہ اور اسکے نتائج سے محفوظ رکھنے کے لئے اُن کے پاس آیا پاک اور مقدس یسوع مسیح نے گنہگاروں کے ساتھ ملکر کام کرنے سے انکار نہیں کیا۔ بلکہ اسکے برعکس تمام برائیوں سے نفرت کرتے ہوئے اور اپنے زمانہ کے بڑے بڑے لوگوں میں اس بُرائی کو دیکھکر بری طرح اسکی ملامت کر کے اُس نے اُن سب کے ساتھ آزادانہ تعاون کیا اور دانشمندانہ پند و نصائح اور محبت آمیز مثال قائم کر کے اُن کو اُنکی برائی سے علیحدہ کیا۔

ان باتوں سے میں اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ تمام سچے محبانِ وطن کا یہ فرض ہے کہ وہ گورنمنٹ سے جو بیجا طور پر شیطانی گورنمنٹ کے نام سے پکاری جاتی ہے کنارہ کشی اختیار نکریں بلکہ ہر ممکن طریقہ پر (مثلاً جدید کونسلوں کو ترقی دیکر) اُس سے ملے جلے رہیں اور اُس کو اس راہِ عمل پر گامزن کرانے کے لئے کوشش کریں جسکو وہ صحیح سمجھتے ہوں میں یہ اُمید کر رہا ہوں اور دعا کر رہا ہوں کہ جس طرح گذشتہ سال آپ لوگ ستیہ گرہ کے معاملہ میں اپنی غلطی کے معترف ہو گئے اُسی طرح خدا کرے کہ اس وقت کے نکلنے سے قبل آپ کی آنکھیں کھلجاویں اور عدم تعاون کی بجائے تعاون کی طرف آپ لوگ مائل ہوں۔

آپ آزاد ہیں جسطرح چاہیں مذکورہ بالا سطور کو استعمال میں لادیں۔ محبت آمیز خیالات کیساتھ اس خط کو ختم کرتا ہوں

راجکوٹ ۳۰ر نومبر ۱۹۲۱ء میں ہوں آپ کا مخلص

جی۔ گلسپائی

لیکن بھرت نے اس تخت کے لینے سے انکار کردیا جو اُسکی ماں نے شرارت سے اسکے لئے حاصل کیا تھا

میں اس خط کو بغیر کسی لفظ کے تغیر و تبدل کے چھاپتا ہوں اور اسکے چھاپنے کی خاص وجہ یہ ہے کہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ باوجودیکہ میں نے موجودہ گورنمنٹ سسٹم کو متواتر بُرا کہا ہے تاہم میری خوش قسمتی ہے کہ تقدس مآب گلسپائی جیسے برطانی باشندوں کی گرمجوشی و دوستی اب تک مجھکو حاصل ہے۔ میں جانتا ہوں کہ جو کچھ حضرت ممدوح کہتے ہیں اُسپر ایمانداری سے یقین بھی رکھتے ہیں، وہ مجھے یہ عزت دیتے ہیں کہ میرا یقین اور میرا مدعا ایماندارانہ ہے۔ تاہم عیسائی اور ہندو کتب مقدسہ کا مفہوم سمجھتے ہیں، ان کا اور میرا اختلاف اتنا ہی بعید ہے جتنا کہ قطب شمالی سے قطب جنوبی دور ہے۔ شاستروں کے متعلق میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ایک ہندو کا یہ فرض ہے کہ وہ ایک غلط کار سے اپنا تعلق منقطع کرلے۔ پرہلاد نے اس بُرائی سے علیحدگی اختیار کرلی جو اُسکے باپ کی تھی۔ باعصمت سیتا نے راون کی خدمات کو مسترد کردیا۔ بھرت نے اپنی ماں "کے کئی" کی کارروائیوں کو مذموم قرار دیا اور اس تخت سے انکار کردیا جو کیکئی نے شرارت سے اُسکے لئے حاصل کیا تھا لیکن انجیل کے متعلق میں اسقدر یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا تاہم اُسکے مطالعہ نے میری اس رائے کو مضبوط کردیا ہے جو میں نے ہندو شاستروں کے مطالعہ سے اخذ کی ہے۔ یسوع محصول وصول کرنیوالوں اور گنہگاروں میں نہ تو مخدوم کی حیثیت سے اور نہ سرپرست کی حیثیت سے گئے تھے بلکہ اُن کا اختلاط اُن لوگوں کی خدمت گذاری کرنے اور پاک اور صداقت کی زندگی میں تبدیل کرنے کی غرض سے تھا جہاں جہاں اُن کی باتوں کو نہ سُنا گیا وہاں سے وہ چلے گئے۔ میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اپنے اُس بیٹے کی حمایت نہ کروں جو ذلیل اور بدی کی زندگی بسر کرتا ہو۔

"روشن عدم تعاون ایک ایسی محبت کا اظہار کرتا ہے جسمیں بے چینی پائی جاتی ہو" میرے معزز نامہ نگار نے بدی سے قطع تعلق کرنے اور فواتیات کی خدمت گذاری سے قطع تعلق کرنے کو خلط ملط کر دیا ہے کیا یسوع صرافوں کے تحفے قبول کر لیتے؟ کیا وہ اپنے دوستوں کے لئے ان سے وظائف لیتے اور پھر صرافوں کو قرض دیکر اُن کی اس بیہودہ تجارت میں امداد کرتے؟ کیا اُنہوں نے مکار سود و سیدوں اور فریسیوں کی جو مذمت کی وہ محض لفظی جمع خرچ ہی تک محدود تھی؟ یا کہ انھوں نے درحقیقت لوگوں کو اُن سے خبردار رہنے اور پرہیز کرنیکے لئے کیا تھا؟ مسٹر گلسپائی خیال کرتے ہیں کہ میں نے بیجا طور پر گورنمنٹ کو شیطانی گورنمنٹ کے نام سے موسوم کیا ہے غالباً اس سے میرے اور ان کے نقطۂ نظر میں تغیر پیدا ہوتا ہے میں سمجھتا ہوں کہ اگر میں ایک ایسی گورنمنٹ کو شیطانی گورنمنٹ کے نام سے موسوم نکروں جو مکاری قتل اور ظلم کی مجرم ہے جس نے ابتک اپنے طرز عمل پر افسوس نہیں کیا اور جو اپنے جرم کو پوشیدہ رکھنے کی غرض سے ابتک جھوٹ پر کاربند ہے تو میں سچا کہلانے کا مستحق نہیں ہوں درحقیقت میں یقین رکھتا ہوں کہ ایسی گورنمنٹ کی فریب کاریوں کی مذمت موزوں الفاظ میں کر کے جو کسی بات کی بنا پر عوام الناس کی ستائش کے مستحق نہیں اپنے دوستانہ فرض کو ادا کر رہا ہوں

پریسیڈنٹ ولسن نے اپنے چودہ[۱۴] اصولوں کو ردی کی ٹوکری میں ڈالدیا

(عدم تعاون کا باطن) از قلم مہاتما گاندھی۔ ینگ انڈیا ۸ ستمبر ۱۹۲۰ء

ناظرین ینگ انڈیا کی توجہ میں اس خط کی طرف مبذول کراتا ہوں جو مس اینی پیٹرسن کے پاس سے موصول ہوا ہے۔ مس پیٹرسن ایک ایسی خاتون ہیں جو کچھ سال سے ہندوستان میں مقیم ہیں اور یہاں کے معاملات کی نگراں رہی ہیں۔ وہ اپنے مشن سے اپنا تعلق منقطع کرنیوالی ہیں تاکہ خالص قومی تعلیم حاصل کر سکیں۔ میں نے پورا خط[۱] شائع نہیں کیا

[۱] ذیل میں وہ خط درج کیا جاتا ہے جو مس اینی میری پیٹرسن (ڈینمارک مشن مدراس) کی جانب سے مہاتما گاندھی کو موصول ہوا ہے۔

آپ خدا کیطرف سے ملک کے لئے ایک پیغام لائے ہیں

پیارے مسٹر گاندھی

میں آپ کی مہربانی اور اس طرز عمل کا شکریہ کافی طور پر ادا نہیں کر سکتی جسطرح آپنے میرا استقبال کیا اور میں محسوس کرتی ہوں کہ اس ملاقات نے کم و بیش میرے مستقبل کا فیصلہ کر دیا۔ میں نے خود کو ہندوستان کے قدموں پر ڈالدیا ہے ہر کیف میں جانتی ہوں کہ صرف حضرت عیسٰی ہی میرے مولٰی و ملجا ہیں نہ میری کوئی آرزو ہے نہ تمنا لیکن یہ کہ اپنے مصلوب نجات دہندہ جناب عیسٰی علیہ السلام کی خدمتگذاری کے لئے زندہ رہوں

سب اسمیں سے خاص میری ذات سے جو باتیں تعلق رکھتی تھیں ان کو حذف کر دیا ہے لیکن ان کے دلائل کو بالکل ہاتھ نہیں لگایا گیا۔ خط شائع کرنیکے لئے نہ تھا لیکن چونکہ درحقیقت بہت اہم تھا اسلئے میں نے راقمہ کی اجازت طلب کی اور انہوں نے نہایت

(بقیہ صفحہ گذشتہ) اور ان لوگوں کی سفارش کروں جن سے ملنے کا مجھے شرف حاصل ہو۔ میں ان کے قدموں سے وابستہ ہوں اور آنسوؤں کے ساتھ یہ دعا کرتی ہوں کہ میری توجہ سے میرے نجات دہندہ کے نام کو بٹہ نہ لگے جیسا کہ ہندوستان میں ہم عیسائیوں کے طرز عمل نے اتبک ظاہر کیا ہے۔ اگر ہم جو اسکے نام لیوا ہیں اس سے وفادار رہتے تو ہم ہرگز دنیا کی طاقتوں کے سامنے سرنگوں نہوتے بلکہ ہمیشہ غریب اور مصیبت زدہ اور مظلوم کے ساتھی رہتے لیکن ہم نے اُن سے وفاداری نہیں کی لہذا اس وقت جبکہ ہندوستان کے مستقبل کا اہم مسئلہ درپیش ہے میں محسوس کرتی ہوں کہ حضرت عیسٰی اور اُنکی خاطر ہندوستان کے فرائض مجھپر عائد ہوتے ہیں۔

یہ سچ ہے کہ مجھ جیسی گمنام اور تنہا ہستی کا قول و فعل کوئی وقعت نہیں رکھتا میرا احتجاج اس عام رویہ کے خلاف کیا اثر رکھتا ہے جو میری نسل کے افراد اختیار کر رہے ہیں اور اس سے بھی زیادہ رنج دینے والی بات یہ ہے کہ میری نسل کی مذہبی سوسائٹیاں بھی اسکی تقلید کرنا چاہتی ہیں؟ اگر چند معزز نفوس بھی اسکے خلاف احتجاج کرتے تب بھی کوئی فائدہ نہوتا تاہم اگر میں تمام دنیا کے مقابلہ میں تنہا رہ جاؤں پھر بھی اپنے ضمیر اور اپنے خدا کی پیروی کرونگی۔

لہذا جب میں لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سُنتی ہوں کہ تحریک عدم تعاون کا آغاز کرنے سے پیشتر آپ کو نیشنل کانگریس کے فیصلہ کا انتظار کرنا چاہئے تھا تو مجھکو ہنسی آتی ہے۔ آپ ملک کے لئے خدا کی طرف سے ایک پیغام لائے ہیں کانگریس قوم کی آواز ہے اُسکی خدمت گذار ہے لیکن آقا نہیں ہے اکثریت کو محض اسوجہ سے کہ وہ اکثریت ہے کوئی حق حاصل نہیں لیکن اکثریت یہ حق حاصل کرنیکی ہاں کوشش کرنی چاہئے اور اب یہ دیکھنا آسان ہے کہ کانگریس آپکے ساتھ ہونے والی ہے اگر آپ خاموش رہتے اور عوام الناس کے محسوسات تک اپنی آواز نہ پہونچاتے تو کیا ایسا ہو سکتا تھا؟

کیا کانگریس اسکا مطلب سمجھ جاتی؟ میں خیال کرتی ہوں کہ کبھی ایسا نہوتا۔

خود میں آپکی باتیں سننے سے پیشتر مشتبہ تھی لیکن آپنے مجھے یقین دلایا اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں مسئلہ خلافت کے متعلق کچھ زیادہ محسوس کر سکتی ہوں نہیں میں ایسا نہیں کر سکتی البتہ آپ اگر مسلمانوں کو انتقام لینے اور اپنے حقوق حاصل کرنے میں تلوار اٹھانے سے باز رکھ سکے تو میں دیکھ سکتی ہوں کہ آپ ہندوستان کی کتنی بڑی خدمت انجام دینگے۔ میں یہ بھی محسوس کر سکتی ہوں کہ اگر آپنے ہندو مسلمانوں کو متحد کر دیا تو یہ ایک بھر پور وار ہوگا۔ کاش کہ عیسائی بھی پیشقدمی کریں اور نہ صرف مادر وطن کی عزت کی خاطر بلکہ حضرت عیسٰی کی عزت برقرار رکھنے اور اپنے ملک کی خاطر آپسے متحد ہو جائیں ممکن ہے کہ ٹرکی کا مجھے احساس نہو لیکن ہندوستان کا احساس مجھے ضرور ہے اور میں یہ دیکھ سکتی ہوں کہ اپنی تباہی و بربادی کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے عدم تعاون کے سوا ہندوستان کے پاس اور کوئی طریقہ نہیں ہے۔ خدا نکرے کہ حق اور طاقت تیغ اور جھوٹ روح اور جسم کی جنگ میں نسلی تفرقے پیدا ہوں یہی جنگ تمام دنیا میں جاری ہے اگر ہم معدودے چند ہیں تو اسکی کوئی پروا نہیں خدا ہمارے ساتھ ہے۔

وحشیانہ طاقت اکثر زبر ہو جاتی ہے لیکن صداقت ہمیشہ فتحیاب ہوئی ہے اور ہمیشہ ظفریاب ہوگی عیسٰی کی فتح کا وقت وہی تھا جب انکو صلیب دی گئی۔ عاجز بندے مبارک ہیں وہی زمین کے وارث ہونگے جسوقت میں نے آپ کی مدراس والی تقریر پڑھی تو مجھے یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ پمفلٹ کی شکل میں انگریزی، تامل ہندوستانی اور ان تمام زبانوں میں جو استعمال کی جاتی ہیں ہندوستان کے چپہ چپہ پر شائع کیجائے۔ عدم تعاون کی تحریک جب ایک مرتبہ شروع کر دی گئی تو اسپر اس طرح عملدرآمد کیا جائے جس سے کامیابی ہو اگر ایسا نہ کیا گیا تو مجھے نتائج کی طرف سے بہت خوف ہے لیکن آپ ایک یا دو

خوشی سے اسکے شائع کرنے کی اجازت دیدی۔ میں اس خط کو اسوجہ سے اور بھی خوشی سے شائع کرتا ہوں تاکہ یہ ظاہر ہوجائے کہ یہ تحریک نہ تو عیسائیوں کے خلاف ہے نہ انگریزوں اور یوروپین لوگوں کے خلاف ہے۔ یہ مذہب اور لامذہب روشنی کی قوتوں کے مابین ایک جنگ ہے۔

یہ میری پختہ رائے ہے کہ آج یوروپ نہ تو خدا کی اسپرٹ کو پیش کرتا ہے اور نہ عیسائیت کی بلکہ شیطان کی اسپرٹ کو پیش کرتا ہے اور جب شیطان خدا کا نام لیکر ظاہر ہوتا ہے تو اسکی کامیابی عظیم الشان ہوتی ہے۔ موجودہ زمانہ میں یوروپ صرف نام کا عیسائی ہے درحقیقت وہ میمن[1] کی پرستش کر رہا ہے حضرت عیسیٰ نے کہا ہے کہ "یہ بات زیادہ آسان ہے کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں ہوکر نکلجائے بہ نسبت اسکے کہ دولتمند آدمی خدائی بادشاہت میں داخل ہوجائے، حضرت عیسیٰ کے نام نہاد مقلدین اپنی اخلاقی ترقی کا اندازہ مادی مقبوضات سے کرتے ہیں۔ انگلستان کا قومی گیت ہی عیسائیت کے خلاف ہے۔ یسوع نے نے اپنے مقلدین سے کہا تھا کہ تم اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی ایسی ہی محبت کرو جس طرح اپنے سے محبت کرتے ہو۔ وہ ہرگز اپنے دشمنوں کے لئے یہ گیت نہیں گا سکتے تھے کہ "اُسکے دشمنوں کو پریشان کر اور اُنکی شرارت آمیز چالبازیوں کو شکست دے"

ڈاکٹر ڈیلیس نے جو آخری کتاب لکھی ہے اس سے اُنکے پختہ یقین کا اظہار ہوتا ہے کہ سائنس کی ترقی نے جسپر بیجد فخر کیا جاتا ہے یوروپ کے اخلاقی قد و قامت میں ایک انچ بھی اضافہ نہیں کیا۔ گذشتہ جنگ نے یوروپ پر قابو یافتہ تہذیب کی شیطانی نوعیت کا اظہار کر دیا ہے۔ نیکی کے پردہ میں فاتحین نے عام اخلاق کے ہر قسم قانون کو توڑ دیا ہے کسی قسم کا جھوٹ بولنا بھی بُرا نہیں سمجھا گیا۔ ہر جرم کے پس پردہ جو غرض تھی وہ مذہبی یا روحانی نہ تھی، بلکہ مادی تھی۔ لیکن ہندو اور مسلمان جو گورنمنٹ سے برسر جنگ ہیں ان کی غرض مذہب اور عزت سے

(بقیہ صفحہ گذشتہ) دن میں فتح حاصل کرنے کی توقع نہیں کرسکتے۔ اس میں عرصہ درکار ہے اور اگر آپ اپنی حمایت میں منزل مقصود تک نہ پہونچ سکے تو اس سے مایوس نہ ہونا چاہئے کیونکہ جنکو بھروسہ ہوتا ہے وہ جلدی نہیں کرتے۔

گورنمنٹ اسکولوں سے بچوں اور طالب علموں کو اٹھانے کا مسئلہ میرے خیال میں بہت اہم ہے گورنمنٹ کی امداد لیکر (خواہ وہ ہمارا ہی روپیہ ہم کو واپس کیوں نہ دیا جاتا ہو) ہمیں اسکی اسکیم اور اسکے قواعد و ضوابط منظور کرنے پڑینگے۔ ہندوستان و نیز ہم لوگ جو اس سے محبت کرتے ہیں اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ غیر ملکی حکومت نے جو تعلیم آپ لوگوں کی دی ہے وہ ہندوستان کے لئے مفید نہیں اور ہرگز اسکی ترقی میں ممد نہیں ہوسکتی۔ اس تحریک سے قومی مدارس برضا و رغبت معرض وجود میں آجائینگے اگرچہ انکی تعداد کم ہوگی لیکن ذاتی قربانی کے ذریعہ سے ان کو قائم ہوجانا چاہئے۔ ہندوستان صرف اپنی ملکی تعلیم کے ذریعہ سے ہی حقیقی ترقی کرسکتا ہے یہ بات جو مجھے اسقدر اپیل کرتی ہے غالباً اسکا سبب یہ ہے کہ میں ڈنمارک کے لوگوں سے تعلق رکھتی ہوں جنہوں نے اپنی آزادی کی ابتدا انکی قومی مدارس سے کی تھی۔ ڈنمارک کے فری مدارس اور فوک ہائی سکول، جنکے متعلق غالباً آپنے سُنا ہوگا کہ حکومت کے ظلم اور مخالفت کے خلاف شروع کئے گئے تھے ان کے منتظمین فتحیاب ہوئے اور اس طرح قوم کی از سر نو زندگی قائم کی گئی۔ دلی شکریوں اور دعاؤں کے ساتھ میں اس خط کو ختم کرتی ہوں۔

میں ہوں آپکی مخلص

اینی میری

---

[1] (صفحہ ہذا) Mammon ملک شام کا دولت کا دیوتا۔ عرف عام میں اس نام سے دولت مراد ہے

حتیٰ کہ وہ ظالمانہ قتل[1] جس سے ملک کو بیحد صدمہ پہونچا ہے اپنے پس پشت ایک مذہبی غرض رکھتا تھا۔ درحقیقت یہ ضروری ہے کہ مذہب کو آلایش سے پاک کیا جاوے لیکن اتنا ہی ضروری یہ بھی ہے کہ ان لوگوں کے غلط دعووں کے جھوٹ کو بھی ظاہر کردیا جائے جو اخلاقی نفع پر مادی دولت کو ترجیح دیتے ہیں یہ آسان ہے کہ ایک جاہل متعصب کو اسکی غلطی سے باز رکھا جائے لیکن یہ مشکل ہے کہ ایک مسلمہ بدمعاش کو اسکی بدمعاشی سے روکا جاسکے۔

یہ کسی خاص فرد یا قوم کے خلاف الزام نہیں ہے۔ ہزارہا یوروپین افراد اپنے گرد و نواح کے اثرات سے غیر متاثر ہوکر ابھر رہے ہیں البتہ یورپ کے موجودہ لیڈروں کا جو میلان طبع ہے اُسکے متعلق میں لکھ رہا ہوں کہ انگلستان اپنے لیڈروں کے ذریعہ سے ہندوستان کے مذہبی اور قومی جذبات کو اپنی ایڑیوں کے نیچے بڑی بیرحمی سے کچل رہا ہے۔ انگلستان اصول خود اختیاری کے غلط حیلہ کے ماتحت عراق عرب کے تیل کے چشموں سے فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ فرانس اپنے لیڈروں کے ذریعہ سے آدم خور لوگوں کو سپاہی بناکر اپنے تمام کو کام میں لا رہا ہے اور شام والوں کی اسپرٹ کو مردہ کرنیکی کوشش کرکے بحیثیت ایک حکمبردار طاقت کے اپنی امانت کو بڑی بے شرمی سے دھوکا دے رہا ہے۔ اور پریسیڈنٹ ولسن نے اپنے چودہ اصولوں کو ردی کی ٹوکری میں ڈالدیا ہے۔

یہی ہے بدی کی طاقتوں کا وہ اتحاد جس کے خلاف ہندوستان بے تشدد عدم تعاون کے ذریعہ سے جنگ کر رہا ہے اور وہ لوگ جو مسس (اینی بیٹرسن کی طرح خواہ وہ عیسائی ہوں) یا یوروپین یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس غلطی کو زیر کیا جاوے۔ انکو موقع حاصل ہے کہ تحریک عدم تعاون میں شامل ہوکر اپنا مقصد حاصل کریں۔ اسلام کی عزت کے ساتھ ہر مذہب کی عزت وابستہ ہے اور ہندوستان کی عزت کے ساتھ ہر کمزور قوم کی عزت پیوستہ ہے۔

اصلاحات میں ایک بات بھی ایسی نہیں جو ہندوستان کو سو برس تک بھی اپنی مدافعت کیلئے مسلح کرسکے

(نفاق پیدا کرکے حکومت کرو) مہاتما گاندھی کے قلم سے۔ ینگ انڈیا ۲۰ اپریل سنہ ۱۹۲۱ء

سر ولیم ونسنٹ نے لیجلیٹو اسمبلی کے سامنے جو تقریر کی اسکا مطالعہ بہت تکلیف دہ ہے میں امید کرونگا کہ انکے مخبروں نے ان کو بالکل تاریکی میں رکھا اور یہ کہ تقریر لاعلمی پر مبنی ہے نہ کہ بدنیتی پر۔

یہ تقریر گورنمنٹ کی انسدادی پالیسی کی ایک ایسی مدافعت ہے جو بجائے خود پر ثابت کی جاسکتی ہے اُن میں واقعات کی تاویل کی گئی ہے اور من گھڑت سے کام لیا گیا ہے۔ یہ ہماری طرح سے ایک اپیل ہے اور تارکین موالات کے

---

[1] مسٹر دلوبی۔ آئی۔ سی۔ ایس ڈپٹی کمشنر ممالک متحدہ کے قتل سے مراد ہے۔ یہ قتل ایک مسلمان نے کیا تھا۔

اغراض کا غلط مرقع ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ تارکین موالات کا اعلان کردہ مقصد گورنمنٹ کو زیر و زبر کرنا ہے اور یہ کہ حصول مقصد کی جدوجہد میں عدم اعتماد کا کوئی بھی ایسا ذریعہ نہیں جسکو تارکین موالات نے استعمال نہ کیا ہو" یہ دونوں بیانات نصف نصف صحیح ہیں یہ کہیں بھی بیان نہیں کیا گیا کہ عدم تعاون کا ابتدائی مقصد گورنمنٹ کو زیر و زبر کرنا ہے۔ اسکا ابتدائی مقصد تزکیۂ نفس ہے جسکا صریح نتیجہ ایک ایسی گورنمنٹ کی تباہی ہوگا جو ہماری برائیوں اور کمزوریوں پر قائم ہے اسی طرح یہ کہنا بھی خطرناک طریق تک صحیح ہے کہ ہم نے بے اعتمادی کا کوئی ذریعہ بھی بغیر استعمال کئے نہیں چھوڑا۔ جائز بے اعتمادی کے ذرائع کو استعمال کرنے کے سوا ہمارے پاس چارۂ کار ہی کیا تھا لیکن تارکین موالات نے بے اعتمادی کے استعمال کرنے کو بڑی سختی کے ساتھ منع کیا ہے کیونکہ اگر ہم ایسا کرتے تو ہمارا معاملہ کمزور ہو جاتا۔ میرا مطلب اس تردید سے بخوبی ظاہر ہو جائیگا جو سر ولیم نے اپنے استدلال کی تائید میں دوسرے ہی جملہ میں کی ہے یعنی "جہاں کہیں وہ ملازم اور آقا کے درمیان نا اتفاقی پاتے ہیں وہیں عدم تعاون پارٹی کا کوئی نہ کوئی ایجنٹ فوراً روانہ ہو جاتا ہے تاکہ بد اعتمادی اور بد دلی پیدا کر دے" یہ بیان صرف غیر صحیح ہی نہیں ہے بلکہ عدم تعاون کی مخالفت میں ملازم اور آقا کو بڑھاوا بھی دیا ہے۔ عدم تعاون کی پالیسی یہ نہیں ہے کہ مزدور اور سرمایہ دار کی لڑائی سے سیاسی فائدہ اٹھایا جائے۔ تارکین موالات نے ان دونوں کے درمیان توازن قائم رکھنے کی کوشش کی ہے۔ اگر ہم نے مزدوروں کو سرمایہ داروں کے خلاف کر دیا تو ہم بڑے احمق ہونگے اسکا یہ مطلب ہوگا کہ گورنمنٹ کے ہاتھوں میں کھلونا بن جائیں جو سرمایہ داروں کو مزدوروں کے خلاف اور مزدوروں کو سرمایہ داروں کے خلاف کھڑا کر کے ملک پر اپنی گرفت کو اور زیادہ مضبوط کرینگے مثلاً اچھاریا کے مقام پر ایک تارک موالات نے ہی بڑھنے والے اسٹرائک کو روکا۔ کلکتہ میں اعتدال پر لانیوالا اثر تارکین موالات کا ہی تھا۔ البتہ جہاں تارکین موالات یہ دیکھینگے کہ شکایات بالکل بجا ہیں وہاں وہ اسٹرائک کرنیوالوں کے معاملہ کو ترقی دینے میں پس و پیش نکرینگے۔ ناجائز اسٹرائک میں امداد دینے سے انھوں نے ہمیشہ انکار کیا ہے۔ سر ولیم ولسنٹ کہتے ہیں "جہاں کہیں نسلی منافرت موجود ہوتی ہے وہاں یہ قاصد اپنا بڑا مقصد لیکر پہونچ جاتے ہیں۔ سر ولیم کو جاننا چاہئے کہ یہ بیان بالکل غلط ہے انگریزوں اور ہندوستانیوں کے درمیان نسلی احساسات ہیں جلیانوالہ کی ہمیشہ تازہ رہنے والی یاد موجود ہے لیکن یہی قاصد ہمیشہ صلح و آشتی کے پیغامبر رہے ہیں۔ انھوں ہی ہر جگہ کم سمجھ لوگوں کے غصہ کو دبایا ہے اور میں دلیری کے ساتھ کہتا ہوں کہ اگر عدم تشدد کی اسپرٹ کا وجود نہ ہوتا تو ملٹری اور ڈائرکٹ ای دھمکیوں کے باوجود اور زیادہ بیگناہ خون بہتا۔ ہمارا قصور صرف اسقدر ہے کہ ہم نے اُن لوٹوں کو چاٹنے سے انکار کر دیا جنھوں نے ٹھوکریں ماری ہیں اور اُسوقت تک کیلئے اپنے تعاون سے دست کش ہو گئے جبتک کہ توبہ نکی جاوے۔ تارکین موالات اس بات پر قابل مبارکباد ہیں کہ انہوں نے ستم رسیدہ لوگوں کے غصہ کو بجائے انگریزوں کے اس سسٹم کیطرف متوجہ کرا دیا جسکا انتظام انگریزوں کے ہاتھ میں ہے۔

کہیں سر ولیم ولسنٹ اگر اتفاق ڈلوا کر حکومت کرنیکی جدوجہد میں پورے نہ اترے تو اُن کا وجود کسی کام کا نہیں وہ اپنی تقریر میں کہتے ہیں "جہاں زمیندار اور رعایا میں جھگڑے ہوئے (کیا ممالک متحدہ میں ہم نے یہ تماشا نہیں دیکھا) وہاں

بھی یہی بدی سے قاصد پہونچ جاتے ہیں اور بدامنی و بے چینی پھیلاتے ہیں" سر ولیم کو جاننا چاہئے کہ کسانوں کی تحریک پنڈت جواہر لال نہرو کے قبضہ میں ہے جنکا مقصد کسانوں کے متعلق یہ رہا ہے کہ اُنکو تحمل اور پر امن رہنے کی تعلیم دیں۔ سر ولیم نے محض اتنی ہی کوشش کی ہے کہ زمینداروں کو تحریک عدم تعاون کے خلاف اُکسائیں لیکن خوش قسمتی سے زمیندار و نیز کاشتکار اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ جب تک وہ حق پر ہیں انہیں عدم تعاون والوں سے خوفزدہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

سر ولیم کہتے ہیں کہ "یہ تحریک بالکل تخریبی ہے اور جہاں تک میں تحقیق کر سکا ہوں انہیں تعمیری قابلیت کا کوئی بھی عنصر شامل نہیں" بے شک یہ ضرور تخریبی تحریک ہے لیکن ان معنوں میں جیسا کہ ایک سرجن کسی مریض عضو بدن کے لئے چاقو استعمال کرے اسکو تخریبی آلہ کہدیا جاوے۔ اس تخریبی تحریک میں تعمیری تخم موجود ہے جیسا کہ سرجن کے نشتر میں تندرستی کا بیج پوشیدہ ہوتا ہے کیا اعتدال پسندی تباہ کن ہوتی ہے؟ کیا قومی مدارس جو ہر جگہ قائم ہو رہے ہیں تباہ کن ہیں؟ کیا ہزاروں چرخے کسی قوم کی سرسبزی کو تباہ کرنے والے ہیں؟ البتہ وہ غیر ملکی اقتدار کو ضرور تباہ کر دینگے خواہ وہ لنکاشائر کی طرف سے نازل ہوتا ہو یا جاپان کی طرف سے اسکی دھمکی دیجاتی ہو۔

جماعتوں کو عوام کے خلاف ابھارنیکی کوشش کے بعد سر ولیم ان دونوں کو مفلوج کرنیکے لئے بڑھے اور اس خیال کا اظہار فرمایا کہ ہندوستان بے یار و مددگار رہ جائیگا۔ خانہ جنگیاں ہونگی اور بیرونی حملہ کا خوف دامنگیر رہیگا کیا ہندو مسلم اتحاد اتنا بوسیدہ کپڑا ہے کہ جونہی برطانوی توپیں ہمارے ساحلوں سے خیر باد کہدینگی ہم فوراً لڑنا جھگڑنا شروع کر دینگے؟ کیا ساٹھ برس پیشتر ہم اپنی حفاظت موجودہ زمانہ کے مقابلہ میں کم کر سکتے تھے؟ اور کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ مغربی معیار کے مطابق جانچتے ہوئے ہم کبھی اسقدر بے یار و مددگار نہ تھے جسقدر کہ اب ہیں؟ جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے حکومت خود اختیاری میں ذاتی تحفظ کی طاقت کا مفہوم شامل ہے اور وہ ملک جو اپنی حفاظت نہیں کر سکتا وہ ہرگز مکمل اور فوری حکومت خود اختیاری کے لئے تیار نہیں۔

اس ایک جملہ میں سر ولیم نے بے شعوری سے برطانوی حکومت کی مذمت کی ہے اور اس حکومت کی فوری اصلاح یا اسکو ختم کرنیکی ضرورت کو ثابت کیا ہے۔ میرے طریقہ کار کے مطابق (یعنی مصائب برداشت کرنے اور روحانی طاقت کا طریقہ) ملک آج حفاظت خود اختیاری کے لئے تیار ہے۔ سر ولیم ونسنٹ کے معیار کے مطابق اصلاحات میں ایک بھی بات ایسی نہیں جو تمام دنیا کی متحدہ طاقتوں کے خلاف ہندوستان کو سو برس تک بھی اس قابل کر دے کہ وہ اپنی مدافعت کیلئے مسلح ہو سکے اس معیار پر رکھتے ہوئے اصلاحات ان زنجیروں کو اور زیادہ مضبوط بناتی ہیں جن سے ہندوستان جکڑا ہوا ہے اور بے یار و مددگار ہے مقرر بڑی چرب زبانی سے ہر فساد کی آئندہ تباہی کا ذکر کرتا ہے اسکو یہ بات یاد دلانے کی ضرورت ہے کہ ہندوستان کا سب سے بڑا فساد یعنی اپنے اوپر قناعت کرنا اسوقت تباہ ہو چکا تھا جبکہ یہ غیر ملکی حکومت قائم ہوئی تھی اور مقرر مذکور کی تدبیر ہندوستان کے افلاس کو اور بھی زیادہ گہرا کر دیگی۔

جس طرح سر ولیم نے تارکین موالات کے اغراض و مدعا کو غلط طور پر پیش کیا ہے اسی طرح انہوں نے اُنکے طریقوں کو

بھی غلط سمجھا ہے تعلیم یافتہ طبقوں کے متعلق ہم اپنی جد و جہد میں قاصر نہیں رہے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ انکی جانب سے عملی لبیک زیادہ ہونی چاہیئے تھی لیکن میں جرأت کے ساتھ کہتا ہوں کہ انکی ایک بڑی تعداد دل میں ہماری ساتھی ہے اگرچہ جسم کمزور ہونیکی وجہ سے وہ اس قابل نہیں کہ قربانی کر سکیں ہم ابتدا سے ہی عوام الناس پر اپنا اثر قائم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ہم اُن کو ہی اپنا اصل سہارا سمجھتے ہیں کیونکہ یہ عوام الناس ہی ہیں جو سوراج حاصل کرینگے۔ سوراج تنہا دولتمند آدمیوں یا تعلیم یافتہ طبقوں سے ہی تعلق نہیں رکھتا۔ ان دونوں جماعتوں کو چاہیئے کہ اپنے مفاد کو سوراج اسکیم کے تابع کریں اور جونہی عوام الناس کافی طور پر اپنے اوپر قابو یافتہ ہو جائینگے اور اس ترتیب اور ضابطہ کو سیکھ لینگے جو عوام کو برتنا چاہیئے تو ہم اسوقت اگر ضرورت ہوئی اُن کو یہ مشورہ دینے میں پس و پیش نہ کرینگے کہ وہ ایک ایسی حکومت کے محصولات ادا کرنے بند کر دیں جسنے کبھی اُن کی خوشحالی کیطرف نظر نہیں کی، جسنے اُن کو لوٹ کھسوٹ لیا اور جس نے اُنکو ہر اُس موقع پر خوفزدہ کیا جب اُن کی طرف سے اس لوٹ مار کے خلاف ذرا بھی اُبھرنے کے آثار پائے گئے۔

عدم تعاون کے ساتھ گورنمنٹ کے طرز عمل کو بیان کرنے میں سر ولیم نے بڑے فریب سے کام لیا ہے وہ ان لوگوں کے خلاف ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ استعمال نہیں کرینگے جنہوں نے کسی کو ضرر نہیں پہونچایا اور جو عوام کو تشدد سے روکے ہوئے ہیں لیکن وہ معمولی قوانین کو غیر معمولی طریق پر استعمال کر رہے ہیں۔ تارکین موالات نے انہیں ایک آسانی دیدی ہے کہ وہ احکامات کو عدالت مجاز میں چیلنج نہ کرینگے۔ سر ولیم اس بات کے لئے تیار نہیں کہ ناراض لوگوں کو سوراج دیدیں کیونکہ اس سے انارکی پیدا ہو جائیگی وہ اِن دو باتوں کے متعلق اپنے دماغ کو پریشان نہیں کرتے جن سے یہ تمام بے چینی پیدا ہوئی ہے اور جو ہندوستانی جسم میں زہر ہلاہل کا کام کر چکے ہیں یعنی مظالم خلافت و پنجاب۔ وہ ہمیں یہ نہیں بتاتے کہ اگر خلافت کے مواعید پر نظر ثانی کر لی گئی اور پنجاب کے زخموں کا اندمال کر دیا گیا تو وہ کونسی بلائیں ہیں جو ہندوستان پر نازل ہو جائینگی انھوں نے غیر شریفانہ انداز میں کنایتاً علی برادران پر جو اسلام اور ہندوستان کی خاطر ایک نیک جنگ کو پیش کر رہے ہیں حملہ کر کے اور اس سے بھی زیادہ غیر شریفانہ حملہ "ایک شریف آدمی جن کا نام یعقوب حسن ہے" کر کے اور انکی ترکی بیوی کا حوالہ دیکر اپنی تقریر کو مزین کیا ہے۔

جیسا کہ میں نے ابتدا میں کہا ہے کہ اس تقریر کا پڑھنا میرے لئے بہت تکلیف دہ ہوا لیکن اسپر تنقید کرنا اس سے بھی زیادہ دکھ پہونچانیوالا ہے۔ میں ناظرین کو یقین دلاتا ہوں کہ اگرچہ تحریر و تقریر میں قابو یافتہ ہوں تاہم اس تقریر نے میری خود اختیاری پر بڑی محنت کرائی ہے۔ میں نے بہت سی ایسی صفات استعمال کی ہیں جو ٹھیک طور پر سر ولیم کے عمل کو ظاہر کرینگی مجھے اس کا افسوس ہے۔

ہزایکسیلنسی سقدر بے صبر ہوگئے ہیں کہ انھوں نے عدم تعاون کی مضحکہ خیز نوعیت ظاہر کرنیکے لئے اپنے الفاظ کا تمام ذخیرہ خرچ کر ڈالا

(انسداد کے بجائے مضحکہ) مہاتما گاندھی کے قلم سے یکم ستمبر ۱۹۲۰ء

اگر خلافت اور پنجاب کے مسائل کے متعلق دھمکی آمیز رویہ اختیار کر کے ہزایکسیلنسی وائسرائے ہند نے یہ بات ناممکن نہ کردی ہوتی تو میں ان کے سامنے انکے اس فعل پر دلی مبارکباد پیش کرتا جو انھوں نے اپنے خلاف مذاق تحریک کو مُردہ کرنے کیلئے انسداد کی بجائے تمسخر کا اظہار کر کے اختیار فرمایا ہے اگر ہزایکسیلنسی کی گفتگو کو پوری عبارت سے علیحدہ کر کے محض اسکا وہ حصہ کو پیش نظر ہے جو عدم تعاون کے متعلق ہے تو اسمیں کوئی بات قابل اعتراض نہیں پائی جاسکتی یہ سفاکی سے تہذیب کی طرف مائل ہونیکی نشانی ہے۔ مہذب سیاست میں اپنے مخالف کا مذاق اڑانا ایک پسندیدہ عمل ہے اور اگر اس طریقہ کو متواتر جاری رکھا گیا تو یہ پنجاب کے سرکاری مظالم کے لحاظ سے ایک اہم اصلاح ہوگی۔ اس تحریک کے متعلق مسٹر مانٹیگو کے بیان کا جو مفہوم ہزایکسیلنسی نے لیا ہے اسپر بھی کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا بلاشبہ ایک گورنمنٹ کو یہ حق حاصل ہے کہ تشدد کو دبانے کے لئے کافی قوت استعمال کرے۔

لیکن مجھے افسوس کے ساتھ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ پنجاب اور خلافت کے جذبات کے سلسلہ میں اس تحریک کی مضحکہ خیزی اس امر کو بتاتی ہے کہ ہزایکسیلنسی نے اس نیکی کو ضرورتاً اختیار کیا ہے۔ انہوں نے خوفزدہ کرنے اور دھمکانیکا طریقہ نہیں چھوڑا ہے بلکہ اس بات کو معلوم کر کے کہ یہ تحریک اسقدر علی الاعلان اور صداقت کے ساتھ چلائی جا رہی ہے کہ اگر تشدد آمیز انسداد کے ساتھ اسکو کچلنے کی کوشش کیگئی تو تمام سمجھدار لوگ نہ صرف ہزایکسیلنسی کا مضحکہ ہی اڑائینگے بلکہ ہزایکسیلنسی انکی حقارت کا بھی نشانہ بن جائینگے۔

اب ہمیں ان صفات کو دیکھنا چاہیے جو ہزایکسیلنسی نے ہنسی اڑا کر اس تحریک کو مارنیکے لئے استعمال کی ہیں۔ ہزایکسیلنسی کہتے ہیں یہ تحریک "ناکارہ ہے" "غلط مشورہ پر مبنی ہے" "دراصل مہمل ہے" "ناقابل عمل ہے" "خیالی ہے"۔ ان تمام صفتوں کو مکمل کرنیکے لئے انہوں نے اس تحریک کو "تمام احمقانہ اسکیموں میں سب سے زیادہ احمقانہ" بتایا ہے۔ ہزایکسیلنسی اسقدر بے صبر ہوگئے ہیں کہ عدم تعاون کی مضحکہ خیز نوعیت کی وسعت کو ظاہر کرنے کے لئے انہوں نے اپنے الفاظ کا تمام ذخیرہ

خرچ کر ڈالا۔

ہز ایکسلنسی کی بدقسمتی ہے کہ جس طرح انسدادی پالیسی اس تحریک کو یقیناً سرسبز کریگی اسی طرح مضحکہ خیزی بھی اسکی ترقی کا باعث ہوگی۔ کوئی اہم تحریک اسوقت تک نہیں کچلی جاسکتی جب تک خود اسکے بانیوں میں ہی بے صبری، جہالت اور تساہل نہ پیدا ہوجائے۔ کوئی تحریک جسکو عملی لوگ چلاتے ہوں "مہمل" نہیں کہی جاسکتی۔ اسکو مشکل سے "ناقابل عمل" کہا جاسکتا ہے اسلئے کہ ہر شخص اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ اگر عوام نے اسپر لبیک کہا تو یہ ضرور اپنا مقصد حاصل کریگی۔ اسکے ساتھ ہی یہ بھی بالکل صحیح ہے کہ اگر لوگوں نے اسپر لبیک کہا تو پھر اسکو "خیالی" کہنا بالکل مناسب ہوگا لہذا اب یہ قوم پر منحصر ہے ہز ایکسلنسی کے تمسخر کا جواب منتظم عدم تعاون سے دیں اور اس تمسخر کو احترام سے تبدیل کرالیں ہنسی اڑانا بھی انسداد کی طرح ہی ہے۔ جب ان دونوں کا مطلوبہ اثر پیدا نہیں ہوتا تو پھر اُن کی جگہ احترام لے لیتا ہے۔

ایک بیمار جو ناقابل برداشت درد میں مبتلا ہو کیا اپنے سامنے لذیذ غذاؤں کو دیکھکر تسکین پاسکتا ہے

(وائسرائے کا اعلان) از قلم مہاتما گاندھی۔ ینگ انڈیا یکم ستمبر ۱۹۲۰ء

ہز ایکسلنسی کی دیانت داری اور ہندوستان کی منصب داری کی قابلیت پر اعتماد زائل ہوجانے کی وجہ سے اب میں انکی تقریروں کو شاید جانبدارانہ خیال سے پڑھتا ہوں لیکن کونسلوں کے افتتاح کے موقع پر ہز ایکسلنسی نے جو تقریر کی ہے اس سے انکے دماغی طرز عمل کا اظہار ہوتا ہے اور خوددار لوگوں کے لئے یہ ناممکن ہے کہ اُن سے یا اُن کی گورنمنٹ سے کسی قسم کا تعاون کرسکیں۔

پنجاب کے متعلق ہز ایکسلنسی نے جو ارشادات فرمائے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ انکو تلافی مظالم سے صاف انکار ہے وہ ہم سے یہ چاہتے ہیں کہ ہم "مستقبل قریب کے مسائل پر اپنی تمام توجہ کو مرکوز کردیں" لیکن مستقبل قریب کا مسئلہ تو یہ ہے کہ پنجاب کے واقعات پر گورنمنٹ کو توجہ کرنے پر مجبور کیا جائے۔ اسکے متعلق ہز ایکسلنسی کی تقریر میں کوئی اشارہ تک نہیں۔ اسکے برعکس وہ اپنے نکتہ چینوں کا جواب نہیں دینا چاہتے جس سے ان کا یہ مطلب ہے کہ ہندوستان کی عزت کے سلسلہ میں جتنے اہم امور ہیں انکے متعلق انہوں نے اپنی رائے تبدیل نہیں کی ہے وہ اُن مسائل کو تاریخ کے فیصلہ پر چھوڑتے ہیں، میری رائے میں اس قسم کے الفاظ ہندوستانی دماغ کو اور زیادہ مشتعل کردینگے۔ تاریخ کا موافق فیصلہ ان لوگوں کو کیا فائدہ دے سکتا ہے جنپر مظالم کئے گئے ہیں اور جو ابتک اُن افسران کی ایڑیوں کے نیچے ہیں جنہوں نے خود کو اپنے عہدوں، امانت اور ذمہ داری کے ناقابل ثابت کیا ہے؟ تعاون کے لئے پیروکاری، مظالم پنجاب کے انصاف سے انکار کرنیکی موجودگی میں محض حیلہ سازی

ہے۔ کیا ایک ایسا بیمار جو ناقابلِ برداشت درد میں مبتلا ہو اپنے سامنے نہایت تحریص کن غذاؤں کی رکابیوں کو دیکھکر چین پا سکتا ہے؟ کیا وہ یہ نہیں سمجھیگا کہ طبیب نے اسکے ساتھ مذاق کیا ہے کہ درد کا علاج کرنے کی بجائے اسکو رکابیوں کی طرف رغبت دلاتا ہے؟

ہز اکسلنسی خلافت کے مسئلہ میں کم خوش ہیں یہ قوم کا امین کہتا ہے کہ "جہاں تک ایک گورنمنٹ کی قدرت میں تھا ہم نے مسلمانانِ ہند کے خیالات کو صلح کانفرنس کے سامنے پر زور طریق پر پیش کر دیا لیکن انکی خاطر ہماری اس جد وجہد کے باوجود ہمیں عدم تعاون کی جنگ کی دھمکی دیجاتی ہے کیونکہ اتحادی طاقتیں مسلمانانِ ہند کی دلیلوں کو نہیں مانتیں" اگرچہ یہ بیان غلط نہیں لیکن گمراہ کن ضرور ہے۔ ہز اکسلنسی جانتے ہیں کہ شرائط صلح اتحادی طاقتوں نے نہیں بنائیں بلکہ مسٹر لائیڈ جارج انکے اصل مرتب کرنیوالے ہیں اور یہ کہ مسٹر لائیڈ جارج نے اِن شرائط صلح کی ذمہ داری سے کبھی انکار نہیں کیا اور باوجودیکہ انہوں نے ہندوستانی مسلمانوں سے قسطنطنیہ، تھریس، اور ایشیائے کوچک کی زرخیز اور مشہور سرزمین کے متعلق مواعید کئے تھے تاہم وہ شرائط صلح کو بڑی حیرت انگیز دلیری کے ساتھ حق بجانب ثابت کرتے ہیں جبکہ برطانیہ عظمیٰ نے ہی شرائط صلح کو مرتب کیا ہے تو پھر اتحادی طاقتوں پر اسکی ذمہ داری ڈالنا بالکل غلط ہے۔ جب ہم یہ یاد کرتے ہیں کہ وائسرائے مسلمانوں کے مطالبہ کو حق بجانب تسلیم کرتے ہیں اور اسوقت وائسرائے کا جرم اور بھی زیادہ بڑھ جاتا ہے اگر وہ اس مطالبہ کو صحیح تسلیم نکرتے تو کبھی صلح کانفرنس میں اسپر زور نہ دیا ہوتا۔

میں یہ خیال کرنیکی جرأت کرتا ہوں کہ واقعات پنجاب کے متعلق اپنا اعلان کرکے وائسرائے نے قوم کی اس کوشش کو اور بھی زیادہ مضبوط کر دیا ہے کہ وہ قبل اسکے کہ ان نام نہاد اصلاحات کا کچھ بنائے ان دونوں مظالم کی تلافی کا علاج سوچے۔

میں عدمِ تعاون کو غیر آئینی تصور نہیں کرتا

(عدم تعاون کی تشریح) مہاتما گاندھی کے قلم سے ینگ انڈیا ۱۰ اگست ۱۹۲۰ء

اخبار مدراس میل کے نمائندے نے مسٹر ایم کے گاندھی سے انکے عارضی قیام گاہ (سی و الکم ہالی روڈ مدراس) پر ملاقات کے لئے اجازت مانگی مسٹر گاندھی مسلمانوں کے خاص حلقوں میں دورہ کر رہے ہیں جسوقت نمائندہ مذکور نے اجازت طلب کی مسٹر گاندھی اُس وقت اپنے پروگرام کے متعلق بعض کارکنوں سے مصروف تھے لیکن انھوں نے ملاقات کے لئے آمادگی کا اظہار فرمایا۔ مکالمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

(نمائندہ کا سوال) گذشتہ کی شورش ستیہ گرہ کے تجربہ کے بعد کیا مسٹر گاندھی آپ کو اب بھی یہ امید ہے یا یہ آپ یقین رکھتے ہیں کہ عدم تعاون کا مشورہ دینا کوئی عقلمندی کا کام ہے؟ (مہاتماجی کا جواب) "یقیناً"

(س) "آپ کیسے سمجھتے کہ گذشتہ سال کی تحریک ستیہ گرہ کی صورت حالات تبدیل ہو گئی۔" (ج) "میں سمجھتا

ہوں کہ عوام الناس بمقابلہ پیشیتر زیادہ تربیت یافتہ ہوگئے ہیں ان لوگوں میں میں اُن عوام کو بھی شامل کرتا ہوں جنکو ملک کے مختلف حصّوں کی کثیر تعداد کے اندر مجھے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے"

(س) اور کیا آپ کو اطمینان ہے کہ عوام ستیہ گرہ کی اسپرٹ کو سمجھتے ہیں؟ (ج) "ہاں"

(س) اور کیا اسی وجہ سے آپ عدم تعاون کے پروگرام پر زور دے رہے ہیں؟ (ج) "ہاں - علاوہ ازیں سول نافرمانی میں جو خطرہ موجود تھا وہ عدم تعاون میں نہیں ہے کیونکہ عدم تعاون کی تحریک میں ہم قوانین کی عدم متابعت بحیثیت عام تحریک کے اختیار نہیں کر رہے ہیں اس وقت تک نتیجہ بہت امید افزا رہا ہے مثلاً دہلی اور سندھ کے لوگوں نے افسران حکومت کے مشتعل کُن قیودات کے باوجود کمیٹی کی ان ہدایات کی تعمیل کی جو باغیانہ جلسوں کے اعلان اور دیواروں پر اشتہارات چسپاں کرنے کی ممانعت کے متعلق صادر کی گئی تھیں جو ہمارے خیال میں مضرت رساں نہ تھے لیکن حکومت ان کو مضرت رساں خیال کرتی تھی"

(س) "اگر تعاون اٹھا لیا گیا تو آپ کیا توقع کرتے ہیں کہ اس سے احکام پر دباؤ پڑیگا؟ (ج) "میں یقین کرتا ہوں اور ہر شخص اسکو تسلیم کریگا کہ اگر رعایا بخوشی یا مجبوراً اپنے تعاون سے دستبردار ہو جاوے تو کوئی حکومت ایک لمحہ کے لئے بھی قائم نہیں رہ سکتی اور اگر رعایا یکایک تمام جزئیات میں عدم تعاون کر بیٹھے تو حکومت کا پہیہ رُک جائیگا"

(س) "لیکن کیا اس میں ایک بڑا لفظ 'اگر' نہیں ہے؟" (ج) "بیشک ہے"

(س) "اور اس بڑے 'اگر' کے خلاف کامیابی حاصل کرنے کی آپنے کیا تجویز کی ہے"؟ (ج) "میری سادہ جنگ میں مصلحت کو گنجائش نہیں۔ اگر تحریک خلافت نے درحقیقت عوام اور طبقوں کے دلوں میں کوئی اثر پیدا کیا ہے تو ضرور عوام اسپر کافی لبیک کہینگے"

(س) "لیکن کیا آپ التجا نہیں کر رہے ہیں؟" (ج) "نہیں - میں التجا نہیں کر رہا ہوں اسلئے کہ جہانتک واقعات میرے سامنے موجود ہیں میں یقین کرتا ہوں کہ مسلمان خلافت کی شکایات کو بہت محسوس کرتے ہیں صرف یہ بات دیکھنی باقی ہے کہ آیا انکا احساس اتنا کافی ہے کہ عدم تعاون کیلئے پوری قربانی کی قابلیت پیدا کر دے"

(س) "اسکا مطلب یہ ہے کہ حالات کا مطالعہ کرنیکے بعد آپ خیال کرتے ہیں کہ عدم تعاون کا مشورہ دینا حق بجانب ہے اور آپ کو کامل یقین ہے کہ آپکی پشت پر مسلمان باشندگان کی کثیر تعداد کی تائید موجود ہے" (ج) "ہاں"

(س) "کیا آپ کو اطمینان ہے کہ یہ عدم تعاون اتنا وسیع ہو جائیگا جس سے حکومت کے ساتھ مکمل عدم تعاون پیدا ہو سکے؟" (ج) "نہیں اور نہ فی الحال میری یہ خواہش ہے کہ اسکو اتنا وسیع ہونا چاہئے - میں عدم تعاون کو محض اس حد تک وسیع کر رہا ہوں جس سے گورنمنٹ کو یہ محسوس ہو جائے کہ اس معاملہ میں عوام کے احساسات کتنے گہرے اور وہ گورنمنٹ سے کہاں تک غیر مطمئن ہیں - نیز یہ کہ خواہ خلافت کا مسئلہ ہو یا پنجاب کا گورنمنٹ ہندیا شاہی حکومت نے اتنے فرائض انجام نہیں دئے ہیں جتنے کہ وہ انجام دے سکتی تھی"

(س) "کیا مسٹر گاندھی آپ یہ محسوس کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں بھی بعض ایسی جماعتیں موجود ہیں جو عدم تعاون کو پسند نہیں کرتیں خواہ اپنی قوم کے اوپر مظالم ڈھائے جانے کا کتنا ہی احساس کیوں نہ کرتی ہوں"۔ (ج) "ہاں۔ میں محسوس کرتا ہوں لیکن اُنکی تعداد اُن لوگوں سے کم ہے جو عدم تعاون اختیار کرنے کیلئے تیار ہیں۔

(س) "تاہم کیا یہ واقعہ کہ خطابات کی واپسی اور عہدوں سے علیحدگی کی اپیل پر کافی لبیک نہیں کہا گیا اس امر کو ظاہر نہیں کرتا کہ آپ عوام کی قوت یقین پر اسقدر بھروسہ کر رہے ہیں جسکی واقعات اجازت نہیں دیتے؟" (ج) "میرا یہ خیال نہیں ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ اس مرحلہ پر ابھی عمل در آمد ہوا ہے اور ہمارے عوام بہت زیادہ احتیاط پسند اور سست رفتار ہیں۔ علاوہ ازیں پہلے مرحلہ کا تعلق سوسائیٹی کے اعلیٰ ترین طبقہ سے ہے جو اگرچہ ایک بہت با اثر جماعت ہے لیکن بہت ہی قلیل تعداد رکھتی ہے"۔

(س) "آپکے خیال میں اس اعلیٰ جماعت نے آپ کی اپیل پر لبیک کہا ہے؟" (ج) "میں فی الحال اسکا جواب ہاں یا نہیں کچھ نہیں دے سکتا بلکہ اس ماہ کے اختتام پر اسکا جواب دینے کے قابل ہو جاؤنگا۔۔۔۔۔"

(س) "کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ بادشاہ یا شاہی خاندان سے وفاداری کو مشتبہ کئے بغیر کوئی شخص شاہی[1] آمد کے سلسلہ میں بائیکاٹ کی اشاعت کر سکتا ہے؟" (ج) "بالکل۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ شہزادہ کی آمد کے مجوزہ بائیکاٹ کے متعلق کسی قسم کی غیر وفاداری موجودہ گورنمنٹ کی غیر وفاداری ہے نہ کہ ہز رائل ہائنس کی ذات خاص سے اسکا کوئی تعلق ہے"۔

(س) "شاہی آمد کے سلسلہ میں بائیکاٹ کو ترقی دیکر آپکے خیال میں کیا فائدہ حاصل کیا جائیگا؟" (ج) "میں یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ ہندوستان کے لوگوں کو موجودہ گورنمنٹ سے کوئی ہمدردی نہیں یہ کہ وہ خلافت اور پنجاب کے مسائل میں گورنمنٹ کی پالیسی کو قطعًا ناپسند کرتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ شہزادہ ویلز کی آمد عوام کے لئے اس بات کو ظاہر کرنیکے لئے ایک نایاب موقع ہے کہ وہ موجودہ گورنمنٹ کو پسند نہیں کرتے۔ بہر حال اس آمد سے بڑے زبردست سیاسی نتائج برآمد ہونگے۔ یہ کوئی غیر سیاسی آمد نہیں ہے اور یہ دیکھ کر کہ گورنمنٹ ہند اور شاہی حکومت اس آمد کو اول درجہ کی سیاسی اہمیت دینا چاہتے ہیں یعنی یہ کہ ہندوستان پر اپنی گرفت کو اور زیادہ مضبوط کرلیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ لوگوں کا یہ فرض عین ہے کہ ایک ایسی آمد کا بائیکاٹ کردیں جسکو اُن دو حکومتوں نے اپنے مفاد کی خاطر مرتب کیا ہے اور جو اس زمانہ میں رعایا کے بالکل برخلاف ہے"۔

(س) کیا اس سے آپ کا یہ مطلب ہے کہ چونکہ آپ یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہندوستان پر اُس گرفت کا زیادہ مضبوط ہونا ملک کے بہترین مفاد کے لئے پسندیدہ نہیں ہو سکتا۔ اسلئے آپ اس بائیکاٹ کو ترقی دینا چاہتے ہیں؟"

(ج) "ہاں موجودہ گورنمنٹ جیسی خبیث گورنمنٹ کی گرفت کا مضبوط ہونا رعایا کے بہترین مفاد کے لحاظ سے پسندیدہ نہیں ہے۔ اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں انگلستان اور ہندوستان کے درمیان کی زنجیر کو خواہ مخواہ کھولنا چاہتا ہوں بلکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ زنجیر محض اُس حد تک مضبوط ہوجائے جہاں تک یہ ہندوستان کی خوشحالی میں اضافہ کرے"۔

---

[1] مراد پرنس آف ویلز کی آمد ہندوستان میں۔

(س) "کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ عدم تعاون اور لیجسلیٹو کونسلوں کا عدم بائیکاٹ ایک دوسرے کے مطابق ہیں؟" (ج) "نہیں کیونکہ جو شخص عدم تعاون اختیار کرتا ہے وہ کونسلوں کے لئے نہیں کھڑا ہو سکتا"۔

(س) "کیا آپ کی رائے میں عدم تعاون بذات خود کوئی مقصد ہے یا کسی مقصد کا ذریعہ ہے۔ اگر یہ کسی مقصد کا ذریعہ ہے تو وہ مقصد کیا ہے؟" (ج) "یہ مقصد کا ذریعہ ہے اور مقصد یہ ہے کہ موجودہ گورنمنٹ کو جو بالکل غیر منصف ہو چکی ہے انصاف پسند بنایا جائے۔ انصاف پسند حکومت کے ساتھ تعاون کرنا ایک فرض ہے اور ایک غیر منصف حکومت کے ساتھ عدم تعاون کرنا بھی اتنا ہی فرض ہے"۔

(س) کیا آپ اس تجویز کو پسند کرینگے کہ کونسلوں میں داخل ہو کر یا تو تخریبی ذرائع استعمال کریں اور یا حلف وفاداری سے انکار کر دیں جو غالباً عدم تعاون کے عین مطابق ہے"۔ (ج) "نہیں۔ میں اسے پسند نہیں کرونگا۔ عدم تعاون کا ایک صحیح طالب علم ہونیکی حیثیت سے میں سمجھتا ہوں کہ اس قسم کی تجویز عدم تعاون کی حقیقی اسپرٹ کے بالکل خلاف ہے میں نے اکثر کہا ہے کہ حکومت رکاوٹوں پر کامیاب ہو جاتی ہے اور جہاں تک حلف وفاداری کے نہ اٹھانے کا تعلق ہے میں اسکو لغو سمجھتا ہوں۔ یہ قیمتی وقت اور دولت کے بیکار ضائع کرنیکے مترادف ہے"۔

(س) دوسرے الفاظ میں رکاوٹیں پیدا کرنا عدم تعاون کا کوئی مرحلہ نہیں ہے؟" (ج) "ہرگز نہیں"۔

(س) کیا آپنے اس امر کا اطمینان کر لیا ہے کہ آئینی طور پر ایجی ٹیشن پیدا کرنیکی تمام کوششیں عمل میں لائی جا چکیں اور اب ہمارے لئے محض عدم تعاون کا ہی راستہ باقی رہ گیا ہے؟" (ج) "میں عدم تعاون کو غیر آئینی نہیں سمجھتا بلکہ میں یقین رکھتا ہوں کہ جملہ آئینی طریقوں میں سے اب محض عدم تعاون ہی ہمارے لئے باقی رہ گیا ہے"۔

(س) "کیا آپ اس بات کو آئینی خیال کرتے ہیں کہ گورنمنٹ کو مفلوج کرنے کے لئے عدم تعاون کو اختیار کیا جاوے؟" (ج) "یقیناً یہ غیر آئینی نہیں ہے۔ اور ایک محتاط آدمی ان تمام آئینی ذرائع کو اختیار نہیں کریگا جو ناپسندیدہ ہوں۔ اور نہ میں یہ راستہ اختیار کرنیکا مشورہ دیتا ہوں۔ میں عدم تعاون میں بتدریج ترقی کرنے والے مرحلوں کو عائد کرتا ہوں اسلئے کہ میں غیر صحیح ترتیب میں سے صحیح ترتیب کو پیدا کرنا چاہتا ہوں۔ میں عدم تعاون میں اسوقت تک ایک بھی قدم نہ بڑھاؤنگا جب تک مجھے یہ اطمینان نہ ہو جاوے کہ ملک اس قدم کے اختیار کرنے کے لئے تیار ہے یعنی یہ کہ عدم تعاون کے بعد انارکی یا بدامنی رونما ہوگی"۔

(س) "یہ اطمینان آپ اپنی ذات کو کس طرح دلا سکتے ہیں کہ عدم تعاون کے بعد انارکی پیدا ہوگی؟" (ج) "مثلاً اگر میں پولیس کو ہتھیار رکھنے کا مشورہ دوں تو مجھے پہلے یہ اطمینان کر لینا ہوگا کہ ہم چوروں اور ڈاکوؤں کے مقابلہ میں اپنی حفاظت کرنے کے قابل ہیں۔ گذشتہ سال لاہور اور امرتسر میں جبکہ پولیس اور فوج واپس بلالی گئی تھی تو وہاں کے شہریوں نے رضاکاروں کے ذریعہ سے اپنی حفاظت کرائی تھی حتیٰ کہ جس مقام پر گورنمنٹ نے پولیس کی کمی کی وجہ سے یہ تدبیر اختیار نہیں کی۔ وہاں بھی لوگوں نے کامیابی کے ساتھ اپنی حفاظت کی ہے"۔

(س) آپنے وکلاء کو مشورہ دیا ہے کہ وہ اپنی وکالت بند کر کے عدم تعاون کریں۔ اسکے متعلق آپکا کیا تجربہ ہے؟

کیا آپ کی اپیل پر وکلاء کے لبیک نے آپ کو یہ امید کرنیکی ہمت دلائی ہے کہ آپ عدم تعاون کے تمام مرحلوں کو اس قسم کے لوگوں کی امداد سے چلا سکینگے ؟ (ج) "میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ ابتک میری اپیل پر کثیر تعداد نے لبیک کہا ہے اور یہ کہنا بھی قبل از وقت ہے کہ کتنے لوگ اسپر لبیک کہیں گے لیکن میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ مجھے محض وکلاء کی جماعت یا اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں پر ہی یہ بھروسہ نہیں ہے کہ صرف اُنکی ہی امداد سے "کمیٹی" عدم تعاون کے تمام مرحلوں کو چلا سکے گی۔ جہانتک آخری مرحلوں کا تعلق ہے میری امید زیادہ تر عوام الناس سے وابستہ ہے۔

تحریک عدم تعاون اسلئے وضع کیگئی ہے کہ انگریزوں کو دعوت دیجائے کہ وہ یاتو باعزت شرائط پر ہمارے ساتھ تعاون کریں یا ہماری سرزمین کو چھوڑ کر چلے جائیں

(باول) مہاتما گاندھی کے قلم سے۔ ینگ انڈیا ۲۰ اپریل ۱۹۲۱ء

جب کبھی میں اپنے دوستوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ اس تحریک کو غلط سمجھتے رہے ہیں تو میں اپنے دل میں ایک مشہور بھجن کے الفاظ دُہراتا ہوں" ہم ایک دوسرے کو اُس وقت زیادہ اچھی طرح سے جان جائینگے جبکہ بادل چھٹ لینگے" میرے ایک دوست نے ابھی ایک پیراگراف بھیجا ہے جو ہم ارماہ رواں کے سرونٹ آف انڈیا میں شائع ہوا ہے۔ قرارداد ول اور اغراض کی تشریح کرنا بالکل فضول کام ہے یہ سال جلد ختم ہوجائیگا اور الفاظ کے مقابلہ میں ہمارے افعال عدم تعاون کے معنوں کو زیادہ واضح کردینگے۔

میرے لیئے تو عدم تعاون نہ ملتوی ہوا ہے اور نہ اُسوقت تک ملتوی ہوگا جبتک کہ گورنمنٹ اُن جرائم سے پاک نہ ہوجائیگی جو اُسنے ہندوستان کے خلاف کیئے ہیں اور جبتک یہ سسٹم قوم کی مرضی کے موافق تبدیل نہ کردیا جائیگا یقیناً یہ بات ضروری ہے کہ خطابات۔ عدالتوں، اسکولوں، اور کونسلوں کا سودا قوم کے سروں سے نکالدیا جاوے میرا جراُت آمیز خیال ہے کہ بحیثیت مجموعی قوم پرستوں نے ان واقعات پر خاطر خواہ لبیک کہا ہے۔ اس جماعت میں خطاب یافتہ اشخاص موجود نہیں۔ کوئی قوم پرست وکیل جینے وکالت کو ترک نہیں کیا۔ تارکین موالات کے اندر کوئی پبلک حیثیت

نہیں رکھتا۔ اسکولوں اور کالجوں نے ایسے لڑکے اور لڑکیاں مہیا کی ہیں جو قابل قدر ہیں اور میں دلیری سے کہتا ہوں کہ جب انکی آزمایش کا وقت آجائیگا تو وہ عالم انسانی کو اپنی قربانی سے ششدر کر دینگے۔ وہ لوگ جو کونسل میں داخل نہیں ہوئے وہ ایک ایسی خدمت انجام دے رہے ہیں جسکو وہ کونسل ہال میں انجام نہیں دیسکتے تھے۔ جن چند لوگوں نے خطابات واپس کر دیئے ہیں انہوں نے دوسروں کو راستہ دکھایا ہے یہ سب لوگ قوم کے اندر خمیر تیار کر رہے ہیں۔ اب ان خاص طبقوں میں کسی قدر زبانی پروپگنڈا پھیلانیکی ضرورت ہے۔ ان لوگوں کا فعل اور چال چلن جنہوں نے خطابوں، اسکولوں، عدالتوں یا کونسلوں کو خیرباد کہا ہے تقریروں سے زیادہ مؤثر اور اہم پروپگنڈا ہے۔ قومی مدارس میں اضافہ ہو رہا ہے اور طلبا بہ تعداد کالجوں اور اسکولوں کو چھوڑ رہے ہیں۔ گورنمنٹ کے اعداد و شمار بالکل غلط ہیں۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ ایک کونسلر کہتے تھے کہ تین ہزار سے کم طلبا نے تعلیمی درسگاہوں کو چھوڑ دیا ہے۔ اس میں ان ہزارہا طلبا کو شمار نہیں کیا گیا جو قومی مدارس میں تعلیم پا رہے ہیں۔ وکالت ترک کرنیوالوں کی تعداد آہستہ آہستہ بڑھ رہی ہے حتیٰ کہ خطابات بھی ابتک واپس کئے جا رہے ہیں اور چونکہ کمزوروں یا یوں کہنا چاہئے کہ محتاط لوگ محسوس کرتے ہیں کہ یہ تحریک ایک اہم اور مذہبی جد و جہد ہے اور یہ کہ اس نے عوام کے دلوں پر مستقل قبضہ کر لیا ہے تو غالباً وہ بھی خطابات واپس کر دینگے۔

اگر جنوبی افریقہ کی تحریک کی تاریخ ہندوستان میں عائد ہو گئی تو مجھے اس پہ حیرت نہوگی البتہ اگر اسکے برعکس ہوا تو ضرور مجھے تعجب ہوگا۔ جنوبی افریقہ میں تحریک کا آغاز متفقہ ریزولیشن سے ہوا تھا جب پہلا ہی حصہ شروع کیا گیا تو اکثریت کمزور ہو گئی۔ صرف ایکسو پچاس آدمی قیدخانہ میں جانیکے لئے رضامند تھے۔ اسکے بعد ایک تصفیہ ہوا۔ پھر اس تصفیہ کی عہدشکنی ہوئی اور آخر میں از سر نو آمادگی پیدا ہوئی۔ ہم میں سے چند لوگوں کے علاوہ کسی کو بھی یقین نہ تھا کہ عام تائید بر وقت ظاہر ہوگی خیر۔ آخری مرحلہ کا آغاز صرف ۱۶ مرد اور عورتوں سے ہوا جو قیدخانہ کے متلاشی تھے۔ اسکے بعد ایک مکمل طوفان ظاہر ہوا تمام قوم ایک مواج لہر کی مانند کھڑی ہو گئی۔ بغیر کسی تنظیم یا پروپگنڈا کے کل تقریباً چالیس ہزار آدمی جیلخانہ کے خواہشمند ہو گئے۔ ان میں سے تقریباً دس ہزار قید کر دئے گئے۔ اسکے بعد کے واقعات سے سب لوگ واقف ہیں۔ قوم اسوقت جس مقصد کے لئے سر بکف یکبار ہو کر کھڑی تھی وہ حاصل ہو گیا۔ ذاتی قربانی کی سخت تربیت کے بعد بلا خون بہائے ایک انقلاب پیدا کر دیا گیا۔

مجھے اس سے انکار ہے کہ ہندوستان اس سے کم کریگا۔ لارڈ کیننگ کے الفاظ یاد کیجئے۔ انہوں نے کہا تھا کہ ہندوستان کے صاف اور نیلگوں آسمان کی افق پر ایک ایسا بادل نمودار ہو سکتا ہے جو آدمی کے انگوٹھے سے زیادہ بڑا نہو۔ لیکن ایک ہی لمحہ میں اسکی جسامت اسقدر وسیع ہو سکتی ہے جسکی کسی شخص کو بھی توقع نہو اور کوئی انسان نہیں بتا سکتا کہ کب اور کس وقت وہ پھٹ جائیگا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ ہندوستان کب اپنے عمل سے لبیک کہیگا لیکن اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ ایک نہ ایک دن (اور غالباً اسی سال کے دوران میں) کہ وہ تعلیم یافتہ طبقے جن سے کانگریس نے اپیل کی ہے اس آواز پر ایسی لبیک کہینگے جو اس قوم کے شایان شان ہو۔

لیکن خواہ یہ طبقے لبیک کہیں یا نہ کہیں قوم کی ترقی کسی فرد یا جماعت کی خاطر نہیں رو کی جا سکتی۔ غیر تعلیمیافتہ مزدور اور گلی کوچوں کے مرد اور عورتیں اس تحریک میں حصہ رسدی لے رہے ہیں۔ تعلیمیافتہ جماعتوں سے جو اپیل کی گئی ہے اس نے

ان لوگوں کے لئے راستہ تیار کر دیا ہے۔ بکروں کو بھیڑوں سے علیحدہ کرنا ضروری ہے۔ تعلیم یافتہ طبقوں کی آزمائش لینی ہے۔ آغاز ان سے ہی اور انہی کی معرفت کرنا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ عدم تعاون ابتک قدرتی راستہ پر چل رہا ہے۔

سودیشی پروپگنڈا کے لئے ضروری تھا کہ وہ وسیع اور غیر مشترکہ شکل میں ظاہر ہو اور وہ اسی ترتیب کے ساتھ ظاہر ہوا ہے۔ یہ پہلے بھی عدم تعاون پروگرام کا ایک جزو تھا اور اب بھی اسکا ایک حصہ ہے۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ یہ عدم تعاون کا سب سے بڑا سب سے زیادہ محفوظ اور سب سے زیادہ یقینی حصہ ہے۔ موجودہ شکل میں وہ اس سے پیشتر اختیار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ملک کو دیکھنا تھا کہ آیا چرخے کیلئے راستہ صاف بھی ہے یا نہیں۔ اسکو پرانی وہم پرستیوں اور تعصبات سے پاک کرنا تھا۔ ملک کو برطانی مال کے بائیکاٹ اور تمام غیر ملکی مال کے بائیکاٹ کی نوعیت کو سمجھنا تھا، اسکو یہ دیکھنا تھا کہ سودیشی کپڑے کو ترک کر کے اُسنے اپنے ارادے کو کھو دیا ہے۔ اسکو یہ بھی دیکھنا تھا کہ اس نے اپنی دستکاری کے مذاق اور جوہر کو اُسوقت ضائع کیا جب لاعلمی میں ہاتھ سے بننا اور کاتنا ترک کر دیا۔ اسکو یہ بھی دیکھنا تھا جس چیز نے ہندوستان کی روح کھینچی اور ہندوستانی زندگی میں قحط کو ایک بار بار پیدا ہونے والا حادثہ بنایا وہ اتنی فوجی کمی نہیں ہے جتنا کہ اس صفت کا ضائع ہو جانا ہے۔ ہر صوبہ میں ایسے لوگوں کو کھڑا ہونا تھا جو چرخہ پر بھروسہ رکھتے ہوں اور لوگوں کو کھدر کے استعمال اور اسکی خوبصورتی کی قدر کرنی تھی۔

اب یہ تمام باتیں ظہور پذیر ہو گئیں اس قومی دھرم کو نئی زندگی بخشنے کے لیئے ایک کروڑ روپئے اور ایک کروڑ مرد اور عورتوں کی ضرورت ہے اب چند چرخوں کا سوال نہیں ہے بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ چھ کروڑ گھروں میں سے ہر گھر میں چرخہ رکھا جائے اور ہندوستان میں جسقدر کپڑے کی ضرورت ہے وہ تیار کر کے تقسیم کیا جائے۔ یہ تمام کام ایک کروڑ روپیہ سے نہیں ہو سکتا لیکن اگر ہندوستان ۳۰ جون سے قبل ایک کروڑ روپیہ اور کروڑ مرد اور عورتیں مہیا کر دے اور بیس لاکھ چرخے جتنے گھروں میں ہو سکیں رائج کر دے تو اس سے پتہ چل جائیگا کہ وہ سوراج کے لئے قریب قریب تیار ہے جب قوم برضا و رغبت غیر ملکی پارچہ جات کا بائیکاٹ مکمل کر دیگی تو وہ سوراج کے لئے تیار ہو جائیگی اس وقت میں وعدہ کرتا ہوں کہ ہندوستانی شہروں کے مختلف قلعے ہندوستانی آزادی کے لئے ایک گستاخ دھمکی کے بجائے اسکے بچوں کیلئے تفریح گاہ بن جائینگے اسوقت ہمارے اور انگریزوں کے درمیان تعلقات بالکل پاک و صاف ہو جائیں گے۔ لنکاشائر کا دوٹ بیکار ہو جائیگا اور انگریز (اگر انہوں نے پسند کیا) ہندوستان میں بحیثیت دوست اور برابر کے رہینگے اور ان کا واحد مقصد ہوگا کہ سچائی کے ساتھ ہندوستان کو فائدہ پہونچائیں اور امداد کریں۔ تحریک عدم تعاون اسلئے وضع کی گئی ہے کہ انگریزوں کو دعوت کیجائے کہ یا تو وہ باعزت شرائط پہ ہمارے ساتھ تعاون کریں یا ہماری سرزمین کو چھوڑ کر چلے جاویں۔ یہ ایک ایسی تحریک ہے جو ہمارے تعلقات کو پاک اور خالص بنیادوں پر قائم کرتی ہے لیکن جس نام سے چاہیں آپ اس تحریک کو۔ اسکو سودیشی کہئے یا قاتل منشیات کہئے، فرض کیجیے کہ تمام گذشتہ مہینے بیکار جد و جہد میں صرف ہوئے میں گورنمنٹ اور اعتدال پسند دوستوں کو مدعو کرتا ہوں کہ وہ چرخہ کو عالمگیر بنانے اور شراب نوشی کو جرم قرار دینے میں قوم کے ساتھ تعاون کریں۔ کسی جماعت کو ابھی ان دو تحریکوں پر غور کرنے کی ضرورت نہیں درخت کا اندازہ اسکے پھلوں سے ہوگا۔

عدم تعاون میدان سیاست میں اسی تعلیم کی اک توسیع ہے جسپر خانگی داری کے میدان میں عمل کیا جاتا ہے

(پرانا اور نیا گاندھی) مہاتما گاندھی کے قلم سے ینگ انڈیا ۴ مئی ۱۹۲۱ء

ٹائمز آف انڈیا نے پھر بدنیتی کے الزام کی تجدید کی ہے جو اسکے کسی پہلے مضمون سے مترشح ہوا تھا اور جسکے متعلق میں نے حال میں ہی ینگ انڈیا کے کالموں میں قلم اٹھایا تھا۔ یہ آرٹیکل ایسی سنجیدگی سے لکھا گیا ہے کہ اسمیں سے کوئی بات مستثنیٰ نہیں کیجا سکتی۔ میں یقیناً اپنی نیک نیتی کی شہرت کو برقرار رکھنے کے لئے مضطرب ہوں۔ مجھے لوگوں نے نیک نیت ہونیکی عزت بخشی ہے اور یقیناً میں اسکا حقدار بھی ہوں۔ صفحہ ۲۷۱ پر میرا مضمون جسکا عنوان "بادل" ہے وہ میرے نکتہ چینوں کے لئے میرے آخری الفاظ ہیں۔ اپنے اقوال کی آخری تشریح میرے اعمال کرینگے۔ کوئی شخص اپنی موت سے قبل انصاف پسند یا نیک نیت یا نیک نہیں کہا جاسکتا لیکن میں "ٹائمز آف انڈیا" کی بعض غلط بیانیوں کی تصحیح کرنا چاہتا ہوں۔ ستیہ گرہ کے اعلان کے وقت بھی مجھپر یہ الزام لگایا گیا تھا کہ میں اپنی پرانی گوشہ نشینی اور غیر سیاسی حالت سے دور جا پڑا۔ جنوبی افریقہ میں بھی نکتہ چینوں نے میرے زمانہ ماضی کا حوالہ دیا تھا۔ جس جنگ سے بھی میرا تعلق ہوا اُس میں ہی ایسے نکتہ چین پیدا ہو گئے جنہوں نے میری اسوقت کی موجودہ زندگی کے مقابلہ میں میری گذشتہ زندگی کی تعریف کی۔ میں اس حقیقت کو اسلئے نہیں پیش کر رہا ہوں کہ موجودہ الزام کو غلط ثابت کر دوں بلکہ اس لئے تاکہ اپنے دل کو قوی کر لوں اور اس الزام پر یقین نہ کروں کہ میں نادانستہ طور پر غیر مخلص ہو جاتا ہوں یا اپنی ذات کو دھوکہ دیتا ہوں۔ میں نے ستیہ گرہ ہرگز نہیں بند کیا اور نہ کبھی میں نے گوشہ نشینی اختیار کی۔ میں نے صرف سول نافرمانی کو ملتوی کیا تھا اور وہ اب بھی ملتوی ہے کیونکہ مجھے یقین تھا اور اب بھی مجھے یقین ہے کہ ملک اسکے لئے تیار نہ تھا۔ ہمالیہ[1] کے متعلق میری غلطی ملک کی تیاری کے غلط اندازہ پر مبنی تھی۔ جس طرز کا عدم تعاون اختیار کیا گیا ہے اسمیں وہ خطرہ موجود نہیں جو سول نافرمانی میں موجود ہے۔ موخرالذکر عدم تعاون کے لئے ہمیشہ فرض نہیں۔ اسی وجہ سے میں نے کہا ہے کہ خواہ عدم تعاون کا انجام انارکی ہی کیوں نہ ہو میں اسکا مشورہ دیتا رہونگا۔ کیا یہ فرض کرتے ہوئے کہ چونکہ انارکسٹوں کا بول بالا ہو گیا ہے مجھے اپنے تمغہ جات واپس لینے چاہئیں یا اپنے دوستوں کو مشورہ دینا چاہئے کہ وہ اپنے تمغہ جات کو واپس کر لیں یا وکلاء کو مشورہ دینا چاہئے کہ وہ دوبارہ وکالت شروع کر دیں؟ کیا انارکی کے خوف سے مجھے ایک غیر ایماندار گورنمنٹ سے تعاون کر لینا چاہئے جو باعتبار عقیدہ کے ڈائریت میں یقین رکھتی ہے؟ میں جانتا ہوں کہ انارکی کو نصب العین کی حیثیت سے

---

[1] اشارہ اس ارادہ کیطرف اشارہ ہے جو مہاتما جی نے ملک کے سامنے ظاہر فرمایا تھا کہ اگر ملک تشدد پر آمادہ ہو گیا تو وہ ہمالیہ پہاڑ پر گوشہ نشینی اختیار کر لینگے۔

اختیار کرنا شیطانیت ہے لیکن ڈائریت تو اس سے بھی زیادہ شیطانیت ہے کیونکہ ڈائریت اُس (انارکی) کو کہتے ہیں جسنے حکومت کا نقاب اوڑھ رکھا ہو تنظیم انارکی کھلم کھلا انارکی سے کہیں زیادہ بُری ہے۔ میں صرف موخر الذکر حالت میں عوام الناس کی انارکی سے دست بردار ہوجاؤنگا جیسا کہ میں نے گورنمنٹ کی انارکی سے اپنا تعلق منقطع کرلیا ہے۔ میرے نزدیک یہ دونوں انارکیاں بُری ہیں اور اُن سے پرہیز کرنا چاہئے۔ میں نے جلیانوالہ باغ کے قتل عام کے بانی سے انتقام لینے کے لئے نہیں کہا۔ میں نے اس سے زیادہ اور کوئی مطالبہ نہیں کیا کہ مجرموں کی پنشنیں بند کردی جاویں اور ان لوگوں کو برخاست کردیا جائے جو ہنوز اپنے عہدوں پہ مامور ہیں۔ میں نے سکھوں کو یہ مشورہ نہیں دیا ہے کہ وہ مہنت نراین داس کو کوئی پنشن دیں یا اسکو اسکے عہدہ پر برقرار رکھیں۔ میں نے سکھوں کو یہ مشورہ دینے کی جرأت کی ہے کہ وہ قاتلوں کے خلاف مقدمہ چلانے سے باز رہیں جیسا کہ میں نے مشورہ دیا تھا کہ پنجاب کے سرکاری قاتلوں کے خلاف مقدمہ نہ چلایا جائے میں نے امرتسر اور ننکانہ صاحب کے متعلق یکساں طرز عمل اختیار کرنے کا مطالبہ کیا ہے جو میں اپنے محبوب سے محبوب رشتہ دار کے ساتھ اختیار کرچکا ہوں۔ سیاسی میدان میں عدم تعاون اسی تعلیم کی ایک توسیع ہے جس پر خانہ داری کے میدان میں عمل کیا جاتا ہے وکلاء و دیگر افراد سے میرے تعلق کا جو حوالہ دیا گیا ہے وہ مشکل سے مناسب کہا جاسکتا ہے واقعہ یہ ہے کہ چند ہی وکلاء ایسے ہیں جو وکالت بھی کرتے ہیں اور نظام کانگریس میں کسی عہدہ پر بھی ممتاز ہیں۔

میں اپنی اس رائے پر قائم ہوں کہ جس جگہ پیروان عدم تعاون کی اکثریت ہو وہاں کسی ایسے شخص کو عہدہ نہ ملنا چاہئے جسنے پوری طرح عدم تعاون نہ کیا ہو۔ کانگریس کمیٹی نے اس تجویز کو مسترد نہیں کیا ہے مجھے معلوم نہیں کہ سورت کے مقام پر وکالت کرنیوالے وکیلوں نے مجھے کوئی اڈریس پیش کیا لیکن میں ان کا پیش کردہ اڈریس بھی قبول کرنے میں اسوقت تک پس و پیش نکروں گا جب تک مجھے یہ آزادی حاصل ہوگی کہ ان کو انکے راستوں کی غلطیاں سے علیحدہ کرسکوں۔ جہاں تک عملی برادران سے میری وابستگی کا تعلق ہے میں اسکو قابل رشک نعمت سمجھتا ہوں۔ جنوبی افریقہ میں چور اور قاتل میرے ساتھی تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے یقیناً چوری یا قتل کی وارداتیں میں قید کی سزا بھگتی تھی۔ انھوں نے صرف عدم تشدد کے عہد کو اتنے ہی باعزت طریقہ پر انجام دیا جتنا کہ کوئی دوسرا ستیہ گرہی دے سکتا تھا۔ میں پُرانے گاندھی اور نئے گاندھی میں اسکے سوا اور کوئی فرق نہیں پاتا کہ نیا گاندھی ستیہ گرہ کے مفہوم کو زیادہ واضح طور پر سمجھتا ہے اور ہمیشہ کے مقابلہ میں تعلیم اہنسا کی زیادہ قدر و منزلت کرتا ہے۔ میں ٹائمز آف انڈیا کے نامہ نگار سے وعدہ کرتا ہوں کہ اس یقین میں میں بھی اپنی ذات کو کسی قسم کا دھوکہ نہیں دے رہا البتہ زمانہ اسکو ظاہر کریگا کہ سچا کون ہے

کامیابی کا انحصار باقاعدہ عدم تعاون پر ہے اور عدم تعاون کا انحصار ہدایات کی پابندی، اطمینان قلب اور تشدّد سے باز رہنے پر

(عدم تعاون کا پروگرام) کب اور کیونکر کام کرنا چاہیئے پہلے مرحلہ کی تفصیلات ینگ انڈیا، جولائی ۱۹۲۰ء

عدم تعاون کی کمیٹی نے حسب ذیل بیان پبلک کی اطلاع اور رہنمائی کے لیئے شائع کیا ہے۔

عدم تعاون کمیٹی کی توقعات اور عدم تعاون کے آغاز کے طریقوں کے متعلق بہت سے سوالات کیئے جا چکے ہیں کمیٹی اس امر کو ذہن نشین کرانا چاہتی ہے کہ وہ ہر شخص سے یہ توقع کرتے ہوئے کہ اُسکی سفارشات پر پوری طرح عمل درآمد کیا جاویگا۔ کمزور ترین ممبران کو بھی اپنے ساتھ لیجائیگی کمیٹی کے ارکان یہ چاہتے ہیں کہ عدم تعاون کے پروگرام میں تمام ملک اگر عملی تعاون نکرے تو کم از کم اُسکی خاموش ہمدردی ضرور حاصل کرلی جائے لہذا وہ لوگ جو جسمانی قربانی کے متحمل نہیں ہوسکتے اُن کو چاہیئے کہ سرمایہ جمع کرکے اور محنت و مشقت سے اس تحریک کی امداد کریں۔

ایسی حالت میں کہ عدم تعاون ضروری ہوجاوے کمیٹی نے پہلے مرحلہ کے لیئے حسب ذیل امور کا فیصلہ کیا ہے:۔

(۱) تمام خطابات اور آنریری عہدوں کی واپسی (۲) گورنمنٹ کے قرضہ جات میں کسی قسم کا حصہ نہ لینا (۳) وکالت کا ترک کرنا اور سول مقدمات کا فیصلہ بذریعہ پنچایت کرنا (۴) والدین کا گورنمنٹ مدارس کو بائیکاٹ کرنا (۵) اصلاحی کونسلوں کا بائیکاٹ کرنا (۶) حکومت کی ضیافتوں یا اسی قسم کے دوسرے کاموں میں حصہ نہ لینا (۷) عراق عرب کے لیئے کسی سول یا فوجی عہدہ کو منظور کرنے سے انکار کرنا یا فوج میں بھرتی ہونیکے لیئے اپنے آپکو پیش کرنا اور بالخصوص ترکی علاقہ جات کیلیئے جہاں عہدشکنی کرکے حکومت کا انتظام کیا جارہا ہے (۸) سودیشی پر سختی کیساتھ پابند ہونا اور دوسرے لوگوں کو اس قومی اور مذہبی بیداری کے وقت ترغیب دلانا کہ وہ اپنے ملک کی ہی تیار شدہ اشیاء سے مطمئن ہوکر اپنے ملک کے ابتدائی فرض کی ہمت افزائی کریں

سودیشی کا پرچار یکم اگست کا انتظار کیئے بغیر شروع ہوجانا چاہیئے کیونکہ یہ تو ایک ایسا مدامی قانون عمل ہے جسمیں کسی فیصلہ پر پہنچنے کے بعد بھی کوئی رکاوٹ نہیں ہوسکتی۔

لوگوں کو چاہیئے کہ وہ ابھی سول یا فوجی محکموں کی ملازمتیں قبول کرنے سے باز رہیں تاکہ آئندہ اُنپر کوئی حرف نہ آئے۔ ان کو گورنمنٹ قرضہ جات خواہ نئے ہوں یا پرانے لینے بند کردینے چاہئیں۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ پروگرام کا باقی حصہ آئندہ یکم اگست سے پیشتر نہیں شروع کیا جاویگا وہ لوگ جو اپنی ذمہ داری اور مسئلہ کی نزاکت کو محسوس کرتے ہیں اُن سے اُمید کیجاتی ہے کہ بد اتفاقی کا کام نہیں کرینگے بلکہ کمیٹی کے ساتھ مل جل کر رہینگے کامیابی کا انحصار باقاعدہ اور مجوزہ عدم تعاون پر ہے اور مجوزہ عدم تعاون کا انحصار ہدایات کی سختی کے ساتھ پابندی، اطمینان قلب اور تشدد سے بالکل آزاد رہنے پر ہے۔

شراب خانہ خراب

عوام کی متحدہ مخالفت کے باوجود دنیا کے کسی ملک میں کسی گورنمنٹ کیلئے اسطرح شراب کی تجارت کا جاری رکھنا ممکن نہ تھا جسطرح کہ ہندوستان میں دیکھنے میں آرہا ہے

(اعتدال پسندوں کے نام خط) ینگ انڈیا ۔ ۹ جون ۱۹۲۱ء

پیارے دوستو! یہ کچھ کم تکلیف دہ بات نہیں ہے کہ میں خیالات میں آپ لوگوں سے جدا ہوں ۔ اگرچہ تعلیم اور تعلقات کے اعتبار سے میری نشو ونما انہیں لوگوں کی جماعت میں ہوئی ہے جو اعتدال پسند خیال کئے جاتے ہیں ۔ کچھ تو واقعات کی بنا پر اور کچھ طبیعت اور مزاج کے اعتبار سے میرا تعلق کبھی ہندوستان کی بڑی پارٹیوں سے نہیں رہا ۔ تاہم میری زندگی پر انتہا پسندوں کے مقابلہ میں اُن لوگوں کا زیادہ اثر رہا ہے جن کا تعلق اعتدال پسند پارٹی سے ہے ۔ دادا بھائی نیروجی گوکھلے بدرالدین طیب جی ۔ فیروز شاہ مہتا یہ سب کے سب ایسے نام ہیں جو جادو کا اثر رکھتے ہیں اُن کی ملکی خدمات کبھی فراموش نہیں کی جا سکتیں ۔ اُنہوں نے ہمارے ملک میں مجھ جیسے بہت سے لوگوں کی زندگیوں میں روح پھونکی ہے جو لوگ آپ میں سے بقید حیات موجود ہیں اُن میں سے اکثر کے ساتھ میں نے خوشگوار ترین تعلقات کے مزے اُٹھائے ہیں پھر وہ کونسی چیز ہے جسنے مجھے آپ سے جدا کرکے قوم پرست جماعت کے دامنوں میں ڈالدیا؟ کیوں میں آپکے مقابلہ میں قوم پرستوں کے اندر زیادہ اشتراک خیالات پاتا ہوں؟ میں نہیں دیکھتا کہ آپ قوم پرستوں کے مقابلہ میں اپنے وطن سے کم محبت کرتے ہیں ۔ میں اس امر کے یقین کرنے سے بھی منکر ہوں کہ آپ ملک کی فلاح وبہبود کی خاطر قربانی کرنے کے لئے قوم پرستوں کے مقابلہ میں کم تیار ہیں درحقیقت اعتدال پسند پارٹی ذہانت استقلال اور قابلیت کا اگر زیادہ نہیں تو کم از کم اسی قدر دعویٰ کرسکتی ہے جتنا کہ قوم

پرست کرتے ہیں لہذا اختلاف صرف نصب العین میں ہے۔

میں مختلف نصب العین کا تذکرہ چھیڑ کر آپ کو پریشان نہ کرونگا۔ فی الحال میں عدم تعاون کے تعمیری پروگرام کی بعض دفعات کی طرف آپ کی توجہ منعطف کرانا چاہتا ہوں۔ ممکن ہے کہ آپ اس لفظ کو ہی ناپسند کریں۔ پروگرام مذکور کے بعض دفعات کو آپ بالکل ناپسند کرینگے لیکن اگر آپ تارکین موالات کو بھی حب الوطنی کی وہی عزت بخشیں جس کے آپ خود دعویدار ہیں تو کیا آپ اس پروگرام کے اُن حصّوں کی موافقت نہ کرینگے جن پر دو مختلف رائیں قائم نہیں کیجا سکتیں؟ میری مراد یہاں شراب نوشی سے ہے۔ آپ میری اس شہادت کو تسلیم کیجئے کہ ملک شراب نوشی کی لعنت سے پریشان ہوگیا ہے۔ وہ بدقسمت آدمی جو اس عادت کے غلام بن گئے ہیں امداد کے طلبگار ہیں ان میں سے بعض امداد طلب کرتے ہیں میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ اس عام جذبہ سے جو شراب کی تجارت کے خلاف پھیل گیا ہے۔ فائدہ اٹھاویں۔ یہ شورش بدرضا و رغبت نمودار ہوئی ہے یقین کیجئے کہ اس جنگ میں گورنمنٹ کو شراب کی آمدنی سے محروم کرنا کمترین اہمیت رکھتی ہے۔ ملک خود اس برائی سے بے چین ہے دنیا کے کسی ملک میں عوام کی متحدہ مخالفت کے باوجود اس تجارت کا جاری رکھنا ممکن نہ تھا جیسا کہ ہندوستان میں مشاہدہ کیا جا رہا ہے۔ ناگپور کے عوام الناس سے خواہ وکیسی ہی غلطیاں اور زیادتیاں سرزد کیوں نہ ہوئی ہوں تاہم معاملہ یہی بدا انصاف تھا لوگ شراب نوشی کی لعنت کو دور کرنیکا ارادہ کرچکے ہیں جو اُن کی زندگیوں کی جڑ کھود رہی تھی۔ آپ کو اس وسیع استدلال سے دھوکا نہ کھانا چاہئے کہ ملک جبریہ نیک نہیں بنایا جا سکتا۔ و نیز یہ کہ جو لوگ شراب پینا چاہتے ہیں اُن کے لئے آسانیاں بہم پہنچائی جاویں لیکن ہم بدنام گھروں کا انتظام نہیں کرتے اور نہ انکے موجود رہنے کی اجازت دیتے ہیں۔ ہم چوروں کو چوری کی طرف رغبت دلانے کے لئے آسانیاں نہیں بہم پہونچا سکتے۔ میری رائے میں شراب نوشی چوری سے بھی زیادہ بدی ہے حتیٰ کہ شاید رنڈی بازی سے بھی زیادہ ملعون ہے۔ کیا شراب نوشی سے ہی یہ دونوں چیزیں پیدا نہیں ہوتی ہیں؟ میں آپ سے کہتا ہوں کہ شراب نوشی کی آمدنی کے وجود کو مٹانے اور شراب کی دوکانوں کو بند کرنے میں ملک کے شریک ہو جاویں۔ اگر جو روپیہ شراب بیچنے والوں نے صرف کیا ہے وہ اُنکو واپس دیدیا جائے تو وہ خوشی سے اپنی دوکانیں بند کردیں گے۔

اب یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ بچوں کی تعلیم کے متعلق کیا ہوگا؟ میں آپ لوگوں سے یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ ملک کیلئے یہ بات بڑی توہین آمیز ہے کہ اسکے بچے شراب کی آمدنی سے تعلیم پاویں۔ اگر ہم شراب نوشی کی برائی کو بند کرنے کا فیصلہ نہ کریں تو آیندہ نسلوں کی لعنت کے مستحق ہونگے خواہ ہمیں اپنے بچوں کی تعلیم کو قربان ہی کیوں نہ کرنا پڑے لیکن غالباً اسکی ضرورت نہ ہوگی۔ میں جانتا ہوں کہ آپ میں سے بہت سے حضرات اسکول اور کالجوں میں چرخہ کاتنے کا رواج دیکر تعلیم کو اسکی ٹانگوں پر کھڑا کرنے کے خیال پر ہنسیں گے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مسئلہ تعلیم کا حل اس طریقہ سے جس طرح سے ہو سکتا ہے کسی دوسرے طریقہ سے نہیں ہو سکتا۔ ملک مزید محصولات برداشت نہیں کر سکتا۔ بلکہ موجودہ محصولات ہی ناقابل برداشت ہیں۔ ہمیں صرف افیون اور شراب کی ہی آمدنی کو دور کرنا نہیں ہے بلکہ اگر ملک کے ہمیشہ بڑھنے والے افلاس کے خلاف جنگ کرنا ہے تو دیگر سرکاری آمدنیوں میں بھی تخفیف کرنی ہوگی۔

یہی معاملات مجھے موجودہ گورنمنٹ سسٹم پر غور کرنے کے لئے مجبور کرتے ہیں۔ اصلاحات کے لئے ملک نادار ہے سالانہ اخراجات بڑھ گئے ہیں۔ اس سسٹم کے گہرے مطالعہ نے مجھے یقین دلا دیا ہے کہ اس میں ترمیم اور اصلاح کرنے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اس زمانہ کی سب سے بڑی ضرورت مکمل انقلاب ہے۔ لفظ انقلاب آپ کو ناخوش کرتا ہے لیکن میں جس انقلاب کی پیروکاری کرتا ہوں وہ خونریز انقلاب نہیں ہے بلکہ خیالی دنیا میں ایسا انقلاب پیدا کرتا ہے جو زندگی کے معیار میں بنیادی تبدیلیاں کرنے پر مجبور کر دیگا۔ میں آپ حضرات سے صفائی کے ساتھ اس امر کا اعتراف کرتا ہوں کہ سول سروس کے اعلیٰ شعبوں میں آئے دن جو تنخواہوں کا اضافہ ہوتا رہتا ہے وہ مجھکو خوفزدہ کر رہا ہے جیسا کہ میں امید کرتا ہوں کہ آپ بھی اس سے خوفزدہ ہونگے کیا حکمرانوں اور کروڑہا محکوم رعایا کی زندگی کے درمیان کوئی بھی مطابقت ہے؟ موخر الذکر کے شکستہ جسم میرے اس بیان کی تصدیق کا مجسم ثبوت ہے۔ آپ لوگ اب حکمراں جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ بات کہنے کا موقع نہ دیجئے کہ آپ کی ایڑیاں بھی آپ کے پیش رؤوں اور آپ کے ساتھیوں کے مقابلہ میں کچھ کم سخت نہیں ہیں کیا آپ بھی شملہ کی چوٹیوں سے ہی حکومت کرینگے؟ کیا آپ بھی اُسی پالیسی کی تقلید کرینگے جس کو جبیر ایک سال گذرا آپ خود مخالفانہ نکتہ چینی کرتے تھے؟ آپ کے ہی دوران حکومت میں ایک شخص کو صرف اس بنا پر کہ وہ بعض ذاتی رائیں رکھتا تھا تمام عمر کے لئے عبور دریائے شور کی سزا دی گئی۔ اب یہ استدلال نہیں کر سکتے کہ وہ تشدد کو بھڑکا رہا تھا۔ کیونکہ زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ آپنے ہی خود اس قسم کے استدلال کو غلط بتایا تھا علی برادران نے صرف اس شبہ پر کہ انکی تقریروں میں تشدد پایا جاتا ہے معذرت طلب کی ہے اس سے اگر آپ یہ یقین کریں کہ ان کو مقدمہ کے خوف نے معذرت پر آمادہ کیا ہے تو آپ ملک کے ساتھ بڑی ظالمانہ ناانصافی کے مرتکب ہونگے۔ ملک میں ایک نئی روح پیدا کی گئی ہے۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ گذشتہ ۲ ماہ کے اندر اندر بہت سے اعلیٰ ظرف نوجوان جو آپ کے ہم وطن تھے جیلخانہ چلے گئے؟ کیونکہ وہ ضمانت دینے کے لئے تیار نہ تھے جسکو وہ اپنے لئے بیعزتی خیال کرتے تھے یہ آپ کے ہی دوران حکومت کا تحفہ ہے کہ بیگناہ مویلوں کے صبر و تحمل کی سخت آزمائش کیگئی میں خوشی سے یہ خیال کرونگا جیسا کہ درحقیقت میرا یقین ہے کہ آج کل امن و انصاف کے نام پر جو مظالم کئے جا رہے ہیں کیا تم سکے آپ ذمہ دار نہیں لیکن آپ مجھے یا پبلک کو یہ کہنے کا موقع نہ دیجئے کہ جن معاملات میں آپ کو دخل نہیں دیا جاتا انمیں بھی آپ کچھ نہیں کر سکتے۔ میں نصب العین کی بحث کی طرف آ گیا لیکن فی الحال میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا۔ اگر ملک کو آپ کی امداد محض تجارت شراب کے بند کرنے میں میسر آجائے تو آپ ان گذشتہ خدمات میں اور اضافہ کرینگے جو آپ نے انجام دی ہیں اور ممکن ہے کہ آپ کا ایک قدم آپ کی آنکھوں کو دوسرے ممکنات کے لئے بھی کھولدے۔

میں ہوں آپ کا وفادار

ایم۔ کے۔ گاندھی

شراب نوشی کی کثرت ایسی کبھی نہیں ہوئی جیسی کہ اس گورنمنٹ کے عہد میں ہوئی ہے

ڈاکٹر پالن راہ جنگ پر) مہاتما گاندھی کے قلم سے ینگ انڈیا ۲۲ جون ۱۹۲۱ء

ڈاکٹر جان پالن کی کھلی چٹھی موصول ہوئی ہے چونکہ پریس میں یہ پہلے ہی شائع ہو چکی ہے اسلئے میں اسکو یہاں درج نہیں کرتا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے مشکل سے تحریک عدم تعاون کا مطالعہ کرنیکی شاید تکلیف نہیں فرمائی تاہم جس بات کو وہ نہیں جانتے اسکی مذمت کرنا اُنکے نزدیک بُرا نہیں وہ مجھ سے کہتے ہیں کہ اُنکی باتوں کو اپنے تجربہ پر ترجیح دوں لیکن افسوس ہے کہ ڈاکٹر پالن کا خط اوسط درجہ کے انگریزی رویہ کا اظہار کرتا ہے یعنی یہ کہ تصویر کے دوسرے رخ کے مطالعہ میں تساہل برتنا۔ ہمہ دانی کا دعوی کرنا اور پھر خود کو اطمینان دینا جن لوگوں کی حالت ایسی ہو اُن کا جواب یا تو تشدد دے سکتا ہے اور یا عدم تعاون۔ اگر آپ قتل کریں تو انکو اُس سے اسقدر رنج پہونچتا ہے کہ اُنکے خلاف عملی کارروائی شروع کر دیتے ہیں اور اگر آپ اُن سے گفتگو کرنا ترک کر دیں تو وہ اُسکے سبب کی تفتیش شروع کر دینگے۔ قتل کا سانحہ عملی کارروائی ضرور پیدا کر دیتا ہے لیکن شاذونادر ہی اس سے روشن خیالی پیدا ہوتی ہے اس سے خوف فاسد پیدا ہوتا ہے جسمیں خوف بھی شامل ہوتا ہے اس سے جزوی آرام پہونچتا ہے اور بسا اوقات یہ خود غرض سے بھی زیادہ خطرناک ہو جاتا ہے اسکے برخلاف گفتگو کرنے یا بُرائی میں حصہ لینے یا اپنی ہی تذلیل میں امداد کرتے یا غلط کار سے تعاون کرنے سے انکار کرنا ہر شخص کو قوت بخشتا ہے اور غلط کار کو بھی بیدار کرتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستان نے تمام زیانوں کے لئے زیادہ اچھا طریقہ اختیار کیا ہے۔ ڈاکٹر پالن اسقدر راست ہیں کہ باوجودیکہ عدم تعاون تشدد کے خلاف ایک ضمانت ہے لیکن وہ سمجھتے ہیں کہ ضرور اس سے تشدد پیدا ہوگا لیکن یہ تو تشدد کو برطرف کرنے کی جدوجہد ہے۔ عدم تعاون نے کم سے کم جو بات کی ہے وہ یہ ہے کہ اُس نے تشدد کو ملتوی کر دیا اور اگر اُسکی آزمائش کافی عرصہ تک کیگئی تو اس سے لوگوں کو وہ قوت پہونچیگی کہ وہ خود بخود سمجھ جائینگے کہ تشدد بالکل غیر ضروری چیز ہے۔

ڈاکٹر پالن کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ میں برطانی مال کے بائیکاٹ کا اسی قدر مخالف ہوں جتنا کہ پہلے تھا۔ میں نے ہمیشہ اس امر کی اشاعت کی ہے جیسا کہ آج کل میں کر رہا ہوں کہ بدیشی کپڑے اور ایسی غیر ملکی چیزوں کا بائیکاٹ کر دیا جائے جسکو ہندوستانی منافع کے ساتھ تیار کر سکتے ہوں۔ سودیشی کا مفہوم جو کچھ میں نے سمجھا ہے اسمیں کسی قسم کی سزا یا انتقام کا خیال شامل نہیں اسکا مطلب آپ اپنی امداد کرنا اور اس قدرتی قانون کا تسلیم کرنا ہے۔ بنی نوع انسان کی بہترین خدمت یہ ہے کہ اسکے اُس حصہ کی امداد کیجائے جو تمہارے قریب ترین ہو۔ اپنی ٹانگوں پر کھڑا ہونے والا ہندوستان تمام دنیا کی امداد

کریگا۔ بے دست و پا اور مانچسٹر اور جاپان سے کپڑا حاصل کرنیوالا ہندوستان اپنے آپ کو بھی نقصان پہونچاتا ہے اور تمام دنیا کے لئے بھی مضرت رساں ہے۔

مزید براں میں ڈاکٹر پالن کو یہ بھی اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ اگرچہ میں موجودہ گورنمنٹ سسٹم کا مسلمہ دشمن ہوں۔ تاہم برطانی باشندوں کا ہنوز دوست ہوں۔ میرا مذہب دوست اور دشمن بنانے سے منع کرتا ہے لہذا میں اُن کو یقین دلاتا ہوں کہ میں ہمیشہ برطانی باشندوں کے لئے وہی جذبات قائم رکھونگا جو اپنے بھائیوں کے ساتھ رکھتا ہوں اور اب بھی انکے ساتھ وہی عمل کرتا ہوں جو اپنے خون کے شریک بھائیوں سے کرتا ہوں۔ میں نے اپنا فرض سمجھ کر جو صفتیں اس سسٹم کے لئے استعمال کی ہیں ان پر مجھے پختہ رہنا پڑیگا۔ میرا کام یہ ہے کہ بُرائی کو بُرائی کہتے ہوئے ایسے تُرشے جذبات کے تلاطم کی روک تھام کروں جو غلط کاروں کے خلاف موجزن ہو، اس خوف سے کہ مبادا مریض ہول سے دیوانہ نہو جائے مرض کو پوشیدہ رکھنا یا نظرانداز کرنا بڑی بے وقوفی ہے۔ مریض کو مرض کی اطلاع دیدینی چاہیئے اور اسکا علاج کرنا چاہیئے۔

ڈاکٹر پالن کی چالانہ تمہید کے بعد وہ عبارت ہے جسمیں میری اُن تمام باتوں کا بے دلیل انکار کیا گیا ہے جن پر میں یقین رکھتا ہوں یعنی :۔

(۱) ہندوستان کے نظام حکومت کے مصارف دنیا میں سب سے زیادہ ہیں (۲) ہندوستان جتنا اس زمانہ میں مفلس ہے اتنا کبھی نہیں ہوا (۳) شراب نوشی کی بلا اتنی بڑی کبھی نہیں ہوئی جسقدر کہ آج کل ہے (کسی نے یہ نہیں کہا کہ برطانیہ کی آمد سے پیشتر ہندوستان میں شراب نوشی نہ تھی) (۴) ہندوستان پر ایک خوف پیدا کرنیوالے سسٹم کے ذریعہ سے قبضہ قائم ہے۔

ڈاکٹر پالن محض ان حقائق سے انکار ہی نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ نظام حکومت دوسرے مقامات کے مقابلہ میں زیادہ سستا ہے وہ اس امر کو فراموش کرتے ہیں کہ دنیا میں کسی ملازمت کی اتنی زیادہ تنخواہیں نہیں جسقدر کہ انڈین سول سروس کی ہیں، و نیز یہ کہ آمدنی کے ½ حصہ سے زیادہ فوجی ملازمت پر صرف کر دیا جاتا ہے۔ اس خاندان کا ذرا خیال کرو جسکو اپنی آمدنی کا ایک تہائی ورباتوں کے لئے خرچ کرنا پڑے۔ ڈاکٹر پالن کہتے ہیں کہ ہندوستان ایک حیرت انگیز مالدار ملک ہے جسمیں مقابلتًا مفلس اور بے پروا کسان آباد ہیں' وہ مجھ سے کہتے ہیں کہ اوسط درجہ کی سالانہ آمدنی یعنی ۲۷ روپیہ کو ۵ سے ضرب دیدیجائے اور پھر اس سے استدلال کرتے ہیں کہ پانچ نفوس کے ایک خاندان کی بسر اوقات کیلئے ایکسو پینتیس روپیہ سالانہ کی آمدنی کافی ہے میں ان سے کہتا ہوں کہ دو روپیہ چار آنہ فی کس ماہانہ غریب سے غریب آدمی کے کھانے، کپڑے اور مکان کے لئے کافی نہیں ہوسکتا لہذا غریبوں کی آمدنی کا اوسط صرف ہندوستان کی مفلسی کا ہی ناقابل تردید ثبوت نہیں بلکہ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان کو آدھا پیٹ روٹی ملتی ہے۔

آبکاری کی آمدنی برابر بڑھتی جا رہی ہے تاہم ڈاکٹر پالن کی دیدہ دلیری ملاحظہ ہو کہ وہ فرماتے ہیں کہ موجودہ نظام حکومت شراب نوشی کی زیادتی کو کم کرتا ہے۔

آخر میں ڈاکٹر پالن خوف اور ہیبت کے وجود کا انکار ہی نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ "وہ (یعنی ہم ہندوستانی) برطانیہ سے اتنے ہی آزاد ہیں جتنے کہ اسکاٹ، ویلس، نوآبادیات کے باشندے اور خود انگریز ہیں"۔ ایسی جہالت کو صرف عدم تعاون ہی دور کریگا

ہندوستان میں شراب کی دکانیں ناقابل برداشت لعنت ہیں جنکو سوسائٹی گوارا نہیں کر سکتی

(ہر ہندوستانی انگریز کے نام دوسرا خط) از قلم مہاتما گاندھی ۱۳ر جولائی ۱۹۲۱ء

پیارے دوستو! یہ دوسری مرتبہ ہے کہ میں آپ کو مخاطب کرنیکی جرأت کرتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ آپ میں سے اکثر اصحاب نان کوآپریشن سے متنفر ہیں لیکن میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ میری تمام سرگرمیوں میں سے صرف دو۲ پر آپ غور فرما دیں بشرطیکہ آپ کو میری ایمانداری پر یقین ہو۔

اگر آپ میری ایمانداری کو خود محسوس نہیں کرتے تو میں اسکو ثابت نہیں کر سکتا۔ جب میں یہ کہتا ہوں کہ اگرچہ انگریزوں کے نظام حکومت سے ہم نفرت کر سکتے ہیں لیکن انفرادی حیثیت سے ہمیں انگریزوں سے نفرت نہیں کرنی چاہئے تو میرے بعض ہندوستانی دوست مجھ پر زمانہ سازی کا الزام لگاتے ہیں۔ میں انپر یہ واضح کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ وہ ایک بھائی کی بداعمالیوں سے اس سے نفرت کئے بغیر متنفر ہو سکتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ نے اسکرائٹ اور میز لیپنہ کی بداعمالیوں سے ناراضگی کا اظہار کیا لیکن وہ ان سے نفرت نہ کرتے تھے۔ انھوں نے یہ اصول کہ انسان سے محبت کرنا چاہئے اور اسکی برائیوں سے اسکی بہبودی کی خاطر نفرت کو منضبط ہی نہیں کیا بلکہ اسپر عالمگیر عمل کی تعلیم بھی دی۔ اسمیں شک نہیں کہ میں دنیا کی کل مذہبی کتابوں میں اس تعلیم کو پاتا ہوں۔

میرا خیال یہ ہے کہ انسانی فطرت کا ایک حد تک سچا علم مجھکو عطا ہوا ہے اور میں اپنے جذبات اور حسیات کو بھی سمجھتا ہوں۔ میں نے یہ دریافت کیا ہے کہ انسان اپنے مجوزہ نظام عمل سے بلند ہے اور اسی لئے میں محسوس کرتا ہوں کہ آپ انفرادی حیثیت میں اس نظام سے بہت زیادہ اعلیٰ ہیں جسکو آپ نے ایک مترتب صورت میں قائم کر رکھا ہے۔ میری قوم کا ہر فرد لیٹر اس افسوسناک ۱۰ر اپریل کو امرتسر کے اس مجمع سے یقیناً بہتر تھا جسکا وہ ایک ممبر تھا۔ ہر شخص اپنی علیحدہ حیثیت میں ان انگریز منیجران بنک کو قتل کرنے سے انکار کر دیتا لیکن اجتماع عظیم میں وہ اپنے آپ کو بھول گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک انگریز آفس میں کچھ ہوتا ہے اور آفس سے باہر کچھ اور۔ اسی طرح ہندوستان کے انگریز کی حالت انگلستان والوں سے بالکل جداگانہ ہے۔ یہاں ہندوستان میں آپ کا تعلق اس نظام سلطنت سے ہے جو برائیوں سے ناقابل بیان حد تک لبریز ہے۔ لہذا یہ ممکن ہے کہ میں اس نظام حکومت کو سخت سے سخت نفرت کا نشانہ بناؤں لیکن آپ کو برا نہ تصور کروں اور خواہ مخواہ ناپاک خواہشات کو آپ کی جانب منسوب کردوں۔ آپ اس نظام کے اسی قدر غلام ہیں جسقدر کہ میں ہوں اسلئے میری درخواست ہے کہ آپ ایسے ہی خیالات میرے متعلق قائم کریں اور ان مطالبات کو مجھ سے متعلق کرنے سے گریز کریں جو میرے الفاظ اور بیانات سے ظاہر نہیں ہوتے جب میں یہ بیان کرتا

ہوں کہ میں ایسی سلطنت کو ختم کرنے یا اصلاح کرنے کے لئے نہایت بے صبر ہوں جسنے آپ کی ایک مٹھی کا ہندستان
کو غلام بنا دیا ہے اور جسکی وجہ سے انگریز محض قلعہ اور بندوقوں کے سایہ میں اپنی ہستی کو محفوظ سمجھتے ہیں اور جو ذرا سے
نوٹس پر مداخلت کے لئے بھی تیار کرلی جاتی ہیں۔ میں اپنے کل منشا کا اعادہ کرچکا ہوں۔ یہ آپ کے و نیز ہمارے ملک
کے لئے حقارت انگیز منظر ہے ہماری اور آپ کی حیات موالات باہمی، بے اعتباری اور خوف پر قائم ہے اور آپ تسلیم
کرینگے کہ یہ انسانیت کے خلاف ہے وہ نظام حکومت جو ان خرابیوں کا ذمہ دار ہو بلاشک شیطانی ہے۔ ہم آپ کو اس
قابل بنا دینگے کہ باشندگان ہندوستان کے باوقار حصہ دار کی حیثیت سے ہندوستان میں قیام کریں بجائے اس کے
کہ ہمیشہ غیر ملکی قسمت آزما کی طرح باقی رہیں ایک انگریز کی حیات کا ایک ہزار ہندوستانی کی زندگیوں سے توازن کرنا سخت
یاس افزا اصول ہے لیکن یقین کیجئے کہ آپ کے سب سے نامور شخص[1] نے سنہ 1919ء میں اسے قائم کیا تھا۔ مجھکو تو یہ رغبت ہوجاتی ہے
کہ اس نظام کی بربادی میں آپ کو اتحاد کی دعوت دوں جسنے آپ کو اور مجھکو دونوں کو ذلیل کردیا ہے لیکن میں محسوس کرتا ہوں
کہ ابھی اسکا وقت نہیں آیا۔ ہم نے اپنے جذبات ایثار اور صبر کا اسقدر کافی ثبوت نہیں دیا ہے کہ اسپر حرکات کی جاسکے۔

لیکن میں آپ لوگوں سے یہ درخواست ضرور کرونگا کہ غیر ملکی کپڑے کا مقاطعہ اور شراب نوشی کے بند کرنے میں ہماری
امداد فرمائیے جیسا کہ مورخین نے واضح کردیا ہے لنکاشائر کے پارچہ جات کا بار ہندوستان پر زبردستی ڈالا گیا اور ہندوستان
کی عالمگیر تجارت عمداً رفتہ رفتہ تباہ کردی گئی۔ لہذا اس وقت ہندوستان نہ محض لنکاشائر بلکہ جاپان، فرانس اور امریکہ
کی نظر ترحم کا محتاج ہے۔ ہم ہندوستان سے باہر تقریباً ساٹھ کروڑ روپیہ محض کپڑے کے واسطے بھیجتے ہیں کیا یہ جنون نہیں
ہے کہ روئی تو ہندوستان سے روانہ کیجائے اور وہاں سے کپڑے تیار ہو کر جہازات کے ذریعہ پھر ہم تک پہنچائے جاویں
کیا ہندوستان کو بے بسی کی اس حد تک گرا دینا جائز تھا؟ ایک سو پچاس برس کا زمانہ گذرا کہ ہم اپنی ضرورت کے کپڑے
خود بن لیتے تھے۔ ہمارے گھر کی عورتیں چہار دیواریوں کی حدود میں نفیس سوت کات کر اپنے شوہروں کی کمائی میں اضافہ
کیا کرتی تھیں۔ گاؤں کے جلاہے سوت کو بن لیا کرتے تھے۔ اقتصادیات کے اصول پر ہمارے زراعتی ملک کو اسکے بغیر
چارہ نہ تھا اور اس وجہ سے ہم اپنی فرصت کے اوقات کا عمدہ استعمال کیا کرتے تھے آج ہماری مستورات نے اپنی دستکاری
کھو کر اپنی بیکاری سے ملک کو نہایت مفلس بنا دیا ہے۔ بہت سے جلاہے بھنگی کا کام کر رہے ہیں۔ چند فوج میں بھرتی ہوگئے
پیشہ ور جلاہوں کی نصف قوم تو مر کر ختم ہوگئی اور بقیہ نصف باہر کے سوت سے کپڑا تیار کرتی ہے کیونکہ ملک کے اندر عمدہ سوت
تیار ہی نہیں ہوتا۔ اب شاید آپ سمجھ جائیں کہ غیر ملکی کپڑوں کے بائیکاٹ کا کیا مطلب ہے۔ اس تحریک کا خاص مطلب
انتقام لینا نہیں ہے بلکہ اگر گورنمنٹ آج خلافت کو آزاد اور پنجاب کے مظالم کا انصاف بھی کردے اور فوری سوراج پر بھی راضی
ہوجائے جب بھی بائیکاٹ کی تجویز باقی رہیگی۔ سوراج کے کم سے کم یہ معنی نہیں کہ ہندوستان کی صنعت کو اس حد تک قائم
کرنے کی قوت حاصل کیجائے جس حد تک کہ قوم کی اقتصادی ضروریات کے لئے لازمی ہے اور ایسے اشیاء کے داخلہ کی ممانعت
ہوسکے جو ان ضروریات کو مضر ہوں۔ زراعت اور چرخہ قومی جسم کے دو پھیپھڑے ہیں اور اسکو جس طرح بھی ہو عارضہ دق سے

---

[1] جنرل ڈائر اور اوڈوائر سے مراد ہے۔

بچانا منظور ہے۔

اس معاملہ میں کسی قسم کے انتظار کی گنجائش نہیں۔ ممالک غیر اور ہندوستانی تاجروں کا ایسی حالت میں لحاظ نہیں کیا جا سکتا جبکہ کل قوم محض اسوجہ سے فاقہ کشی ہو رہی ہے کہ زراعتی ماتحتی میں صنعت بھی ایک وسیع پیمانہ پر قائم نہیں کی جاتی۔ اسکو آپ غلطی سے بیرونی ممالک کی کل اشیا کا بائیکاٹ نہ تصور کرلیں۔ ہندوستان خود کو بین الاقوامی تجارت سے علیحدہ کرنا نہیں چاہتا۔ ہندوستان ان چیزوں کو شکریہ کے ساتھ خریدیگا جو ہندوستان کے باہر یہاں سے بہتر تیار ہوتی ہیں اور ان شرائط پر جن سے کہ فریقین کو استفادہ ہو لیکن ہندوستان کسی چیز کی درآمد پر مجبور نہیں کیا جا سکتا میں مستقبل پر نظر ڈالنا نہیں چاہتا، مجھے امید ہے کہ عنقریب ہندوستان انگلستان سے مساوات کے اصول پر تعاون کر سکے گا۔ اسوقت تجارتی تعلقات پر غور کرنے کا موقع آئیگا لیکن موجودہ وقت میں آپ بیرونی کپڑوں کے بائیکاٹ میں مدد دیں۔ اسی قدر اور اسی طرح مے نوشی کے انسداد کی ضرورت ہے۔ شراب کی دوکانیں وہ ناقابل برداشت لعنت ہیں جن کو سوسائیٹی برداشت نہیں کر سکتی۔ اس مسئلہ کے متعلق ملک میں اس سے قبل اتنی بیداری نہیں پیدا ہوئی تھی۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس موقع پر ہندوستان کے منسٹران (وزرار) آپ سے زیادہ امداد دے سکتے ہیں لیکن آپ سے خواہشمند ہوں کہ آپ اس مسئلہ حاضرہ پر اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں۔ جہانتک میرا خیال ہے ہر سلطنت کی ماتحتی میں قوم کی جانب سے کامل انسداد ہی پر زور دیا جاتا ہے۔ آپ اس مسئلہ پر قوم کی طرفداری میں اپنی رائیوں کا اثر ڈال کر قوم کی روز افزوں شورش کو مدد دیسکتے ہیں

میں ہوں آپ کا وفادار دوست

ایم، کے، گاندھی

اصلاحی کونسلیں

اصلاحات بلاشبہ غیر مکمل ہیں ہم اس سے زیادہ کے مستحق تھے

(اصلاحی کونسلوں کا بائیکاٹ اور شاہی اعلان) مہاتما گاندھی کے قلم سے ۳۱ر دسمبر ۱۹۱۹ء

۲۴ر ماہ رواں کو جو اعلان ملک معظم کی جانب سے شائع ہوا ہے وہ ایک ایسا اعلان ہے جس پر برطانی باشندے بجا طور فخر کر سکتے ہیں اور جس پر ہر ہندوستانی کو اطمینان محسوس کرنا چاہیے۔ ہنٹر کمیٹی کے سامنے جو انکشافات ہوئے اُن پر بحث کرتے ہوئے اعلان مذکور ہر شخص کو ایسا علم عطا کرتا ہے جس کے ذریعہ سے وہ برطانی عادات و خصائل کی حقیقی نوعیت معلوم کر سکتا ہے کیونکہ اعلان میں یہ عادات و خصائل بہترین نمونہ کے ظاہر کئے گئے ہیں اور اسکے برخلاف جنرل ڈائر کی سفاکی اسکا بدترین نمونہ پیش کرتی ہے۔ اعلان میں انصاف کرنے کے ارادہ کا اظہار ہے اور جنرل ڈائر کا کارنامہ اس امر کا ثبوت ہے کہ انسان خوف اور اشتعال کی حالت میں شیطان بن جاتا ہے میں یقین کرتا ہوں کہ ان دونوں باتوں کا قریب قریب ہونا ایک امر اتفاقی ہے۔ یہ اعلان اس زبردست تدبیر کا لازمی نتیجہ ہے جو شاہی منظوری حاصل کر چکی ہے۔ اصلاحی ایکٹ کے ساتھ اس اعلان کا ہونا برطانی باشندوں کے اس ارادہ کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ ہندوستان کے ساتھ انصاف کرنا چاہتے ہیں لہٰذا اسی وجہ سے اس شک و شبہ کو نکال دینا چاہیے لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہم ہاتھ پھیلا کر بیٹھ جائیں اور جس چیز کو ہم مانگتے ہیں اس کی ہنوز امید کرتے رہیں۔ برطانی دستور آئینی کے ماتحت کوئی شخص سخت جنگ و جدل کے بغیر کوئی چیز حاصل نہیں کرتا ہے ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی شخص ان بیانات کا یقین نہیں کر سکتا جو پارلیمنٹ میں کئے گئے ہیں کہ اصلاحات موجودہ شورش کی وجہ سے عطا کی گئی ہیں۔ ہم کو کانگریس کے صدر کا یہ مشورہ دل نشین کر لینا چاہئے کہ بغیر شورش مچائے ہمیں کوئی چیز نہ ملے گی لیکن جس طرح تمام تحریکوں کا مطلب ترقی نہیں ہوتا اسی طرح کل شورشیں کامیاب نہیں ہوتیں غیر مترتب شورش جو تشدد افعال و اقوال کے مترادف ہے قومی ترقی میں صرف تاخیر پیدا کر سکتی ہے اور قتل عام جلیانوالہ باغ کی جیسی ناسزا اور مکافات سر پر لاتی ہے۔ قومی نمونے کے لئے مترتب شورش ایک شرط ہے۔ لہٰذا سب سے زیادہ صحیح شورش سب سے زیادہ درست طریقہ عمل پر مشتمل ہے اور ہمیں اس امر میں بہت کم شبہ ہے

کہ شاہی اعلان اور اصلاحات کا مطلب کم شورش یا کم کام نہیں ہے بلکہ صحیح نوعیت کی زیادہ شورش اور زیادہ کام درکار ہے۔

بلاشبہ اصلاحات غیر مکمل ہیں وہ ہمیں کافی نہیں وتیں ہم زیادہ کے مستحق ہیں ہم اس سے زیادہ کا انتظام کر سکتے تھے لیکن اصلاحات ایسی نہیں ہیں کہ ہم ان کو مسترد کر دیں بر خلاف اس کے وہ ہمیں ہاتھ پاؤں پھیلانے کے قابل بناتی ہیں لہذا ہمارا فرض یہ ہے کہ ان کو عیب جویانہ نکتہ چینی کا نشانہ نہ بنائیں بلکہ خاموشی کے ساتھ ان پر عملدرآمد کرنیکا فیصلہ کر لیں تاکہ وہ قطعًا کامیاب ہو جاویں اور یہ بتا سکیں کہ کس وقت تک ہم ذمہ داری کی مکمل تدابیر حاصل کرنیکے قابل ہو جائینگے لہذا کام اندرونی شورش پھیلانے کا ہے ہمیں اپنی تمام توجہ معاشرتی برائیوں سے نجات حاصل کرنے، مضبوط حلقہائے انتخاب بترتیب کرنے اور کونسلوں میں ایسے لوگوں کو بھیجنے پر مرکوز ہونی چاہئے جو شہرت طلبی کی غرض سے انتخاب کے متلاشی ہوتے ہیں نہ کہ قومی خدمت کے لیئے۔ انگریزوں اور ہم میں باہمی بے اعتمادی بہت زیادہ رہی ہے۔ جنرل ڈائر انسانی رتبہ کو بھول گیا اور اسپر بے اعتمادی اور خوف طاری ہو گیا اسکو یہ ڈر تھا کہ ممکن ہے کہ اسپر حملہ کیا جاوے۔ اعلان مذکور اصلاحات کے مقابلہ میں بے اعتمادی کی بجائے اعتماد کو زیادہ قائم کرتا ہے یہ دیکھنا باقی ہے کہ آیا یہ اعلان سول سروس کو بھی پاک و صاف کرتا ہے یا نہیں لیکن ہمیں فرض کر لینا چاہیئے کہ یہ سول سروس کو پاک کر دیگا اور لہذا ہمیں پوری طرح اسپر لبیک کہنا چاہیئے ہم ایسا کرنے میں کوئی غلطی نہ کرینگے۔ اعتماد ایک نیکی ہے۔ کمزوری سے بے اعتمادی پیدا ہوتی ہے بہترین اطمینان کا اظہار ہم اس طرح کر سکتے ہیں کہ بغیر شکوہ و شکایت کیئے اور عمدگی کے ساتھ کام کریں ہمارا یہ تدارانہ کام منزل مقصود کی طرف تیزی کے ساتھ پیش قدمی کرنے کی بہترین ضمانت ہوگی۔

ان تمام سالوں کے عرصہ میں جس ہستی نے ایک لمحہ کیلئے بھی پیٹھ موڑے بغیر کام کیا وہ مسٹر مانٹیگو ہیں۔ ہمارے سامنے بہت سے وزراء ہند آئے جنہوں نے صرف اپنے عہدہ کو مزین کیا لیکن جسطرح مسٹر مانٹیگو نے اس عہدہ کو مزین کیا اسطرح کسی وزیر ہند نے نہیں کیا وہ ہندوستان کے سچے دوست رہے ہیں انھوں نے ہمارا شکریہ حاصل کیا ہے۔ لارڈ سنہا نے ہمارے ملک کی چمک دمک میں اضافہ کیا ہے۔ ہندوستان بہمہ وجوہ ان پر فخر کر سکتا ہے۔

انگریزی قوم کی حقیقی کارروائیوں کو پارلیمنٹ کے سات سو ممبران نہیں چلاتے بلکہ وہ جماعت چلاتی ہے جسکے قبضہ میں یہ ممبران ہوتے ہیں

(ایک ناچیز تجویز) ینگ انڈیا۔ ۱۹ رمئی سنہ ۲۰ء

مندرجہ بالا سرخی کے ماتحت مسٹر گاندھی نے "نوجیون" کے کالموں میں ایک مضمون شائع کیا ہے جسکا صحیح ملخص ہم ذیل میں

درج کرتے ہیں۔ مسٹر گاندھی کہتے ہیں:۔

میں دیکھتا ہوں کہ بہت سے امیدوار اصلاحی کونسلوں کے آیندہ انتخاب کیلئے آگے بڑھتے ہیں۔ یہ تسلیم کرلینا چاہیئے ان کونسلوں میں داخل ہوکر حکومت کی تھوڑی بہت خدمت انجام دینی ممکن ہے۔ لیکن میرا پختہ یقین ہے کہ بہت سے لوگ کونسلوں سے باہر رہ کر زیادہ اچھی طرح ملک کی خدمت انجام دے سکتے ہیں۔ مسٹر کیئر ہارڈی آنجہانی کہا کرتے تھے کہ ایک سچے عیسائی کے لئے برطانی پارلیمنٹ میں رہنا عملاً ناممکن ہے۔ کارلائل پارلیمنٹ کو گپ شپ کی دُکان کہا کرتا تھا۔ اب جبکہ بہت سے امیدوار موجود ہیں تو وہ لوگ جنہوں نے عقیدتاً ملکی خدمت کو تسلیم کرلیا ہے وہ اسکی خدمت فہرست امیدواران سے علیحدہ کرنا زیادہ اچھی طرح انجام دیسکتے ہیں وہ دیکھینگے کہ حلقہ انتخاب کو تعلیم دینے اور منتخبہ ممبران کو اُن کے وعدوں پر قائم رکھنے کا مشغلہ اُن کے لئے بہتر ہے انگلستان میں بھی ہر شخص ان لوگوں کی موثر خدمت کو دیکھتا ہے جو خود کو دارالعوام سے باہر رکھتے ہیں انگریزی قوم کی حقیقی کارروائیوں کو پارلیمنٹ کے سات سو ممبران نہیں چلاتے بلکہ وہ جماعت چلاتی ہے جسکے قبضہ میں یہ ممبران ہوتے ہیں۔ لہذا ان لوگوں کی بڑی جماعت سے جو ہندوستان کی خدمت انجام دینا چاہتے ہیں میں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ وہ کونسلوں میں داخل ہونے کی تکلیف نہ کریں۔ کونسلوں کی ممبری کے خواہشمندوں سے میں مودبانہ بزور کہتا ہوں کہ "اگر آپ خاص اپنی کلہاڑی کو کونسلوں میں استعمال کرنا چاہتے ہیں تو خدارا کونسلوں کو خیرباد کہئے کیونکہ اسکا استعمال دوسری جگہ ہوسکتا ہے ایک ایسے ایوان میں جہاں یہ خیال ہے کہ صرف قومی مفاد کے متعلق ہی گفتگو ہوتی ہے اور جہاں مضبوط مفاد کے خلاف زبردست جنگ کرنی ہے آپ کیا خیال کرتے ہیں کہ کس طرح اپنے معمولی مفاد کی پیروی کرسکیں گے؟ یقیناً آپکی یہ خواہش تو نہ ہوگی کہ اپنے مفاد کو قومی معاملہ میں ملاکر موخرالذکر کو نقصان پہونچائیں" مجھے معلوم نہیں کہ کونسلوں کے خواہشمند کون کون اصحاب ہیں میں تو ان واقعات سے نتیجہ اخذ کرتا ہوں جو میونسپل کونسل کے انتخابات میں ظہور پذیر ہوئے میں ہم کونسلوں میں ان داخل ہونے والے اشخاص سے فائدہ اُٹھائینگے جو راستباز ہوں اور انکساری و ملکی محبت سے ان کے سینے سرشار ہوں، خوف اُن کے پاس ہوکر نہ گذرا ہو، باہمت ہوں اور جن معاملات سے اُنہیں سروکار ہو ان میں مہارت کلی رکھتے ہوں۔

اصلاحی قانون نقائص سے پُر ہے اسکا علاج کرنا ضروری ہے لیکن جسطرح ایک غیر مشّاق ہاتھ میں اُسترا بیکار ہوتا ہے خواہ اسکی دھار کتنی ہی تیز کیوں نہو اسی طرح ایک مکمل ترین دستور اساسی اگر خود غرض یا جاہل کونسلروں کے ہاتھ میں پڑجائے تو نکما ہوجاتا ہے۔ ریفارم ایکٹ کی اصلاح کرنے کا سب سے زیادہ مدبرانہ طریقہ یہ ہے کہ کونسلوں میں صرف وہ لوگ بھیجے جاویں جو واقعی قومی خدمت کرنے کے خواہشمند ہوں۔ ان کے ہاتھوں میں ایک ناقص دستور اساسی بھی قوم کی بھلائی کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے جس طرح ایک دستکار بیکار اوزاروں کو درست کرتا ہے حتیٰ کہ اُن کو زیادہ اچھا بنالیتا ہے۔

ہمیں ایسے حلقۂ انتخاب کی ضرورت ہے جو غیر جانبدار، آزاد خیال اور سنجیدہ ہو

(رائے دہندگان کو کیا کرنا چاہئے) ینگ انڈیا ۹ جون ۱۹۲۰ء

آئندہ انتخابات کے متعلق مسٹر گاندھی نے دوسرا مضمون نوجیون میں سپرد قلم کیا ہے جسکا ملخص ذیل میں دیا جاتا ہے۔
بہت سے ایسے اشخاص جن کا اب تک کونسل کے انتخابات سے کوئی تعلق نہیں رہا ہے اب اصلاحی کونسلوں کے لئے رائے دینے جاوینگے۔ منتخبہ ممبران کے اختیارات میں بھی اب اضافہ پایا جاویگا۔ یہ بات رائے دہندگان کی ذمہ داری کو اور زیادہ بڑھاتی ہے۔ ہمارے تمام شہروں میں شہری میونسپل حقوق پر عمل درآمد کرتے رہے ہیں۔ اور ان تمام انتخابات کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ منتخب کرنے والوں نے دانشمندانہ طریق پر اپنے کام کو انجام دیا ہے امیدواروں سے منتخب کرنیوالوں کے پرائیویٹ تعلقات امیدواروں کے ذاتی اوصاف و استعداد کے مقابلہ میں زیادہ وزن دار رہے ہیں۔ اب اگر ہم لیجسلیٹو کونسلوں کے انتخابات کے لئے زیادہ بہتر معیار قائم کریں تو اچھا ہوگا۔ اور صرف اس طرح یہ ہی ہم کونسلوں کا بہترین استعمال کرنیکے قابل ہونگے۔ میری یہی تجویز ہے کہ رائے دہندگان اپنے آپ کو کسی فریق یا اسکے جھگڑوں کے ساتھ وابستہ نکریں انکو صرف امیدواروں کے خیالات کو دیکھنا چاہئے نہ کہ اس بات کو کہ وہ کسی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں بلکہ امیدواروں کے خیالات کے مقابلہ میں ان کے چال چلن کو زیادہ وزن دینا چاہئے۔ چال چلن دار آدمی اپنے آپ کو ہر اُس عزت کے قابل بنا سکتا ہے جو اسکو دیا جائے۔ حتیٰ کہ اس کی غلطیاں بھی نقصان رساں نہ ہونگی۔ میں ایک ایسے شخص کے لئے جو کوئی چال چلن نہ رکھتا ہو یہ بالکل ناممکن سمجھتا ہوں کہ وہ کوئی اعلیٰ قومی خدمت انجام دیگا۔ اسلئے اگر میں رائے دہندہ ہو جاؤں تو پہلے چال چلن دار آدمیوں کو چھانٹونگا۔ اور پھر ان کے خیالات کو سمجھونگا۔ میرا اُن سے یہ سوال ہوگا:۔

(۱) کیا تم موجودہ سودیشی تحریک کو پسند کرتے ہو؟ اگر ایسا ہے تو کیا تم غیر ملکی کپڑوں پر درآمد کے بھاری محصولات عائد کروگے؟ کیا تم ایسے قوانین کی موافقت کروگے جو سودیشی اشیاء کی مشینیں اور سامان کو سستا کرنیکے لئے وضع کئے جاویں؟

(۲) کیا تمھاری یہ رائے ہے کہ ہر صوبہ کا کاروبار وہیں کی دیسی زبان میں چلایا جاوے و نیز یہ کہ قوم کا کاروبار ہندوستانی زبان میں جو کہ اُردو اور ہندی کا مجموعہ ہے چلایا جانا چاہئے۔ اگر تمھاری یہ رائے ہے تو کیا تم متواتر یہ کوشش کروگے کہ ہر صوبہ کے انتظام میں وہیں کی زبان استعمال کیجاوے اور مرکزی حکومت میں قوم کی زبان کو رواج دیا جائے۔

(۳) کیا تمہاری یہ رائے ہے کہ ہندو مسلم اتحاد کے بغیر ہندوستان کی نئی زندگی کا ذرہ برابر امکان نہیں؟ اگر تمہارا ایسا ہی خیال ہے تو کیا تم اگر ہندو ہو تو مسلمانوں کے مصیبت کے وقت میں اپنی ذرائع سے انکی امداد کرنیکے لئے رضامند ہو؟

مندرجہ بالا سوالات کا اطمینان بخش جواب امیدواروں کو میری رائے کا مستحق بنائیگی بشرطیکہ میں ووٹر ہوا۔ میں نے ان سوالات کو اسلئے تجویز کیا ہے چونکہ میں اُن کو بہت زیادہ اہم خیال کرتا ہوں۔ اگر انتخاب کنندگان ان سوالات میں کوئی خاص اہمیت نہیں دیکھتے تو وہ دوسرے ایسے سوالات پیش کر سکتے ہیں جن کو وہ قومی ترقی کے لئے ضروری سمجھتے ہوں یہاں مخصوص سوالات سے بحث نہیں ہے بلکہ مطلب اس سے یہ ہے کہ قومی مسائل کے متعلق امیدواروں کے خیالات کا علم ہو جائے۔ میری کوشش اسکو ظاہر کرنے کی ہے کہ ہمیں ایک ایسے حلقہ انتخاب کی ضرورت ہے جو غیر جانبدار، آزاد خیال اور سمجھدار ہو۔ اگر انتخاب کنندگان قومی معاملات میں دلچسپی نہیں لیتے اور جو کچھ ان کے درمیان وقوع پذیر ہوتا ہے اس سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے اور اگر وہ ایسے لوگوں کو منتخب کرتے ہیں جن سے ان کے پرائیویٹ تعلقات ہیں یا اپنے لئے اُن کی امداد کی انھیں ضرورت ہے تو اس قسم کی صورت حالات سے ملک کو کوئی فائدہ نہیں پہونچ سکتا بلکہ نقصان رساں ہے۔

اب اس بات پر غور کرنا باقی ہے کہ اگر انتخاب کنندگان اپنے سوالات کا تسلی بخش جواب نہ پائیں یا ان کو چال چلن دار آدمی میسر نہوں تو ایسی صورت میں انہیں کیا کرنا چاہئے۔ انتخابات کے سلسلہ میں یہ ایک مقررہ دستور ہے کہ اگر انتخابات کنندگان کو ان کی پسند کے اشخاص دستیاب نہوں تو ان کو اپنی رائے قلم بند کرانے کی ضرورت نہیں ایسی شکل میں ووٹ دینے سے باز رہنا اپنی رائے کو استعمال کرنے کے ہم پلہ ہے۔ اس کارروائی میں بھی ایک بات اشتباہ میں آتی ہے یعنی یہ کہ اگر اچھے انتخاب کنندگان انتخاب کرنے سے انکار کر دیں تو بُرے انتخاب کنندگان بدترین انتخاب کرینگے یہ ایک حد تک بالکل صحیح ہے لیکن فرض کیجئے کہ کسی مقام پر سب کے سب امیدوار شراب خوار ہوں اور حلقہ انتخاب کا زیادہ اچھا عنصر ووٹ دینے سے باز رہے اور امیدوار ان اپنی ہی طرز کے لوگوں سے ووٹ حاصل کرلیں تو کیا کونسلوں میں اُن کا کوئی اثر ہوگا؟ اس میں شک نہیں کہ ایسے امیدواروں کی ووٹیں تعداد و شمار کے لحاظ سے اپنی قیمت رکھتی ہیں لیکن انکے خیالات اور تقریریں کونسل میں کوئی اثر پیدا نہیں کر سکتیں۔ مزید براں رائے دینے سے سمجھداری کے ساتھ باز رہنا اپنے خاص اثرات رکھتا ہے۔ انتخاب کنندگان جب ایک مرتبہ ایک مناسب امیدوار کو حاصل کرنے میں ناکام رہینگے تو دوسری مرتبہ وہ ایک موزوں و مناسب آدمی کو تلاش کرینگے اور اس کو منتخب کرینگے اور ایسا کر کے اپنے مقام معیار کو بڑھا لینگے۔ ایک ترقی کرنیوالی قوم کے اندر لوگ قومی معاملات کو سمجھنے لگتے ہیں۔ ان سے امید کی جاتی ہے کہ جس فضاء میں وہ رہتے ہیں اسکو پاک کریں اور اس پاکی کو قائم رکھیں۔ تمام روشن خیال اور سمجھدار ووٹران معلوم کرینگے کہ وقتاً فوقتاً ایسے حالات رونما ہونگے جب ان کو کسی وجہ سے اپنے ووٹ دینے سے انکار کرنا پڑیگا۔ مجھے دلی امید ہے کہ ایسے موقعوں پر انتخاب کنندگان میں ایسا کرنے کی ہمت ہوگی۔ میں امید کرتا ہوں کہ وہ جب اپنے ووٹ کو استعمال کریں تو بلا لحاظ اسکے کہ وہ کونسی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں ایسے لوگوں کو ووٹ دیں جو بہترین ہوں۔

ایسی اصلاحات کو لیکر ہم کیا کریں جس سے ہمیں خاموشی کیساتھ اپنی ذلّت برداشت کرنی پڑے

نان کوآپریشن اور کونسلیں)، ینگ انڈیا۔ ۷ جولائی سنہ ۱۹۲۰ء

مہاتما گاندھی نے پریس کو لکھا ہے :۔

اس بات کے کہنے کی ضرورت نہیں کہ میں اصلاح شدہ کونسلوں کے بائیکاٹ کے مسئلہ پر لالہ لاجپت رائے سے بالکل متفق ہوں۔ میرے لئے یہ کل عدم تعاون کی جنگ میں ایک مزید قدم کے برابر ہے اور چونکہ میں خلافت کے مسئلہ کی طرح پنجاب کے واقعات کا بھی اسی دلسوزی کے ساتھ احساس رکھتا ہوں لہذا لالہ لاجپت رائے کی تجویز دوگونہ قابل خیر مقدم ہے۔ ایک سے زائد حلقوں میں یہ تجویز کی جا چکی ہے کہ اصلاحات سے عدم تعاون اُسوقت شروع کیا جاوے جبکہ انتخابات ختم ہوجائیں میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جب ہم لیجسلیٹو کونسلوں کی کارروائی میں حصہ لینے کا صاف طور سے ارادہ نہیں رکھتے تو پھر نمائشی انتخابات میں حصہ لینا بھی غلطی ہے۔ علاوہ ازیں عوام الناس میں ابھی بہت کچھ تعلیمی کام سرانجام دینا ہے اور اگر ممکن ہوا تو میں ملک کی بہترین توجہ کو انتخابات میں مصروف رہنے سے علیحدہ کردونگا۔ اگر منتخب ہونے کے بعد استعفے دینگے تو باشندگان عدم تعاون کی خوبصورتی کو نہ سمجھینگے بلکہ ان کے لئے یہ ایک بڑی عمدہ تعلیم ہوگی کہ انتخاب کرنیوالے کسی کو منتخب نکریں اور ہر اُس شخص سے جو انکی رائے حاصل کرنا چاہے متفقہ طور پر کہدیں کہ وہ اسوقت تک ان کا نمائندہ نہوگا جب تک کہ پنجاب اور خلافت کے مسائل قابل اطمینان طور پر طے نہو جاویں۔ بہرکیف میں امید کرتا ہوں کہ لالہ لاجپت رائے محض اصلاح شدہ کونسلوں کے بائیکاٹ تک ہی اپنے کام کو ختم نہ کردینگے بلکہ اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ دنیا میں ایک خود دار قوم سمجھے جاویں تو اگر ضرورت ہو تو عدم تعاون کے چاروں مرحلوں میں سے ہر ایک کو اختیار کرنا چاہیئے یہ مسئلہ بالکل صاف ہے۔ شرائط خلافت اور معاملات پنجاب دونوں اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ سلطنت کی کونسلوں میں ہندوستانی رائے کی بہت کم وقعت ہے۔ یہ ایک ذلت آمیز پوزیشن ہے اور ایسی اصلاحات کو لیکر ہم کیا کرینگے جس سے ہمیں خاموشی کے ساتھ اپنی تذلیل کو برداشت کرنا پڑے۔ لہذا میری ناچیز رائے میں حقیقی ترقی کی پہلی شرط یہ ہے کہ ہم ان دشواریوں کو اپنے راستہ سے ہٹا دیں اور جب تک کوئی بہتر طریقہ کار مرتب کیا جائے پُرامن عدم تعاون کے قبضہ میں میدان رہنا چاہیئے۔"

اگر ہم گورنمنٹ مشنری کو بند کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنی تمام قوت کو استعمال کرنا پڑیگا

(کونسل بائیکاٹ) مہاتما گاندھی ینگ انڈیا ۲۸ جولائی ۱۹۲۰ء

کونسلوں کے مجوزہ بائیکاٹ کے متعلق پنڈت رام بھجدت چودھری لالہ لاجپت رائے کے مدمقابل ہوئے ہیں مدراس میں بھی اختلاف ہے۔ قوم پرست لیڈران کی کثیر تعداد سے معلوم ہوتا ہے کہ کونسلوں کا بائیکاٹ کرنے کی طرف مائل نہیں۔ اخبار مرہٹہ نے ایک مدلل مضمون میں اسکے خلاف اعلان کیا ہے۔ بائیکاٹ کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھنے کے خاص دو وجوہ ہیں اول یہ کہ اگر قوم پرستوں نے انتخابات میں حصہ نہ لیا تو اعتدال پسند تمام نشستوں پر قابض ہو جائینگے دوئم یہ کہ چونکہ لیجسلیٹو کونسلوں کے ذریعہ سے ہم نے کسی قدر ترقی کی ہے لہذا ایسی صورت میں جبکہ عوام کے نمائندوں کو زیادہ اختیارات دیدئے گئے ہیں ہم اور زیادہ ترقی کرسکتے ہیں۔

پہلی وجہ مشکل سے ایک ہردل عزیز جماعت کے لئے قابل وقعت ہو سکتی ہے۔ اگر کونسلوں میں داخل ہونا مضر رساں ہے تو پھر ہم کیوں کونسلوں میں داخل ہونیوالے اعتدال پسندوں سے رشک کریں۔ چونکہ اعتدال پسند نقصان میں حصہ لینے سے باز نہ رہینگے لہذا قوم پرستوں کو بھی اس میں حصہ لیں یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ مضرت سے صرف اس حالت میں ہی بچت ہو سکتی ہے کہ سب کے سب بائیکاٹ میں شریک ہوں۔ اگر موخرالذکر استدلال کیا جاتا ہے تو یہ بائیکاٹ کے اصولوں سے لاعلم ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ ہم ایک انسٹیٹیوشن کا بائیکاٹ اسلئے کرتے ہیں کہ چونکہ ہم اسے پسند نہیں کرتے یا اسکے منتظمین سے تعاون کرنا نہیں چاہتے۔ کونسلوں کے معاملہ میں موخرالذکر دلیل بہت معقول ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ایک اعتبار سے کونسلوں میں شریک ہونا خواہ وہ رکاوٹیں پیدا کرنیکے لئے ہی کیوں نہ ہو تعاون کرنیکے مترادف ہے۔ اکثر انسٹیٹیوشن (انجمنیں) اور بالخصوص لیجسلیٹو کونسل رکاوٹوں سے ہی سرسبز ہوتی ہے۔ آئرلینڈ کے ممبران کی باضابطہ رکاوٹوں نے دارالعوام پر کوئی اثر پیدا نہ کیا۔ آئرلینڈ کے باشندے جسطرح کا ہوم رول چاہتے تھے وہ ان کو نہ ملا۔ اخبار مرہٹہ دلیل پیش کرتا ہے کہ کونسلوں میں جاکر رکاوٹیں پیدا کرنا ایک سرگرم اور جارحانہ عدم تعاون ہے میں اسکی صداقت سے انکار کرنیکی جرأت کرتا ہوں۔ میری رائے میں اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو اپنی ذات یعنی اپنے اصول پر اعتماد نہیں۔ آپ (اپنے اوپر) شبہ کرتے ہیں لہذا آپ ہلاک ہوتے ہیں۔ میں یقین نہیں کرتا کہ انگریز یا اعتدال پسند لیڈران قوم پرستوں کے بائیکاٹ کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ ہم اسوقت حقیقت واقعی کے مدمقابل ہیں اگر کسی اعتدال پسند کے حلقۂ انتخاب کا نصف سے زائد حصہ اسکو بحیثیت امیدوار کے نامنظور کردے تو کیا وہ اعتدال پسند کونسل میں داخل

ہونیکا خیال کریگا؟ میری رائے میں اسکا ایسا کرنا اسکے لئے غیر آئینی ہوگا کیونکہ وہ اپنے حلقۂ انتخاب کی نمائندگی ترک کریگا جس نے بائیکاٹ کا جو مفہوم سمجھا ہے وہ (یعنی) سرگرم یا جھاپنگی اور یا احتیاط پروپیگنڈا مضمر ہے اور وہ اس خیال پر مبنی ہے کہ انتخاب کرنیوالے بھی خود ایک مکمل بائیکاٹ کو ایک نامکمل بائیکاٹ پر جو رکاوٹیں پیدا کرنے کی شکل میں ہوگا ترجیح دینگے۔ اور اگر یہ فرض کیا جاوے کہ جمہور عوام الناس مکمل بائیکاٹ نہیں چاہتے تو وہ لوگ جو اسپر یقین رکھتے ہیں انکا فرض ہوگا کہ حلقہ ہائے انتخاب کو تعلیم دیں اور رکاوٹیں پیدا کرنے پر کامل بائیکاٹ کی فوقیت ظاہر کریں۔ کونسلوں میں داخل ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اکثریت کے ووٹ کے سامنے سر خم کیا جائے یعنی تعاون کیا جاوے اگر ہم گورنمنٹ مشنری کو بند کرنا چاہتے ہیں جیساکہ ہماری خواہش ہے حتیٰ کہ ہم خلافت اور پنجاب کے معاملات میں انصاف حاصل کرلیں تو ہم کو گورنمنٹ کے خلاف اپنی تمام قوت کو استعمال کرنا پڑیگا اور کونسل کی اکثریت کے ووٹ کو مسترد کرنا ہوگا کیونکہ اس سے نہ تو ملک کی خواہش کی نمائندگی ہوگی۔ اور نہ خاص اپنی ذات کی ہوگی جو ایک اصولی معاملہ ہے۔ ایک ایسا وزیر جو خدمات انجام دینے سے انکار کردے اس وزیر سے بہتر ہے جو احتجاج کے ماتحت خدمات انجام دیتا ہو۔ احتجاج کے ماتحت ملازمت پر برقرار رہنا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ صورت حالات ناقابل برداشت نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ گورنمنٹ نے جو صورت حالات پیدا کردی ہے وہ ناقابل برداشت ہے اور اسلئے ایک خوددار انسان کے لئے صرف ایک ہی راستہ کھلا ہوا ہے کہ عدم تعاون کرے جنرل بوتھا نے لارڈ ملنر کی کونسل میں داخل ہونے سے انکار کردیا کیونکہ عام النسوال اُن کی پشت پر تھا۔ سیاسی اعتبار سے کامیابی کا انحصار اس امر پر ہے کہ ملک تحریک بائیکاٹ کو منظور کرلے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ جدید کونسلوں میں داخل ہوکر ہم کامیاب ہونگے۔ کیونکہ قبل ازیں اس سے کم ہردلعزیز کونسلوں میں ہماری کوششیں بالکل بے سود نہیں رہی ہیں۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اسوقت ہم اختلافات کی حد تک نہیں پہنچے تھے۔ برطانی ایمانداری اور انصاف سے ہمارا اعتماد زائل نہ ہوا تھا۔ یا یہ کہ ہمیں اپنے اوپر اتنا بھروسہ نہ تھا کہ بائیکاٹ کے کام کو کامیاب اختتام تک لیجا سکینگے یا یہ کہ جس طریقہ کار کو جسطرح آج ہم سمجھ رہے ہیں اس وقت اسکا خیال نہ کیا تھا۔ غالباً آج یہ تینوں باتیں اپنا عمل کررہی ہیں بہرحال زمانہ کے تغیرات کے ساتھ طریقے اور عمل بھی تبدیل ہوجاتے ہیں۔ ہمیں اپنی عمر کے لحاظ سے ترقی کرنی چاہیئے جو غذا ہمارے لڑکپن میں ہمارے لئے کافی مفید تھی وہ اب جوان ہونے پر کافی فائدہ مند نہیں ہوسکتی۔

ان حقائق کی موجودگی میں کیا ہر منتخب شدہ ممبر کا یہ فرض نہیں ہے کہ وہ اصلاح شدہ کونسل سے سروکار نہ رکھے

(کونسل کے انتخابات) از قلم مہاتما گاندھی ینگ انڈیا ۲۴ نومبر ۱۹۲۰ء

جہانتک رائے دہندگان کا تعلق ہے بمبئی پریسیڈنسی اور دوسرے مقامات کے انتخابات کونسلوں کے متعلق عدم تعاون

کی کامیابی کو ظاہر کرتے ہیں بعض موقعوں پر ایک ووٹر نے بھی اپنی رائے قلم بند نہیں کرائی۔ یہ نام نہاد نمائندگان کیا کرینگے؟ یہ لوگ جانتے ہیں کہ رائے دہندگان بربنا ء تساہل جائے انتخاب پر جانے سے باز نہیں رہے بلکہ انہوں نے دانستہ ایسا کیا ہے۔ یہ لوگ (امیدوار) یہ بھی جانتے ہیں کہ ہزارہا رائے دہندگان نے لکھ کر اپنا ارادہ ظاہر کر دیا تھا کہ انکی نمائندگی نہ کیجائے۔ ممبران کو کافی موقع ملا تھا کہ وہ انتخاب کرنیوالوں کو سمجھاتے اور رائے دینے کی معقولیت انکے ذہن نشین کراتے وہ اب کسی قسم کی تخویف یا پہرہ داری کی شکایت نہیں کر سکتے کیونکہ پہرہ داری کی ہدایات نہیں دی گئی تھیں اور جہاں تک مجھے علم ہے ہدایات پر بے کم و کاست عمل درآمد کیا گیا ہے ان حقائق کی موجودگی میں کیا ہر منتخب شدہ ممبر کا یہ صاف و صریح فرض نہیں ہے کہ وہ اصلاح شدہ کونسل سے سروکار نہ رکھے۔ ممبران نمائندہ انجمنوں کو بالکل مہمل بنا دیں گے اگر وہ کونسلوں میں داخل ہونے پر مصر رہے۔

اگر یہ نام نہاد نمائندے انتخاب کرنیوالوں کے احکام کی تعمیل نہیں کرتے ہیں تو موخر الذکر کے لئے راستہ بالکل صاف ہے وہ رائے دہندگان کی ایک ایسوسی ایشن مرتب کریں اور ان انجمنوں کے ذریعہ سے عدم اعتماد کا ووٹ پاس کریں اور اپنے حلقوں کے ممبران کو مخاطب کرکے انپر ظاہر کریں کہ وہ ان کے انتخاب اعلان کو ناپسندیدہ نظر سے دیکھتے ہیں اس سے یہ نتیجہ بھی اخذ ہوتا ہے کہ انتخاب کرنیوالے ان ممبران سے کسی قسم کا کام نہ لیں۔ ان کے لئے کونسل کا کوئی وجود ہی نہیں۔ انہیں کونسل کے ذریعہ کوئی امداد طلب نہ کرنی چاہئے۔ ووٹروں کی دوسری آزمائش اسوقت ہوگی جبکہ کونسل کا افتتاح ہوگا۔ ملکی شکایات کے متعلق کونسل میں جو سوالات ہونگے وہ ایک بڑی تحریص ہوگی۔ انتخاب کنندگان کو اس تحریص کا مقابلہ کرنا پڑیگا لیکن ہمیں اپنے ملک کی فلاح کے متعلق یہ امید کرنی چاہئے کہ خود ممبران ایک ایسے فیصلہ کے سامنے سر جھکا دینگے جو انتخاب کنندگان کی طرف سے اتنے پُرزور طریق پر ظاہر کیا گیا ہے۔

سرکاری عدالتیں اور وکلاء

یہ وکیل ہی ہیں جنھوں نے گورنمنٹ کے خلاف یہ جنگ شروع کی ہے لیکن اس سے وہ برائی دور نہیں ہوئی جو اس پیشہ کی فطرت میں موجود ہے

عدالتوں کا بائیکاٹ - وکلاء کا فرض (از قلم مہاتما گاندھی - ینگ انڈیا ۱۱ ؍ اگست ۱۹۲۰ء)

نان کوآپریشن کمیٹی نے وکلاء کا عدالتوں کے بائیکاٹ کرنے اور والدین یا طلبا رجیسا کہ ہو قع ہو مدرسوں اور کالجوں کے مقاطعہ کو پہلے مرحلہ کے اندر شامل کیا ہے - میں جانتا ہوں کہ عدالتوں اور سکولوں کے بائیکاٹ پر جس چیز نے مجھے دیوانہ پن کے علانیہ الزام سے محفوظ رکھا وہ صرف بحیثیت کارکن اور لڑنے والے کے میری شہرت ہے - بہرکیف میں اپنے جنون کے متعلق ایک خاص طریقہ کا دعویٰ کرنے کی جرأت کرتا ہوں - یہ بات معلوم کرنا کچھ زیادہ غور طلب نہیں کہ ایک حکومت عدالتوں کے ذریعہ سے اپنا اقتدار قائم کرتی ہے اور اسکولوں کے ذریعہ سے کلرک اور دوسرے ملازمین تیار کرتی ہے اگر ان انسٹی ٹیوشنوں کی نگران حکومت مجموعی حیثیت سے انصاف پسند ہے تب تو یہ مفید ثابت ہوتے ہیں لیکن اگر حکومت غیر منصف ہو تو پھر یہی ہلاک کرنیوالے دام تزویر بنجاتے ہیں -

اوّلاً میں وکلاء کو لیتا ہوں کسی اخبار نے تحریک عدم تعاون کے متعلق میرے خیالات پر اتنی قابلیت اور استقلال کے ساتھ بحث اور رجحت نہیں کی جسقدر کہ الہ آباد کے 'لیڈر' نے کی ہے - میں نے اپنی کتاب 'انڈین ہوم رول' میں وکلاء کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے اخبار مذکور نے اسکا مذاق اڑایا ہے - میں نے اسوقت جن خیالات کا اظہار کیا تھا ان پر ابتک قائم ہوں اور اگر مجھے وقت ملا تو انہیں کالموں میں ان خیالات کو مکمل کردونگا لیکن فی الحال میں ایسا کہنے سے اجتناب کرنا چاہتا ہوں کیونکہ میرے خاص خیالات کو اس مشورہ سے کوئی سروکار نہیں کہ وکلاء وکالت ترک کردیں - میں کہتا ہوں کہ قومی عدم تعاون کو ضرورت ہے کہ وکلاء اپنی وکالتیں ترک کردیں - غالباً جسقدر وکلاء عدالتوں کے ذریعہ سے گورنمنٹ کے ساتھ تعاون کرتے ہیں اسقدر کوئی دوسری جماعت نہیں کرتی - وکلاء قوانین عوام الناس کو سمجھاتے ہیں اور اس طرح

حکومت کے اقتدار کی پشت پناہی کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کو افسران عدالت کے خطاب سے موسوم کیا جاتا ہے۔ انکو آنریری عہدہ داران کہا جاسکتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ وکلا ہی ہیں جنھوں نے گورنمنٹ کے خلاف بڑی سخت جنگ شروع کی ہے بیشک یہ بات جزوی طور پر صحیح ہے لیکن اس سے وہ برائی زائل نہیں ہوتی جو اس پیشہ کی فطرت میں موجود ہے۔ لہذا جب قوم گورنمنٹ کو مفلوج کرنا چاہے تو اس پیشے کے لوگ اگر گورنمنٹ کو سر جھکانے پہ قوم کی امداد کرنا چاہیں تو ان کو چاہیئے کہ اپنی اپنی وکالتیں ترک کردیں لیکن نکتہ چین کہتے ہیں کہ اگر وکلا اور بیرسٹران میرے جال میں پھنس جاویں تو گورنمنٹ بہت خوش ہوگی میں اسکا یقین نہیں کرسکتا کہ جو بات معمولی اوقات میں سچ ہوتی ہے وہ غیر معمولی اوقات میں سچ نہیں ہوتی۔

علاوہ ازیں میری اسکیم کی رو سے التوا کے معنی یہ نہیں ہیں کہ کاروبار بالکل بند کردیا جائے وکلا سے یہ نہیں کہا جاتا کہ وہ وکالت ترک کرکے آرام کریں بلکہ اُن سے یہ امید کیجائیگی کہ وہ اپنے موکلوں کو عدالت کے بائیکاٹ پر آمادہ کریں ان کو پنچایتی عدالتیں تیار کرنی ہونگی جن کے ذریعہ سے مقدمات فیصل ہونگے وہ قوم جو کسی غیر آمادہ گورنمنٹ سے انصاف بزور حاصل کرنا چاہتی ہو اُسکے لئے باہمی جھگڑوں کے واسطے وقت نہیں ہوتا۔ اس حقیقت کے متعلق وکلا سے امید کیجاتی ہے کہ وہ اپنے موکلوں کے ذہن نشین کرائینگے۔ شاید ناظرین کو علم ہو کہ انگلستان کے بہترین مشہور وکلا میں سے اکثر نے گذشتہ جنگ کے دوران میں وکالت ملتوی کردی تھی۔ اس طرح وکلا اپنے پیشہ کو عارضی طور پر خیرباد کہکر بجائے تفریح کے گھنٹوں میں کام کرنے کے ہمہ وقت کام کرنیوالے ہوگئے حقیقی سیاسات کھیل نہیں ہے۔ گوکھلے آنجہانی اس امر پر اظہار افسوس کیا کرتے تھے کہ ہم سیاسات کو تفریح سے زیادہ نہیں سمجھتے۔ ہمیں اس امر کا مطلق احساس نہیں کہ ماہرین نے اپنی جنگوں کو سنجیدہ، تربیت یافتہ اور ہمہ وقت کام کرنیوالی دفتریت کے ذریعہ سے چلاکر ہمارے ملک کو کتنا نقصان پہونچایا ہے۔ اسکے بعد نکتہ چین یہ دلیل کرتے ہیں کہ اگر وکلا نے وکالت ترک کردی تو وہ بھوکے مرجائینگے۔ اس پیشہ کے سنہالوگوں کے متعلق یہ بات نہیں کہی جاسکتی۔ یہ لوگ یوروپ کی سیاحت یا دوسرے اغراض کی وجہ سے اب بھی وکالت ملتوی کردیتے ہیں وہ لوگ جو بقدر ضرورت روپیہ پیدا کرتے ہیں اگر وہ ایماندار آدمی ہیں تو مقامی خلافت کمیٹیاں اُنکی خدمات کے صلہ میں نذرانہ پیش کرسکتی ہیں۔

سب سے آخر میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ اگر مسلمان وکلا وکالت ترک کردیں تو ہندو اُنکی جگہ لے لیں گے۔ میں امید کررہا ہوں کہ ہندو کم از کم اتنی ہمت کا ضرور اظہار کرینگے کہ اگر وہ وکالت ترک بھی نہ کریں تو مسلمان وکیلوں کے موکلوں کو ہاتھ نہ لگائیں لیکن مجھے یقین ہے کہ کوئی مذہبی خیال کا مسلمان یہ کہتے ہوئے نہ سنائی دیگا کہ وہ جنگ کو صرف اُسوقت جاری کرسکتے ہیں جب ہندو دوش بدوش اُنکی قربانی میں شریک ہوں۔ ہندوؤں کو جیسا کرنا چاہیئے اگر وہ ویسا ہی کریں تو یہ انہیں کے لئے باعث عزت اور دونوں کی مشترکہ بھلائی کے لئے مفید ہوگا لیکن خواہ ہندو اُن کے شریک ہوں یا نہوں مسلمانوں کو اپنے قدم آگے بڑھانے چاہئیں۔ یہ اُن کی موت وحیات کا مسئلہ ہے اور اُن کو اسکے لئے کسی قیمت کی پرواہ نہ کرنی چاہیئے۔ عزت اور بالخصوص قومی عزت کے لئے

کوئی قیمت بھی زیادہ نہیں کہی جاسکتی۔ صرف وہی لوگ قربانی کرسکتے ہیں جو روکے نہیں جاسکتے۔ جبریہ قربانی کوئی قربانی نہیں۔ یہ دیرپا نہیں ہوتی۔ جس تحریک کی غیر آمادہ کارکن پشت پناہی کریں اسمیں خلوص کی کمی ہوتی ہے جسوقت ہر مسلمان شرائط صلح کو اپنی ذات پر ظلم سے تعبیر کرنے لگیگا اُسوقت تحریک خلافت ایک ناقابل مقابلہ طاقت ہوجائیگی نجی اور ذاتی مظالم میں کوئی شخص دوسرے کی مدد یا قربانی کا انتظار نہیں کرتا وہ امداد کی درخواست ضرور کرتا ہے لیکن ظلم کے خلاف اپنی جنگ کو جاری رکھتا ہے خواہ اسے امداد دستیاب ہو یا نہو۔ اگر انصاف اسکا طرفدار ہے تو خداوندی قانون یہ ہے کہ وہ ضرور امداد حاصل کریگا۔ بے مددگاروں کا خدا مددگار ہے جسوقت پانڈؤں دروپدی کی امداد سے قاصر ہوگئے تو پرماتما خود امداد کے لئے آئے اور دروپدی کی عزت کو بچالیا۔ جب پیغمبر اسلام کو لوگوں نے بے یار و مددگار چھوڑ دیا تو خدا نے ان کی امداد کی۔

جس سسٹم کے ماتحت ایک وکیل کیلئے یہ ممکن ہو کہ وہ پچاس ہزار سے لیکر ایک لاکھ روپیہ ماہانہ تک کما سکے لہذا اسمیں ضرور کوئی نہ کوئی گنہگار آبات ہے

(عدالتوں کا سودا) مہاتما گاندھی کے قلم سے۔ ینگ انڈیا ۲۰ اکتوبر ۱۹۲۰ء

اگر ہم وکلاء اور عدالتوں کی دلفریبی میں نہ پھنستے اور اگر عدالتوں کی دلدل میں پھنسنے کی تحریص دلانے کے لئے اور ہمارے کمینہ سے کمینہ خواہشات سے اپیل کرنے کے لئے عدالتیں موجود نہوتیں تو آج جس قسم کی زندگی ہم بسر کر رہے ہیں اس سے کہیں زیادہ مسرت آمیز زندگی بسر کرتے۔ وہ لوگ جو قانونی عدالتوں میں جاتے ہیں ان کو گواہ رہنا چاہیئے کہ انکی چاروں طرف کی فضا دشمنی سے بھری ہوئی ہے۔ دونوں فریق کے ساتھ جھوٹے حلف اٹھانے والے گواہوں کی قطار لگی رہتی ہے جو روپیہ یا دوستی کی خاطر اپنی روحوں کو بیچنے کے لئے تیار ہوجاتے ہیں لیکن عدالتوں کی بدترین صورت صرف اتنی ہی نہیں ہے اسکی بدترین حالت یہ ہے کہ وہ گورنمنٹ کے اقتدار کی پشت پناہی کرتی ہیں ان کے متعلق یہ فرض کرلیا گیا ہے کہ وہ انصاف کا نفاذ کرتی ہیں اور لہذا قوم کی آزادی کی پناہ ہیں لیکن جب وہ ایک غیر منصف گورنمنٹ کی پشت پناہ بن جاویں تو پھر آزادی کی پناہ نہیں رہتیں بلکہ قوم کی اسپرٹ کو تباہ کرنے کے لئے تباہی کا گھر بنجاتی ہیں۔ مارشل لاء ٹربیونل اور پنجاب کی عدالتہائے سرسری اسی نوعیت کی تھیں ہم نے اُنکو اُنکی اصلی حالت میں پایا اور جب کبھی برتر نسلوں اور ان کے غلاموں کے درمیان انصاف کرنے کا مسئلہ درپیش ہوتا تھا تو معمولی اوقات میں بھی اُنکی حالت ایسی ہی تھی۔ ذرا ایک انگریز افسر کے مقدمہ کی طرف نظر کرو اور اس مضحکہ خیز سزا کو دیکھو جو

اسکو نیرولی کے بے قصور حبشیوں پر مظالم توڑنے کے عوض میں دی گئی۔ کیا کسی انگریز کو بھی ہندوستان میں وحشیانہ قتل کی واردات کے بدلہ میں پوری پوری سزا دی گئی ہے؟ کسی شخص کو بھی یہ فرض نہ کرنا چاہئے کہ جسوقت ہندوستانی جج اور ہندوستانی مقدمہ کرنیوالے انگریزوں کی جگہ لے لینگے تو یہ صورت حالات تبدیل ہو جائیگی۔ انگریز فطرتاً بُرے نہیں ہیں اور نہ ہندوستانی ہی فرشتے ہیں یہ ہر دو اپنے ماحول سے متاثر ہوتے ہیں۔ مارشل لا کے دوران میں ہندوستانی جج اور ہندوستانی مقدمہ چلانے والے بھی جو خود بد اعمالیوں کے اتنے ہی مجرم ہیں جسقدر کہ انگریز۔ اگر میا نوالہ میں باسورتھ اسمتھ نے عورتوں کی بے حرمتی کی تو امرتسر میں جن لوگوں نے بیگناہ عورتوں پر مظالم ڈھائے، وہ ہندوستانی تھے میں تو جس چیز پر حملہ کرتا ہوں وہ موجودہ سسٹم ہے مجھے انگریزوں سے کوئی جھگڑا نہیں۔ میں ان میں سے افراد کی اب بھی وہی عزت کرتا ہوں جو موجودہ سسٹم کے غیر ترقی پذیر ہونے کی تحقیقات سے پیشتر کیا کرتا تھا۔ مسٹر اینڈریوز اور دوسرے انگریز آج بمقابلہ پیشتر مجھے زیادہ عزیز ہیں لیکن اگر کوئی شخص ہندوستان کا وائسرائے ہو جائے تو خواہ وہ میرے نزدیک بھائی سے بھی زیادہ کیوں نہ ہو میں اسکے سامنے سر نیاز خم نہیں کر سکتا۔ اگر وہ اس عہدے کو قبول کرے تو میں اس کے پاک وصاف رہنے کی قابلیت پر اعتماد نہ کرونگا کیونکہ اُسے ایک ایسے سسٹم کا انتظام کرنا ہوگا جو فطرتاً بُرا ہے اور جو اس امر پر مبنی ہے کہ ہم رتبہ میں کم ہیں۔ شیطان اکثر دینی الفاظ اور اخلاقی ہتھیاروں کو استعمال کرتا ہے تاکہ اسکے مقاصد قابل عزت سمجھے جاویں۔ میں اپنے اصل مقصد سے صرف یہ ظاہر کرنے کے لئے کسی قدر دور جا پڑا کہ موجودہ گورنمنٹ اگر تمام کی تمام ہندوستانی عنصر سے ہی بنی ہوتی لیکن اسکا عمل ایسا ہی ہوتا جیسا کہ اسوقت کی گورنمنٹ کا ہے تو یہ بھی ہمارے لئے اتنی ہی ناقابل برداشت ہوتی جتنی کہ موجودہ گورنمنٹ ہے یہی وجہ ہے کہ لارڈ سنہا کے ایک اعلیٰ عہدے پر مامور ہونے کے علم نے مجھے کسی قسم کا مسرت آمیز اطمینان نہیں بخشا ہمیں اصولاً اور عملاً کامل مساوات حاصل ہونی چاہئے اور یہ قابلیت بھی حاصل ہونی چاہئے کہ اگر ہم چاہیں تو برطانی تعلق کو منقطع کر دیں۔

میں پھر وکلا اور عدالتوں کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ جب تک کہ ان نام نہاد انصاف کے محلات کو توہم آمیز خوف اور تعجب سے دیکھتے رہینگے کبھی مذکورہ بالا پسندیدہ مرتبہ کو نہیں پہونچ سکتے۔ وہ افراد جو اپنی حرص یا انتقام یا صحیح مطالبات کا اطمینان ان عدالتوں سے حاصل کرلیں انکو ان عدالتوں کے اس حقیقی مقصد سے کبھی آنکھیں بند نہ کرنی چاہئیں کہ یہ موجودہ گورنمنٹ کے اقتدار کو مستحکم کرتی ہیں بغیر ان عدالتوں کے یہ گورنمنٹ ایک دن میں تباہ ہو جائیگی میں اس امر کو تسلیم کرتا ہوں کہ میری اسکیم کے ماتحت بھی عدالتوں کے ذریعہ سے لوگوں کو غلام بنانے کی طاقت باقی رہیگی خواہ تمام ہندوستانی وکلا اس سے دست کش ہو جاویں اور عدالتوں میں ایک بھی مقدمہ نہ جائے لیکن اسوقت یہ ہمیں دھوکہ نہ دے سکیں گی۔ وہ اپنا اخلاقی اقتدار ضائع کر دینگی۔ اور لہذا ان کا احترام بھی جاتا رہیگا۔ یہ حیرت انگیز بات ہے لیکن بالکل سچ ہے کہ جب تک ہم انگریزوں کی قوت کو بتدریج رعایا کے ہاتھوں میں تبدیل کرنے کے قائل رہے۔ اسوقت تک عدالتوں کے اعلیٰ عہدوں پر تقررات کا ہونا ایک نعمت خیال کیا جاتا تھا لیکن اب جبکہ ہمارا یقین یہ ہے کہ موجودہ سسٹم بتدریج اصلاح پذیر ہونے کے ناقابل ہے تو اس قسم کا ہر ایک تقرر دھوکہ بازی کی بنا پر ایک بُرائی تصور

کیا جاتا ہے۔

عدالتوں نے جتنا اقتصادی نقصان پہونچایا ہے اسپر کسی وقت میں بھی خیال نہیں کیا گیا۔ حالانکہ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے موجودہ سسٹم کے ماتحت جسقدر شعبے قائم کئے گئے ہیں وہ سب کے سب انتہا درجہ کی فضول خرچی پر مبنی ہیں اور اُن میں عدالتیں غالبًا سب سے زیادہ فضول خرچی کے ساتھ چلائی جاتی ہیں مجھے انگلستان ہندوستان اور جنوبی افریقہ کے مصارف کا اچھا خاصہ علم ہے مجھے یہ کہنے میں بالکل پس وپیش نہیں کہ ہندوستان کے مصارف مقابلتًا سب سے زیادہ مسرفانہ ہیں اور رعایا کی عام اقتصادی حالت سے ان کا کوئی تناسب نہیں افریقہ کے بہترین وکلا اتنا محنتانہ لینے کی جرأت نہیں کرتے جسقدر ہندوستانی وکلاء لیتے ہیں۔ قانونی مشورہ کے لئے سب سے بڑی رقوم تقریبًا پندرہ اشرفیوں کی ہے۔

ہندوستان میں معلوم ہوا ہے کہ کئی ہزار روپیہ اس کام کیلئے لیا گیا ہے جس سسٹم کے ماتحت ایک وکیل کے لئے یہ ممکن ہو کہ وہ پچاس ہزار سے لیکر ایک لاکھ روپیہ ماہانہ تک کما سکے اس میں ضرور کوئی نہ کوئی بات گنہگارانہ ہے۔ قانونی پیشہ منافع کمانے کا کاروبار نہ ہونا چاہئے۔ بہترین قانون دان ایک غریب سے غریب شخص کے لئے اوسط درجہ کے نرخ پر دستیاب ہونا چاہئے لیکن ہم نے انگریز وکلاء کے قدم بقدم ترقی کی ہے اور انہیں کی نقل کرتے ہیں انگریز تو ہندوستان کی آب وہوا میں قسمت آزمائی کرتے ہیں جو عادتیں ایک سرد اور سخت آب وہوا میں گہرا رنگ پکڑ چکی ہیں وہی ہندوستان میں جاری رکھی جاتی ہیں۔ پہاڑی علاقوں اور اپنے وطن (جزیرہ انگلستان) کو واپس جانے کیلئے کافی گنجائش رکھی جاتی ہے اور بچوں کے لئے ایک امیرانہ طرز تعلیم کے لئے بھی اتنی ہی گنجائش چھوڑی جاتی ہے لہذا اُن کے محنتانوں کا نرخ قدرتًا بہت زیادہ ہونا چاہئے لیکن ہندوستان اس بھاری خورد برد کو برداشت نہیں کر سکتا۔ ہمارا خیال ہے کہ ان انگریز وکلاء کی ہمسری محسوس کرنے کے لئے ہمیں بھی اتنے ہی تباہ کن محنتانے لینے چاہیئے جو کہ انگریز لیتے ہیں۔ ہندوستان کیلئے وہ دن بہت ہی غمناک ہوگا جبکہ وہ انگریزی نرخ اور انگریزی مذاق کو جو ہندوستانی ماحول کے لئے بالکل نامناسب ہے، اپنے اندر جذب کرے گا کوئی وکیل جو عدالتوں اور پیشہ وکالت کو اس نقطۂ نگاہ سے دیکھتا ہے جسکو میں نے بیان کرنے کی جرأت کی ہے کبھی اس نتیجہ پر پہونچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اگر وہ قوم کی خدمت گذاری کرنا چاہتا ہے تو اسکی پہلی شرط یہ ہے کہ وکالت کو ترک کر دے وہ صرف اس حالت میں کسی دوسرے نتیجہ پر پہونچ سکتا ہے جبکہ میرے بیان کردہ بیان کے واقعات کو کامیاب طور پر تبدیل کر دے

جن وکیلوں نے ابتک وکالت ترک نہیں کی وہ کانگرس میں کوئی عہدہ حاصل نہیں کر سکتے

(وکالت جاری رکھنے والے وکلاء) مہاتما گاندھی کے قلم سے۔ ینگ انڈیا ۲۳ مارچ سنہ ۱۹۲۱ء

وکلاء کے متعلق میں نے جو پوزیشن اختیار کی ہے اسکی تشریح پر اخبار پیٹر کا نے ایک مقالہ افتتاحیہ سپرد قلم کیا ہے اور

زور کے ساتھ اس سے اختلاف کیا ہے۔ پیترکا کا خیال ہے کہ وکالت کرنیوالے وکلاء کانگریس پلیٹ فارم پر پبلک رائے کی رہنمائی کر سکتے ہیں۔ میں مودبانہ عرض کرتا ہوں کہ عدم تعاون کی قرارداد سے اس قسم کا انحراف بڑی سخت غلطی ہوگی۔ مجھے اس بات کا علم ہے کہ 'پیترکا' کے خیال کے مطابق کانگریس نے تمام وکلاء کو ترک وکالت کے لیے نہیں کہا ہے۔ میں اس مفہوم سے اختلاف کرتا ہوں۔ قرارداد مذکور تمام وکلاء سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ ترک وکالت میں اور زیادہ جدوجہد کریں۔ میری رائے میں جو وکلاء ہنوز ترک وکالت میں کامیاب نہیں ہوئے وہ کانگریس نظام میں کوئی عہدہ حاصل کرنے کی امید نہیں کر سکتے اور نہ وہ کانگریس پلیٹ فارم پر کسی رائے کی رہبری کر سکتے ہیں۔ کیا وہ لوگ جنہوں نے خطابات واپس نہیں کئے۔ کانگریس کے عہدہ دار منتخب کئے جاوینگے؟ اگر ہم نے اس مسئلہ کا دلیری کے ساتھ مقابلہ نہ کیا تو ہم تحریک کو بگاڑنے کے خطرہ میں ہیں۔ میری رائے میں پراونشل کمیٹی کا وکیل صدر اگر اپنی وکالت کو ترک نہیں کرتا ہے تو وہ اپنے صوبہ کو فتح و کامرانی تک نہیں پہونچا سکتا اسکا کوئی اثر ہی نہ ہوگا۔ میں نے اپنے سفر کے دوران میں اس حقیقت کو بار بار مطالعہ کیا ہے۔ اب تک جن وکلاء نے پبلک رائے کی رہنمائی کی ہے انہوں نے یا تو وکالت ترک کی ہے یا پبلک زندگی کو خیرباد کہا ہے۔

'پیترکا' وکالت کرنیوالے وکلاء کا سوداگروں سے مقابلہ کر کے غلطی کرتا ہے۔ اب تک سوداگروں کی کسی کثیر جماعت نے پبلک رائے کی رہنمائی نہیں کی ہے اور جہاں کہیں یہ لوگ میدان میں آتے ہیں پہلے انکو غیر ملکی پارچہ جات کے کاروبار کو ترک کرنا پڑا ہے۔ میں بخوشی یہ کہہ سکتا ہوں کہ پبلک پیشہ اور وکالت کے درمیان جدائی پیدا کرنے کو برداشت نہ کریگی لیکن پبلک پوزیشن کے حصول کے لئے جستجو نہ کرنا یا اُسکا ترک کرنا اور بات ہے اور ایک کمزور لیکن ناچیز پیرو کار کی طرح کسی تحریک کی امداد کرنا دوسری بات ہے ہزاروں لوگ اس قابل نہیں کہ کانگریس کے پورے مشورہ کی تعمیل کریں لیکن تاہم وہ نا خوشی کے ساتھ اسکی امداد کر رہے ہیں۔ وکالت کرنیوالے وکیلوں کو یہ دوسری صورت اختیار کرنی چاہیئے یہ بہت ہی باعزت اور قابل احترام فعل ہوگا۔ سوراج کیطرف پیشقدمی کرنے میں ہمیں کسی خاص جماعت یا فرد کی رہنمائی کو لازمی نہ سمجھنا چاہیئے۔

اور نہ 'پیترکا' کا یہ خیال صحیح ہے کہ وکالت کرنیوالے وکیلوں کی لیڈری کو ختم ہونے سے پیشتر عدالتوں کا مکمل بائیکاٹ ہونا چاہیئے اور یہ بات بغیر ایک باغیانہ حکومت قائم کئے حاصل نہیں ہو سکتی اور چونکہ ہمارا خیال بغاوت کرنے کا نہیں ہے لہذا وکالت کرنیوالے وکیل آسانی کے ساتھ رائے کی رہنمائی کر سکتے ہیں جیسا کہ اب تک انھوں نے کیا ہے اس تجویز کے اندر ایک مغالطہ پوشیدہ ہے منطقی اعتبار سے اسکے یہ معنی ہونگے کہ کسی لیڈر کو یہ ضروری نہیں کہ جس بات کا وہ پرچار کرتا ہو اسپر عمل بھی کرے۔ واقعہ یہ ہے کہ اگرچہ مسٹر نہرو یا داس کی قربانی سے یا وکالت کرنیوالے وکیلوں یا دوسرے ان لوگوں کو جنہوں نے کانگریس قرارداد پر عمل درآمد نہیں کیا کسی پبلک مرتبہ دینے سے انکار کرکے عدالتوں کا مکمل بائیکاٹ نہیں ہو سکتا تاہم ہمنے ان انجمنوں کے اقتدار کو تباہ کر دیا اور انکے ساتھ ساتھ اس حد تک گورنمنٹ کے اقتدار کو بھی برباد کر دیا ہے اگر ہم خطاب یافتہ لوگوں یا وکلاء یا دوسرے اشخاص کو انکے مرتبہ پر ایسی

حالت میں دوبارہ پہونچادیں کہ انھوں نے ہماری آواز پر لبیک نہیں کہا ہو تو ہم قوم کُشی کے مرتکب ہونگے۔ دیپتر کا،
یہ استدلال پیش کرنے میں بھی غلطی کرتا ہے کہ کانگریس نے ترک وکالت کیلئے صرف اس غرض سے کہا ہے تاکہ وکلاء
کی خدمات حاصل ہوسکیں۔ اسکا مقصد جیسا کہ اصل قرارداد کی تمہید سے عیاں ہوتا ہے یہ ہے کہ گورنمنٹ اقتدار کو
جماعتوں کے ذریعہ ان انجمنوں سے عدم تعاون کراکے تباہ کیا جائے جنپر کہ اس اقتدار کی عمارت کھڑی کی گئی ہے۔

اگر آج وکیل قوم کے لیڈر تسلیم نہیں کیے جاتے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ اب اسکے لئے بالکل مختلف اوصاف کی ضرورت ہے

موچی اور وکلاء) از قلم مہاتما گاندھی ینگ انڈیا ۲۹ ستمبر ۱۹۲۱ء

بابو موتی لال گھوش۔ نے جن کا دماغ باوجود اس کمزوری کے کہ وہ حرکت نہیں کرسکتے نوجوانوں کی طرح تروتازہ
ہے مجھکو اور مولانا محمد علی کو بالخصوص اس امر پر زور دینے کے لئے بلایا تھا کہ ہم وکلاء کو کانگریس کے آغوش میں آنیکے
لئے دعوت دیں اور اُنکو اُنکے اصل مرتبہ پر دوبارہ پہونچا دیں یعنی یہ کہ وہ پبلک رائے کی بلاشرکت غیر رہنمائی کریں۔
میں اور مولانا دونوں نے اُن سے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ وکلاء کانگریس کا کام کریں لیکن وہ وکیل جو وکالت ترک نہ کرینگے
نہ تو لیڈر ہوسکتے ہیں اور نہ انکو لیڈر ہونا چاہیئے۔ موتی بابو نے کہا کہ میں نے وکیلوں کو موچیوں کے ساتھ معرض بیان
میں لاکر بعض وکیلوں کو تکلیف پہونچائی ہے۔ میں یہ بات سنکر افسوس محسوس کرتا ہوں مجھے وہ مضمون یاد ہے جو ان ہی
کالموں میں شائع ہوا تھا لیکن میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ وہ کسی شخص کو دھوکہ پہونچانے کی غرض سے نہیں تحریر
کیا گیا تھا۔ میں نے وکلاء کی نسبت بہت سی سخت باتیں کہی ہیں لیکن میرا کبھی یہ خیال نہ تھا کہ وہ بھی ذاتیات کے
تعصبات کے مجرم ہونگے۔ مجھے یقین ہے کہ وکلاء نے میرے ریمارک کی قدر کی ہے میں امید کرتا ہوں کہ میں اپنے
مضامین میں کبھی نیش زنی کا مجرم نہیں ہوا ہوں۔ موتی بابو نے جس پیراگراف کا حوالہ دیا ہے اس سے ہرگز میرا مطلب
کسی کو ایذا پہونچانے کا نہ تھا۔ خود وکیل ہوکر میں ہرگز اپنے آپ کو اس حد تک فراموش نہیں کرسکتا تھا کہ اپنے ہم پیشہ
دوستوں کو دکھ پہنچاؤں اور نہ میں اُن شاندار خدمات کو فراموش کرسکتا ہوں جو فیروز شاہ مہتا۔ راناڈے۔ طیب
جی۔ مدن موہن گھوش۔ کرشن سوامی آئر جیسے وکیلوں نے انجام دی ہیں اور موجودہ لوگوں کا تو ذکر ہی کیا۔
جب کسی دوسرے شخص کو بولنے کی ہمت نہ تھی اُسوقت یہ لوگ عوام الناس کی آواز اور اپنے ملک کی

آزادی کے محافظ تھے اور اگر آج ان کی اکثریت بحیثیت قومی لیڈر کے تسلیم نہیں کیجاتی تو اسکی وجہ یہ ہے کہ لیڈری کیلئے اب بالکل مختلف اوصاف کی ضرورت ہے۔ ہمارے لیڈروں میں ہمت، تحمل، استقلال اور ان سب سے بڑھکر ایثار کی ضرورت ہے۔ نیچ ذات کے کسی شخص میں اگر یہ اوصاف پورے طور پر موجود ہوں تو یقیناً وہ اس قابل ہے کہ قوم کی رہنمائی کرے۔ برخلاف اسکے ایک کامل وکیل فصیح البیان میں اگر یہ خوبیاں نہیں ہیں تو وہ ضرور ناکام رہے گا۔

مجھے اس امر سے بہت اطمینان ہوا کہ تمام ہندوستان کے وہ وکیل جو ترک وکالت نہیں کر سکے خوشی کے ساتھ اس تحریک سے موافقت کرتے ہیں اور کیمپ کے پیرو کاروں کی طرح کام کرنے پر قانع ہیں اگر کسی جنرل کی فوج میں کیمپ کے ساتھ رہنے والے ہوں تو وہ جنرل اپنے قبضہ کو ضائع شدہ خیال کریگا۔

موتی بابو نے کہا تھا " لیکن ہماری تحریک میں عدم تحمل بہت زیادہ جگہ پا گیا ہے تارکین موالات ان وکیلوں کی توہین کرتے ہیں جنھوں نے وکالت ترک نہیں کی ہے " مجھے خوف ہے کہ یہ الزام ایک حد تک بالکل درست ہے۔ عدم تحمل بذات خود ایک طرح کا تشدد ہے اور ایک صحیح جمہوری اسپرٹ کی ترقی میں ایک روڑا ہے۔ اس تحریک کے لئے سب سے زبردست خطرہ یہ ہے کہ وہ تارکین موالات جنھوں نے ذرا سی بھی قربانی کی ہے یا کھدر کے کپڑے پہن لئے ہیں فخریہ اپنے آپ کو دوسروں سے برتر سمجھتے ہیں اگر تارک موالات میں انکساری نہیں تو وہ کسی کام کا بھی نہیں۔ جب کسی شخص پر ذاتی اطمینان طاری ہوجاتا ہے تو اسکی ترقی مسدود ہوجاتی ہے اور لہذا وہ آزادی کے لئے بالکل غیر موزون ہوجاتا ہے۔ وہ شخص جو انکساری اور مذہبی اسپرٹ میں کچھ تھوڑی سی قربانی کرتا ہے تو وہ بہت جلد اس رنجدہ بے بضاعتی کو محسوس کرنے لگتا ہے۔ ایک مرتبہ قربانی کے راستہ پر چل کر ہم اپنی خود غرضی کا اندازہ کر لیتے ہیں اور جب تک مکمل طور پر ہم اپنے نفس کو مطیع نہ کرلیں ہمیں مزید قربانی پیش کرنے کی خواہش کرنی چاہیئے۔

اور اس بات کا علم کہ ہم نے بہت تھوڑی جدوجہد کی ہے اور ہنوز بہت کم کام کیا ہے ہمیں منکسر المزاج اور متحمل رکھتا ہے۔ ہمارا مقولہ ہمیشہ یہ ہونا چاہیئے کہ لوگوں کو ملائم طریقہ پر ترغیب دیکر اور اُن کے دل و دماغ سے اپیل کرکے اپنے اندر ملایا جائے لہذا ہمیں ان لوگوں کے ساتھ بڑی احتیاط اور تحمل سے برتاؤ کرنا چاہیئے جو ہمارے ہم خیال نہیں ہیں ہمیں استقلال کے ساتھ اس خیال کو ترک کردینا چاہیئے کہ ہمارے مخالفین ملک کے دشمن ہیں۔

وکیل اور دوسرے لوگ جو عدم تعاون پر یقین رکھتے ہیں لیکن کسی وجہ سے ان باتوں سے عدم تعاون نہیں کر سکے جو اُن پر عائد ہوتی ہیں یقیناً سودیشی کے معاملہ میں خاموشی کے ساتھ بحیثیت لفٹنٹ کے کام کر سکتے ہیں سودیشی میں مخلص کام کرنیوالوں کی بڑی سے بڑی تعداد کی ضرورت ہے۔ کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ ہنوز وکالت کرنیوالے وکلا عدالتوں میں کھدر کا لباس پہن کر اسکو فیشن ایبل کیوں نہ بنا ئینگے؟ اسکی بھی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ فرصت کے اوقات میں وکیل اور اسکا خاندان کیوں نہ چرخہ کاتیگا حصول سوراج کیلئے وکالت جاری رکھنے والے وکلا رحتی باتوں کو کر سکتے ہیں میں نے انھیں ایک کو بیان کیا ہے لہذا میں امید کرتا ہوں کہ وکالت کرنیوالا کوئی وکیل اور لہذا کوئی عدم تعاونی طالب علم ہر اس طریقہ پر جو اسکے

لئے کھلا ہوا تھا اس تحریک کی خدمت انجام دینے سے باز نہ رہیگا۔ تمام لوگ لیڈر نہیں بن سکتے لیکن اس بوجھ کے اٹھانیوالے ہو سکتے ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ پیروان عدم تعاون اس قسم کے ہموطنوں کو خدمت انجام دینے میں آسانی ہم پہونچائینگے۔

سرکاری مدارس

ہم عدم تعاون کے ناقابل ثابت ہونگے اگر اپنی تعلیم کا انتظام گورنمنٹ سے علیحدہ نہ کر سکے

اسکولوں کا بائیکاٹ اور قومی تعلیم) از قلم مہاتما گاندھی۔ ینگ انڈیا ۱۱ راگست سنہ ۲۰ ۱۹ء

اگر ہم میں اپنے بچوں کی تعلیم کو ملتوی کرنے کی ہمت نہیں تو میں محسوس کرتا ہوں کہ ہم جنگ کو فتح کرنے کے مستحق نہیں۔ عدم تعاون کے پروگرام میں سب سے پہلا مرحلہ خطابات کی واپسی پر مشتمل ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ کوئی گورنمنٹ عطیات اُس وقت تک نہیں دیتی جب تک کہ ان عطیات سے زیادہ لینے کا ارادہ نہ رکھتی ہو جو گورنمنٹ اپنے عطیات کو فضول پھینک دیتی ہے وہ بالکل بُری اور فضول خرچ ہوتی ہے ایک ایسی گورنمنٹ کے زیر حکومت جو عوام کی مرضی کی وسیع بنیاد پر قائم ہو ہم ناچیز عطیات کے حاصل کرنے کے واسطے اپنی زندگیوں کو دینے میں جو خدمتگزاری کی ایک نشانی ہے لیکن ایک ایسی حکومت کے ماتحت جو عوام کی مرضی کی بے حرمتی کرتی ہو بیش قیمت جاگیریں غلامی اور بے عزتی کی نشانی ہوتی ہیں۔ اس طور پر اس مسئلہ کو سمجھتے ہوئے اسکولوں کو بغیر ایک لمحہ غور کئے ترک کر دینا چاہئے۔ میرے لئے تو عدم تعاون کی تمام اسکیم ان بابوں میں سے ہے جن کے ذریعہ ہمارے جذبات کی وسعت اور گہرائی کی آزمائش کیجاتی ہے۔ کیا ہم تکالیف برداشت کرنے کے لئے تیار ہیں؟

یہ بات کہی گئی ہے کہ ہمیں خطاب یافتگان کی طرف سے زیادہ امید نہ رکھنی چاہئے کیونکہ انھوں نے کبھی کسی قومی کام میں حصہ نہیں لیا اور اپنے اعزازات کو اتنی بڑی قیمت پر خریدا ہے کہ اسکو وہ آسانی سے قربان نہیں کر سکتے۔ میں معترضین کے سامنے ایک دلیل پیش کرتا ہوں اور دریافت کرتا ہوں کہ اسکول کے طلباء کے والدین اور کالج کے سن بلوغ طلباء کے متعلق کیا کہتے ہو؟

ان کا گورنمنٹ سے ایسا گہرا تعلق نہیں جیسا کہ خطاب یافتگان کا ہے۔

کیا معترضین یہ محسوس کرتے ہیں یا محسوس نہیں کرتے کہ ان لوگوں کو تعلیمی قربانی کے قابل بنا دیا جاوے؟ لیکن میری دلیل یہ ہے کہ اسکولوں کو خالی کرنے میں کوئی قربانی نہیں۔ ہم عدم تعاون کے لئے خصوصیت سے ناقابل ہونگے اگر اس قابل بھی نہوئے کہ اپنی تعلیم کا انتظام گورنمنٹ سے بالکل علیحدہ ہو کر نہ کر سکے۔ ہر گاؤں کو اپنے بچوں کی تعلیم کا خود انتظام کرنا چاہیئے۔ میں گورنمنٹ کی امداد پر انحصار نہ کرونگا۔ اگر حقیقی بیداری پیدا ہو جائے تو پھر تعلیم میں ایک دن کیلئے بھی رکاوٹ پیدا کرنے کی ضرورت نہیں۔ اسکولوں کے وہی اُستاد جو سرکاری مدارس کو چلا رہے ہیں اگر وہ اتنے نیک ہوں کہ اپنی ملازمتوں سے مستعفی ہو جاویں تو وہی قومی مدارس کا چارج لے سکتے ہیں اور بچوں کو جس چیز کی ضرورت ہے اس کی تعلیم دے سکتے ہیں۔ اس معاملہ میں رہبری کرنے کے لئے میری نظر علی گڈھ پر ہے۔ مدارس کو خالی کرنے کا اخلاقی اثر بہت عظیم الشان ہوگا مجھے اس امر میں شبہ نہیں کہ ہندو والدین اور عام لوگ اپنے مسلمان بھائیوں کی نقل کرنے سے قاصر نہ رہینگے۔

درحقیقت اس سے زیادہ اعلیٰ تعلیم اور کیا ہو سکتی ہے کہ والدین اور اُستاد علم الحروف سے قبل مذہبی جذبات کی تعلیم دیں۔ لہذا اگر نوجوانوں کی ادبی تعلیم کے لئے کوئی فوری انتظام نہ کیا جا سکے تو ان کے لئے یہ بہت ہی فائدہ مند تعلیم

نوٹ:۔ کلکتہ کانگریس سے فارغ ہوتے ہی مہاتما گاندھی نے پرجوش طریقہ پر ملک کا دورہ کیا اور ۱۲ر اکتوبر سنہ ۱۹۲۰ء کو معہ مولانا محمد علی جو ابھی یورپ سے واپس آئے تھے علی گڈھ پہونچے اور علی گڈھ سے ہی گورنمنٹ کی زیر نگرانی تعلیمی درسگاہوں کے خلاف جنگ کا آغاز کیا جو آنے والے چار ماہ کے اندر بہت زبردست ہو گئی۔

محمڈن علی گڈھ کالج کو قومی بنانے کی جد و جہد کی گئی اور پیروانِ عدم تعاون رہنماؤں کی جانب سے جو کہ درسگاہ مذکور کے ٹرسٹی تھے دوسرے ٹرسٹیوں کے نام ایک خط لکھا گیا جسکے مضمون میں ان ٹرسٹیوں پر زور ڈالا گیا کہ اس کالج کو قومی بنا دیا جائے۔

۱۷ر اکتوبر سنہ ۱۹۲۰ء کو ٹرسٹی جمع ہوئے۔ مہاتما گاندھی نے بھی اُن کو خط لکھا لیکن ٹرسٹیوں نے اس کالج کو پُرانی روش پر جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔

۹ر اکتوبر سنہ ۱۹۲۰ء کو زیر صدارت شیخ الہند مولانا محمود الحسن قومی یونیورسٹی علی گڈھ کا افتتاح کیا گیا اور مولانا محمد علی اسکے پرنسپل مقرر ہوئے مہاتما گاندھی کے پنجاب کے دورے نے وہاں بھی طلباء کے اندر اسی قسم کی ہل چل مچا دی۔ عام ہڑتالیں ہوئیں لاہور کالج، خالصہ کالج اور دوسری درسگاہوں کو قومی بنانے کا مطالبہ کیا گیا۔

۱۵ر نومبر کو مہاتما گاندھی نے گجرات نیشنل کالج کا افتتاح کیا اور مہاتما گاندھی اس ودیا پیٹھ کے چانسلر مقرر ہوئے اور مسٹر گڈوانی پرنسپل پانچ سو طلباء کی تعداد سے یہ کالج شروع ہوا۔

بنارس میں بھی ہندو یونیورسٹی کے طلباء نے ہڑتال کر دی۔

دسمبر میں مہاتما جی بہار تشریف لے گئے اور وہاں نیشنل کالج کھولنے کا مشورہ دیا جو کہ ۵ر جنوری سنہ ۱۹۲۱ء کو بمقام پٹنہ کھولا گیا۔

۱۱ر دسمبر کو پونہ میں تلک ودیالہ کا افتتاح ہوا۔

الغرض ملک میں جا بجا قومی اسکول کھولے گئے اور اپنے بچوں کی تعلیم کا انتظام اپنے ہاتھ میں لینے کی ہر طرح کوشش کی گئی۔

ہوگی کہ موجودہ مسئلہ کے لئے جسکی غرض سے انہیں گورنمنٹ مدارس سے واپس بلایا گیا ہے انہیں بحیثیت رضاکار کام کرنیکے قابل بنایا جائے کیونکہ جیسا کہ وکلاء کے معاملہ میں میرا خیال تھا اسی طرح طلباء کے متعلق بھی میرا خیال یہ ہے کہ اسکولوں سے واپس بلانے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ان کو کاہلی کی زندگی بسر کرائی جائے۔ مدارس سے واپس ہونیوالے طلباء سے امید کیجاتی ہے کہ وہ اپنی قابلیت کے مطابق موجودہ شورش میں حصہ لینگے۔

میں محسوس کرتا ہوں کہ قوم کے بچے گورنمنٹ اسکولوں میں ترقی کی بجائے تنزل کیطرف جارہے ہیں

اسکول کالجوں کا سودا) مہاتما گاندھی کے قلم سے ینگ انڈیا ۲۹ ستمبر ۱۹۲۰ء

گورنمنٹ کے زیر اثر اسکولوں اور کالجوں کے مجوزہ بائیکاٹ کے خلاف بہت سی باتیں تحریر اور تقریر میں آچکی ہیں۔ اس تجویز کو مضر، نقصان رساں اور ملک کے بہترین مفاد کے خلاف بتایا گیا ہے۔ پنڈت مدن موہن مالویہ اسکے سخت ترین مخالفین میں سے ہیں۔

میں نے حتی الامکان اپنی غلطی کو معلوم کرنیکے لئے اپنے دماغ پر زور دیا ہے لیکن اس کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ میرا یقین اور زیادہ گہرا ہوگیا ہے کہ موجودہ گورنمنٹ کے زیر اقتدار تعلیم حاصل کرنا گناہ ہے خواہ یہ تعلیم باعتبار اوصاف کے کتنی ہی اعلیٰ کیوں نہو۔

میں اپنے دل میں یہ سوال کرتا ہوں کہ بعض آدمی اس تجویز کی سچائی کو اتنی صاف طریقہ سے کیوں دیکھتے ہیں جبکہ دوسرے مسلمہ لیڈران اسکو غلطی سے تعبیر کرتے ہیں اسکا جواب مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ موخر الذکر موجودہ گورنمنٹ سسٹم کو خالص برائی تصور نہیں کرتے جیسا کہ اول الذکر کا خیال ہے۔ دوسرے الفاظ میں مخالفین پنجاب اور خلافت کے مظالم کی اہمیت کا کافی احساس نہیں رکھتے یہ لوگ دوسروں کی طرح یہ محسوس نہیں کرتے کہ موجودہ گورنمنٹ کی سرگرمیاں بحیثیت مجموعی نتیجہ میں قومی ترقی کے مضر ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ اس قسم کا بیان دینا اپنے اندر بڑی نزاکت رکھتا ہے۔ یہ بات گمان میں بھی نہیں آسکتی کہ مالوی جی یا شاستری ان مظالم کا اس طرح احساس نہیں کرسکتے جسطرح کہ میں کرتا ہوں تاہم میرا مطلب بالکل یہی ہے مجھے اسمیں کوئی شبہ نہیں کہ یہ دونوں اصحاب اپنے بچوں کو ایک ایسے اسکول میں کبھی نہ بھیجیں گے جہاں انکے بچے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے بجائے پستی میں گر پڑیں مجھے اتنا ہی یقین اس امر کا بھی ہے کہ یہ دونوں صاحبان اپنے بچوں کو ایک ایسے مدرسہ میں بھی نہ بھیجینگے جو کسی ڈاکو کے زیر اثر یا قبضہ میں ہو۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ قوم کے بچے گورنمنٹ مدارس میں ترقی کی بجائے تنزل کی طرف جارہے ہیں میں محسوس کرتا ہوں کہ یہ اسکول اور کالج ایک ایسی گورنمنٹ کے زیر اثر ہے جس نے دیدہ و دانستہ قوم کی عزت کو لوٹا کھسوٹا ہے اور لہذا قوم کو چاہئے کہ اپنے

بچوں کو ان مدارس سے ہٹالے۔ یہ ہوسکتا ہے کہ ایسے مدارس میں بھی علم تنزل کا مقابلہ کرسکے لیکن صرف یہ خیال کرکے کہ بعض لوگ ان میں سے بھی ترقی کر گئے ہیں ان اسکولوں میں جاری رہنے والی قومی بے عزتی کا حمایت کرنا کبھی بھی درست نہیں ہوسکتا۔ میری رائے میں یہ بات بالکل بدیہی ہے کہ قوم کے باعزت لیڈران آج یہ محسوس نہیں کرتے کہ گورنمنٹ کے زیر اقتدار مدارس کے دامن پر اسی طرح دھبہ لگا ہوا ہے جیسا کہ آپ نے بیان کیا ہے۔

اس امر پر زور دیا جائیگا کہ مظالم پنجاب اور خلافت کے معاملہ میں وعدہ شکنی سے پیشتر مدارس کی جو بری حالت تھی آج اس سے زیادہ بری نہیں ہے۔ نیز یہ کہ ان دونوں واقعات سے قبل ہم نے ان مدارس کے وجود کو برداشت کیا ہے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ مدارس بمقابلہ پیشتر زیادہ برے نہیں ہیں لیکن جہانتک میرا تعلق ہے پنجاب اور خلافت کے مسائل میں دھوکہ دہی نے موجودہ گورنمنٹ سسٹم کے خلاف میرے خیالات میں انقلاب پیدا کر دیا ہے میری لاعلمی نے مجھے اس سسٹم کی فطری برائی کو اس حد تک برداشت کرنے دیا کہ میں نے مدارس کے خلاف ہل چل نہیں مچائی اور یہی وجہ ہے جسکی بنا پر میں کہتا ہوں کہ جو لوگ نقصان رسانی کے سبب سے مجوزہ بائیکاٹ کے مخالف ہیں وہ مظالم خلافت و پنجاب کو اتنی وقعت نہیں دیتے جتنی کہ میں دیتا ہوں۔ مجھے یہ خواہش کرنے میں مطلق پس و پیش نہیں کہ ہندوستان کے نوجوان، لڑکے اور لڑکیاں اگر وہ بذاتہ مظالم پنجاب سے ذلت محسوس کرتے ہیں یا خلافت کے بارے میں وعدہ شکنی کو سمجھتے ہیں بغیر مزید غور کئے گورنمنٹ کے زیر اقتدار اسکولوں اور کالجوں کو خیرباد کہدینگے۔ اس قدم کے اٹھانے میں ان کا اخلاقی نفع انکے عارضی تعلیمی نقصان سے کہیں زیادہ ہوگا کیونکہ جسدن لڑکے اور لڑکیاں گورنمنٹ کے زیر اقتدار مدارس کو خالی کرینگی وہ وہ دن ہوگا جس سے منزل مقصود کی طرف پیشقدمی ظاہر ہوگی یہ قومی خیال میں ایک انقلاب پیدا کرنیکی یادگار رہیگی۔ کیا قوم گورنمنٹ کی مداخلت، حفاظت، مشورہ اور امداد کے بغیر اپنی تعلیم کو اپنے ہاتھوں میں لینے کے قابل نہیں؟ موجودہ مدارس کو چھوڑ دینے کے یہ معنی ہیں کہ ہمیں باوجود زبردست دشواریوں کے اپنے بچوں کو تعلیم دینے کی قابلیت کا احساس موجود ہے۔

اس غلط فضا میں چھوڑ کر ہم اپنے بچوں کو مذہب سے منکر ہونے کی تعلیم دیتے ہیں

(علیگڈھ) مہاتما گاندھی کے قلم سے ینگ انڈیا ۲۷ اکتوبر ۱۹۲۰ء

علی گڈھ ایک پرانی درسگاہ ہے، اسکو قائم ہوئے چالیس سال گذرے۔ اسکی روایات عجیب و غریب ہیں اور اسکے عہد ماضی کی تاریخ عظیم الشان ہے وہ بجا طور پر فخر کرسکتی ہے کہ اس نے ہندوستان کو علی برادران جیسی ہستیاں عطا کی ہیں۔ وہ ہندوستان میں اسلامی تہذیب کا مشہور مرکز ہے۔

میں اسکو تباہ کرنیکا خواہشمند کیوں ہوں؟ بعض مسلمان درحقیقت یہ خیال کرتے ہیں کہ بھلائی کے حیلہ سے میں علیگڈھ کی بُرائی کے درپے ہوں۔ ان کو اس بات کا کم علم ہے کہ میں پنڈت جی سے ہندو یونیورسٹی کے متعلق بھی وہی عمل اختیار کرنے کو کہہ رہا ہوں جو علی گڈھ کے ٹرسٹیوں سے علیگڈھ کے متعلق کہتا ہوں اور میں یقیناً بنارس کے طلبا سے بھی اسی سرگرمی کے ساتھ اپیل کرنیوالا ہوں جیسی کہ علی گڈھ کے طلبا سے کی ہے۔ خالصہ کالج کے ساتھ بھی میں نے ایسا ہی کیا ہے۔ موخرالذکر سکھوں کی واحد درسگاہ ہے۔ میں ان تینوں درسگاہوں کو ان کی موجودہ حالت میں تباہ کرنا چاہتا ہوں اور ان کے بجائے زیادہ خالص اور زیادہ سچے دارالعلوم قائم کرنا چاہتا ہوں

مجھے اس سے انکار ہے کہ مذکورہ بالا درسگاہیں کسی لحاظ سے بھی اپنے اپنے تہذیبوں کی نمائندگی کرتی ہیں انگریزوں کے ہاتھوں سے چونکہ اسلام خطرہ میں ہے لہذا ہندو اور سکھ مذاہب بھی خطرہ سے خالی نہیں۔ میں نے علی گڈھ کے ایک پروفیسر سے یہ دریافت کیا تھا کہ آیا وہ اگر ضرورت ہو تو یہ پرچار کر سکتا ہے کہ ہندوستان کی منزل مقصود مکمل آزادی ہے۔ نیز یہ کہ کیا ان کی درسگاہ سرکاری حیثیت میں گورنر کا استقبال کرنے سے انکار کر سکتی ہے انہوں نے نہایت صفائی کے ساتھ تسلیم کیا کہ ایسا کرنا ناممکن ہے بایں ہمہ میں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ آج ہندوستان کے طلبا کی زبردست اکثریت کے دل میں برطانی حکومت کا مطلق خیال اور احترام نہیں۔ وہ اس سے بیزار ہیں۔ دراصل انہیں اس سے حقیقی محبت نہیں میں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ اس غلط فضا میں چھوڑکر ہم اپنے بچوں کو مذہب سے منکر ہونیکی تعلیم دیتے ہیں اور اپنے اپنے تہذیب و علوم سے تشدد کرتے ہیں ہم ریاکاروں سے قوم نہیں بنائیں گے۔

برطانی ارادوں سے واقفیت رکھتے ہوئے یہ ہمارے لئے بڑی بزدلی اور جذبۂ حب الوطنی کے خلاف ہے کہ اپنے ہی روپیہ کے کسی حصہ کو ان ہاتھوں سے قبول کریں جو جلیانوالہ کے بیگناہوں کے خون سے آلودہ ہوں۔ ہم اس طرح ایک ایسے رہزن سے بھی عطیات قبول کر سکتے ہیں جس نے ہماری دُھن دولت سب لوٹ لی ہو۔ اس گورنمنٹ نے ہماری عزت کو لوٹا ہے اور ہمارے مذاہب میں سے ایک مذہب کو خطرہ میں ڈالدیا ہے۔ میری ناچیز رائے میں ایسے مدارس میں تعلیم حاصل کرنا جو گورنمنٹ کے زیر اثر یا زیر نگرانی ہوں اور یا اس سے مالی امداد لیتے ہوں بالکل گناہ ہے۔

لہذا مجھے یہ مشورہ دینے میں ذرا بھی پس وپیش نہیں کہ یہ درسگاہیں فوراً تباہ کردی جاویں لیکن اگر ٹرسٹیان، اُستاد، طلبا کے والدین یا خود طلبا سب ملکر ہم آہنگی کے ساتھ کام کریں تو اسمیں نقصان اُٹھانا نہ پڑیگا بلکہ نفع ہی نفع ہوگا۔

میں روح کو ہلاک کرنا نہیں چاہتا بلکہ صرف شکل وصورت کو تبدیل کرنا چاہتا ہوں جسطرح ہم اپنے فرسودہ جسموں کو چھوڑ دیتے ہیں اسی طرح ہمیں چاہئیے کہ ان درسگاہوں کو بھی خیرباد کہدیں جو فرسودہ ہوگئی ہیں اور انکے بجائے دوسری ایسی درسگاہوں کو معرض وجود میں لانا چاہئیے جو ہماری ضروریات کے مطابق ہوں جبکہ کوئی قوم میدان ترقی میں پیشقدمی کر رہی ہو تو کس طرح اسکی علمی درسگاہیں جو اسکے نوجوانوں کی نمائندہ ہوں پیچھے رہ سکتی ہیں؟ گجرات میں بہت سے ہائی اسکولوں نے جو کم وبیش قابل امتیاز حیثیت رکھتے تھے امداد اور الحاق کے جُوے کو اُتار کر پھینکدیا۔ اس عمل سے ان میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوئی بلکہ وہ اور زیادہ خالص ہوگئے۔ پرنسپل اور ٹرسٹیان اپنی زیر نگرانی ایک زیادہ آزاد فضا میں نوجوانوں کو تعلیم دے سکتے ہیں۔

وہ لوگ جو کام کرنا نہیں چاہتے انکے راستہ میں مالی امورات روڑے اٹکاتے ہیں۔ ہماری درسگاہیں اگر اُستاد یا ٹرسٹیان اس امانت کے اٹھانے میں غلط ثابت ہوئے یا قوم نے اسکو نہ چاہا تو ہماری درسگاہیں بیٹھ جائینگی۔ عدم تعاون پروگرام کی بنیاد اس یقین پر ہے کہ قوم موجودہ گورنمنٹ سے تنگ آ گئی ہے اور متشددانہ ذرائع اختیار کئے بغیر اس کو تبدیل کرنا چاہتی ہے ابتک جو تجربہ حاصل ہوا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ درحقیقت قوم تبدیلی کی خواہشمند ہے اگر اس میں ناکامی یا تاخیر ہوئی تو اس کا سبب کارکنوں کی کمی ہوگا

میں خیال نہیں کرتا کہ اگر اسوقت سر سیّد موجود ہوتے اور اپنی درسگاہ کو موجودہ گورنمنٹ کے زیر اقتدار چھوڑ دیتے

علی گڈھ کالج کے ٹرسٹیان کے نام خط) ینگ انڈیا ۲۷ اکتوبر ۱۹۲۰ء

جناب عالی! میں جانتا ہوں کہ آپ صاحبان اسلام اور ہندوستان کیلئے ایک اہم ترین مسئلہ کا فیصلہ صادر کرنیکی غرض سے جمع ہونے والے ہیں۔ میں سنتا ہوں کہ اس اجتماع کے موقعہ پر آپ گورنمنٹ اور پولیس کی امداد لینا چاہتے ہیں اگر یہ افواہ صحیح ہے تو آپ ایک بڑی رنجیدہ غلطی کے مرتکب ہونگے۔ ایک ایسے معاملہ میں جو خالصتاً خانگی ہے آپکو گورنمنٹ کی مداخلت یا پولیس کی حفاظت کی ضرورت نہیں۔ میں یا علی برادران کسی وحشیانہ جنگ میں مشغول نہیں ہیں بلکہ ہم ایک ایسی جنگ میں مصروف ہیں جسکا واحد ہتھیار رائے عامہ کی قوت ہے اور اگر پبلک ہمارے ساتھ نہ ہوئی تو ہم اپنے آپ کو شکست خوردہ خیال کرینگے۔ موجودہ جھگڑے میں رائے عامہ کا اندازہ آپ کی اکثریت سے ہوگا لہذا آپ اگر ایک مکمل اور آزادانہ بحث و تمحیص کے بعد اکثریت کے ساتھ یہ فیصلہ کریں کہ اگر طلبا عدم الحاق اور گورنمنٹ امداد کو مسترد کرنے پر مصر ہیں تو وہ کالج کی حدود سے باہر ہو جاویں تو ایسے طلبا امن و سکون کے ساتھ واپس بلا لیئے جاوینگے۔ ایسی حالت میں ہم انکی تعلیم اگر ممکن ہوا تو علی گڈھ ہی میں جاری رکھینگے ورنہ کسی دوسرے مقام پر اس کا بندوبست کرینگے۔ ہماری خواہش یہ نہیں ہے کہ جسوقت بالکل ضروری ہو جاوے اسکے علاوہ طلباء کی دنیاوی تعلیم کو بند کردیں بلکہ ہماری تو مخلصانہ آرزو یہ ہے کہ انکو ہندوستان کی عزت اور قانون اسلام کے مطابق تعلیم دی جاوے میں سمجھتا ہوں کہ مسلمہ علماء کی رائے میں ایک باایمان مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ایک ایسی گورنمنٹ کی امداد حاصل کرے جو خود یہ خواہش رکھتی تھی کہ خلافت مقدسہ کو برباد کرے یا بلاواسطہ وہ اسکی بربادی کا سبب ہووے اور جو جزیرۃ العرب پر غیر مشترکہ مسلم اقتدار میں دست انداز ہونا چاہتی تھی جتنا مجھکو معلوم ہے اتنی قدر آپ بھی جانتے ہیں

کہ کس طرح اس گورنمنٹ نے وابستہ ہندوستانی عزت کو پیروں میں روندا ہے لہذا اسکے مطابق گورنمنٹ سے وہ جملہ تعلقات منقطع کر لئے جاوینگے جو عوام الناس بخوشی گورنمنٹ سے قائم رکھتے ہیں۔ میری ناچیز رائے میں آپ کم سے کم جو بات کر سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ کوئی مزید گورنمنٹ امداد لینے پہ مائل نہوں اور جس عظیم الشان درسگاہ کے آپ ٹرسٹی ہیں اسکا الحاق توڑ دیں اور مسلم یونیورسٹی کے چارٹر کو مسترد کر دیں۔ اگر آپ اسلام اور ہندوستان کی آواز پر لبیک کہنے سے قاصر رہیں تو علی گڈھ کے طلبا کم سے کم جو بات کر سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ ایک ایسی درسگاہ سے ہاتھ دھو بیٹھیں جو اس گورنمنٹ کی سپر کو منظور کرتی ہے جس نے اسلام اور ہندوستان کی وفاداری کے جملہ استحقاق کو زائل کر دیا ہے اور اس سے زیادہ بڑے، زیادہ مہذب اور زیادہ خالص علی گڈھ کو معرض وجود میں لا دیں جو اس زبردست بانی کی دلی آرزوں کو پورا کر سکے میں خیال نہیں کر سکتا کہ سر سید احمد خاں مرحوم اپنی اس نیک درسگاہ کو موجودہ گورنمنٹ کے زیر اقتدار یا زیر اثر چھوڑ دیتے

علی گڈھ کے عدم الحاق اور گورنمنٹ امداد سے انکار کرنیکا چونکہ میں ہی بانی ہوں اسلئے میں محسوس کرتا ہوں کہ شاید میں آپکی بحث و تحقیص میں کچھ امداد کر سکوں لہذا میں اپنی ناچیز خدمات آپ کے لئے پیش کرتا ہوں اور اگر آپ نے اجازت دی تو خوشی سے آپ کے جلسہ میں حاضر ہونگا۔ میں فی الحال بمبئی جا رہا ہوں اور وہاں آپ کے جواب کا منتظر رہونگا۔

لیکن خواہ آپ مجھے بلائیں یا نہ بلائیں میں امید کرتا ہوں کہ اس خالص نجی معاملہ میں آپ گورنمنٹ کی مداخلت کو طلب نہ کرینگے۔

میں آپ کی وساطت سے گورنمنٹ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہر شخص حکام گورنمنٹ کے ان ارادوں کی خبر دلی سنتا ہے جو وہ میرے اور علی برادران کے متعلق رکھتے ہیں۔ میں اس جنگ کے پُرامن ارتقا کے لئے یہ امید کرتا ہوں کہ حکام گورنمنٹ ہماری آزادی کو مقید نہ کرینگے۔ ہم اپنے پروپگنڈا کو بالکل آئینی طریقوں پر چلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہماری یہ جستجو ہے کہ گورنمنٹ کو عوام کی مرضی کے سامنے جھکا دیں اور اگر وہ نہ جھکے تو اسکو پلیٹ دیں۔ کسی وحشیانہ طاقت کے ذریعہ سے نہیں بلکہ حقیقی پبلک رائے کو پیدا کر کے۔ ہم اسکو بالکل آئینی، جائز اور باعزت بات خیال کرتے ہیں کہ گورنمنٹ کی شیطانی نوعیت کو ظاہر کر دیں اور لوگوں کے دل و دماغ سے اپیل کریں نہ کہ انکے حیوانی جذبات سے الفاظ کے اندر نہیں بلکہ عملاً یہ کہیں کہ وہ گورنمنٹ سے ہر ممکن عدم تعاون کریں لیکن اگر گورنمنٹ آزادی رائے اور پُرامن افعال کو بھی کچلنا چاہتی ہے تو میں امید کرتا ہوں کہ وہ نظر بندی کے احکام صادر نہ کریگی۔ بلکہ ہم کو قید میں ڈالدیگی کیونکہ باوجود اسکے کہ ہم بذات خود بھی سول نافرمانی کرنا نہیں چاہتے تاہم ہمارے لئے یہ ممکن ہوگا کہ نظر بندی کے احکام کا احترام کریں۔ جب تک ہماری تحریک کو جسمانی طور پر مقید نہ کیا جائے اسوقت تک ہمیں چاہئے کہ اسکو اس طرح پر چلا دیں جو ہمارے مشن کے مفاد کیلئے بہترین ہو۔

ناچیز معذرت کرتے ہوئے

میں ہوں آپ کا وفادار۔ خادم

ایم۔ کے۔ گاندھی

والدین کے جو حقوق ہیں میں اُنکی قدر و قیمت سے واقف ہوں لیکن خُدا کے حقوق کو ان سب سے بالاتر سمجھتا ہوں

(طلباء علی گڈھ کے والدین کے نام خط) ینگ انڈیا - ۳۰ ستمبر ۱۹۲۰ء

میں جانتا ہوں کہ موجودہ زمانہ میں میرے بہترین دوست میرے بہت سے افعال سے حیرت زدہ ہیں۔ ان میں سے ملک کے طلباء کو میرا مشورہ بھی شامل ہے۔ مجھے ان کی حیرت پر کوئی تعجب نہیں جس گورنمنٹ سسٹم کے ماتحت ہم محنت شاقہ اٹھا رہے ہیں اسکے متعلق میرا رویہ کامل طور پر تبدیل ہو گیا ہے۔ میرے نزدیک یہ سسٹم اتنا ہی شیطانی ہو گیا ہے جسقدر کہ میرے مذہب کی کتب مقدسہ کے بموجب راون کا عہد حکومت تھا لیکن میرے دوستوں کو میری طرح اس اہم ضرورت کا احساس نہیں کہ تاوقتیکہ اس سسٹم میں بنیادی تغیر نہ ہو اور حکمراں اپنے کرداروں سے توبہ نہ کریں اس حکومت کا خاتمہ کر دیا جائے۔

آپ کے بچے جو علیگڑھ میں تعلیم پا رہے ہیں ان کے متعلق آپکے فرائض میں میرا بھی حصہ ہے۔ آپ میرے اس قول کا یقین کریں کہ میں آپ کے جذبات کو ٹھیس لگانا نہیں چاہتا۔ میں خود چار بچوں کا باپ ہوں جنکو میں نے بہترین طریقہ پر پرورش کیا ہے میں اپنے والدین کا انتہا درجہ فرمانبردار بیٹا تھا اور اتنا ہی اپنے اُستادوں کا اطاعت گذار شاگرد رہا ہوں۔ والدین کے جو حقوق ہیں میں اُنکی قدر و قیمت سے واقف ہوں لیکن خدا کے حقوق کو ان سب سے برتر سمجھتا ہوں اور میری رائے میں اس ملک کے ہر نوجوان مرد اور ہر نوجوان عورت کے لئے وہ زمانہ آگیا ہے کہ وہ خدا اور غیر خدا کے حقوق میں سے جسے چاہے پسند کرے۔ میں اپنے ملک کے نوجوانوں سے اچھی طرح پر واقف ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ ہمارے ملک کے نوجوانوں کی زیادہ تعداد اعلیٰ تعلیم کو اپنے ہاتھوں میں لینے کا ارادہ رکھتی ہے۔ میں ایسی مثالوں سے بھی واقف ہوں جن میں والدین اپنے بچوں کو اس بات سے باز رکھنے میں مشکلات دیکھتے ہیں جسے وہ اعلیٰ تعلیم کیلئے اپنے بچوں کا جنون خیال کرتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ والدین کی مرضی کے خلاف نوجوانوں کو اسکول اور کالجوں کو چھوڑنے کے لئے کہکر میں والدین کے جذبات کے ساتھ کوئی تشدد نہیں کر رہا ہوں۔ آپکو یہ معلوم کرکے تعجب نہ ہوگا کہ ان سیکڑوں طلباء کے والدین میں سے جنھوں نے اسکول اور کالجوں کو خیرباد کہا ہے صرف ایک شخص نے اعتراض کیا ہے اور وہ بھی ملازم سرکار ہے جسکے بچوں نے کالج چھوڑ دیا ہے۔ اعتراض کی بنیاد اس امر پر ہے کہ اس سے قبل کہ انکے بچوں نے کالج چھوڑنے کا فیصلہ کیا والدین سے مشورہ تک نہیں لیا گیا۔ درحقیقت طلباء کو میرا مشورہ یہ تھا کہ کسی فیصلہ پر پہونچنے سے بیشتر وہ مدارس کو چھوڑنے کے مسئلہ پر اپنے والدین سے مشورہ کر لیں۔

میں نے خود بیسیوں جلسوں میں ہزارہا والدین سے اپیل کی ہے جہاں مشکل سے ایک شخص نے گورنمنٹ کے

زیرنگرانی مدارس کو چھوڑنے پر اعتراض کیا ہوگا۔ درحقیقت انھوں نے حیرت انگیز اتفاق رائے سے عدم تعاون کی قرار
داد پاس کی جس میں اسکولوں کی دفعہ بھی شامل تھی۔ لہٰذا میں یقین کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ علیگڑھ کے طلبا
کے والدین بھی دوسروں سے کم اس ضرورت کا یقین نہ رکھتے ہونگے کہ اپنے بچوں کو ان مدارس اور کالجوں سے اٹھالیں
جنکی امداد اور نگرانی اس گورنمنٹ کے ہاتھ میں ہے جس نے مسلمانانِ ہند کو دھوکہ دینے میں حصہ لیا ہے اور جس نے
پنجاب کے ساتھ وحشیانہ سلوک کرکے قوم کی عزت میں رخنہ ڈالی ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ جانتے ہونگے کہ میں
بھی اس بات کا کہ ہمارے بچوں کی تعلیم کو نظر انداز کیا جائے اتنا ہی متمنی ہوں جتنا کہ کوئی شخص ہو سکتا ہے لیکن مجھے
یقیناً اس امر کی زیادہ تمنا ہے کہ ان کو زیادہ اچھے ذریعہ سے تعلیم دی جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اپنی تعلیم کے لئے ایک ایسی
گورنمنٹ سے امداد لینے کو جاری رکھنا جسے ہم دل سے ناپسند کرتے ہیں بالکل بزدلی ہے۔ میری ناچیز رائے میں یہ
ایک بڑی بے عزتی اور عزت و وفاداری کی بات ہوگی کیا یہ زیادہ بہتر نہیں ہے کہ ہمارے بچے ایک آزاد فضا میں تعلیم پاویں
خواہ وہ معمولی جھونپڑوں یا درختوں کے سایوں میں ہی کیوں نہ ملے اور ایسے استادوں کے زیر نگرانی پڑھیں جو خود
آزاد ہونے کی وجہ سے طلبا میں بھی آزادی کی روح پھونک سکیں۔ میری آرزو ہے کہ کاش آپ یہ محسوس کرسکیں کہ ہمارے
پیارے ملک کی قسمت ہمارے ہاتھوں میں نہیں ہے بلکہ ہمارے بچوں کے ہاتھوں میں ہے کیا ہمیں ان کو غلامی کی اس لعنت
سے آزاد نہ کرنا چاہئے جس نے ہمیں ہمیشہ کے لئے نیچے گرا دیا۔ کمزوری کی وجہ یہ ہے کہ ہم اپنی طاقت
کھو کر اس خوف سے کہ [illegible] ہمارے بچوں کے حصہ
میں نہ آئیں۔

اگر وہ آزاد لڑکوں اور لڑکیوں کی طرح اپنی تعلیم کو جاری رکھیں تو اس سے ان کا کوئی نقصان نہ ہوگا یقیناً
ان کو گورنمنٹ کی یونیورسٹیوں کی ڈگریوں کی ضرورت نہیں ہے اور اگر ہم اپنے بچوں کے لئے گورنمنٹ کی ڈگریاں
حاصل کرنے سے ہمیشہ کیلئے چھوڑ دیں تو ان کی تعلیم کے لئے روپیہ حاصل کرنے کا مسئلہ بالکل آسان ہوجاتا ہے اگر
قوم ایک ہفتہ کے لئے اپنے سب اخراجات [illegible] تو ہمارے بچوں کی ایک سال کی تعلیم کے واسطے روپیہ مہیا
ہو سکتا ہے اور اگر یہ بھی نہ ہو تو ہمارے موجودہ [illegible] خیرات کے [illegible] اخراجات کو ایک ہفتہ کے لئے
بند کر کے بھی تعلیمی اخراجات کو پورا کر سکتے ہیں۔

میں ہوں آپ کا صادق خیرخواہ
ایم۔ کے۔ گاندھی

آپکی قربانی کی ضرف اتنی ضرورت ہے کہ ایک سال یا حصول سوراج تک اپنی تعلیم کو ملتوی کردو

(نوجوانان بنگال کے نام خط) ۱۹ر جنوری ۱۹۲۱ء

پیارے نوجوان دوستو! میں نے ابھی ابھی اس اطلاع کو پڑھا ہے کہ آپ نے ملک کی آواز پر لبیک کہا ہے۔ اس نے بنگال و نیز آپ لوگوں کی وقعت بڑھادی۔ مجھے اس سے کم امید بھی نہ تھی اور یقیناً اس سے زیادہ کی امید رکھتا ہوں۔ بنگال میں دیانت و ذکاوت بہت زیادہ ہے اسکا دل بہت بڑا ہے اور اس روحانی ترکہ میں سے جسکے لئے ہمارا ملک مشہور ہے بنگال کو اسکے حصہ رسدی سے زیادہ ملا ہے۔ آپ لوگ بقیہ ہندوستان کے مقابلہ میں زیادہ تخیل، زیادہ عقیدتمندی اور زیادہ جذبات رکھتے ہیں۔ آپ نے بزدلی کی تہمت کو ایک سے زیادہ مرتبہ غلط ثابت کیا ہے۔ اب بنگال کو اس طرح پر نہ چلنا چاہئے جیسا کہ اس سے پیشتر وہ چلا ہے۔

آپ قدم بڑھا چکے ہیں اور امید کیجاتی ہے کہ اسکو پیچھے نہ ہٹائینگے۔ آپ کے پاس غور کرنے کے لئے کافی وقت موجود تھا۔ آپ نے تامل کیا اور غور و خوض بھی کیا۔ آپ نے اس کانگریس کا انعقاد کیا جسنے قوم کے سامنے عدم تعاون کا پیغام پہونچایا۔ یہ پیغام تزکیۂ نفس، ذاتی قربانی، ہمت اور امید کا پیغام تھا۔ ناگپور کانگریس نے اس اولین اعلان کی تصدیق کی اسکو واضح کردیا اور درجۂ تکمیل تک پہنچا دیا۔ یہ پیغام شک و جدل شبہات اور نااتفاقی کی فضا میں پیش کیا گیا تھا۔ اسکو دوبارہ خوشی و مسرت، غیر ملے تحسین اور عملاً مکمل اتفاق کے درمیان پہونچایا گیا۔ آپ کے لئے راستہ کھلا ہوا تھا کہ خواہ آپ اس پیغام کو مسترد کردیتے اور یا اسپر لبیک کہنے میں پس و پیش کرتے۔ آپ نے زیادہ اچھی بات کو چُن لیا گو کہ دنیاوی دانشمندی کے لحاظ سے یہ راستہ کم درجہ تامل اندیش نہ تھا۔ اب آپ اپنی ذات و نیز اس معاملہ کو نقصان پہونچائے بغیر اپنے قدموں کو واپس نہیں ہٹا سکتے۔

لیکن موجودہ گورنمنٹ سسٹم اور سب سے زیادہ مغربی تعلیم نے ہمارے اوپر جو جادو چلایا ہے آپکی وجہ سے یہ مسئلہ بحث و تحقیق کی ضرورت نہیں رکھتا کیا ایسی حالت میں کہ ان لوگوں کے زیرسایہ تعلیم حاصل کی جاوے جنھوں نے عربوں کو زنجیر غلامی میں جکڑ لیا ہے بہادر عرب اپنی خود مختاری قائم رکھ سکتے ہیں؟ وہ ان لوگوں پہ ہنسینگے جو ان سے ان مدارس میں جانیکے لئے کہیں جنکو ان کے حملہ آوروں نے قائم کیا ہے کیا ہمارا معاملہ اس سے مختلف ہے اور اگر مختلف بھی ہے تو کیا جب ہم سے یہ کہا جاتا ہے کہ تم ایسے مدارس کو چھوڑ دو جن کو ایک ایسی گورنمنٹ چلاتی ہے جسکو غلط یا صحیح طور پر ہم اپنی مرضی کے سامنے جھکانا چاہتے ہیں یا تباہ کرنا چاہتے ہیں تو کیا ہمارا معاملہ

عربوں سے بھی زیادہ مضبوط نہیں ہے۔

ہم اس وقت تک سوراج حاصل نہیں کر سکتے جبتک کہ ملک میں کم از کم ایک جماعت اس کے لئے کام کرنے اور قربانی کرنیکے لئے تیار رہو۔ گورنمنٹ الفاظ کی منطق کے سامنے کبھی سر نہ جھکائے گی وہ منطق نہیں جانتی بلکہ سیچے اور بہادرانہ کارناموں کو جانتی ہے۔

ہمارے حکمران تلوار کی بہادری سے واقف ہیں ان میں سے بہت سے لوگ ہماری جانب سے تشدد کا خیر مقدم کرینگے۔ وہ تشدد سے دوچار ہونے اور اسکے دبانے کے فن میں ناقابل تسخیر ہیں لہذا ہماری تجویز ہے کہ اپنے عدم تشدد سے انکی تشدد کی طاقت کو بیکار کردیں جس جگہ تشدد اپنے مقصد کا جواب نہیں پاتا وہاں وہ مردہ ہوجاتا ہے۔ عدم تعاون کی عمارت کا سنگ بنیاد عدم تشدد ہے لہذا جو لوگ آپ کے مطمح نظر کی طرح اشیاء کا مطالعہ نہیں کرتے ان کے ساتھ برتاؤ کرنے میں آپ کو عجلت پسند اور انتہا سے زیادہ گرمجوش نہ ہونا چاہئیے۔ عدم روا داری تشدد کی ایک قسم ہے اور لہذا ہمارے نصب العین کے خلاف ہے۔ پُرامن عدم تعاون نظام جمہوری میں ایک قیمتی سبق ہے جس گھڑی ہم عدم تشدد کا یقین دلانیکے قابل ہوجائینگے خواہ انتہائی اشتعال انگیز صورت حالات ہی رونما کیوں نہ ہو اسی وقت ہم اپنا مقصد حاصل کر لینگے۔ کیونکہ یہی وہ وقت ہوگا جبکہ ہم مکمل عدم تعاون پیش کر سکینگے۔

میں آپ سے کہتا ہوں کہ مذکورہ بالا بیان سے آپ ہراساں نہ ہوں عوام علم الحساب یا اقلیدس کی ترتیب میں ترقی نہیں کرتے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ وہ ایک دن میں ہلاک ہوجاتے ہیں اور ایک ہی دن میں ابھر جاتے ہیں۔ کیا ہندوستان کے لئے یہ محسوس کرنا کوئی مشکل کام ہے کہ تیس کروڑ انسانوں کو محض اپنی طاقت محسوس کرنیکی ضرورت ہے اور اس طاقت کو استعمال کئے بغیر آزاد ہوسکتے ہیں؟ چونکہ ہم نے اپنی قومی بیداری کو حاصل نہ کیا تھا اسلئے حکمران ہمیں ایک دوسرے کے خلاف لڑاتے رہے اب ہمیں ایسا کرنے سے انکار کر دینا چاہئیے اسلئے کہ مالک ہم ہیں نہ کہ وہ۔

ترک موالات کو سب سے پہلے ان سریع الحس لوگوں سے سلجھنا ہے جنپر گورنمنٹ نے کامیابی کے ساتھ اپنا عمل کیا ہے اور جو دانستہ یا نادانستہ جال میں پھانس لئے گئے ہیں جب ہم اسکے متعلق غور کرنے لگتے ہیں تو افراد کے لئے بہت ہی تھوڑی قربانی کی ضرورت معلوم ہوتی ہے کیونکہ تمام قربانی جسکی ضرورت ہے ہم اتنے بہت سے آدمیوں میں تقسیم ہوجائیگی کیونکہ آپ کی قربانی کتنی ہے؟ محض اتنی کہ ایک سال یا حصول سوراج تک اپنی تعلیم کو ملتوی کردو اگر میں اپنے عقیدہ کے جرائم تمام طالب علموں کی دنیا میں پہونچا سکتا تو میں جانتا ہوں کہ تعلیم کو ایک سال سے زیادہ ملتوی کرنے کی ضرورت نہیں۔

اور ملتوی شدہ تعلیم کی جگہ میں آپ پر یہ زور دونگا کہ ایک سال کے اندر حصول سوراج کے طریقوں کا نہایت خاموشی کے ساتھ مطالعہ کریں۔ میں آپ کے لئے چرخہ پیش کرتا ہوں اور یہ تجویز کرتا ہوں کہ ہندوستان کی اقتصادی نجات کا انحصار اسی پر ہے۔

لیکن اگر آپ مشردا س کے دعارہ کئے ہوئے کالج میں جانا چاہیں تو چرخہ چلانے سے انکار کرنے میں آپ

آزاد ہیں۔ گجرات کے قومی کالج کے بہت سے طلبا نے ہر روز چار گھنٹے چرخہ چلانا اپنے ذمہ لے لیا ہے۔

آپ نے گورنمنٹ کالجوں کو چھوڑ کر اپنا فرض ادا کر دیا۔ میں نے آپکے وقت کو صرف کرنیکا نہایت آسان اور سود مند طریقہ بتایا ہے۔ خدا آپ کو آپکے اس ارادہ پر قائم رہنے کیلئے ہمت اور قوت عطا فرما دے۔

میں ہوں آپ کا بہی خواہ

ایم۔ کے۔ گاندھی

کوئی دُعا کسی مصرف کی نہیں جبتک کہ خود طلبا استقلال کیساتھ اپنے کام کو اپنے ہاتھ میں لینگے

(طلبا کے فرائض) ینگ انڈیا۔ ۹ فروری ۱۹۲۱ء

(ذیل میں وہ ایڈریس درج کیا جاتا ہے جو کلکتہ نیشنل کالج کے طلبا اور پروفیسران کے سامنے افتتاحی رسم کے موقع پر مہاتما گاندھی نے ۴ فروری ۱۹۲۱ء کو پیش کیا تھا شروع میں چند لڑکیوں نے ملکر گیتا میں سے ایک گیت گایا)

دوستو! آپنے ابھی اس نفیس دعا کو سُنا ہے جو طلبا نے گائی ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ آپ اس دعا کے شاندار الفاظ پر غور کریں گے۔ اگر ہم اس درسگاہ میں اپنے تمام افعال کا انحصار دعا پر کر دیں تو مجھے اسمیں بہت کم شبہ ہے کہ ہم اپنے و نیز اپنے ملک کے لئے ایک مزید عظمت پیدا کر لیں گے۔ ان چند ماہ کے اندر مجھے ہندوستان کے مختلف حصوں میں چند درسگاہوں کے افتتاح کرنیکا موقع ملا ہے لیکن مجھے آپ سے اس امر کا اعتراف کرنا چاہیئے کہ کسی درسگاہ کے موقعہ پر میں تشویش اور خوف سے اتنا پُر نہوا تھا جسقدر اس درسگاہ کی رسم افتتاح کے سلسلہ میں ہوا ہوں جیسا کہ میں نے کسی دوسرے موقع پر بیان کیا ہے۔ تمام دنیا کے طلبا کی آنکھیں کلکتہ پر لگی ہوئی ہیں۔ آپ نے بہت سے ٹیلیگرام پریس میں دیکھے ہیں۔ میں نے ان سے بھی زیادہ ٹیلیگرام دیکھے ہیں جو پریس میں شائع نہیں ہوئے جنمیں طلبا کو مبارکباد دیگئی ہے کہ انہوں نے ملک کی آواز پر لبیک کہا۔ آپ نے شاید اس بات کو بھی دیکھا ہوگا کہ آپ کے اس لبیک کہنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام ہندوستان میں طلبا گورنمنٹ درسگاہوں کو چھوڑ رہے ہیں۔ لہذا آپ کے پروفیسروں کی ان استادوں کی جو اس درسگاہ سے تعلق رکھتے ہیں، مسٹر داس کی و نیز میری ذمہ داریاں بہت زبردست ہیں۔ اپنی ذات سے میں صرف آپ کو یقین دلا سکتا ہوں کہ میری دعائیں اس درسگاہ کو کامیاب بنانیکی آپ کی جد و جہد میں ہر وقت آپ کی شریک رہینگی لیکن میں جانتا ہوں کہ کوئی دُعا جو کہ میں پیش کر سکتا ہوں اور کوئی دُعا جو کہ ہمارے صاف دل پیش کر سکتے ہیں اُسوقت تک مصرف کی نہیں ہو سکتی جب تک کہ خود طلبا انکساری، خوف خدا،

استقلال، محبت اور انہماک کے ساتھ اپنے کام کو اپنے ہاتھ میں نہ لینگے۔

طالب علم کے لئے یہ کوئی معمولی کام نہیں ہے کہ وہ اعلیٰ قابلیت کے سرٹیفکیٹ اور اپنے اندازہ میں ایک اعلیٰ طرز زندگی کی اُمید کرے اور طالب علم کے لئے یہ بھی کوئی معمولی بات نہیں ہے کہ ان تمام توقعات کے ساتھ ساتھ ان تمام سرٹیفکیٹوں اور امیدوں کو اس امید میں چھوڑ دے کہ ملک کی خدمات انجام دینے میں وہ خود اپنی خدمت انجام دے رہا ہے۔ ذاتی طور پر مجھے اس میں مطلق شبہ نہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ کو کبھی اس دن پر افسوس کرنا نہ پڑیگا جس دن کہ آپنے گورنمنٹ درسگاہوں کو چھوڑا تھا لیکن میں جانتا ہوں کہ اگر آپ نے اپنے وقت کو سود مند طریقہ پر استعمال نہ کیا اور اگر آپنے صرف ہنگامی اثرات سے متاثر ہوکر ان درسگاہوں کو خیرباد کہا ہے جیساکہ ہمارے بہت سے بہی خواہان ملک کو خوف ہے تو شاید آپ کو اس دن پر افسوس کرنا پڑیگا۔ مجھے امید کرنے کی اجازت دیجئے کہ آپ ان خطرات کو غلط ثابت کرینگے۔

اس سال کے اختتام پر آپ کو اپنا کام اس حد تک پہونچانا پڑیگا کہ وہ لوگ جن کے دل آج شبہات سے لبریز ہیں میدان میں آکر یہ ظاہر کریں کہ ان کے شبہات بیجا تھے۔ کلکتہ کے طالب علمو! میں آپ لوگوں سے اس بات کو پوشیدہ رکھنا نہیں چاہتا کہ ہندوستان کے دیگر حصص کے لوگ آپ کو کیا سرٹیفکیٹ دیتے ہیں۔ بہت سے طلباء اور بہت سے سن رسیدہ اشخاص نے مجھ سے آپ کی اس تحریک کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے اپنے خوف و ہراس کا اظہار کیا ہے۔ آپ لوگوں کو جذبات اور جلدبازی کی بہت زیادہ عزت دی گئی ہے لیکن استقلال اور محنت کی اس درجہ عزت نہیں دی گئی۔

اپنی امانت پر مستقل رہو

آپ لوگ ایک نئے دور زندگی میں داخل ہو رہے ہیں۔ ایک نئے ورق کو پلٹ رہے ہیں۔ آپ اپنے کندھوں پر ایک زبردست ذمہ داری لے رہے ہیں۔ آپ کا شمار ہندوستان کے مستقبل بنانیوالوں میں ہوگا۔ اور اگر آپ اس ذمہ داری کو محسوس کرلیں تو مجھے اس میں مطلق شبہ نہیں کہ آپ اس تمام خوف و ہراس کو دور کر دینگے جو ہندوستان کے دوسرے حصوں میں ظاہر کیا گیا ہے۔ جو لوگ بنگال سے بخوبی واقف ہیں وہ اس امر کی تصدیق کرسکتے ہیں کہ بنگالیوں نے متعدد موقعوں پر کسی قسم کی کمی کا اظہار نہیں کیا۔ اور جہاں تک میرا تعلق ہے میں ہرگز یہ یقین نہ کرونگا کہ وہ طلباء جنہوں نے ملک کی آواز پر لبیک کہا ہے اور جو اس درسگاہ میں داخل ہونگے وہ کسی قسم کی کمی کا اظہار کرینگے۔ میں یہ بھی امید کرونگا کہ پروفیسر اور دیگر اُستاد اس امانت میں سچے ثابت ہونگے۔ میں نے گجرات نیشنل کالج کی رسم افتتاح کے موقعہ پر پروفیسروں اور اُستادوں سے جو کچھ انکساری کے ساتھ کہا تھا وہی یہاں بھی دُہرانا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اس درسگاہ کی کامیابی اور ناکامی کا زیادہ تر انحصار اسی ایماندارانہ محنت و مشقت پر ہوگا جو پروفیسر اور اُستاد پیش کرینگے ہمارے عزیز ملک کے اس نازک لمحہ میں ہم میں سے ہر اُس شخص کے سر پر جو ملک کے نوجوانوں کے دلوں کو سانچہ میں ڈھالنا چاہتا ہے ایک سخت ذمہ داری ہے اور اگر پروفیسر و اُستاد خواب گراں میں مدہوش پائے گئے اگر انپر شک و

شبہ نے اپنا قبضہ جمالیا۔ اگر انپر مستقبل کا خوف طاری ہوگیا تو خدا ان طلبا کی امداد کرے جو اسکی نگرانی میں آئے ہیں اور میں قادرِ مطلق سے دعا کرونگا کہ وہ پروفیسروں اور استادوں کو عقل، ہمت، عقیدت مندی اور امید سے بہرہ ور کرے۔

ہر قسم کے تشدد سے باز رہو

میں نے طلبا سے ایک تقریر کے دوران میں کہا ہے کہ جبکہ وہ اس راستہ پر چلتے رہیں جو انہوں نے اپنے لئے بنایا ہے ان کو چاہئے کہ دوسروں کے معاملات میں دخل انداز نہوں۔ آپ نے غالباً اس پیراگراف کا مطالعہ کیا ہوگا جو بار یسال کے سلسلہ میں آج اخبارات میں شائع ہوا ہے، مجھے معلوم نہیں کہ آیا اصلی واقعہ کو مبالغہ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ مجھے اسکی پروا نہیں کہ یہ مبالغہ ہے یا اصل واقعہ کو کمی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے تاہم اس سے مجھے اور آپ کو ایک سبق ملا ہے کہ ہمیں کسی حالت میں بھی تشدد کو جگہ نہ دینی چاہئے اور نہ بیجا دباؤ استعمال کرنا چاہئے۔ اور جیسا کہ میں نے پرسوں کی تقریر میں کہا تھا میں امید کرتا ہوں کہ طلبا ان دوسرے طالب علموں پر کسی قسم کا دباؤ نہ ڈالینگے جو اسکولوں اور کالجوں کو نہ چھوڑیں صرف اتنا کافی ہے کہ وہ طلبا جو ان درسگاہوں سے تعلق رکھنا گناہ سمجھتے ہوں وہ ان کو چھوڑ دیں۔ اگر ہم کو اپنی ذات پر کافی اعتماد ہے تو ہم مستقل مزاج رہینگے خواہ ایک بھی طالب علم اس آواز پر لبیک نہ کہے۔ جب آپ لوگ عدم تحمل سے کام لیتے ہیں تو اسکے معنی یہ ہیں کہ آپ میں اپنے اوپر بھروسہ کرنے کی کمی ہے اور جب ہم بے صبر ہوتے ہیں تو دوسروں کو بھی وہی بات کرنے پر مجبور کرنا شروع کر دیتے ہیں جو کہ ہم خود کرتے ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ وہ طلبا جو اس درسگاہ سے تعلق رکھتے ہیں اپنے صحیح طرز عمل کے متعلق کوئی شبہ باقی نہ رکھینگا۔

ہندوستانی زبان کے پوشیدہ خزانے

میں امید کرتا ہوں کہ اب ایک مہینہ کے بعد جب میں آپ سے دوبارہ ملاقات کا شرف حاصل کرونگا جیسا کہ مجھے امید ہے۔ کہ میں اس قابل ہونگا تو آپ مجھے انگریزی زبان میں تقریر کرنیکے لئے نہ کہینگے بلکہ آپ اتنی کافی ہندوستانی زبان میں مہارت پیدا کر لینگے کہ جو کچھ پیغام میں آپ کو پہونچانا چاہتا ہوں اس کو مشترکہ قومی زبان کے اندر سمجھ سکیں۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ جب آپ ہندوستانی زبان کو سیکھنا شروع کرینگے تو آپ میں سے بعض لوگ اسکو آسان اور سادہ پائیں گے۔ آپ میں سے بعض کو اسکے الفاظ تو بالکل قدرتی معلوم ہونگے کیونکہ اس زبان کے الفاظ کا ذخیرہ بنگالی، ہندی اور ہندوستان کی اکثر زبانوں میں مشترک ہے۔ آپ یہ بھی دیکھیں گے کہ اس سے آپکی قوملیت کی نشو و نما ہوگی اور نیز بنگال کی تمام و ماتحت ضروریات یہ پوری کر سکیگی اور اگر آپ علم ادب کو لینا چاہینگے تو میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ اردو اور ہندی جس زبان کو آپ لینگے اس میں پوشیدہ خزانے پاوینگے۔ اب ہندی علم ادب کی ناداری کے متعلق آپ کو اعتراض ہے لیکن اگر آپ تلسی داس کے اوراق میں گہرا غوطہ لگاویں تو غالباً آپ میری اس رائے میں حصہ لینگے کہ دنیا کی موجودہ زبانوں کے علم ادب میں کوئی کتاب

اسکا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ اس ایک کتاب نے مجھے اسقدر استقلال اور ہمت عطا کی ہے جو کسی دوسری کتاب سے حاصل نہیں ہوئی۔ میں خیال کرتا ہوں کہ یہ ایک ایسی کتاب ہے جو ہر قسم کی نکتہ چینی کا مقابلہ کرسکتی ہے خواہ وہ ادبی خوبیوں کے متعلق ہو یا استعارات یا مذہبی جوش کے سلسلہ میں۔

چرخہ کاتنا

میں امید کرتا ہوں کہ جب میں دوبارہ واپس آؤں تو آپ سوت کاتنے میں کافی ترقی کرلینگے۔ اور اپنے ذاتی استعمال کے لئے اسے کسی کانوں کے جلاہے کے سپرد کرچکے ہونگے لیکن میں امید کرتا ہوں کہ چرخہ کاتنے میں آپ جو تعجب میں ڈالنے والا کمال پیدا کرلینگے اسکا کافی ثبوت دینگے۔ میں یہ بھی امید کرتا ہوں کہ آپ کے پروفیسر اور استاد بنگالی زبان میں لکچر دیا کریں گے۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ آپنے سرکاری درسگاہوں میں جو علم حاصل کیا ہے اسکو بنگالی زبان میں ترجمہ کرلیں گے۔ و نیز ان قیمتی سے قیمتی خیالات کے لئے جن کو آپ نے انگریز شاعروں اور انگریزی علم ادب میں حاصل کیا ہے مترادف الفاظ تلاش کرلیں گے۔

بھروسہ رکھو

میں یہ بھی امید کرتا ہوں کہ آپ اپنے کام سے مذہبی اعتماد کے ساتھ دوچار ہونگے۔ اگر ہماری تحریکات مذہبی نہیں تو میں آپ کے سامنے اس امر کا اعتراف کرنے کے لئے آزاد ہوں کہ یہ صرف ناکام ہی نہ ہوگی بلکہ اس سے ہمیں نقصان بھی پہونچیگا۔ یہ تحریک ایک نیا طریقہ ہے اور اگر ہم یہ سمجھیں کہ پرانے طریقوں پر بعض تبدیلیاں کرکے ہندوستان کے مسئلہ کا حل کرسکیں تو ہمارا انجام محض مایوسی ہوگا اگر آپ اس کام سے اسی مذہبی جوش کے ساتھ دوچار ہوں جسکے لئے بنگال مشہور ہے تو میں جانتا ہوں کہ سوراج آسانی کے ساتھ حاصل ہوجائیگا۔ خدا آپ کی مدد کرے۔ خدا پروفیسروں کی مدد کرے اور خدا آپ کو وہ قوت عطا فرمائے جسکی ہمارے دوست شری یُت چترنجن داس کو ضرورت ہے میں اس درسگاہ کے افتتاح کا اعلان کرکے بہت خوش ہوں۔

اگر ہم نے موجودہ طریقۂ تعلیم تبدیل نہ کیا تو اس سے بھی زیادہ خراب وقت دیکھنا پڑے گا

(والدین کے فرائض) مہاتما گاندھی کے قلم سے ۱۵ر جون ۱۹۲۱ء

ایک صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ میرا تیسرا لڑکا جسکی عمر ۲۱ سال کی ہے زر کثیر صرف کرکے بی۔ اے پاس ہوگیا۔ اب وہ سرکاری ملازمت نہیں کرنا چاہتا بلکہ محض قومی خدمت اختیار کرنیکا متمنی ہے۔ میرے کنبہ میں بارہ آدمی ہیں اور تینے ہنوز پانچ لڑکوں کو تعلیم دلانی ہے میرے پاس ایک جائداد تھی جو دو ہزار روپیہ قرضہ ادا کرنیکی غرض سے فروخت

کردی گئی۔ اپنے تین بچوں کی تعلیم میں میں اپنی تمام کمائی صرف کر چکا اور وہ اس امید میں کہ میرا تیسرا لڑکا یونیورسٹی میں اعلیٰ ترین ڈگری حاصل کر کے میری ضائع شدہ پوزیشن کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کریگا میں یہ توقع کرتا تھا کہ یہی لڑکا میرے تمام کنبہ کے بوجھ کو سنبھالنے کے قابل ہو جائیگا لیکن اب مجھے مجبوراً یہ خیال کرنا پڑتا ہے کہ مجھے اپنے کنبہ کو تباہی کے سپرد کرنا پڑیگا۔ اب ایک طرف تو فرائض ہیں اور دوسری جانب اخراجات ہیں میں آپ کے مشورے اور غور کا طلبگار ہوں۔

مندرجہ بالا ایک نمونہ کا خط ہے اور یہی عالمگیر طرز عمل ہے جسنے مجھے سالہا سال گذرے کہ موجودہ طرز تعلیم کے مخالف ہونے اور اپنے و نیز دوسروں کے بچوں کے تعلیم کے طریقہ کو تبدیل کرنے پر مجبور کیا ہے جس سے میری رائے میں اچھے نتائج برآمد ہوئے ہیں۔ پوزیشن اور منصب حاصل کرنے کی گرویدگی نے بہت خاندانوں کو تباہ کیا ہے اور راست بازی کے راستہ سے بھٹکا دیا ہے۔ مجھے یقین کامل ہے کہ اگر ہم نے موجودہ طرز تعلیم کو تبدیل نہ کیا تو اس سے بھی کہیں زیادہ برا وقت دیکھنا پڑیگا۔ ہمارے بچوں کی ایک کثیر تعداد تعلیم سے محروم ہے اور اسکی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ خود تعلیم حاصل کرنا نہیں چاہتے بلکہ والدین خود یا تو تعلیم کے فوائد سے واقف نہیں یا ان میں اتنی استطاعت نہیں کہ تعلیم دلا سکیں۔ اسمیں ایک بنیادی خرابی ہے بالخصوص ہماری جیسی مفلس قوم کے لئے کہ والدین کو سن بلوغ لڑکوں کا بار بھی اٹھانا پڑتا ہے اور ایک ایسی تعلیم دلانی پڑتی ہے جسمیں زر کثیر درکار رہے اور پھر لڑکے اسکا کوئی فوری معاوضہ ادا نہیں کرتے۔ سب سے زیادہ سادہ و آسان دستکاری جو ہر شخص کے لئے مناسب ہے اور جسکی تمام ہندوستان کے لئے ضرورت ہے وہ بلا شبہ کاتنا ہے۔ اگر ہم اسکو اپنی درسگاہوں میں رائج کر دیتے تو اس سے تین مقصد حاصل ہو سکتے تھے۔ اول تعلیم اپنا بار خود اٹھا لیتی۔ دوسرے بچوں کے قویٰ اور دماغ کی تربیت ہو جاتی اور تیسرے یہ کہ غیر ملکی سوت اور کپڑے کے بائیکاٹ کے لئے ایک راستہ پیدا ہو جاتا۔ علاوہ ازیں جو بچے ان دستکاری سے آراستہ کئے جاوینگے وہ بالکل آزاد اور اپنی ٹانگوں پر کھڑے ہو سکینگے میں مذکورہ بالا نامہ نگار کیلئے تجویز کرتا ہوں کہ وہ اپنے خاندان کی پرورش کے لئے اپنے کنبہ کے تمام افراد کو چرخہ کاتنے اور کپڑا بننے کے لئے مدعو کرے میری اسکیم کے ماتحت کوئی بچہ جو کم سے کم مقدار میں سوت نہیں کاتتا تعلیم دلانے کا مستحق نہیں۔ ایسے خاندان خودداری اور آزادی کا ایسا اقتدار حاصل کر لینگے جو اب تک خواب و خیال میں بھی نہ تھا۔

نہ جنگل میں ریوڑ چرانے کے قابل　　نہ بازار میں بوجھ اٹھانے کے قابل

نہ پڑھتے تو سو طرح کھاتے کما کر　　وہ کھوئے گئے اور تعلیم پا کر

سودیشی

بنا پھرتا ہے ہر پیر و جواں تصویر کھدّر کی — رہے قسمت چمک اُٹھی ہے پھر تقدیر کھدّر کی

ملیں اوروں کو پھر ملک گیری توپ بندوقیں — ہمیں سوراج لینے کو ملی شمشیر کھدّر کی

زمانے نے بھلا دی تھیں سودیشی صنعتیں دل سے — ہوئی گاندھی سے پھر دنیا میں توقیر کھدّر کی

نکل جائیں گی اسکے جسم سے بیماریاں ساری — شفا دے گی مریض ہند کو تاثیر کھدّر کی

(ماخوذ از نغمۂ وطن)

مشینوں کے اضافہ سے ساٹھ کروڑ روپیہ ہر سال ہمارے گھروں میں تقسیم نہیں ہوسکتا

سودیشی اور سوراج) از قلم مہاتما گاندھی ۔ ینگ انڈیا ۱۰ دسمبر ۱۹۱۹ء

چند دنوں میں وہ اصلاحات جن کا اس قدر شور و غل تھا ملک کا قانون بن جائینگی اور رفتہ رفتہ جدید مجالس قانون ساز پرانی مجالس کی جگہ لے لینگی لیکن ہندوستان کو جس حقیقی اصلاح کی ضرورت ہے وہ سودیشی ہے ۔ اس وقت یہ مسئلہ کہ حکومت ملکی کو کس طرح چلایا جاوے ۔ ہماری فوری توجہ کا طالب نہیں بلکہ پیٹ بھرنے اور تن ڈھکنے کا مسئلہ سب سے پہلی توجہ چاہتا ہے ۔ ۱۹۱۸ء میں ہم نے کپڑے کی خریداری کیلئے ساٹھ کروڑ روپیہ ہندوستان سے باہر بھیجا ۔ اگر اسی حساب سے ہم غیر ملکی پارچہ جات کی خریداری کرتے رہے تو ہندوستان کے جلاہوں اور سوت کاتنے والوں کو اس تجارت کے تبادلہ میں عملاً کوئی دوسرا کام دئے بغیر سال بسال اس رقم سے محروم رکھینگے ۔ یہ بات کچھ تعجب خیز نہیں کہ ہندوستان کی آبادی کا کم از کم ۱/۱۰ حصہ آدھا پیٹ کھانا کھاتا ہے باقی ماندہ کی اکثریت کو بھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں ملتا ۔ آنکھوں والا دیکھ سکتا ہے کہ اوسط درجہ کے لوگوں کو پیٹ بھر کر خوراک نصیب نہیں ہوتی اور ہمارے شیر خوار بچوں کو کافی مقدار میں دودھ نہیں ملتا ۔ ریفارم اسکیم خواہ وہ کتنی ہی اعتدال پسندانہ کیوں نہ ہو مستقبل قریب میں اس مسئلہ کے حل میں ہماری مدد نہیں کر سکتی لیکن سودیشی آج ہی اسکا علاج کر سکتی ہے ۔

صوبہ پنجاب نے میرے اس مسئلہ کا حل اور زیادہ واضح کر دیا ہے ۔ خدا کا شکر ہے کہ پنجاب کی خوبصورت عورتوں

نے دستکاری کو فراموش نہیں کیا۔ اعلیٰ ہوں یا ادنیٰ وہ ہنوز کاتنے کا ہنر جانتی ہیں۔ گجرات کی بہت سی عورتوں کی
طرح پنجاب کی عورتوں نے اپنے چرخوں کو نذر آتش نہیں کیا ہے۔ میں کمال درجہ مسرور ہوتا ہوں جبکہ یہ عورتیں سوت
کی ہینڈلیں میری گود میں ڈالتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ سوت کاتنے کے لئے ان کے پاس وقت موجود ہے وہ اس بات
کو بھی تسلیم کرتی ہیں کہ ہاتھ کے کتے ہوئے سوت کا کھدر مشین کے تیار کردہ سوت کے کپڑے سے زیادہ اچھا ہوتا ہے
ہمارے آبا و اجداد غیر ملکی بازاروں سے کپڑا خریدے بغیر بہت تھوڑی سی محنت اور پورے آرام کے ساتھ اپنے جسموں
کو بہت اچھی طرح ڈھک لیا کرتے تھے۔

اگر ہم نے بہت جلد خبر نہ لی تو یہ خوشنما اور نہایت سادہ ہنر ہمارے ہاتھوں سے نکل جائیگا۔ پنجاب اسکے
ممکن العمل ہونے کا ثبوت دیتا ہے لیکن پنجاب بھی بڑی سرعت کے ساتھ اسکو ترک کر رہا ہے۔ ہر سال ہاتھ کے
کتے ہوئے سوت میں کمی واقع ہو رہی ہے۔ اسکے یہ معنی ہیں ہمارے گھروں میں زیادہ افلاس اور زیادہ کاہلی کا دور
دورہ ہو جائے گا۔ جن عورتوں نے چرخہ کاتنا ترک کر دیا ہے وہ اپنے اوقات کو غپ شپ اُڑانے کے سوا کسی
زیادہ سود مند طریقہ پر استعمال نہیں کر رہی ہیں۔

لیکن اس خرابی کو دور کرنے کے لئے ایک چیز کی ضرورت ہے اگر ہر تعلیم یافتہ ہندوستانی اپنی صاف اور
ابتدائی فرض کا احساس کرنے لگے تو وہ اپنے گھرانے کی عورتوں کو چرخے مہیا کر دیں گے اور کاتنے کا ہنر حاصل
کرنیکی آسانیاں بہم پہونچا دینگے۔ لاکھوں گز سوت روزبروز تیار کیا جاسکتا ہے اور اگر ہر تعلیم یافتہ ہندوستانی ہاتھ
سوت کے بُنے ہوئے کپڑے کو استعمال کرنے پر مائل ہو جائے تو وہ ہندوستان کی واحد ممکن الوجود صنعت خانہ ساز
کو دوبارہ قائم کرنے میں امداد دیگا اور اسکی حمایت کریگا۔

گھریلو صنعت کے بغیر ہندوستانی کسان بالکل بدقسمت اور مفلوک الحال ہے۔ زمین کی پیداوار سے وہ اپنی
بسر اوقات نہیں کر سکتا۔ اس کو ایک ایسی صنعت کی ضرورت ہے جو اسکی آمدنی میں امداد کر سکے۔ اسکے لئے
سب سے زیادہ آسان، سستی اور بہترین صنعت چرخہ کاتنا ہے۔

میں جانتا ہوں کہ یہ ہمارے دماغی نقطۂ نگاہ میں ایک انقلاب کے مترادف ہے اور چونکہ یہ ایک انقلاب
ہے اسی وجہ سے میں کہتا ہوں کہ سوراج کا راستہ سودیشی میں پوشیدہ ہے وہ قوم جو ہر سال ساٹھ کروڑ روپیہ
کی بچت کر سکتی ہو اور اس کثیر التعداد رقم کو اپنے جلاہوں اور چرخہ کاتنے والوں میں گھر بیٹھے تقسیم کر سکتی ہو بہت
جلد ایک ایسی صنعت اور تنظیم کی طاقت حاصل کریگی جو اسکو ہر اس چیز کے کرنے کے قابل بنا دیگی جو نظامی ترقی کے
لئے ضروری ہے۔

ایک وہمی مصلح اس طرح کانا پھوسی کرتا ہے "انتظار کرو حتیٰ کہ میں ذمہ دار حکومت حاصل کر لوں اور تب
میں عورتوں کو چرخہ کتوائے اور جلاہوں سے کھدر بنوائے بغیر ہندوستان کی صنعت کی حفاظت کر لونگا"۔ یہ الفاظ
بجنسہ سمجھدار لوگوں کی زبان سے نکلے ہیں لیکن میں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ اس جملہ میں دوگونہ مغالطہ پوشیدہ ہے

ہندوستان محصولات تجارت کی حفاظتی فہرست کا انتظار نہیں کر سکتا اور نہ حفاظت پارچہ جات کے نرخ میں کمی کر سکتی ہے۔ دوئم یہ کہ محض حفاظت لاکھوں بھوکے مرتیوالوں کو کوئی فائدہ نہ پہونچائیگی۔ انکی امداد صرف اس طرح کی جاسکتی ہے کہ صنعت چرخہ دوبارہ انکے ہاتھ میں دیکر انکی آمدنی میں اضافہ کیا جاوے۔ لہذا خواہ حفاظتی فہرست محصولات ہمارے قبضہ میں ہو یا نہو چرخہ کاتنے کی صنعت کو دوبارہ زندہ کرنا اور ہاتھ سے بُننے کے ہنر کو ترقی دینا ہمارا فرض ہوگا۔

جس وقت جنگ عظیم زوروشور پر تھی تو انگلستان اور امریکہ میں جتنے آدمی مل سکتے تھے جہاز سازی کے لئے بحری کارخانوں میں استعمال کئے گئے اور انھوں نے حیرت انگیز رفتار کے ساتھ جہاز بنائے۔ اگر مجھے اپنے طریقہ پر کام کرنیکا موقعہ مل جائے تو میں ہر ہندوستانی کو چرخہ کاتنے اور کپڑا بُننے پر مجبور کرونگا اور ان سے ہر روز ایک مقررہ وقت پر یہ کام کرائونگا۔

مشین کے کارخانہ جات میں اضافہ کرنا اس مسئلہ کو حل نہیں کر سکتا انکے ذریعہ سے مالی نکاس کو قبضہ میں لانے کے لئے عرصہ درکار ہوگا اور ساٹھ کروڑ روپیہ ہمارے گھروں میں تقسیم نہو سکیگا۔ کارخانہ جات صرف روپیہ اور مزدوری کو ایک مرکز پر لاسکتے ہیں جس سے موجودہ انتشار میں مزید اضافہ ہوجائیگا۔

اگر ہمارا مذاق سلیم خراب ہو جاتا تو ہم موسم گرما میں بھی کھدّر کو ترجیح دیتے

کھدّر کے فوائد) مہاتما گاندھی کے قلم سے ینگ انڈیا ۲۸ اپریل سنہ ۱۹۲۰ء

جبکہ سودیشی تحریک جست و خیز کرتی ہوئی آگے بڑھ رہی ہے اور مسلمان بھی ہندوؤں کی طرح گرمجوشی کے ساتھ اسکو اختیار کر رہے ہیں تو یہ مناسب موقعہ ہے کہ سودیشی کی ترقی دینے کے بہترین ذرائع پر غور کیا جائے۔ سودیشی کا زیادہ سے زیادہ ناتجربہ کار مبتدی اس بات کو جانتا ہے کہ ہمیں جسقدر کپڑا درکار ہے اسقدر تیار نہیں ہوتا۔ اس لئے اگر ہم محض مشین کا تیار کردہ کپڑا استعمال کریں تو غریبوں کو ان کی ضروریات سے محروم کر دینگے یا کم از کم مشین کے بنے ہوئے کپڑے کی قیمت میں اضافہ کر دینگے۔ لہذا سودیشی کی ہمت افزائی کرنیکا واحد طریقہ یہ ہے کہ زیادہ کپڑا تیار کیا جائے۔ مشین کے کارخانے کھمبوں کی طرح وجود میں نہیں آسکتے اسلئے ہمیں ہاتھ کے کتے اور ہاتھ کے بُنے سوت کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ سوت غالباً اتنا مہنگا کبھی نہیں ہوا جتنا کہ آجکل ہے اور کارخانہ جات اس سے بے انتہا منافعہ کما رہے ہیں لہذا وہ شخص جو ایک گز سوت ہاتھ سے تیار کرتا ہے وہ اسکی پیداوار میں اضافہ کرتا ہے اور اسکی قیمت کو سستا کرتا ہے

اب سوال یہ ہے کہ سوت کس طرح کاتا جائے اور کیونکر اس سے کپڑا بُنا جائے۔ مجھے اپنے ذاتی تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ اگر ایک خاص کپڑے کو پوشش کیلئے موزوں اور مناسب تسلیم کر لیا جائے تو بازار کو ہاتھ کے کتے اور ہاتھ کے بُنے

ہوئے کپڑے سے بھرپور کیا جا سکتا ہے۔ شمالی ہند میں اس کپڑے کو کھدر اور احاطہ بمبئی میں کھادی کہتے ہیں۔ بسارلا دیوی[1] کا شکریہ ادا کرنا چاہئے کہ انھوں نے معلوم کرکے بتایا ہے کہ کھدر سے ساڑیاں بھی تیار ہو سکتی ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ قومی ہفتہ کے دوران میں کھدر کی ساڑی اور قمیص خود پہنکر اپنے خیالات کا عملی ثبوت دیں اور انھوں نے ایسا ہی کیا۔ کھدر کے لباس میں انھوں نے جلسوں میں شرکت کی۔ احباب یہ خیال کرتے تھے کہ یہ ناممکن ہے۔ اُن کا خیال تھا کہ وہ عورت جس نے مدت العمر میں بہترین ریشم اور ڈھاکہ کی عمدہ ترین ململ کے سوا دوسرا کپڑا استعمال نہ کیا ہو وہ بھاری کھدر کا وزن برداشت نہیں کر سکتی۔ لیکن خاتون مذکور نے اُن تمام خدشات کو غلط ثابت کر دیا اور کھدر کی ساڑی میں ہی وہ اُسیقدر سرگرم اور خوشنما تھیں جسقدر بہترین ریشم کی ساڑی میں۔ "اگر تم اپنی اس ساڑی میں کسی قسم کی بدنمائی محسوس نہیں کرتی ہو تو تم ہر جگہ اور ہر پارٹی میں جا سکتی ہو اور معلوم کروگی کہ یہ لباس تمہارے لئے اچھا ثابت ہوگا۔" اس قسم کے الفاظ کہکر سارلا دیوی کے جلیل القدر چچا سر رابندر ناتھ ٹیگور نے ان کو کھدر کی ساڑی میں دیکھکر مبارکباد دی تھی۔ میں نے اس مقدس واقعہ کو اس غرض سے بیان کیا ہے تاکہ یہ ظاہر کردوں کہ ہندوستان کے بہترین صنعت شناس لوگوں میں سے مذکور الصدر دو افراد نے کھدر میں کسی قسم کا بھدا پن معلوم نہیں کیا۔ یہ کپڑا ہے جسکو میں ہندوستان کے متمدن گھرانوں میں رائج کرانے کی جرأت کرتا ہوں کیونکہ محض اسی کپڑے کے استعمال پر تحریک سودیشی کی کامیابی کا انحصار ہے۔ میرے نزدیک کھدر ہمیشہ سے ڈھاکہ کی بہترین ململ سے زیادہ عمدہ رہا ہے۔ آج کھدر اُن لوگوں کی پشت پناہی کرتا ہے جو بھوکے مر رہے تھے۔ یہ ان عورتوں کی ہی امداد کرتا ہے جو شرمناک زندگی سے واپس لائی گئی ہیں یا وہ عورتیں جو صرف اسوجہ سے کاہل رہا کرتی تھیں کہ باہر جاکر کام نہیں کر سکتیں اور کوئی مشغلہ نہ ہونے کے باعث آپس میں لڑائی جھگڑا کیا کرتی تھیں۔ لہذا کھدر میں ایک روح موجود ہے۔ اگر ہمارا مذاق سلیم خراب نہو جاتا تو موسم گرما میں بھی کھدر کو چھینٹ پر ترجیح دیتے وہ لوگ جو آج کل کھدر استعمال کر رہے ہیں انکو چاہئے کہ میرے بیان کی صداقت کی تصدیق کریں۔

اگر کوئی شخص بالائی لباس کے لئے کھدر کے استعمال پر تیار نہو تو بھی اندرونی لباس کے لئے کھدر استعمال کر سکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اپنے جسم پر کھدر پہننے کے لئے بالکل ہی تیار نہو تاہم ٹوپیاں، تولیے، جھاڑن، میز پوش بستے، پلنگ کی چادریں، بچھونے، چاندنیاں، گاؤتکیے وغیرہ وغیرہ کھدر کے بنائے جا سکتے ہیں۔ میں کھدر کو سرخ سودیشی رنگ میں رنگ رہا ہوں اس سے یہ زیادہ پائدار اور کم میلا دکھائی دیتا ہے۔

مشینیں تباہ ہو سکتی ہیں لیکن چرخہ ہمیشہ قائم رہیگا

(چرخہ کا نغمہ) از قلم مہاتما گاندھی۔ ینگ انڈیا ۲۱ جولائی ۱۹۲۰ء

غالبًا ہندوستان کی قدیم ترین مشین کا نغمہ سوسائیٹی کے دلوں میں یقینی طور پر رفتہ رفتہ سرایت کر رہا ہے۔

[1] چودھری رام بھجدت لاہور کی اہلیہ۔

پنڈت مالوی جی نے کہا ہے کہ جبتک ہندوستان کی رانیاں مہارانیاں قوم کے لئے سوت نہ کاتیں گی اور راجہ مہاراجہ ہندؤں کے پیچھے بیٹھ کر کپڑا نہ بنینگے اُسوقت تک وہ مطمئن نہیں ہوسکتے۔ اُن کے سامنے اورنگ زیب کی مثال ہے جو اپنی ٹوپیاں خود بناتا تھا۔ اورنگ زیب سے بھی زیادہ عظیم الشان بادشاہ کبیر خود ایک جلاہہ تھا اور اُس نے اپنی نظموں کے ذریعہ اس حرفت کو غیر فانی بنادیا ہے۔ شیطانی دام تزویر میں پھنسنے سے قبل یوروپ کی رانیاں سُوت کاتا کرتی تھیں اور اسکو ایک شریفانہ پیشہ سمجھتی تھی۔ خود لفظ 'اسپنسٹر' (کاتنے والی دوشیزہ عورت) اور وائف (بیوی) حرفت اسپننگ (کاتنا) اور weaving (بُننا) کی قدیم عزت کو ثابت کرتے ہیں۔ یہ فقرہ بھی کہ جب آدم پھاوڑے سے زمین کھودتے تھے اور حوّا کاتا کرتی تھیں"۔۔۔ اس واقعہ کی یاد تازہ کرتا ہے۔ پنڈت جی امید کرسکتے ہیں کہ وہ ہندوستان کی شاہی دنیا کو ہماری مقدس سرزمین کے قدیم پیشہ کی ترغیب دیں۔ اس ملک کی حقیقی آزادی اور سرسبزی کی زندگی ہتھیاروں کی جھنکار پر منحصر نہیں ہے۔ بلکہ ہر گھر میں چرخہ کے نغمہ کے دوبارہ رائج ہونے پر اس سرزمین کی سچی آزادی اور ترقی کا دارومدار ہے۔ چرخہ کا نغمہ 'قابل نفرت ہارمونیم' 'کنسرٹینا' ایک قسم کا باجا اور 'اکارڈین' (باجا) سے زیادہ شیریں اور نفع رساں ہے۔

جبکہ پنڈت جی اپنی عدیم المثال شیریں بیانی کے ساتھ ہندوستانی شاہی گھرانوں میں چرخہ چلانے پر ترغیب دے رہے ہیں۔ شریمتی سارلا دیوی چودھرانی نے جو خود ہندوستان کے ایک رئیس خاندان سے تعلق رکھتی ہیں اس ہنر کو سیکھ لیا اور اس تحریک میں دل وجان کے ساتھ شریک ہوگئیں۔ ابتک چودھرانی مذکور نیز دیگر اصحاب کی جانب سے جسقدر تحریریں وصول ہوئی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ سودیشی ان کے لئے ایک زبردست خواہش ہوگئی ہے۔ چودھرانی فرماتی ہیں کہ ململ کی ساڑیوں میں انہیں تکلیف محسوس ہوتی ہے اور موسم گرما میں بھی وہ کھدر کی ساڑیوں پر قناعت کرسکتی ہیں۔ ان کا کھدر کی ساڑی کا لباس انکی زبانی فصاحت سے زیادہ سودیشی کا پرچار کرتا ہے۔ انہوں نے امرتسر، لدھیانہ اور دوسرے مقامات پر مجمعوں میں تقریریں کی ہیں اور امرتسر کی چرخہ کمیٹی کے لئے مسز رتن چند اور بیگا چودھری اور شہید رتن دیوی کی خدمات حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی ہیں۔ یہ رتن دیوی وہ ہیں جنہوں نے ۳۰ راپریل کی ہولناک شب میں جنرل ڈائر کے حکم امتناعی کے باوجود اپنے مردہ شوہر کے بیجان سر کو زانو پر رکھکر تنہا سینکڑوں مردہ نعشوں اور جان توڑنیوالوں کے درمیان تمام رات گذاردی۔ میں ان خواتین کی خدمت میں ہدیہ مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ خدا کرے کہ چرخہ کا نغمہ اور یہ خیال کہ وہ ایک قومی کام کررہی ہیں ان کے دلوں کو تسکین بخشے۔ میں امید کرتا ہوں کہ امرتسر کی دیگر خواتین سارلا دیوی کو اُن کی کوششوں میں امداد دینگی اور امرتسر کے مرد اس معاملہ میں اپنے فرائض کا احساس کرینگے۔

بمبئی کے مشہور گھرانوں کی خواتین نے چرخہ چلانا شروع کردیا ہے ان کے زمرہ میں مسز مینک بائی بہادر جی بھی شامل ہوگئی ہیں جو اس حرفت کو خود سیکھ چکی ہیں اور 'سیوا سدن' میں بھی رائج کرنے کی کوشش کررہی ہیں۔ ہزہائینس بیگم صاحبہ جنجیرا اور انکی ہمشیر مسز عطیہ بیگم رحمان نے بھی اس ہنر کو سیکھنے کا تہیہ کرلیا ہے مجھے پورا اعتماد ہے کہ یہ نیک خواتین کاتنا سیکھ کر اپنے حصہ کے سوت کی روزانہ مقدار قوم کی امداد کے لئے بہم پہونچایا کرینگی۔ میں ایسے احباب سے بھی واقف ہوں جو اس

حرفت کو دوبارہ زندہ کرنیکی کوششوں کا مذاق اڑاتے ہیں وہ میرے گوش گذار کرتے ہیں کہ کلوں، سینے کی مشینوں اور ٹائپ رائٹر کے زمانہ میں محض فاتر العقل انسان ہی یہ امید کرسکتا ہے کہ کہنہ اور متروک الاستعمال چرخہ کے زندہ کرنے میں کامیابی ہوگی لیکن یہ احباب اس حقیقت کو بھول گئے کہ سوئی نے ہنوز سینے کی مشینوں کو جگہ نہیں دی ہے اور ٹائپ رائٹر کے باوجود ہاتھ نے اپنے کمال کو ضائع نہیں کیا ہے جبکہ ہوٹلوں کی موجودگی میں گھریلو باورچی خانے موجود ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ سوت کاتنے والی مشینوں کے ہوتے ہوئے چرخے کیوں نہ قائم رہیں۔ درحقیقت یہ تو ممکن ہے کہ ٹائپ رائٹر اور سینے کی مشینیں دنیا سے نابود ہوجائیں لیکن سوئی اور سرکنڈے کا قلم ہمیشہ ہمیشہ رہینگے۔ کلیں تباہ ہوسکتی ہیں لیکن چرخہ ایک قومی ضرورت ہے جو لوگ اسمیں شک کرتے ہیں میں ان سے کہونگا کہ وہ ان غریب گھروں میں ذرا تشریف لیجائیں جہاں چرخہ قلیل ذرائع معاش میں اعانت کررہا ہے اور گھر والوں سے دریافت کریں کہ آیا چرخہ ان کے گھروں میں خوشی و مسرت پہونچانے کا باعث ہوا ہے یا نہیں۔

خدا کا شکر ہے کہ مسٹر ریواشنکر جگ جیون کا اعلان کردہ انعام بارآور ہورہا ہے۔ مختصراً یہ کہ ایک جدید طرز کا چرخہ ہندوستان میں ایجاد کیا گیا ہے یہ دکن کے ایک مستقل مزاج صناع کی کاریگری ہے۔ اسمیں بہت سیدھی سادھی چیزیں استعمال کی گئی ہیں اور کسی قسم کی پیچیدگی نہیں۔ یہ قیمت میں بہت سستا ہے اور آسانی کے ساتھ اسکی مرمت کیجاسکتی ہے معمولی چرخوں کے مقابلہ میں اس سے زیادہ سوت حاصل کیا جاسکتا ہے اور اسکو پانچ سالہ لڑکا یا لڑکی بھی چلا سکتے ہیں لیکن جدید چرخہ خواہ ایسا ہی ثابت ہو جیسا کہ اسکے متعلق دعویٰ کیا گیا ہے۔ یا نہ ہو مجھے یقین کامل ہے کہ ہاتھ سے کاتنے اور ہاتھ سے بُننے کا احیاء ہندوستان کی اقتصادی اور اخلاقی زندگی میں زبردست امداد کریگا۔ کروڑہا انسانوں کو زراعت کی معاونت کیلئے ایک سادہ حرفت کی ضرورت ہے سالہا سال گذرے کہ چرخہ کاتنا ایک گھریلو صنعت تھی اور اگر ان کروڑہا انسانوں کو فاقہ سے بچانا منظور ہے تو ان کو اس قابل بنایا جاوے کہ وہ اپنے گھروں میں دوبارہ چرخہ کو رائج کردیں اور ہر گانوں میں ان کے جلاہے موجود ہوں۔

ایسٹ انڈیا کمپنی[1] نے ہندوستان کی صنعت وحرفت کو تباہ کیا ہے

سودیشی (ایم، کے، گاندھی۔ ینگ انڈیا ۱۸ اگست سنہ ۱۹۲۰ء)

میرے مضمون زیر عنوان "چرخہ کا نغمہ" پر تنقید کرتے ہوئے معاصر 'لیڈر' نے کسی گذشتہ اشاعت میں ایسے خیالات کو میری طرف منسوب کیا ہے جو میرے ذہن میں بھی نہ تھے لہذا سودیشی کی صحیح قدر و قیمت کو سمجھانے کے

---

[1] یہ چند انگریز سوداگروں کا ایک معمولی گروہ تھا جو سنہ ۱۶۱۲ء میں ساحل ہند پر اُترا۔ ان کے پاس صرف ۷۰ ہزار پونڈ کا سرمایہ تھا جو کہ ہندوستان (دیکھو صفحہ آئندہ)

لئے ضروری ہے کہ بعض رائج الوقت مغالطوں کی تصحیح کی جائے۔ اخبار لیڈر کا خیال ہے کہ ہاتھ کے کتے ہوئے اور ہاتھ سے بنے ہوئے سوت کو مل کے کتے ہوئے سوت اور بنے ہوئے کپڑے کی جگہ دیکر میں رفتار ترقی کو لپسپا کر رہا ہوں۔ میں بتانا چاہتا ہوں کہ میں اس قسم کی کوئی کوشش نہیں کر رہا۔ ملوں سے مجھے کوئی پرخاش نہیں۔ میرا مطمح نظر بالکل صاف ہے ہر ہندوستان کو فی کس تیرہ گز کپڑے کی سالانہ ضرورت ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ یہاں اس تعداد کا نصف بھی تیار نہیں ہوتا ہندوستان کو جسقدر روئی کی ضرورت پڑتی ہے وہ اس ملک میں پیدا ہوتی ہے۔ روئی کے کئی لاکھ گٹھے جاپان اور لنکا شائر کو بھیجے جاتے ہیں اور اسکے بدلے میں تیار شدہ چھینٹے یہاں آتی ہے۔ ہندوستان ہاتھ سے کات کر اور ہاتھ سے کپڑا بنکر اپنی تمام ضروریات کو پورا کرنے کے لئے کافی سوت اور کپڑا تیار کرنیکی اہلیت رکھتا ہے۔ ہندوستان کو اپنے مخصوص پیشۂ زراعت کی معاونت کے لئے کسی دوسرے مشغلہ کی ضرورت ہے یہ مشغلہ لاکھوں آدمیوں کے لئے صرف چرخہ کاتنا ہی ہوسکتا ہے۔ ایک صدی گذری جب چرخہ کاتنا ایک قومی پیشہ تھا۔ یہ کہنا درست نہیں کہ (اقتصادی) دباؤ اور زمانہ حال کی مشینوں نے ہاتھ سے کاتنے اور ہاتھ سے بننے کی صنعت کو برباد کر دیا بلکہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے غیر معمولی اور خلاف اخلاق و تہذیب ذرائع و تدابیر نے اس حرفت کو تباہ کیا ہے۔ یہ قومی صنعت ملوں کی صنعت کو نقصان پہونچائے بغیر صرف قومی مذاق میں تبدیل کرکے دوبارہ زندہ کیجا سکتی ہے۔ فی الحال ضروریات کو پورا کرنے کا علاج یہ نہیں ہے کہ ملوں میں اضافہ کیا جائے۔ یہ کمی صرف چرخہ کاتنے اور ہاتھ سے کپڑا بنکر پوری کیجاسکتی

(بقایا صفحہ گذشتہ) اُس زمانہ کے مطابق سات لاکھ روپیہ کے قریب ہوتا تھا۔ اس سرمایہ سے انھوں نے سورت، بمبئی اور کلکتہ میں تجارت شروع کی اور سنہ ۱۶۹۸ء میں کلکتہ میں زمین خریدلی۔ اور اُسکو اپنا تجارتی مرکز بنایا اور سیاسی چالیں چلنے لگے (یہ اورنگ زیب کا عہد حکومت تھا) اسنے ہندوستان کے تاجروں اور کاریگروں پر انواع و اقسام کے ظلم کئے اور آخر یہاں کی صنعت و تجارت کو تباہ کرکے چھوڑا۔

کمپنی کا جب کوئی گماشتہ کسی گاؤں میں جاتا تھا تو وہ اپنا چپراسی بھیجکر اُس گاؤں کے جلاہوں اور دلالوں کو بلا لیتا تھا اور ان کو کچھ روپیہ دیکر اُن سے حسب منشا اقرار نامہ لکھوا لیتا تھا۔ اگر کوئی جلاہا روپیہ لینے سے انکار کرتا تھا تو اسکی کمر سے روپیہ باندھ دیا جاتا تھا اور اسے کوڑے لگاکر کچہری سے باہر نکالدیا جاتا تھا اگر کوئی جلاہا شرائط پوری نہ کرسکا تو اسکی جائداد ضبط کرلی جاتی تھی۔

عام جلاہوں کے نام کمپنی کے رجسٹر میں درج رہتے تھے اور انہیں اپنا کوئی ذاتی کام کرنے کی اجازت نہ تھی۔

جس چیز کی قیمت بازار میں سو روپیہ ہوا نہیں اُسکے صرف پچاس ساٹھ روپیہ دئے جاتے تھے۔

ایک مرتبہ نواب میر قاسم نے بنگال کے گورنر کو لکھا کہ کلکتہ کے اہلکار تاجروں اور کاریگروں سے زبردستی مال لیجاتے ہیں اور اُن کو مال کی چوتھائی قیمت بھی ادا نہیں کرتے۔

کمپنی کے ڈائرکٹروں نے سنہ ۱۷۶۹ء میں اک حکم جاری کیا کہ بنگال کے جلاہوں کو ریشمی کپڑا بننے سے روکا جائے وہ صرف خام ریشم تیار کریں اور اس ریشم کا کپڑا صرف انگلینڈ میں بُنا جائیگا۔ ریشم لپیٹنے والوں کو صرف کمپنی کے کارخانوں میں کام کرنا چاہئے۔ اگر وہ کسی دوسری جگہ کام کریں تو اُن کو سخت سزا دیجائے

نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ریشم بُننے سے باز نہ آئے اور اُن کے انگوٹھے کاٹ دیئے گئے۔ (ماخوذ از سودیشی)

ہے اگر یہ شغل دوبارہ رائج ہوگیا تو ۶ کروڑ روپیہ سالانہ ہندوستان سے باہر جانا بند ہوجائیگا اور اس رقم کو ہم لاکھوں غریب عورتوں کے درمیان ان کے گھروں میں تقسیم کر سکیں گے۔ لہذا میں سودیشی کو ہندوستان کے مسئلہ افلاس کا ایک خود رو حل سمجھتا ہوں۔

لیکن اس ضروری احیاء کو معرض وجود میں لانیکے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ اوّلاً کھدر کا مذاق عوام میں پیدا کیا جائے۔ دویم یہ کہ قیمتاً دھنی ہوئی روئی تقسیم کرنے اور سوت فراہم کرنے کے لئے ایک انجمن مرتب کیجائے۔

چند لوگوں کی خاموش محنت سے ایک سال کے عرصہ میں کئی ہزار روپیہ گجرات کے کئی ہزار غریب عورتوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ یہ عورتیں اپنے بچوں کے لئے دودھ خریدنے کے لئے چند پیسے روزانہ کمانے پر بہت خوش ہیں۔

جیسا کہ معاصر لیڈر نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے یہ دلیل صنعت شکر پر چسپاں نہیں ہوتی۔ ہندوستان میں اتنا نیشکر پیدا نہیں ہوتا جو اسکی ضرورت کو پورا کر سکے۔ نیز یہ کہ شکر کبھی قومی صنعت نہیں رہی۔ بدیشی شکر نے ہندوستانی شکر کی جگہ نہیں لی ہے۔ چونکہ ہندوستان کی ضرورت میں اضافہ ہوگیا ہے لہذا باہر سے شکر کی درآمد ہوتی ہے لیکن شکر کی درآمد کا مطلب یکساں نہیں۔ شکر کی پیداوار میں اضافہ کرنے کے یہ معنی ہیں کہ اسکی زراعت میں زیادہ سائنٹفک تدابیر اختیار کی جاویں اور اسکو عمدہ بنانے کے لئے زیادہ تعداد میں بہتر مشینیں مہیا کی جاویں۔ لہذا شکر کی صنعت ایک بالکل جداگانہ چیز ہے۔ سودیشی شکر کا استعمال ایک پسندیدہ بات ہے لیکن کپڑے میں سودیشی کا خیال رکھنا ایک فوری ضرورت ہے۔

کیا قوم اپنی زیبایش کو ہاتھ سے کتے اور ہاتھ سے بُنے ہوئے کپڑے کے ذریعہ پورا کرنیکو تیاّر ہے

(خلافت اور سودیشی) از قلم مہاتما گاندھی۔ ینگ انڈیا۔ ۲۵ اگست ۱۹۲۰ء

میں نے سودیشی کو عدم تعاون میں بہت رد و قدح کے بعد داخل کیا ہے۔ مولانا حسرت موہانی نے محض اپنی سرگرمی سے مغلوب کر لیا تاہم مجھے خوف ہے کہ سودیشی کو عدم تعاون میں شامل کرنے کے متعلق مولانا کے دلائل میرے دلائل سے مختلف ہیں۔ وہ برطانی مال کے بائیکاٹ کے سرگروہ ہیں لیکن جیسا کہ میں نے آج اشاعت میں واضح کیا ہے میں اس اصول سے متفق نہیں ہو سکتا۔ لیکن عام بائیکاٹ کو ہر دلعزیز بنانے میں ناکام رہ کر مولانا صاحب نے سودیشی کو ایک کم درجہ کی نیکی سمجھ کر منظور کر لیا ہے تاہم میرے لئے یہ امر واضح کر دینا ضروری ہے کہ میں سودیشی کو عدم تعاون کے پروگرام میں شامل کرنیکے نتیجہ پر کیونکر پہونچا۔

عدم تعاون اسکے سوا اور کچھ نہیں کہ ذاتی قربانی کے طریقوں کی تربیت کی جائے اور میرا یقین ہے کہ وہ قوم جو لامحدود قربانی کر سکتی ہے وہ لامحدود بلندی تک پہونچنے کی اہل ہے۔ قربانی جسقدر زیادہ خالص اور پاک ہوگی اُسی قدر جلد ترقی بھی

ہوگی۔ سودیشی ہر مرد، عورت اور بچے کے لئے ایک موقع پیش کرتی ہے تاکہ وہ اس سے خالص قسم کی قربانی کی ابتدا کرے۔ لہذا یہ ہماری ذاتی قربانی کے امتحان کا ایک موقعہ ہے۔ یہ ایک پیمانہ ہے جسکے ذریعہ سے مظالم خلافت کے متعلق قومی احساسات کی گہرائی پائی جائیگی۔ کیا قوم محسوس کرتی ہے کہ قربانی کے ابتدائی طریقۂ عمل میں وہ سودیشی کو رائج کریگی؟ کیا قوم جاپانی ریشم، مانچسٹر کی چھینٹ اور فرانسیسی لیس کے متعلق اپنے شوق اور مذاق پر نظر ثانی کرنے اور اپنی تمام زیبائش کو ہاتھ سے کتے ہوئے اور ہاتھ کے بنے ہوئے کپڑے کے ذریعہ پورا کرنے کیلئے تیار ہے؟ اگر کروڑہا آدمی غیر ملکی کپڑے کو پہننا اور اسکا استعمال ترک کردیں اور صرف اس سادہ کپڑے سے مطمئن ہوجاویں جسے ہم اپنے گھروں میں تیار کرسکتے ہیں تو یہ ہماری تنظیمی قابلیت، سرگرمی، باہمی اتفاق اور ذاتی قربانی کی دلیل ہوگی۔ جسکے ذریعہ سے ہم اس قابل ہوجائینگے کہ اپنی ضروریات کو حاصل کرلیں۔ یہ ہماری قومی یکجہتی کا ایک حیرت انگیز مظاہرہ ہوگا۔

محض خواہش کرنے سے اس قسم کے کام کی تکمیل نہیں ہوسکتی اور نہ صرف ایک شخص خواہ وہ کتنا ہی مخلص اور قابل کیوں نہ ہو اسکو پورا کرسکتا ہے۔ سودیشی اسٹوروں سے ہندوستان کو پر کرکے بھی ہم اس مقصد کو حاصل نہیں کرسکتے۔ یہ مقصد تو صرف نئے ذخائر تیار کرکے عوام میں دانشمندی کے ساتھ تقسیم کرنے سے حاصل ہوسکتا ہے۔ نئے ذخائر تیار کرنے کے یہ معنی ہیں کہ لکھوکھا عورتیں اپنے اپنے گھروں میں چرخے کاتیں۔ اس کام کی تکمیل کے لئے ضرورت ہے کہ سرگرم اشخاص کی خدمات حاصل کی جاویں جو ایمانداری کے ساتھ دھنی ہوئی روئی تقسیم کریں اور قیمتاً دیکر سوت فراہم کریں۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ ہزارہا چرخے تیار کئے جاویں اور آبائی پیشہ ور جُلاہوں کو بلایا جائے کہ وہ اپنے شریف پیشہ کو دوبارہ اپنے ہاتھ میں لیں اور ان میں گھر کا کتا ہوا سوت تقسیم کیا جائے۔ میں صرف ایک سرگرم ایجنٹ کی حیثیت سے سودیشی کو عدم تعاون میں شامل کرنیکا خیال کرسکتا ہوں لیکن اس صورت میں اسکی تحقیر نہ کیجائے۔ میں امید کرتا ہوں کہ ہر کارکن جو اور کوئی کام نہیں کرسکتا اگر پہلے کھدر کی پیداوار میں اضافہ کرے اور پھر اسکو تقسیم کرکے سودیشی کو ترقی دیگا وہ کارکن کہلانیکا مستحق ہے۔

ہماری اس جنگ میں تمام قومی درسگاہیں ایسے کارخانوں میں تبدیل کردینی چاہئیں جہاں قوم کیلئے سوت کے گولے تیار کئے جاویں

سوراج کا راز) از قلم مہاتما گاندھی ینگ انڈیا ۱۹ جنوری سنہ ۱۹۲۱ء

کانگریس کی قرارداد نے بجا طور پر سودیشی کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ اسکے معنی ہیں روزانہ زیادہ قربانی کرنی ہوگی۔ ہندوستان اس وقت

ملک کبھی آزاد نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اس اقتصادی بد آمد کو برداشت کرتا ہے یا خوشی اسکی ہمت افزائی کرتا ہے جو سو یا ڈیڑھ سو سال سے جاری ہے۔ غیر ملکی مال کے بائیکاٹ کا مطلب بدیشی کپڑے کے بائیکاٹ کے ماسوا اور کچھ نہیں۔ جس درآمد کی ہم نے بخوشی اجازت دے رکھی ہے اس میں بدیشی کپڑا سب سے زیادہ ہے۔ اگر ہندوستان اس موری کو (جسکے ذریعہ سے ہندوستان کا روپیہ غیر ممالک میں جاتا ہے) بند کرنے میں کامیابی کے ساتھ جد و جہد کر سکا تو صرف اس کام سے اسکو سوراج حاصل ہو جائیگا۔ غیر ملکی تاجران پارچہ کی حرص و آز کو پورا کرنیکے لئے ہندوستان غلام بنایا گیا تھا۔ جس وقت ایسٹ انڈیا کمپنی کا یہاں ورود ہوا تو اسوقت ہم اپنی ضرورت کے موافق پورا کپڑا تیار کر لیا کرتے تھے۔ اور اسکے علاوہ باہر بھیجنے کے لئے اس سے زائد بھی تیار کیا جاتا تھا لیکن بعض ایسے طریقہ عمل کے ذریعہ جن کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہندوستان بالکل غیر ملکی کپڑے کا محتاج ہو گیا۔

لیکن ہمیں محتاج نہ رہنا چاہئے اگر فرزندان ہند کوشش کریں تو ہندوستان میں اب بھی قابلیت موجود ہے کہ اپنی ضرورت کے موافق پورا کپڑا تیار کر لے۔ خوش قسمتی سے ہندوستان میں اتنے جلا ہے موجود ہیں جو ملوں کی پیداوار کی کمی کو پورا کر سکیں۔ مل نہ تو ہماری ضرورت کے موافق فوراً کپڑا تیار کرتی ہیں اور نہ کر سکتی ہیں۔ ناظرین کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہمارے جلا ہے ملوں سے زیادہ کپڑا تیار کرتے ہیں لیکن موخر الذکر (یعنی ملیں) غیر ملکی نفیس سوت سے ۸ کروڑ گز کپڑا بنتی ہیں جو موٹے سوت کے چالیس کروڑ گز کے برابر ہے۔ بدیشی کپڑے کے بائیکاٹ کو کامیاب بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ سوت کی پیداوار میں اضافہ کیا جائے اور یہ مقصد صرف چرخہ کاتنے سے حاصل ہو سکتا ہے۔

اس بائیکاٹ کو معرض وجود میں لانے کے لئے ضروری ہے کہ ہمارے تاجران پارچہ درآمد کو بالکل بند کر دیں اور اسوقت ہندوستان میں جسقدر بدیشی کپڑے کا ذخیرہ موجود ہے اسکو غیر ملکی تاجروں کے ہاتھ (خواہ نقصان کے ساتھ ہی کیوں نہو) فروخت کر دیں۔ ان کو یہ بھی چاہئے کہ روئی کی خرید و فروخت بھی بند کر دیں اور تمام روئی کو اپنے ملک کے استعمال کیلئے رہنے دیں نیز غیر ملکی روئی کی خریداری بھی فوراً ترک کر دیں۔

مالکان مل کو چاہئے کہ وہ اپنی ملوں کو کسی نفع کے لئے نہ چلائیں بلکہ ایک قومی امانت سمجھکر ان کو جاری رکھیں لہذا ان کے لئے ضروری ہے کہ نفیس سوت کا تنا چھوڑ دیں اور صرف ملک کی منڈی کے لئے کپڑا بنیں۔

گھر ستی مرد اور عورتوں کو فیشن کے متعلق اپنے خیالات پر نظر ثانی کرنی ضروری ہے اور کم از کم فی الحال انہیں یہ چاہئے کہ نفیس پوشاک کا استعمال ترک کر دیں جو محض جسم کو ڈھکنے کے لئے ہی نہیں پہنی جاتی ہے۔ ان کو بے داغ کھدر میں نفاست اور کاریگری دیکھنی چاہئے اور یہ سبق سیکھنا چاہئے کہ جس طرح ایک بخیل اپنی دولت کو استعمال کرتا ہے اسی طرح وہ کپڑے کو استعمال کریں۔

بایں ہمہ جب گھر ستی لوگ پوشاک کے متعلق اپنے مذاق سلیم پر نظر ثانی کر چکیں تب بھی ضرورت ہے کہ کچھ لوگ جلاہوں کے لئے سوت کاتیں اور یہ صرف اس طرح ہو سکتا ہے کہ ہر شخص اپنے فرصت کے اوقات میں خواہ بربنا رحب الوطنی خواہ روپیہ پیدا کرنے کے لئے ہم ایک روحانی جنگ میں مشغول ہیں یہ معمولی زمانہ نہیں ہے۔ معمولی سرگرمیاں غیر معمولی اوقات میں ناتوی

کر دیجاتی ہیں۔ اگر ہم ایک سال میں سوراج حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اسکے یہ معنی ہیں کہ تمام باتوں سے خالی الذہن ہو کر صرف ایک مقصد پر اپنی تمام توجہات کو مرکوز کر دیں۔ لہذا میں تمام ہندوستان کے تمام طلبار کو یہ مشورہ دینے کی جرأت کرتا ہوں کہ وہ اپنی لکھائی پڑھائی کو ایک سال کے لئے ملتوی کر دیں اور اپنے اوقات کو چرخہ کات کر سوت پیدا کرنے میں صرف کریں۔ یہ مادرِ وطن کی خاطر ان کی سب سے زیادہ خدمت اور حصول سوراج کے لئے انکی سب سے زیادہ قدرتی امداد ہوگی۔ گذشتہ جنگ کے دوران میں ہمارے حکمرانوں نے یہ کوشش کی تھی کہ سیسے کی گولیاں تیار کرانے کے لئے جملہ کارخانوں کو اسلحہ خانہ میں تبدیل کر دیں۔ ہماری موجودہ جنگ میں میرا یہ مشورہ ہے کہ ہمارے تمام قومی اسکول اور کالج ایسے کارخانوں میں تبدیل کر دئے جائیں جہاں قوم کے لئے سوت کے گولے تیار کئے جاویں۔ اس مشغلہ سے طلبار کا کوئی نقصان نہ ہوگا۔ بلکہ دونو جہان کے لئے ایک سلطنت حاصل کرلینگے۔ ہندوستان میں کپڑے کا قحط ہے۔ اس گرانی کو دور کرنے میں امداد کرنا قابل تعریف کام ہے۔ غیر ملکی سوت کا استعمال گناہ ہے۔ اور غیر ملکی سوت کو ترک کرنے سے جو کمی پیدا ہو جائیگی اسکو پورا کرنیکے لئے سودیشی سوت کا پیدا کرنا ایک بہت بڑی نیکی ہے۔ اسکے متعلق بدیہی سوال یہ ہوگا کہ اگر سوت کا تیار کرنا اسقدر ضروری ہے تو پھر کیوں ہر غریب آدمی کو اجرت دیکر اس کام کو پورا نہیں کیا جاتا۔ اسکا جواب یہ ہے کہ چرخہ کاتنا نور بافی یا نجاری کی طرح نہ تو پیشہ تھا اور نہ ہے۔ انگریزی راج سے قبل ہندوستان کی اقتصادیات کے ماتحت چرخہ کاتنا ہندوستانی عورتوں کے لئے ایک باعزت اور فرصت کا شغل تھا۔ جتنا وقت اسوقت ہمارے پاس موجود ہے اسکے اندر عورتوں میں اس ہنر کو دوبارہ زندہ کرنا مشکل ہے لیکن اسکول جانیوالے طلبار کیلئے یہ بالکل آسان اور سیدھی سادی بات ہے کہ وہ قوم کی آواز پر لبیک کہیں کسی شخص کو بھی یہ نہ چاہیئے کہ وہ اس کام کو طلبا، یا دیگر اشخاص کے لئے توہین آمیز سمجھ کر اسکی مذمت کرے۔ چرخہ ہندوستان کی عورتوں کے لئے صرف اسوجہ سے مخصوص تھا کہ ان کو کافی فرصت تھی اور چونکہ یہ ایک نہایت نفیس اور نغمہ خیز کام تھا۔ اور زیادہ محنت نہ کرنی پڑتی تھی لہذا عورتیں اسکی اجارہ دار ہو گئی تھیں۔ لیکن بلا شبہ جسطرح موسیقی مرد اور عورت دونوں کیلئے ایک دلپذیر چیز ہے اسی طرح چرخہ بھی ہر دو اصناف کے لئے ایک نفیس چیز ہے۔ چرخہ کاتنے میں عورتوں کی عفت کا تحفظ، قحط سالی کا علاج اور قیمت کی ارزانی پوشیدہ ہے اور اسی میں سوراج کا راز پوشیدہ ہے۔ چرخہ کو از سرِ نو زندہ کرنا اس گناہ کا کفارہ ہے جس کا ارتکاب ہمارے آبا، و اجداد نے غیر ملکی تاجروں کے شیطانی اثر کے سامنے سرِ تسلیم خم کر کے کیا تھا۔

اسکول جانیوالے طلبار چرخہ کاتنے کو دوبارہ باعزت درجہ تک پہونچا دینگے۔ یہ اسکو فیشن ایبل بنانے میں عجلت سے کام لینگے۔ کیونکہ کوئی ماں باپ اس کپڑے کو پہننے سے انکار نہ کریگا جسکا سوت اسکی اولاد کے ہاتھ کا کتا ہوا ہو اور اس حرفت کے متعلق طلبار کا عملی احساس ہندوستان کے جلاہوں کو اسکی طرف متوجہ ہونے پر مجبور کر دیگا۔ اگر ہمیں اپنے پنجابی بھائی کو سپاہی کے پیشہ سے نہیں بلکہ غیر ممالک کے آزاد اور بے گناہ لوگوں کو قتل کرنیکے پیشہ سے علیحدہ رکھنا منظور ہے تو ہم کو چاہیئے کہ پھر اسکو پارچہ بافی کا مشغلہ سپرد کر دیں۔ پنجاب کی پر امن جلاہوں کی نسل بالکل فنا ہو گئی۔ اب یہ پنجابی طلبار کے ہاتھ میں ہے کہ وہ پنجابی جلاہوں کو ان کے بے ضرر پیشہ کی طرف دوبارہ کھینچنے کے قابل بنا دیں۔

میں کسی آئندہ اشاعت میں یہ بتاؤنگا کہ مدارس میں اس تبدیلی کا نفاذ کرنا کس قدر آسان ہے اور ان شرائط پر

ہم اپنی اسکولوں اور کالجوں کو کتنی جلد قومیت کے رنگ میں رنگ سکتے ہیں۔ طلباء نے مجھ سے ہر جگہ یہ سوال کیا ہے کہ میں اپنے قومی اسکولوں میں کونسی جدید چیز جاری کرونگا۔ میں نے ہمیشہ انھیں یہی جواب دیا ہے کہ میں یقیناً چرخہ رائج کرونگا۔ میں نے اس سے پیشتر زیادہ واضح طور پر کبھی یہ محسوس نہیں کیا کہ اس زمانہ میں ہمیں اپنی تمام تر توجہ بلا شرکت غیر چرخہ کاتنے اور بعض دیگر قومی ضروریات کی طرف مبذول رکھنی چاہیئے تاکہ زمانہ ماضی کی فروگذاشتوں کی تلافی ہو جائے۔ اور طلباء جدید نصاب تعلیم میں داخل ہونے کے لئے زیادہ قابل اور مستعد ہو جاویں۔

کیا میں رفتار ترقی کو پسپا کرنا چاہتا ہوں؟ کیا میں ملوں کی جگہ چرخہ کاتنے اور ہاتھ سے کپڑا بننے کو رواج دینا چاہتا ہوں؟ کیا میں ریلوے کی بجائے بیل گاڑیاں چلانا چاہتا ہوں؟ کیا میری خواہش یہ ہے کہ مشینوں کو دنیا سے بالکل فنا کر دوں؟ یہ سوالات بعض جریدہ نگاروں اور دوسرے لوگوں نے مجھ سے دریافت کئے ہیں۔ میرا جواب یہ ہے کہ اگر مشینیں بالکل فنا ہو جاویں تو میں نہ اس پر گریہ وزاری کرونگا اور نہ اس کو کوئی بڑی تباہی خیال کرونگا۔ تاہم مشینوں کے متعلق میرا کوئی ارادہ اس قسم کا نہیں ہے۔ میں تو فی الحال صرف یہ چاہتا ہوں کہ ملوں کے ذریعہ سے جو سوت اور کپڑا تیار ہوتا ہے اسمیں اضافہ کیا جائے اور ہندوستان سے باہر جو کروڑہا روپیہ جاتا ہے اسکو بچایا جائے اور اسکو اپنے ہی گھروں میں تقسیم کر دیا جاوے لیکن میں اسکی تکمیل اُسوقت تک نہیں کر سکتا تا وقتیکہ قوم اس بات کیلئے تیار نہ ہو کہ اپنے فرصت کے اوقات کو چرخہ کاتنے میں صرف کرے۔ اس مقصد کے حصول کیلئے ہم کو ذرائع اختیار کرنے پڑینگے۔ میں نے چرخہ کاتنے کو بطور ذریعہ معاش نہیں بلکہ بطور فرض کے ہر دلعزیز بنانے کا مشورہ دیا ہے۔

نوٹ:۔ ہندوستان زراعتی ملک نہ تھا بلکہ اک حیرت انگیز صنعتی ملک تھا۔

جبکہ انگلستان نے ابھی کپڑا ابھی پہننا نہیں سیکھا تھا اُس زمانے میں سارے ہندوستان میں ہر قسم کا کپڑا بُنا جاتا تھا اور یہ سلسلہ سنہ ۱۸۲۵ء تک برابر جاری رہا۔

مچھلی پٹم سوتی کپڑوں کے لئے۔ کاما منڈل کا ساحل عمدہ چھینٹوں کے لئے، بنگال ململ کے لئے۔ لاہور اور کشمیر پشمینہ کے لئے۔ بنارس کمخواب اور نیم زری کے لئے ساری دنیا میں مشہور تھا۔

ارائن نامی یونان کا ایک مورخ لکھتا ہے کہ میں نے سارے ہندوستان کو ریشم ہی ریشم پہنے ہوئے دیکھا۔

جسوقت ہندوستان کی صنعت اور تجارت فروغ پر تھی تو صرف بنگال کے جلاہے ۶ کروڑ بنگالیوں کی ضرورت پورا کرنیکے بعد سولہ کروڑ روپیہ کا باریک کپڑا ہر سال ممالک غیر کو بھیجا کرتے تھے۔

چنانچہ سنہ ۱۸۰۱ء میں ہندوستان سے امریکہ کو ۱۳۶۳۳ گانٹھیں کپڑے کی گئیں۔

سنہ ۱۸۰۰ء میں ڈنمارک کو ۱۴۵۰۰ سنہ ۱۷۹۶ء میں پرتگال کو ۹۷۱۴ گانٹھیں گئیں۔

سوت اور کپڑے کی ارزانی ملاحظہ ہو:۔

سنہ ۱۷۹۰ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو ایک خط وصول ہوا تھا جسمیں لکھا تھا کہ سوت کی قیمت آٹھ روپیہ من سے دس روپیہ من تک ہے ایک اور خط سنہ ۱۸۲۳ء میں بروچ سے موصول ہوا تھا کہ ۴۰۔ اور ۶۰ نمبر کے سوت کی قیمت ۶ آنہ سے ۷ آنہ فی سیر تک ہے۔

ہر گھر میں چرخہ کی موجودگی کو میں ایسا ہی ضروری سمجھتا ہوں جیسا کہ چولھے کو

چرخہ کاتنے کا فرض) از قلم مہاتما گاندھی۔ ینگ انڈیا ۲ فروری ۱۹۲۱ء

"سوراج کا راز" کے زیر عنوان میں نے اس امر کے ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ چرخہ کاتنے سے ہمارے ملک کو کیا فائدہ ہوگا۔ مستقبل کے ہر نصاب تعلیم میں چرخہ کو لازمی کر دینا چاہیئے جس طرح ہم بغیر کھائے پیئے زندہ نہیں رہ سکتے اسی طرح چرخہ دوبارہ زندہ کئے بغیر اقتصادی آزادی حاصل کرنا اور اس قدیم ملک سے گدائی کو دور کرنا ناممکن ہے۔ میں ہر گھر میں چرخہ کی موجودگی کو اتنا ہی ضروری تصور کرتا ہوں جتنا کہ چولھے کو۔ ہندوستان کے روز افزوں افلاس کے مسئلہ کو کوئی دوسری اسکیم حل نہیں کر سکتی

(بقیہ صفحہ سابق) ایک اور خط ۱۷۵۹ء میں بنگال سے ملا تھا جس میں سوت کی قیمت ۱۸ فی سیر تھی۔

پٹنہ میں ۳ لاکھ ۳۰ ہزار چار سو چھبیس عورتیں، شاہ آباد میں ایک لاکھ ۷۵ ہزار پانچسو۔ گورکھپور میں ایک لاکھ چھتر ہزار چھ سو عورتیں چرخوں پر سوت کات کر ۳۵ لاکھ روپیہ سالانہ کماتی تھیں۔

اسی طرح دیناپور میں چھ لاکھ۔ اور پورنیہ میں ۱۵ لاکھ عورتیں سوت کاتنے کا کام کرتی تھیں۔

راہون ضلع جالندھر میں ایک کپڑا جسکو گھاٹی کہتے تھے بنا جاتا تھا اور اُس کے مقابلہ میں تین پی کا لٹھہ ہیچ تھا۔ ہمارے زمانہ میں جبکہ لٹھا پائجاموں کے لئے مخصوص ہے یہ گھاٹی اُسکا بدل تھی اسپر کتنے آدمیوں کی روزی کا دارمدار تھا۔

غریب بیوہ عورتیں سوت کاتنے والیں، سوت صاف کرنے والے، چھیڑہ باندھنے والے، اور پھر کنگھی اور کرگھے بنانے والے، اور جلاہے بننے والے الغرض اس اک کپڑے کی تیاری کے لئے اتنے پیشہ والوں کی گذراوقات تھی

ایسٹ انڈیا کمپنی جلد اول کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں کپڑا کتنا سستا تھا۔ سورت میں ایک خاص مضبوط کپڑا تیار ہوتا تھا جسکو "دھوتی" کہتے تھے۔ اسکا طول ۱۳ گز، عرض ایک گز۔ اسکے تھان کی قیمت ۱۶۰۹ء میں ۳؎ تھی۔

بڑودہ میں ۱۹½ گز ۴۰ انچ لمبا۔ ۱۳/۷ انچ چوڑا کپڑے کا تھان ۳؎ سے نہایت ۶؎ کو فروخت ہوتا تھا۔

ضلع پٹنہ میں ایک خاص قسم کا کلعت وار کپڑا بنتا تھا جسکی لمبائی ۱۰½ گز اور چوڑائی ایک گز ہوتی تھی اور یہ ۳؎ سے لیکر ۳ روپیہ تک فروخت ہوتا تھا۔

خیرآباد ضلع سیتاپور میں ایک نہایت نفیس کپڑا جسکا طول ۱۸¾ گز اور عرض بارہ گرہ ہوتا تھا ۳؎ فی تھان کے حساب سے فروخت ہوتا تھا۔ گویا سوا گز عرض کے پانچ گز کپڑے کی قیمت ۵۰ روپے سے زیادہ نہ تھی۔

بروچ میں ایک خاص کپڑا جسمیں سوت کے ساتھ کسی اور شے کے ریشے کی آمیزش سے بنا جاتا تھا جسکا طول ۱۴ گز عرض ۱ گز ہوتا تھا اُسکے تھان کی قیمت ۱۶۱۹ء میں ۵؎ تھی۔

اب سوال یہ ہے کہ ہر گھر میں چرخہ کو کس طرح رائج کیا جائے؟ میں بتا چکا ہوں کہ ہر قومی اسکول میں چرخہ کاتنا اور باقاعدہ سوت مہیا کرنا رائج کردیا جائے۔ جب ایک مرتبہ ہمارے لڑکے لڑکیاں اس حرفت کو سیکھ جائینگے تو وہ اپنے اپنے گھروں میں آسانی کے ساتھ اس کو رائج کردینگے۔

لیکن اس کام کے لئے تنظیم کی ضرورت ہے ایک چرخہ کم ازکم بارہ گھنٹہ روزانہ چلنا چاہیئے۔ ایک مشّاق چرخہ کاتنے والا فی گھنٹہ ایک تولہ سوت کات سکتا ہے۔ آج کل جو نرخ ہے اسکے اعتبار سے چالیس تولہ یا ایک پونڈ سوت کی قیمت چار آنے ہوتی ہے یعنی ایک پیسہ فی گھنٹہ۔ لہذا ہر چرخہ ایک دن میں تین آنے کما سکتا ہے۔ ایک مضبوط چرخہ کی قیمت سات روپئے ہوتی ہے۔ لہذا بارہ گھنٹہ روزانہ کام کرنے کے بعد ۳۸ دن سے کم مدت میں ہر چرخہ اپنی قیمت وصول

(بقیہ گذشتہ) ۱۷۷۵ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے ایک شخص کو مدراس اور بنگال میں از سرِنو اپنے کارخانے قائم کرنیکے لئے بھیجا تھا اُسکے روزنامچہ سے چند خاص باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

ڈھاکہ میں ۱۷۷۶ء میں عمدہ قسم کا ململ جسکے تھان کا طول ۲۰ گز ۱۲ انچہ اور عرض ۲ گز ہوتا تھا ۱۲۰ روپیہ فی تھان فروخت ہوتا تھا

سلی پٹم میں تن زیب کا سفید تھان طول ۲۳ گز عرض ۲ گز ۱۴۴ کو فروخت ہوتا تھا۔

شانتی پور میں ململ کا تھان طول ۳۲ گز عرض ۲ گز ۱۷۷۶ء میں ۱۲۰ کو فروخت ہوتا تھا۔

مالدہ میں نفیس آب رواں کے تھان (طول ۲۰ گز عرض ۲ گز) کی قیمت ۸ روپیہ سے لغایت ۱۲ روپیہ تھی۔

مندرجہ بالا حوالجات سرکاری یادداشتوں کے ہیں۔ ان سے واضح ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں ہندوستان میں کپڑا کس قدر سستا تھا اور جیسا نفیس اور مضبوط کپڑا اُسوقت تیار ہوتا تھا اب وہ کسی قیمت پر بھی تیار نہیں ہوسکتا۔ (از کلکتہ ریویو)

اٹھارہویں صدی کے آغاز تک یہ انگلستان کے گھروں کی زیب وزینت رہا اور جس گھر میں یہ کپڑا نہوتا تھا وہ داخل فیشن نہ سمجھا جاتا تھا

ایک انگریزی اخبار جو ۱۷۰۸ء میں شائع ہوتا تھا۔ انگریزوں کے طرزِ معاشرت پر اظہار افسوس کرتا ہوا لکھتا ہے:۔

بیشتر ہندوستان کی چھینٹ اور چھپے ہوئے کپڑے صرف فرش کے کام آتے تھے۔ مگر انگریز لیڈیاں انہیں پہننا پسند کرتی اور انکی دلدادہ معلوم ہوتی ہیں۔

ایک انگریزی مورخ مسٹر ولسن لکھتے ہیں کہ ۱۸۱۳ء تک ہندوستان کا بنا ہوا سوتی و ریشمی کپڑا انگلستان کے بازاروں میں وہاں کے بنے ہوئے مال کی نسبت پچاس ساٹھ روپیہ فیصدی سستا دستیاب ہوتا تھا لہذا ولایتی مال کی حفاظت کے لئے ہندوستانی کپڑوں پر ستر اسی فیصدی تک محصول لگایا گیا۔

لیکن جب انگریز اس محصول پر بھی خریداری سے باز نہ آئے تو ۱۸۹۹ء میں چھینٹوں پر ۲۶ پونڈ ۹ شلنگ اور ململوں پر ۳۰ پونڈ فیصدی تک محصول لگایا گیا۔

مالا بار میں ایک قسم کی باریک چھینٹ تیار ہوتی تھی اسکو تباہ کرنے کے لئے ۱۰ فی گز محصول لگایا گیا۔ اسپر بھی جب انگریز لیڈیوں نے اسکو پہننا نہ چھوڑا تو ۱۷۲۰ء میں ایک قانون جاری کیا گیا کہ جو لوگ اس کو فروخت کرینگے اُنپر دو سو روپیہ اور جو خرید کرینگے اُن پر پچاس روپیہ جرمانہ کیا جائیگا۔

کرسکتا ہے۔ میں اسکے متعلق کافی اعداد و شمار دیکھ چکا ہوں۔ اسکے بموجب جو شخص کام کریگا اسکا نتیجہ بہت حیرت انگیز ہوگا۔

اگر ہر سکول میں چرخہ رائج کردیا جائے تو تعلیم کو مالی امداد دینے کے متعلق ہمارے خیالات میں انقلاب ہو جائیگا۔ ہم چھ گھنٹے روزانہ اسکو چلا سکینگے اور طلباء کو مفت تعلیم دے سکیں گے۔ فرض کیجیئے کہ ایک لڑکا چار گھنٹے روزانہ چرخہ چلاتا ہے تو وہ ہر روز ۱۰ تولہ سوت پیدا کریگا اور اس طرح اپنے سکول کے لئے ایک آنہ فی یوم کمائیگا۔ فرض کیجیئے کہ وہ پہلے مہینہ میں بہت کم سوت پیدا کرتا ہے اور اسکول مہینہ میں صرف ۲۶ دن کھلا رہتا ہے تو لڑکا پہلے مہینہ کے بعد ۲/۸ ماہانہ کما سکیگا تیس لڑکوں کی ایک جماعت پہلے مہینہ کے بعد اڑتالیس روپیہ بارہ آنہ کی آمدنی ماہانہ پیدا کریگی۔

ادبی تعلیم کے متعلق میں نے کچھ نہیں کہا۔ اسکول کے چھ گھنٹے میں سے دو گھنٹہ اسکے لئے مخصوص کئے جا سکتے ہیں ہر اسکول کو بغیر زیادہ محنت و مشقت کے اسکی ذاتی آمدنی پر چلایا جا سکتا ہے اور قوم اپنے مدارس کیلئے تجربہ کار اُستاد ملازم رکھ سکتی ہے اس اسکیم کو عملی جامہ پہنانے میں سب سے بڑی دقت چرخہ کی ہے۔ اگر یہ صنعت عالمگیر ہوگئی تو ہمیں ہزارہا چرخے درکار ہونگے۔ خوش قسمتی سے گاؤں کا ہر بڑھئی آسانی کے ساتھ اس مشین کو بنا سکتا ہے۔ چرخوں کو کسی آشرم یا دوسری جگہ سے بذریعہ آرڈر منگانا سخت غلطی ہے۔ چرخہ کا حُسن ہی یہ ہے کہ وہ نہایت سادہ اور آسانی سے سمجھ میں آنے والا ہے اور ہر گاؤں میں بڑے سستے داموں نافذ کیا جا سکتا ہے۔

جو راہِ عمل میں نے تجویز کی ہے وہ صرف اس آزمائش اور صفائی قلب کے سال کیلئے مخصوص ہے جب امن و صلح کا زمانہ آجائیگا اور سوراج قائم ہو جائیگا اُسوقت چرخہ کاتنے کے لئے صرف ایک گھنٹہ کافی ہوگا اور باقی وقت میں ادبی تعلیم دیجائیگی۔

ایک برہنہ اور بھوکی عورت پیانو کیلئے ناچنے سے انکار کر سکتی ہے لیکن چرخہ کاتتے وقت وہ خوشی سے پھولی نہیں سماتی

(چرخہ کی طاقت) از قلم مہاتما گاندھی۔ ینگ انڈیا۔ ۱۶ فروری ۱۹۲۱ء

اخبار سرونٹ آف انڈیا نے بھی چرخہ کاتنے پر حملہ کیا ہے لیکن اسکا فعل جیسا کہ میں ابھی ظاہر کرونگا لاعلمی پر مبنی ہے۔ چرخہ کاتنا درحقیقت عورتوں کی عصمت کو محفوظ رکھتا ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ عورتیں جو عام شاہراہ پر کام کرتی ہیں اور عصمت دری کے خطرہ میں ہوتی ہیں وہ چرخہ کات کر اپنی حفاظت کر سکتی ہیں اور کوئی پیشہ بجز چرخہ کاتنے کے ایسا نہیں جسکو لاکھوں عورتیں اختیار کر سکیں۔ میں بذلہ سنج نامہ نگار کو اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ بہت سی عورتیں اپنے مقدس گھروں میں واپس آگئی ہیں اور چرخہ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ اسکے متعلق ان کا خیال ہے کہ یہ ایک ایسا شغلہ ہے جسمیں بہت سی برکتیں شامل ہیں۔ میرا دعویٰ

ہے کہ چرخہ میں ساز موسیقی کی بہت سی خصوصیتیں موجود ہیں کیونکہ ایک برہنہ اور بھوکی عورت پیانو کے ساتھ رقص کرنے سے انکار کر سکتی ہے لیکن میں نے دیکھا ہے کہ عورتیں چرخے چلتے ہوئے دیکھ کر خوشی سے شگفتہ ہو جاتی ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ یہ سمجھتی ہیں کہ اس دیہاتی آلہ کے ذریعہ وہ اپنا پیٹ بھر سکتی ہیں اور تن ڈھک سکتی ہیں۔

بیشک چرخہ ہندوستان کے افلاس کے مسئلہ کو حل کر سکتا ہے اور قحط کے مقابلہ میں بھی ایک ضمانت ہے۔ غالباً ظرافت پسند مضمون نگار آبپاشی اور امدادی کاموں کے متعلق ان خرابیوں سے واقف نہیں جن کو میں جانتا ہوں۔ یہ کام زیادہ تر دھوکے کی ٹٹی ہیں لیکن اگر میرے دانشمند ناصح ہر گھر میں چرخہ رائج کرنے کیلئے اپنا وقت صرف کریں تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ چرخہ قحط کے مقابلہ کے لئے ایک مکمل اور مضبوط سپر بن جائیگا۔ اسٹریا کی مثال دینی بالکل لغویات سے ہے میں بنی نوع انسان کے متعلق اپنی تنگ خیالی اور حدود کو تسلیم کرتا ہوں۔ میں صرف ہندوستان کے کامدھینو[1] کا خیال کر سکتا ہوں اور اسکا علاج چرخہ ہے کیونکہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی آمد سے پیشتر ہندوستان کے ہر ایک گھر میں چرخہ موجود تھا ہندوستان چونکہ روئی پیدا کرنیوالا ملک ہے لہذا باہر سے ایک گز سوت منگانا بھی جرم سمجھنا چاہیئے۔ مضمون نگار نے جن اعداد و شمار کو نقل کیا ہے وہ بے معنی ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ سنہ ۱۷-۱۹۱۶ء میں ہندوستان نے ۲۲۷٫۶ کروڑ پونڈ سوت تیار کرنے کے باوجود کئی کروڑ سوت غیر ممالک سے منگایا اور مشینوں اور جلاہوں نے اسکا کپڑا تیار کیا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مضمون نگار کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ملوں کے مقابلہ میں ہمارے جلاہے آج کل زیادہ کپڑا بنتے ہیں لیکن اس میں زیادہ حصہ بدیشی سوت کا ہوتا ہے اور اس طرح ہمارے جلاہے غیر ملکی سوت تیار کرنیوالوں کا ذریعہ معاش ہیں۔ میں اسکی مطلق پرواہ نہ کرتا بشرطیکہ ہم لوگ اسکے بجائے کسی اور کام میں مصروف ہوتے۔ جب چرخہ کاتنے کو جبریہ بند کیا گیا تھا تو اسکے بجائے بجز غلامی اور کاہلی کے اور کوئی مشغلہ نہ تھا۔ ہماری ملیں ہماری ضرورت کے موافق پورا سوت تیار نہیں کر سکتیں اور اگر انھوں نے پورا سوت تیار بھی کیا تو بھی جبتک انکو مجبور نہ کیا جاویگا وہ قیمتیں نہیں گھٹائیں گی۔ مل والے کھلم کھلا روپیہ پیدا کرنیوالے لوگ ہیں۔ اور لہذا قوم کی ضروریات کے مطابق وہ ہرگز قیمتوں کو ترتیب نہیں دینگے۔ لہذا چرخہ کاتنا اسلئے نکالا گیا ہے تاکہ کروڑہا روپیہ غریب گاؤں والوں کے ہاتھوں میں دیا جاسکے ہر زراعتی ملک میں ایک نہ ایک امدادی صنعت ایسی رہی ہے جو کسانوں کے خالی اوقات میں انکو مشغول رکھ سکے۔ ہندوستان میں قدیم ایام سے یہ صنعت چرخہ کاتنے کی تھی۔

یہ ایک ایسا خواب ہے جس سے ایک قدیم پیشہ کو از سر نو زندہ کیا جاویگا۔ اس قدیم صنعت کی تباہی نے ہی ہندوستان کو دریوزہ گری اور غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا ہے اور دستکاری کی وہ قابلیت جس سے کسی زمانہ میں ہندوستان کی حیرت انگیز عمارات قائم تھی اور جسکی وجہ سے ہندوستان تمام دنیا کیلئے قابل رشک تھا آج مفقود ہو گئی۔

اب میں چند اعداد و شمار دینا چاہتا ہوں۔ ایک لڑکا اگر ۴ گھنٹے روزانہ چرخہ چلائے تو ¼ پونڈ سوت کات سکتا ہے اس حساب سے ۶۴۰۰۰ طلبا ایک دن میں ۱۶۰۰۰ پونڈ سوت کاتینگے اور اس صورت میں آٹھ ہزار جولاہوں کی روزی کا

---

[1] کامدھین اس گائے کو کہتے ہیں جو ہمیشہ دودھ دیتی ہے۔

انتظام کردینگے لیکن طلبا اور دوسرے لوگوں کو اس صفائی قلب کے زمانہ میں چرخہ کاتنے کو ہر دل عزیز بنانے، ہاتھ کے کتے ہوئے سوت میں اضافہ کرنے اور سال رواں کے دوران میں تمام ضرورت کو پورا کرنے کے لئے بطور کفارہ چرخہ کاتنا پڑیگا ممکن ہے کہ قوم اس میں تساہل کرے لیکن اگر سب لوگ اس کام میں مشغول ہوجاویں تو بلاشبہ ایک آسان کام ہے۔ اس میں بہت تھوڑی قربانی کی ضرورت ہے اور اگر اس سے کچھ بھی فائدہ نہو تب بھی ۶۰ کروڑ روپیہ کی یہ آمد اس سے رک جائیگی۔ میں نے اس معاملہ میں متعدد کارخانہ داروں، اقتصادیات کے جاننے والوں اور کاروباری لوگوں سے مشورہ کیا ہے اور جو صورت ان کے سامنے پیش کی گئی ان میں سے کوئی شخص بھی اسکی تردید نہ کرسکا۔ میں امید کرتا ہوں کہ "ینگ انڈیا" کا "سہر و تٹ آف انڈیا" بھی اہم مضامین پر متانت اور صحیح اطلاعات بہم پہونچا کر رائے زنی کیا کریگا۔

قحط ہمارے سامنے منہ پھاڑے ہوئے کھڑا ہے

قحط کی ضمانت) از قلم مہاتما گاندھی ینگ انڈیا ۱۶ مارچ ۱۹۲۱ء

جسوقت میں نے یہ تحریر کیا تھا کہ چرخہ قحط کی ضمانت میں ایک گھریلو آلہ ہے تو اُس وقت ان الفاظ کی اہمیت کے متعلق میں نے بہت کم احساس کیا تھا جو باتیں میں نے اسوقت دلائل کی عینک سے سرسری طور پر دیکھی تھی اب میں اُسکو تجربہ کی روشن آنکھ سے صاف طریقہ پر دیکھ رہا ہوں۔ جبکہ احمد نگر بیجاپور اور گجرات کے بعض حصوں میں قحط ہمارے سامنے منہ پھاڑے کھڑا ہے ہمارے لئے ضروری ہے کہ چرخہ کے ذریعہ سے جو کچھ ضمانت حاصل ہوسکتی ہو اُسپر سنجیدگی کے ساتھ غور کریں۔

میں چند اعداد و شمار دینا چاہتا ہوں۔ ایک چرخہ کی قیمت فرض کیجئے چھ روپیہ ہوتی ہے اگر ہم تین افراد کے خاندان کو دو چرخے سپرد کردیں اور اس خاندان کے یہ تینوں افراد بجائے خود آٹھ گھنٹہ کام کریں تو ان کو ۶ر روزانہ کی آمدنی ہوگی میرا دعویٰ ہے کہ مصیبت کے زمانہ میں ۶ر روز کی آمدنی ایک خاندان کی ضروریات کو پورا کرسکے گی۔ میرا خیال ہے کہ یہ لوگ ۴ گھنٹہ روزانہ فرصت کے اوقات میں گھروں میں بیٹھکر یہ کام کرسکتے ہیں اس سے وہ پچاس فیصدی کا اپنی آمدنی میں اضافہ کرینگے۔ گویا ۹ر روزانہ کمائینگے اسکے یہ معنی ہوئے کہ بارہ ہزار روپیہ کے خرچ سے ہم چار ماہ تک ایک ہزار خاندانوں یعنی تین ہزار افراد کے مصارف برداشت کرسکینگے اور اسکے معاوضہ میں اُن سے

$$\frac{\text{۱۰۰۰ خاندان} \times \text{۶ آنہ} \times \text{۱۲۰ دن}}{\text{۱۶}} = \text{۴۵۰۰۰ روپیہ}$$

پینتالیس ہزار روپیہ

کی قیمت کا کام لینگے۔ اسمیں شک نہیں کہ قحط ریلیف کے انتظام کے لئے ہمیں اول اول دھنی ہوئی روئی اور چرخوں کے علاوہ پینتالیس ہزار روپیہ کا انتظام کرنا ہوگا۔ قحط زدہ لوگ جسقدر سوت تیار کرینگے وہ سب کا سب قوم کے استعمال میں آئیگا۔ پہلے مہینہ میں جبکہ چرخہ کاتنا سکھایا جائیگا تو اس میں شک نہیں کہ کسیقدر روپیہ خراب ہوگا میں نے لفظ "کسیقدر" سوچ سمجھ کر استعمال کیا ہے کیونکہ اسمیں بھی روئی تمام کی تمام ضائع نہیں ہوگی۔

پھر فرض کیجئے کہ اگر ہم ان خاندانوں کو چرخے مہیا کردیں تو ان کو کبھی سرمایہ کی کمی یا کام کی کمی کی ضرورت نہ ہوگی۔ آئندہ انھیں

جس چیز کی ضرورت ہوگی وہ صرف روئی کی فراہمی اور تیار شدہ سوت کی فروختگی ہوگی۔ یہ تجربہ لامحدود طریق پر بڑھایا جا سکتا ہے اور میں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ اگر ہم ہر گھرانہ میں چرخہ رائج کر دیں تو قوم کو عملاً قحط سے محفوظ کر دینگے۔ میں نے یہ مان لیا ہے کہ قحط روپیہ کا ہے۔ اور اگر سرمایہ موجود ہو تو قحط زدہ رقبہ غلہ خرید سکتا ہے۔ تین سال گذرے کہ کھیدا میں اور ایک سال سال کا عرصہ ہوا کہ اڑلیسہ میں اور امسال بیجاپور اور گجرات میں صورت حالات وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔ میں پبلک کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ اس تجربہ کا امتحان کرے۔ میں سخاوت پسند لوگوں سے کہونگا کہ وہ گورنمنٹ کی مرتبہ انجمنوں میں روپیہ دیکر اپنی سخاوت کو برباد نہ کریں کیونکہ اس سے لوگوں کی مصیبت میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ میں انہیں مشورہ دیتا ہوں کہ معتمد کارکنوں کی کمیٹیاں خود مرتب اور خود اس تجربہ کی آزمائش کریں۔ وہ بلا شبہ دیکھینگے کہ اس میں ناکامی یا خسارہ کا کوئی امکان نہیں اور گمان غالب ہے کہ جن خاندانوں کو امداد دیجائیگی وہ اپنی ٹانگوں پر خود کھڑے ہو جائینگے اور کبھی یہ محسوس نہ کرینگے کہ ان کی روزی کا دارومدار خیرات عامہ پر ہے۔

کسی شخص کو بھی اس دھوکہ میں نہ پڑنا چاہئے کہ چرخہ ایک وقت کا کھلونا ہے۔ ہزارہا چرخے تیار ہو چکے ہیں اور چل رہے ہیں ہر مہینہ کئی ہزار روپیہ غریب اور مفلس گھروں میں تقسیم کیا جارہا ہے۔ اگر چند ماہ ایمانداری اور محنت کے ساتھ کام کیا گیا تو چرخہ کی بنیاد مضبوط ہو جائے گی

ایک عورت نے اپنے آپکو اور اپنے بچوں کو صرف اسوجہ سے پانی میں غرق کردیا کہ وہ انتظام معاش نہ کرسکی

امداد قحط) از قلم مہاتما گاندھی ینگ انڈیا۔ ۶ راکتوبر ۱۹۲۱ء

اضلاع متقابہ Ceded Districts کا دورہ کرنے سے متعدد ثبوت بہم پہونچ گئے ہیں کہ چرخہ قحط کے مقابلہ میں سب سے بڑی ضمانت اور بہترین ذریعۂ امداد ہے۔ ان اضلاع کے بعض حصوں میں قحط بڑی شدت کے ساتھ پھیل رہا ہے ایک کارکن نے مجھے بتایا کہ ایک عورت نے اپنے آپکو اور اپنے بچوں کو صرف اسوجہ سے پانی میں غرق کر دیا کہ چونکہ وہ انتظام معاش نہ کرسکی۔ لاکھوں آدمیوں میں خیرات تقسیم کرنا ممکن نہیں علاوہ ازیں جو لوگ خیرات پر بسر اوقات کرتے ہیں خودداری اُن میں سے مفقود ہو جاتی ہے۔ قحط کی وجہ یہ نہیں ہے کہ رقبہ قحط زدہ میں غلہ موجود نہیں بلکہ لوگوں کے پاس کوئی کام کرنیکے لئے نہیں اور لہٰذا ان کے پاس روپیہ بھی نہیں۔ حکومت کی طرف سے امدادی کام صرف اسقدر ہے کہ عوام پتھر کوٹیں اور انکی ڈھلائی کریں۔ میرے ایک دوست نے بتایا تھا کہ گورنمنٹ مصیبت زدہ مردوں اور عورتوں کے لئے کام

بہم پہونچانیکی خاطر سڑکوں کو تڑوا تی ہے اور پھران کی مرمت کراتی ہے۔ سڑکیں توڑ وائی جاویں یا نہ توڑ وائی جائیں گورنمنٹ کے پاس امدادی کام صرف مرمت کرانیکا ہے مجھے معلوم ہوا ہے کہ عورتوں کی مزدوری ایک آنہ یا پانچ پیسہ ہیں اور مردوں کو دس پیسے سے زیادہ اور کچھ نہیں ملا۔ برخلاف اسکے ایک کانگرس کمیٹی نے پنچاما کی عورتوں کو جنھوں نے فی یوم ۸ گھنٹے چرخہ چلایا تین آنہ فی کس روزانہ ادا کئے ہیں۔ پنچاما کی عورتوں کے لئے جو کچھ کیا گیا ہے وہی دوسرے مقامات پر ہزار ہا قحط کے مارے ہوئے مردوں اور عورتوں کے لئے بھی کیا جا سکتا ہے۔ ان اضلاع میں تین آنہ روزانہ مردوں کیلئے ایک حقیقی عطیہ ہے لیکن چرخہ میں جو امکانات ہیں وہ دوسرے کسی پیشہ میں نہیں کیونکہ اس میں روئی اوٹنا، اسکا دھننا اور ان سب کے بعد کپڑا بننے کا طریقہ عمل موجود ہے۔ اضلاع متعلقہ میں بغیر دشواری لیبار کپڑا بننا سکھایا جا سکتا ہے۔ اور اگر کپڑا بننے کے تمام کام کو منظم کرلیا جاوے تو ہزار ہا آدمی گھر بیٹھے ایک مستقل پیشہ حاصل کر سکتے ہیں۔ ہر کارکن نے اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ مصیبت زدہ لوگوں و بیشتر کارکنان نے چرخہ کے امکانات کو محسوس کرنا شروع کردیا ہے اور عوام کا پیمانہ امیدوں سے لبریز ہے اور کارکنوں نے ہر جگہ چرخہ کاتنے اور کپڑا بننے کا کام شروع کردیا ہے۔ میری ملاقات ایسے لوگوں سے ہوئی ہے جو میرے اس بیان کا مضحکہ اڑایا کرتے تھے کہ چرخہ کاتنا قحط کے خلاف بہترین ضمانت ہے لیکن عملی تجربہ نے انہیں اسکی سچائی کا یقین دلادیا۔

میں جانتا ہوں کہ یہ تغیر کا محض آغاز ہے لیکن جب یہ مکمل ہوجائیگا تو پھر مضبوط ہاتھ والے مرد اور عورتوں کو بھیک مانگنے یا بھوکا مرنے کی ضرورت درپیش نہ ہوگی۔ آج قحط سالی کا یہ ذلت آمیز اور سبک منظر ہمارے پیش نظر ہے کہ ہزار ہا انسان جو کام کرنیکے قابل ہیں خیرات پر بسر اوقات کر رہے ہیں اور نفع رساں مشغلہ نہ ہونیکی وجہ سے آدھے پیٹ کھانا کھاتے ہیں۔

لہذا میں کانگرس اور خلافت کے کارکن کو مشورہ دیتا ہوں کہ وہ تمام سرگرمیوں کو پس پشت ڈالکر چرخہ کاتنے اور ہاتھ سے کپڑا بننے کی تنظیم کرے۔ ہمیں آرام کرنے اور پیٹ بھر کر کھانے پر اسوقت تک شرم محسوس کرنی چاہئے جبتک کہ ایک تندرست مرد یا عورت بھی بغیر غذا یا کام کے ہندوستان میں موجود ہو۔ میں دولتمند لوگوں کو منع کردوں گا کہ وہ مفت کھانا یا بلاامتیاز خیرات تقسیم نہ کریں۔ اگر ہم ہندوستان کو ایسی دو جماعتوں میں تقسیم کردیں گے کہ ایک جماعت تو خیرات تقسیم کرے اور دوسری جماعت اسکو وصول کرے تو آئندہ نسلیں ہم پر لعنت کریں گی۔ اگر ہم قوم میں خودداری کو قائم رکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں چاہیئے کہ آئے دن کے کال کا بندوبست کریں۔ لہذا وہ لوگ جو غریبوں کا پیٹ بھرنا چاہتے ہیں اُن کو چاہیئے کہ غربا کے لئے چرخوں کا بندوبست کریں اور اس کے طریقہ عمل کے لئے آسانیاں بہم پہونچائیں۔

مجھے ململ میں کوئی خوبی نظر نہیں آتی کیونکہ وہ جسم کو ڈھکنے کے بجائے عریاں رکھتی ہے

چرخہ کا پیغام) از قلم مہاتما گاندھی۔ ینگ انڈیا ۲۹ جولائی ۱۹۲۱ء

انڈین سوشیل ریفارمر نے اپنے ایک نامہ نگار کا نوٹ چرخہ کی تعریف میں شائع کیا ہے۔ نامہ نگار نے دوران تحریر میں یہ امید ظاہر کی ہے کہ اس تحریک کی تنظیم اس طرح پر کیجائے جس سے چرخہ کاتنے والے اُکتا نجائیں۔ مسٹر امرت لال ٹھاکر اپنے ایک بیش قیمت مضمون میں جو اخبار سرونٹ آف انڈیا میں شائع ہوا ہے کاٹھیاواڑ کے تجربہ پر لکھتے ہیں کہ کسانوں کی عورتوں نے چرخہ کاتنا اختیار کرلیا ہے۔ غالباً یہ لوگ چرخہ کاتنے سے نہ اُکتائینگے۔ کیونکہ انکے نزدیک یہ ایک ذریعہ معاش ہے جسکے وہ زمانہ ماضی میں عادی تھے۔ اب یہ پیشہ بیکار ہوگیا کیونکہ انکے تیار کردہ سوت کی کوئی پرسش نہیں رہی۔ شہری لوگ اگر انہوں نے چرخہ کاتنا محض فیشن سمجھکر یا کسی دیوانگی میں اختیار کرلیا ہے تو ممکن ہے کہ اس سے اکتا جائیں لیکن صرف وہی لوگ ثابت قدم رہینگے جو آج ملک کی خاطر اپنے فرصت کے اوقات میں چرخہ کاتنے کو اپنا فرض خیال کرتے ہیں۔ تیسرے درجہ کے چرخہ کاتنے والے مدارس کے طالب علم ہیں۔ قومی مدارس میں چرخہ کے رواج کے تجربہ سے مجھے بہت زیادہ توقعات ہیں۔

انڈین سوشل ریفارمر کا نامہ نگار تجویز کرتا ہے کہ چرخہ کے ذریعہ سے زیادہ باریک اور عمدہ سوت کاتنے کی کوشش کرنی چاہئے میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ کام شروع ہوگیا ہے لیکن ڈھاکہ کی ململ تیار کرنے کیلئے ابھی وقت درکار ہے یہ دیکھتے ہوئے کہ چرخہ کاتنا گذشتہ ستمبر میں دوبارہ رائج ہوا ہے اور ہندوستان نے صرف ماہ دسمبر میں اسکا احساس کیا ہے۔ جو کچھ ترقی ابتک ہوئی ہے اسی کو قابل تعریف سمجھنا چاہئے۔

نامہ نگار کی یہ شکایت کہ جس تیزی سے سوت چرخہ کے ذریعہ سے کاتا جاتا ہے اسی تیزی کے ساتھ بُنا نہیں جاتا۔ جزوی طور پر درست ہے لیکن اسکا علاج یہ نہیں ہے کہ کرگھوں کی تعداد میں اضافہ کیا جاوے۔ بلکہ جلاہوں کو اس بات پر مائل کرنا چاہئے کہ وہ ہاتھ کا کتا ہوا سوت استعمال کریں۔ کپڑا بُننا چرخہ کاتنے سے زیادہ پیچیدہ کام ہے۔ یہ چرخہ کاتنے کی طرح محض ایک امدادی صنعت نہیں ہے بلکہ بسر اوقات کا ایک مکمل ذریعہ ہے اور اسی وجہ سے یہ ہندوستان سے مفقود نہیں ہوا۔ ہندوستان میں اتنے کافی جلاہے اور کرگھے موجود ہیں کہ غیر ملکی کپڑے کی تمام درآمد کی جگہ لے سکتے ہیں۔ یہ سمجھنا کہ ہمارے کرگھے (جو مدراس مہاراشٹر اور بنگال میں ہزارہا کی تعداد میں موجود ہیں) مانچسٹر اور جاپان کے درآمدہ سوت سے کپڑا تیار کرتے ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ ہاتھ کے کتے ہوئے سوت کا کپڑا بُننے میں انہیں استعمال کریں۔ اور اس مقصد کے حصول کیلئے قوم باریک بھڑکدار لیکن نکمّی ململ کے شوق پر نظر ثانی کرے۔ مجھے ململ میں کوئی خوبی نظر نہیں آتی کیونکہ وہ بدن کو ڈھکنے کے بجائے عریاں رکھتی ہے۔ لباس کی خوبی کے متعلق ہمارے خیالات میں تغیر ہونا چاہئے۔ بایں ہمہ اگر معمولی حالات کے

ماتحت عام طور پر باریک کپڑا پہننے کو پسندیدہ بھی خیال کر لیا جائے تو بھی اس وقت جبکہ ہم آزادی حاصل کرنے اور اپنی ٹانگوں پر کھڑے ہونے کی زبردست جدوجہد کر رہے ہیں ہاتھ کے کتے ہوئے سوت کا کپڑا پہننے پر ہمیں قناعت کرنی چاہیئے۔ لہذا ایک طرف ہمیں فیشن ایبل لوگوں سے یہ کہنا ضروری ہے کہ وہ زیادہ بھدے اور موٹے لباس سے مطمئن ہو جاویں اور دوسری طرف چرخہ کاتنے والوں کو تعلیم دینی چاہیئے کہ وہ زیادہ تعداد میں نفیس سوت تیار کریں

نامہ نگار مذکور کہتے ہیں کہ کارخانے والے جو قیمتیں اپنی اشیاء کی طلب کرتے ہیں انمیں تخفیف ہونی چاہیئے میں کہتا ہوں کہ جب سودیشی سے محبت کرنیوالے کھدر کے استعمال کو اپنا فرض سمجھنے لگیں گے اور جتنے چرخوں کی ضرورت ہے وہ رائج ہو جائینگے اور جلاہے ہاتھ کے کتے ہوئے سوت کا کپڑا تیار کرنے لگینگے تو اسوقت کارخانہ والوں کو مجبوراً قیمتوں میں تخفیف کرنی پڑے گی۔ جن لوگوں کا سب سے بڑا مقصد اپنے نفع میں اضافہ کرنا ہو ان کے جذبات حب الوطنی سے اپیل کرنا محض بے سود ہے۔

جن مختلف باتوں کی طرف نامہ نگار مذکور نے اشارہ کیا ہے مثلاً یہ کہ بیاہ موقعوں پر کھدر کا استعمال اور دیگر اوقات میں نہایت فیشن ایبل انگریزی لباس کا پہننا نیز کھدر پوشوں کی نہایت قیمتی سگار پینے کی عادت یہ سب اُسوقت مفقود ہو جائینگی جبکہ ایک جدید فیشن طاقت حاصل کر لیگا۔ میرا دعویٰ ہے کہ جسوقت ہم بدیشی کپڑے کے بائیکاٹ کو مکمل کر لینگے تو اسوقت موجودہ تمام لغویات خود بخود ترک ہو جاوینگی اور عوام کے دلوں میں سادگی اور خانہ داری کا نصب العین جاں گزیں ہو کر ہماری قومی زندگی کی از سر نو ترتیب ہو جائیگی۔ اسوقت ہمیں ایسی شہنشاہیت میں گھسٹے کر جانا نہ پڑیگا جسکی تعمیر کرۂ ارض کی کمزور نسلوں کی لوٹ کھسوٹ اور ایک ایسی حریص مادی تہذیب کے قبول کرنے پر قائم ہے جو بحری اور ہوائی طاقتوں کی پناہ میں ہے اور جس نے پُر امن زندگی کو قریب قریب ناممکن بنا دیا ہے اسکے برخلاف ہم اس شہنشاہیت کو اقوام کی دولت مشترکہ میں منتقل کر دینگے جو روئے زمین کی کمزور قوموں اور نسلوں کی حفاظت کرنے اور دنیا کو بہترین امداد دینے میں ایک دوسرے سے متحد ہو جاوینگی۔ عدم تعاون کا مقصد عالم خیال میں اس قسم کا انقلاب پیدا کرتا ہے اور یہ انقلاب چرخہ کی مکمل کامیابی کے بعد پیدا ہو سکتا ہے۔ ہندوستان اس پیغام کو دنیا کے سامنے پیش کرنیکے لیئے اُسوقت موزوں ہو سکتا ہے کہ جب وہ تحریصوں اور بیرونی حملوں کو اپنے اندر جذب کرنیکا مادہ پیدا کر لیگا۔ اور اپنی دو اہم ضروریات یعنی غذا اور لباس کا پورا انتظام کر لے گا۔

استقلال سے متواتر کام کرنیکی قابلیت پیدا کرنا ہی سوراج ہے اور یہی یوگ ہے

(ایک غلطی کا اعتراف) از قلم مہاتما گاندھی۔ ینگ انڈیا ۱۸ اگست ۱۹۲۱ء

ایشور ہی جانتا ہے کہ میں نے کتنی بار غلطی کی ہے۔ جو لوگ مجھے خطا و نسیان سے مبرا سمجھتے ہیں وہ مجھ سے واقف نہیں

مجھے میرے ذاتی تجربہ نے یہ سبق دیا ہے کہ میں اس حقیقت سے آگاہ ہوں اور اسکی قدر کروں کہ زندگی غلطیوں کے مقابلہ میں جد وجہد کرنیکا ہی نام ہے۔ جب سنہ ۱۹۱۹ء میں میں نے سول نافرمانی کو جاری کیا تو میں نے دیکھا کہ یہ ایک زبردست غلطی تھی۔ جونہی میں نے اس کوتاہ اندیشی کو ہمالیہ کے مقام پر محسوس کیا تو سمجھ لیا کہ میرا اندازہ سرتاسر غلط تھا، یہ کوئی مبالغہ نہ تھا بلکہ اگر ہندوستان نے اپنی اخلاقی ترقی کو ضائع نہیں کیا تو اسکی وجہ صرف یہ تھی کہ میں نے دانشمندی کے ساتھ اپنی غلطی کا پورے طور پر اعتراف کرلیا تھا، اسی طرح سودیشی کے چند سرگرم ہفتوں میں جو غلطی ہوئی ہے میں اسکا بھی اعتراف کرنا چاہتا ہوں۔ طلبا اور پروفیسران کے سامنے میں دوران گفتگو میں اپنی غلطی کا اقرار کرچکا ہوں لیکن میرے دماغی سکون اور موجودہ پروپگنڈا کے لئے ضروری ہے کہ میں علانیہ اپنے قصور کا اعتراف کروں

نو ماہ کے تمام تجربہ نے سرکاری درسگاہوں کو بائیکاٹ کرنیکی صحت پر مجھے یقین دلا دیا ہے لیکن اسکے بالمقابل جو تجویز پیش کیگئی تھی اسکے متعلق میں کمزوری محسوس کرتا تھا اور یہ کمزوری صرف اس وجہ سے تھی کہ مجھ میں اس یقین کو عملی جامہ پہنانیکی طاقت نہ تھی میں نتائج کو خدا کے سپرد کرنیکے بجائے خود ان کا خیال رکھتا تھا اور لہذا اپنی کمزوری میں میں نے کہا کہ طلبا مدارس چھوڑنیکے بعد گلیوں میں پھریں یا اسی نصاب تعلیم کو اختیار کریں۔ اور یا سب سے بہتر یہ ہو کہ سوراج قائم ہونے تک چرخہ کاتیں۔ ناگپور کانگریس کی قرارداد کے بعد میں نے فوراً معلوم کیا کہ جو تجاویز طلبا کے متعلق میں نے پیش کی تھیں وہ غلط تھیں لیکن یہ برائی عالم وجود میں آچکی تھی۔ اور اسکا آغاز گذشتہ ماہ ستمبر میں ہوا تھا۔ جنوری میں میں نے اپنے قدم پیچھے ہٹانے شروع کردئے لیکن تلافی مافات ہمیشہ پیوند لگانے کی مانند ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر قومی مدارس میں چرخہ محض ایک کاہلانہ تفریح طبع بن گیا ہے۔ مجھے ابتدا ہی میں دلیری کے ساتھ یہ کہہ دینا چاہئے تھا کہ تعلیمی درسگاہوں کے بائیکاٹ کے سلسلہ میں ہاتھ سے کاتنا اور ہاتھ سے کپڑا بننا اس اسکیم کا ایک جزو لاینفک ہے۔ یہ سچ ہے کہ اس حقیقت سے آگاہ ہونیکے بعد چند ہی لڑکے درسگاہوں سے باہر آئے لیکن یہ طلبا ان ہزارہا طلبا سے کہیں زیادہ اہم کام سرانجام دیتے جنھوں نے اسکول اور کالجوں کو بغیر کسی مخصوص خیال کے خیرباد کہا ہے۔ یہ چند طلبا اب تک چرخہ کاتنے اور بورباتی کے فن میں ماہر ہوجاتے۔ اور ہمارا سودیشی کا کام زیادہ آسان ہوجاتا مجھے اس بات کا علم ہے کہ عدم تعاونی اسکولوں میں طلبا اور پروفیسران اپنی انتہائی جد وجہد کررہے ہیں۔ لیکن یہ اقرار کرنا پڑیگا کہ انکی تمام محنت ومشقت ایک مخصوص شرط کے ماتحت ہے۔ جب ان لوگوں نے اسکولوں کو چھوڑا تو انکو چرخہ پر بالخصوص اور سودیشی پر بالعموم کوئی یقین نہ تھا، انھوں نے محض تعلیمی نقطۂ نگاہ سے اس مسئلہ پر غور کیا تھا اور اسکا ان کو حق بھی حاصل تھا۔ ان کے نزدیک صرف اتنا کافی تھا کہ تعلیمی درسگاہوں کا مقاطعہ کرکے انھوں نے حکومت کے وقار کو کم کردیا۔ اب ان سے یہ کہنا انپر گراں گذرتا ہے کہ انکے بائیکاٹ کی تکمیل سوت تیار کرنے اور کھدر بنانے پر مشتمل ہے نیز یہ کہ دوران جنگ میں جدید طریقۂ تعلیم کے ابتدائی قواعد یہ ہیں کہ چرخہ کاتنے اور کپڑا بننے کے طریقوں کو سیکھا جائے لیکن چونکہ غلطی ہوچکی ہے لہذا مجھے کم از کم اسکی اتنی سزا ضرور بھگتنی چاہئے کہ میں کے ساتھ شک وشبہ کرنیوالوں کو یہ یقین دلاؤں کہ اگر عدم تعاون کی تعلیمی دفعہ میں چرخہ کاتنے پر زور دیا جاتا تو بہت ہی اچھا ہوتا۔ جو لوگ

میرے بہ خیال ہیں ان کو میں دعوت دیتا ہوں کہ عجلت کے ساتھ تلافی مافات کریں اور جن قومی درسگاہوں پر انکا اثر ہے انہیں سوت بنانے اور کھدر تیار کرنے کیلئے سرگرمی سے کام کریں۔ غالباً وہ مجھ سے استاد مہیا کرنیکا مطالبہ نکرینگے کیونکہ میرے پاس محض معدودے چند لوگ ہیں لیکن میں ان کے لئے طریقۂ عمل لکھے دیتا ہوں، پہلے گھٹوں کی روئی کو جو آج کل عام طور سے استعمال کیجا رہی ہے، استعمال کرنا چاہیئے، یہ روئی پہلے دُھنی جائے۔ ہندوستان میں کوئی ضلع ایسا نہیں جہاں روئی دُھننے والے (یعنی بنجارے یا دُھنے) موجود نہوں۔ یہ لوگ روئی دُھنیں۔ اور اگر کوئی شخص محض ایک یا دو دن ان لوگوں کو روئی دُھنتے ہوئے دیکھے تو وہ روئی دھننے کے طریقہ کو سمجھ سکتا ہے۔ اور اگر روزانہ چھ گھنٹہ اسپر محنت کیجائے تو ایک ہفتہ کی مشق میں ہر شخص اچھی طرح روئی دُھن سکتا ہے دُھنی ہوئی روئی کی پونی بنائی جاویں جو درحقیقت ایک سادہ اور ایک آسان کام ہے۔ اسکے بعد گویا چرخہ کاتنے کے لئے روئی تیار ہوگئی۔ اب کاتنا کسی مشاق چرخہ کاتنے والے سے سیکھا جا سکتا ہے۔ سوت جو کاتا جائے وہ میلا نہو، اور بالکل یکساں ہو، اور اچھی طرح بٹا ہوا ہو، اگر سوت یکساں بٹا ہوا نہوگا تو اس سے کپڑا نہیں بنا جا سکے گا۔

دوسرا کام کلف لگانے کا ہے۔ اسکی مشق کرنا کسی قدر مشکل ہے۔ میرے پاس کوئی ایسا اصولی قانون نہیں جو بتا سکوں، اسکو کسی تجربہ کار جلاہے سے سیکھنا چاہیئے۔ اسکے بعد کپڑا بننے کا کام ہے۔ اسکا انحصار محض مشق پر ہے۔ ہر شخص اسکے اصول کو ایک دن میں سیکھ سکتا ہے۔ ناظرین کو اسپر متحیر نہونا چاہیئے کہ اسکے طریقہ کار کو کس آسانی کے ساتھ سیکھا جا سکتا ہے۔ تمام قدرتی اور ضروری کام آسان ہوتے ہیں۔ صرف انہیں مہارت کاملہ پیدا کرنیکے لئے مستقل مشق اور مستقل مزاجی کے ساتھ کام کرنیکی ضرورت ہے۔ استقلال سے کام کرنیکی قابلیت پیدا کرنا ہی سوراج ہے اور اسی کو یوگ کہتے ہیں۔ اخبار پڑھنے والے کو تواتر شغل سے کبھی خوفزدہ نہونا چاہیئے۔ تواتر قانون قدرت ہے۔ سورج کی طرف دیکھئے کس تواتر کے ساتھ روزانہ طلوع ہوتا ہے۔ اور پھر غور کیجئے کہ اگر سورج متلون مزاج ہو جائے اور تفریح طبع میں جدت پیدا کرنے کی خاطر غروب ہو جائے تو سارے جہان پر کیسی آفت نازل ہوگی لیکن تواتر ہی اشیاء کو قائم رکھتا ہے۔ اور وہی ان کا ہلاک کرنیوالا ہے۔ ضروری پیشوں میں تواتر کا ہونا جان بخش اور مسرت انگیز ہوتا ہے۔ ایک صناع اپنے پیشہ سے کبھی نہیں اُکتاتا۔ ایک چرخہ کاتنے والا جو اپنے ہنر میں کامل ہو یقیناً بغیر تکان محسوس کئے اپنے کام میں مستقل رہ سکتا ہے۔ تکلے میں ایک نغمہ پوشیدہ ہوتا ہے جسکو ایک مشاق چرخہ کاتنے والا بلاقصور سنتا ہے اور جب ہندوستان سوراج حاصل کرنیکے لئے تواتر کو کام میں لائیگا تو وہ ایک ایسی خوبصورت چیز پیدا کریگا جو ابدالآباد تک اسکے لئے مسرت بخش ہوگی لیکن یہ مقصد چرخہ کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ لہذا ہندوستان کے لئے بہترین قومی تعلیم بلاشک و شبہ چرخہ کو سمجھداری کے ساتھ ہاتھ میں لینا ہے۔

ہم اُسوقت تک سوراج حاصل نہیں کر سکتے تاوقتیکہ اپنے آپکو باضابطہ طور پر منظم نکرلیں!

(ماہرین فن کی ضرورت) از قلم مہاتما گاندھی - ینگ انڈیا ۲۲ ستمبر ۱۹۲۱ء

چرخہ پر حملہ کئے جانیکے باوجود میں اس یقین پر قائم ہوں کہ سوراج اُسوقت تک حاصل نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ یہ خوبصورت حرفت ہندوستان میں عالمگیر نہو جائے۔ اس کلیہ پر جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں وہ بالکل صاف ہیں۔ ہندوستان اُسوقت تک بسر اوقات نہیں کر سکتا جبتک کہ اسکا ہر ہر گھر اپنے مصارف خود برداشت کرنیکے قابل نہو جائے اور ہر ہر گھر ایک امدادی پیشہ اختیار کئے بغیر اپنی ٹانگوں پر کھڑا نہیں ہو سکتا۔ لہذا ہمارا تمام ضروری کپڑا اگر ملوں میں تیار ہوگا تو یہ ہمارے لئے فائدہ مند نہیں ہو سکتا۔ اگر چرخہ عام ہو جائے تو ہر ہر گھر بغیر پیچیدہ مشینوں کے کروڑہا روپیہ میں حصہ دار ہو جائیگا اور یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ ہندوستان اپنی ضرورت کے موافق تمام ضروری کپڑا تیار کر سکتا ہے۔ نیز یہ کہ جب چرخہ عام ہو جائیگا تو کروڑہا جلاہے اور لاکھوں دُھنئے اپنے اصلی پیشہ کی طرف دوبارہ آجائینگے۔ یہ چرخہ کا اقتصادی پہلو ہے۔

چرخہ ہماری مستورات کو جبریہ عصمت دری سے محفوظ رکھیگا۔ نیز بسر اوقات کیلئے دریوزہ گری جو ایک پیشہ بنالیا گیا ہے اسکا بھی استیصال ہو جائیگا۔ اس سے ہماری کاہلی دور اور دل قوی ہو جائیگا۔ اور مجھے یقین کامل ہے کہ جب کروڑہا آدمی اسکو ایک مذہبی فرض سمجھکر اختیار کر لینگے۔ تو یہ ہمارا رُخ خدا کی سمت کر دیگا۔ یہ چرخہ کا اخلاقی پہلو ہے۔ ہندوستان میں جب چرخہ کاتنا عام ہو جائیگا اور بدیشی کپڑے کی تجارت ایک فسانہ ماضی رہجائیگی تو یہ اس بات کا یقینی نشان ہوگا کہ ہندوستان اب سرگرم اور سنجیدہ ہو گیا اور اپنے جنگ کے مذہبی اور عدم تشدد کی نوعیت پر یقین رکھتا ہے۔

فی الحال غیر ملک والوں کو یقین نہیں کہ ہم بدیشی کپڑے کا بائیکاٹ کرنے اور اپنی ضروریات کے مطابق ہاتھ کا کتا اور ہاتھ کا بنا ہوا کپڑا تیار کرنے کی قابلیت رکھتے ہیں لیکن جب یہ واقعہ عملی صورت اختیار کریگا تو ہندوستان کی رائے بھی ایک ناقابل مقابلہ طاقت بن جائیگی اور اگر ضرورت پڑی تو اسوقت عدالت گورنمنٹ کو ہندوستان اپنی مرضی کے سامنے سرنگوں کرنیکے لئے سول نافرمانی اختیار کر سکیگا۔ یہ چرخہ کا سیاسی پہلو ہے۔

مذکورہ بالا اسباب کی وجہ سے مجھے یہ دیکھکر سخت صدمہ ہوا کہ تمام بنگال میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو چرخہ کاتنے میں کمال رکھتا ہو اور جو اپنا تمام وقت چرخہ کی اشاعت کرنے، اسکو سکھانے اور اسکی تنظیم کرنے میں صرف کرتا ہو۔ میں نے وہاں دیکھا کہ عوام الناس چرخہ کو ہاتھوں ہاتھ لینے کیلئے تیار تھے لیکن وہ اسکو چلانا

نہیں جانتے تھے۔ بنگال کی جو حالت ہے غالباً اکثر صوبوں کی وہی حالت ہے۔ ہر صوبہ میں ایک خاص تعداد چرخہ کی ہونی چاہیئے۔ اور مشاق چرخہ چلانیوالوں کی ایک انجمن ہونی چاہیئے جس سے مشورہ اور ہدایات طلب کیجا سکیں۔ اگر ماہرین فن کی معلومات دستیاب ہوسکتیں تو بہت زیادہ نفع حاصل کیا جاسکتا تھا۔ کلکتہ نیشنل کالج کے ہال میں بوقت نمائش پندرہ سے زائد ایجادات پیش کی گئی تھیں۔ لیکن ماہرین فن کی عدم موجودگی میں انکے استعمال کا یہ کیا طریقہ ہوسکتا ہے میں نے ہر جگہ مختلف قسم کے چرخے زیر استعمال دیکھے ہیں لیکن کسی جگہ یہ نہیں دیکھا کہ ان چرخوں کی جانچ کی کوشش کی گئی ہو آج بنگال میں ہزارہا چرخے چل رہے ہیں لیکن کوئی شخص نہیں جو ان کے کام کا اندازہ لگائے۔ لہذا میں تمام کانگریس کمیٹیوں کو مشورہ دیتا ہوں کہ صرف اس کام کے لئے کم از کم چھ مرد اور چھ عورتیں جو چرخہ پر اعتقاد رکھتے ہوں مقرر کئے جاویں انکو ذاتی رہنمائی کے لئے ستیہ گرہ اشرم کی طرف متوجہ ہونیکی ضرورت نہیں ہے۔ ستیہ گرہ اشرم سے جو ہدایات دیجا سکتی ہیں وہ اس ہفتہ وار اخبار کے مضامین خصوصی میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ جو لوگ ماہرین فن بن جائیں میں ان سے کہتا ہوں کہ ان مضامین کو خاص توجہ کے ساتھ مطالعہ کریں لیکن محض ان مضامین کو ہی پڑھ کر کسی شخص کو یہ توقع نہ کرنی چاہیئے کہ وہ ماہر فن بن جائیگا۔ صرف مشق انسان کو کامل بناتی ہے۔ کروڑہا آدمی اپنے ذرائع آمدنی کو وسعت دینے کی خاطر چرخہ کاتینگے۔ تمام لوگ اسکو مذہبی فرض سمجھ کر اختیار کرینگے۔ لہذا کچھ ایسے بھی ہونے چاہئیں جو چرخہ کو ایک علم کی حیثیت سے حاصل کریں۔ موخرالذکر لوگوں کو ابتدائی حالت میں آٹھ گھنٹے روزانہ چرخہ کاتنا چاہیئے۔ اور جوں جوں وہ چرخہ کی مشق بڑھاتے جاویں انہیں چاہیئے کہ سوت کی نوعیت کا مقابلہ برابر کرتے رہیں۔ انہیں ہر روز سوت کو تاپنا چاہیئے اور یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس دن انہوں نے کتنی دیر کام کیا ہے۔ انہیں روئی دُھننے اور کپڑا بننے کا طریقہ بھی معلوم ہونا چاہیئے۔ انہیں مختلف قسم کی روئی سے واقفیت ہونی ضروری ہے، نیز مختلف قسم کے چرخوں کا بھی علم ہونا چاہیئے اور معمولی مرمت کے کام سے بھی آگاہی ہونی چاہیئے۔

ہم اسوقت تک سوراج حاصل نہیں کرسکتے تاوقتیکہ اپنے آپ کو باضابطہ طریق پر منظم نہ کرینگے۔ سودیشی قومی زندگی کے دوسرے سب سے بڑے صیغہ میں عدم تعاون کے ہم معنی ہے۔ ہم بائیکاٹ اسوجہ سے کررہے ہیں کہ اب ہم اپنی ضرورت کیلئے تمام ضروری کپڑا ہاتھ سے کات کر اور ہاتھ سے بن کر تیار کرنیکے لئے آمادہ ہیں لیکن اگر اس دور آزمائش میں ہم میں ہر ہر فرد چرخہ کاتنے والا نہ بنا تو یہ بائیکاٹ قائم نہ رہ سکیگا اور مقصد اسوقت تک حاصل نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ ہر صوبہ میں ماہرین فن کی ایک تعداد موجود ہو۔

صرف چرخہ ہی ایک ایسا ذریعہ ہے جو افلاس کو دُور کر سکتا ہے اور قحط کو ناممکن بنا سکتا ہے

تعاوُن۔ ینگ انڈیا۔ ۳ نومبر ۱۹۲۱ء

غالباً چند ہی کارکنان نے اس امر کی طرف توجہ کی ہے کہ چرخہ کاتنے میں ترقی کا ہونا دنیا میں سب سے زبردست تعاون کا مترادف ہے۔ اس سے ان کروڑہا انسانوں میں باہمی تعاون پیدا ہو جائیگا جو ایک طول طویل رقبۂ زمین پر پھیلے ہوئے ہیں اور روزانہ کی معاش کیلئے محنت کر رہے ہیں۔ اسمیں شک نہیں کہ زراعت میں بہت زیادہ تعاونی جد و جہد درکار ہے لیکن چرخہ کیلئے اس سے بھی زیادہ اور ایماندارانہ تعاون کی ضرورت ہے۔ گیہوں کی زیادتی پیداوار میں انسان کے مقابلہ میں قدرت کی ایمانداری کی زیادہ ضرورت ہے برخلاف اسکے گھروں میں سوت تیار کرنے کا انحصار تمامتر انسانی ایمانداری پر ہے۔ جب تک کہ کروڑہا انسانوں میں خوشی خوال اور دانشمندانہ تعاون نہو اُسوقت تک چرخہ میں کامیابی ناممکن ہے۔ ہمیں ایک ایسے مرحلہ پر پہونچنا ہے۔ جب چرخہ کاتنے والے کو غلہ فروش کی طرح یہ یقین ہو جاوے کہ اسکے سوت کی فروخت اور دھنی ہوئی روئی کی خرید کیلئے ایک مستقل منڈی موجود ہے۔

اگر میں یہ دعویٰ کروں کہ چرخہ جادو کیطرح عوام الناس کی روز افزوں دریوزہ گری کو مفقود کر دیگا تو کیا یہ کوئی تعجب کی بات ہے۔ میرے ایک انگریز دوست نے ایک اخبار کا پرزہ میرے پاس بھیجا ہے جس سے چین میں کلوں کی ترقی ظاہر ہوتی ہے۔ بظاہر اس نے یہ خیال کیا ہے کہ چرخہ کی حمایت کر کے میں کلوں کے متعلق اپنے تعصب العین کی اشاعت کر رہا ہوں۔ اگر ہندوستان سے دریوزہ گری اور اسکے قدرتی نتیجہ یعنی کاہلی کلوں کے ذریعہ سے دور ہو جائے تو میں ان کے استعمال سے اتفاق کر دونگا۔ میں نے چرخہ کو اسوجہ سے تجویز کیا ہے کہ صرف یہی ایک ایسا واحد ذریعہ ہے جو افلاس کو فوراً دور کر سکتا ہے اور محنت اور روپیہ کے ذریعہ سے قحط سالی کو ناممکن بنا سکتا ہے۔ چرخہ بذات خود ایک بیش بہا کل ہے اور میں نے اپنے خاص ناچیز دستور کے مطابق یہ کوشش کی ہے کہ ہندوستان کے حالات کے بموجب اس میں مزید ترقی کیجائے۔ لہذا اب ہندوستان اور بنی نوع انسان سے محبت کرنیوالے کو اپنے دل سے صرف یہ سوال کرنا ہے کہ ہندوستان کی مصیبت اور تباہ حالی کو کم کرنیکے کیا کیا عملی ذرائع اختیار کئے جاویں۔ آبپاشی یا زراعتی ترقیات کی کوئی اسکیم ہندوستان کے وسیع رقبہ میں پھیلی ہوئی آبادی کا علاج نہیں کر سکتی اور نہ ان عوام الناس کیلئے کوئی روزگار مہیا کر سکتی ہے جو دن بدن بیروزگار ہوتے جا رہے ہیں آپ اس قوم کا تصور کریں جو صرف پانچ گھنٹہ بدرجہ اوسط کام کرتی ہے اور وہ بھی اپنی پسند کا نہیں بلکہ بصورت حالات سے مجبور ہو کر تو ہندوستان کی حقیقی تصویر ان کے سامنے کھنچ جائیگی۔

اگر کوئی اخبار پڑھنے والا اس تصویر کو اپنی آنکھوں میں کھینچنا چاہتا ہے تو اسکو چاہیئے کہ شہری زندگی کے شور و غل یا کارخانوں کی زندگی کی مشغول کن تھکن یا تجارت کی غلامی اپنے دل سے برطرف کر دے۔ یہ تمام چیزیں آبادی ہند کے سمندر میں قطرہ کے مانند ہے اگر وہ فی الحقیقت ہندوستانی ڈھانچ کا مرقع اپنے دماغ میں کھینچنا چاہتا ہے تو اسکو آبادی ہند کے ان اسّی فیصدی لوگوں کا تصور کرنا چاہیئے جو اپنے کھیتوں میں کام کرتے ہیں اور سال میں کم از کم چار مہینہ بالکل بیکار رہتے ہیں جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ فاقہ کشی کے خطرہ میں رہتے ہیں۔ یہ عام حالت ہے۔ اسپر طرہ یہ کہ آئے دن کا قحط اس کاہلی میں اور زبردست اضافہ کرتا رہتا ہے پھر وہ کونسا مشغلہ ہو سکتا ہے جسکے ذریعہ مرد اور عورتیں اپنے گھروں میں بیٹھکر آسانی کے ساتھ اپنے نازک ذرائع آمدنی میں اضافہ کر سکیں؟ کیا اب بھی کسی شخص کو اسمیں شبہ ہے کہ یہ مشغلہ صرف چرخہ ہی ہو سکتا ہے اور میں پھر یہ کہتا ہوں کہ اگر کارکنان چاہیں تو چند ماہ کی مدت میں چرخہ کا رواج عالمگیر کیا جا سکتا ہے۔ چرخہ عالمگیر ہونیکے راستہ پر پڑ چکا ہے صرف اسکی تنظیم کیلئے ماہرین کی ضرورت ہے۔ عوام تیار ہیں اور چرخہ کی موافقت میں سب سے زبردست بات یہ ہے کہ یہ کوئی نئی چیز نہیں بلکہ عوام الناس اسکو کچھ دن پیشتر تک استعمال کرتے چلے آئے ہیں۔ دوبارہ کامیابی کے ساتھ اسکو رواج دینے کیلئے نہایت دانشمندانہ جد و جہد ایمانداری اور اتنے بڑے پیمانہ پر تعاون کی ضرورت ہے جسکی مثال دنیا نے نہ دیکھی ہو۔ اور اگر ہندوستان صرف اس تعاون کو حاصل کر سکا تو کوئی شخص اس بات سے انکار نہیں کریگا کہ تنہا اس عمل سے ہندوستان کو سوراج مل جائیگا۔

اگر سرمایہ داروں نے عوام کی امداد کی تو یہ انکے نفع کا باعث اور خوشگوار مستقبل کا پیش خیمہ ہوگا

ملوں کا کپڑا) مہاتما گاندھی کے قلم سے۔ ینگ انڈیا ۲۳ فروری ۱۹۲۲ء

اکثر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ اگر ہاتھ کا کاتا اور بنا ہوا کھدر خواہ روئی یا اون یا ریشم کسی چیز کا ہو، ہندوستان میں کلیتاً رائج ہو جائے تو مل کے تیار کردہ کپڑے کی جگہ قومی اقتصادیات میں کہاں ہوگی، مجھے معلوم ہے کہ اگر کروڑہا گاؤں والے چرخہ کے پیغام کو سمجھ جائیں اور اسپر عمل کرنے لگیں تو اقتصادیات خانہ داری میں مل کے تیار کردہ کپڑے کی خواہ دیسی ہو یا غیر ملکی کوئی جگہ باقی نہ رہیگی اور اسکے بالکل ضائع ہونے سے قومی حالت اور بھی زیادہ بہتر ہو جائیگی اس بیان کو ملوں یا دیشی کپڑے کے بائیکاٹ کے پروپگنڈے سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ خالصتاً ہندوستانی عوام الناس کی اقتصادیات حالات کا سوال ہے۔

تاوقتیکہ قدرت مدد نہ کرے اور عوام الناس کو بذریعہ اعجاز فوراً چرخہ کی طرف مائل نہ کر دے اسوقت تک

بہرحال کھدر کی پیداوار میں ملوں کو چند سال تک بطور اُدر جاری رہنا چاہئے - یہ ہماری سچی تمنا ہے کہ کاشش کارخانہ داروں سے یہ اپیل کامیابی کے ساتھ کی جاسکے کہ وہ ملوں کی صنعت کو ایک قومی امانت تصور کریں اور اسکے صحیح محل و مقام کا احساس کریں - کارخانہ دار ہرگز یہ خواہش نہیں کر سکتے کہ وہ عوام الناس کو نقصان پہونچا کر روپیہ کمائیں - برخلاف اسکے انکو چاہئے کہ اپنے کاروبار کو قومی ضروریات کے مطابق ہموار کریں اور اس ملامت کے داغ کو اپنے دامنوں سے دھوڈالیں جو تقسیم بنگالہ کی شورش میں انپر لگایا گیا تھا - ابتک کلکتہ اور دوسرے مقامات سے یہ شکایات موصول ہو رہی ہیں کہ ہندوستانی کارخانہ دار دھوتیوں کی قیمت مانچسٹر سے بھی زیادہ وصول کر رہے ہیں - اگرچہ اول الذکر مانچسٹر کے مقابلہ میں بہت گھٹیا قسم کی ہوتی ہیں - اگر یہ خبر صحیح ہے تو یہ حب الوطنی کے سراسر خلاف ہے اور اس لوٹ کھسوٹ کی پالیسی سے اس تحریک اور ملک دونوں کو نقصان پہونچیگا - ایسے وقت میں جبکہ ملک پیدائش جدید کے درد وکرب میں مبتلا ہو یقیناً یہ بات بہت ہی مذموم ہے کہ غیر معمولی قیمتیں وصول کی جاویں - اور نہ صرف تحریک عامہ سے دوری ہی اختیار کیجاوے بلکہ عملاً بڑی سنگدلی کے ساتھ لاپروائی برتی جائے -

اگر کارخانہ داران صورت حالات کو وسیع النظری کے ساتھ معائنہ کریں تو وہ تحریک کھدر کو سمجھ بھی سکتے ہیں، اسکی قدر بھی کر سکتے ہیں اور اسکی ترویج میں بھی حصہ لے سکتے ہیں - یہ لوگ عوام الناس کی ضروریات کا مطالعہ کریں اور پھر ملک کی جدید ضروریات کے مناسب مصنوعات تیار کریں -

لیکن خواہ کارخانہ داران ایسا کریں یا نہ کریں آزادی کی طرف ملک کی پیشقدمی کو کسی انجمن یا آدمیوں کے کسی گروہ کی وجہ سے معرض التوا میں نہیں ڈالا جا سکتا - یہ ایک عام مظاہرہ ہے عوام الناس سرعت کیساتھ آزادی کی طرف حرکت کر رہے ہیں اور انکو یہ حرکت ضرور کرنی چاہئے - خواہ اسمیں ایک منظم سرمایہ کی امداد شامل ہو یا نہو - لہٰذا یہ ایک ایسی تحریک ہونی چاہئے کہ جسکا نہ تو سرمایہ داروں پر ہی انحصار ہو اور نہ یہ اسکی بالکل مخالف ہی ہو، اگر سرمایہ داروں نے عوام الناس کی امداد کی تو یہ سرمایہ داروں کی منفعت کا باعث اور خوشگوار مستقبل کا پیش خیمہ ہوگا زمانہ ماضی میں بھی واقعات اسکے برخلاف نہیں پائے جاتے - ہندوستانی تاریخ نہیں بتاتی کہ یہاں کبھی سرمایہ داروں یا مزدور پیشہ جماعتوں کے تعلقات کشیدہ ہوئے ہوں، چار ذاتوں کی تقسیم اتنی ہی مذہبی ہے جتنی کہ اقتصادی یا سیاسی ہو سکتی ہے، اسلامی تمدن کے اختلاط سے بھی صورت حالات میں کوئی تدبیر کن بُرا اثر پیدا نہیں کیونکہ اسلامی تمدن و معاشرت بذات خود مذہبی ہے اور لہٰذا غربا کیلئے مفید ہے - اسلام نے سرمایہ داری کو بھی اسی طرح منع کیا ہے جسطرح سود لینے کو -

موجودہ وقت میں یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ سرمایہ داروں نے بالکل علیحدگی اختیار کر رکھی ہے - یہ بھی خلیق سرمایہ دار تھے جنھوں نے بڑی فیاضی کیساتھ تلک سوراج فنڈ میں چندہ دیا لیکن بڑے رنج و قلق کیساتھ یہ اعتراف کرنا پڑیگا کہ بدقسمتی سے کارخانہ داروں کی اکثریت اس تحریک سے علیحدہ رہی - ملک میں کپڑے کی تجارت سب سے زیادہ ہے - اب یہ وقت ہے،

کہ کارخانہ دار جس چیز کو چاہیں پسند کریں۔

سودیشی اور بائیکاٹ کا ایک مطلب نہیں، بلکہ یہ ایک دوسرے سے اسقدر متضاد ہیں جسقدر کہ قطب شمالی سے قطب جنوبی،

(بائیکاٹ۔ کیا بائیکاٹ سودیشی ہے؟) مہاتما گاندھی کے قلم سے ینگ انڈیا ۱۴ جنوری ۱۹۲۰ء

مسٹر بپتسا نے یہ ظاہر کرنیکے لئے کہ بائیکاٹ نتائج کے اعتبار سے نہ صرف سودیشی کی مانند ہی ہے بلکہ اس سے اعلیٰ حیثیت رکھتا ہے۔ اپنے آپ کو مخاطب کیا ہے۔ اس مقولہ کی تائید میں انکے دلائل یہ ہیں کہ بائیکاٹ اس لحاظ سے کہ اس سے اشیاء خانہ ساز کو تقویت پہونچتی ہے سودیشی کا کام دیتا ہے اور علاوہ ازیں برطانی تاجر اور صناع کی جیب کو ٹٹول کر اسپر ایک زبردست اثر پیدا کرتا ہے مزید براں مسٹر بپتسا فرماتے ہیں کہ بائیکاٹ سے میری مخالفت چونکہ محض ایک روحانی تخیل پر مبنی ہے اسلئے برطانی باشندے اسکے سمجھنے سے قاصر ہیں بلکہ انہوں نے ہمیشہ بائیکاٹ کو ایک جائز اور آہنی ہتھیار تسلیم کیا ہے۔

اتنا ہی کہنا کہ بائیکاٹ باعتبار نتائج سودیشی کے مانند ہے یہ بتاتا ہے کہ کہنے والا سودیشی اور بائیکاٹ دونوں میں سے کسی کو نہیں سمجھتا۔ سودیشی ایک دائمی اصول ہے جسکو نظر انداز کرنیکی وجہ سے بنی نوع انسان پر ناگفتہ بہ مصائب نازل ہوئی ہیں۔ سودیشی کے یہ معنی ہیں کہ خاص اپنے وطن میں اشیاء تیار کر کے تقسیم کی جاویں۔ محدود اور موجودہ شکل میں اسکے یہ معنی ہیں کہ کاشتکاروں کی امداد سے ساٹھ کروڑ کی سالانہ بچت کیجائے۔ لہذا اسکے یہ معنی ہوئے کہ آبادی کی ۷۲ فیصدی تعداد کو ایک معاون دستکاری جسکی سخت ضرورت ہے مہیا کیجائے۔ سودیشی تعمیری پروگرام ہے۔ برخلاف اسکے بائیکاٹ ایک عارضی حکمت عملی ہے جو اسلئے اختیار کیگئی ہے تاکہ برطانی باشندوں کو دانستہ ایک ہنگامی نقصان پہونچا کر انکو مجبور کیا جائے۔ لہذا بائیکاٹ اپنا مطلب حاصل کرنیکے لئے ایک ناجائز اثر کیطرح کام کرتا ہے اور بالواسطہ ملک میں زیادہ تعداد میں مصنوعات تیار کرنیکا باعث ہو سکتا ہے بشرطیکہ اسپر زور دیا جائے اور عرصہ دراز تک اسکو قائم رکھا جاوے لیکن حقیقتاً اس سے ایک اور پریشان کن بات پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ بائیکاٹ کا مطلب تمام غیر ملکی اشیاء کے بائیکاٹ کا نہیں ہے بلکہ محض برطانی مال کا مقاطعہ مقصود ہے لہذا اس سے دیگر غیر ملکی ایجنسیوں کی ہمت افزائی ہوگی جنمیں جاپان اور امریکہ خصوصیت سے شامل ہیں۔ میں یقیناً ہندوستان پر جاپان کے روزافزوں تجارتی اثر کو صبر و سکون کے ساتھ دیکھتا ہوں۔ موثر بائیکاٹ کیلئے ضروری ہے

کہ عالمگیر ہو۔ برخلاف اسکے سودیشی کو اگر شخص واحد بھی اختیار کرلے تو اس سے بہت قومی فائدہ ہے۔ بائیکاٹ محض خشم آلود جذبات سے اپیل کرنیکے بعد ہی کامیاب ہوسکتا ہے۔ لہذا اس سے ایسے نتائج پیدا ہوسکتے ہیں جنکا خیال تک بھی نہ ہو اور بہت ممکن ہے کہ دو جماعتوں میں ایک دائمی علیحدگی پیدا ہوجائے۔ مسٹر بپتستا اس امر سے انکار کرتے ہیں کہ بائیکاٹ کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ خشم آلود خدمات سے اپیل کیجائے اور بالخصوص ایسی حالت میں جبکہ مجھ جیسا شخص اسکی تنظیم کرنے میں اس بیان کو چیلنج دیتا ہوں وہ شخص جو ناانصافی کی تکالیف بھگت رہا ہو ہر وقت ایسی تحریکات کے خطرہ میں ہوتا ہے جو اسکے بدترین جذبات کو بھڑکادیں۔ برطانی اشیاء کے بائیکاٹ کی تعلیم دیکر آپ اسکے دل میں یہ خیال مستحکم کراتے ہیں کہ وہ ظالم کو سزا دینے کی کوشش کرے اور سزا دہی کا خیال درحقیقت غصہ پیدا کرتا ہے۔

مسٹر ظہور احمد فرماتے ہیں کہ عدم تعاون بھی دراصل بائیکاٹ کے ہم معنی ہے صرف فرق اتنا ہے کہ اوّل الذکر چونکہ تقریباً ناممکن العمل ہے لہذا بہت کم موثر ہے۔ میرا جواب یہ ہے کہ اگر میں کسی ظالم کی خدمتگذاری کررہا ہوں یعنی اسکے ساتھ میرا تعاون ہے تو میں بھی اسکے ظلم میں شریک ہوں لہذا جب ظلم سنگین ہو تو عدم تعاون ایک فرض ہوجاتا ہے اور اگر ایک شخص بھی تعاون سے دست کش ہوجائے تو وہ بھی ایک حد تک موثر ہوگا لیکن بائیکاٹ میں چونکہ سزا دہی کا خیال مضمر ہے اور سزا دہی کا خیال انسانی فرائض میں داخل نہیں ہوسکتا لہذا اگر بائیکاٹ نتیجہ خیز ہو تو اس کے یہ معنی ہونگے کہ اپنی قوتوں کو محض ضائع کیا گیا۔ علاوہ ازیں لنفشہ ورجن لوگوں کے بائیکاٹ کی مثال بالکل ایسی ہے جیسی کوئی شخص گھاس کے تنکے سے ہاتھی کی سرکوبی کرے۔

میں اس امر کا اعتراف کرتا ہوں کہ بائیکاٹ سے میری مخالفت ایک روحانی تخیل پر مبنی ہے لیکن اسکے معنی یہ ہیں کہ میں روحانی قانون کو وسیع کرکے سیاسی دنیا میں لانیکی کوشش کررہا ہوں۔ میں اس امر سے انکار کرتا ہوں کہ برطانی باشندے اسکے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ جنوبی افریقہ یوروپین باشندوں کو یہ روحانی قانون سمجھانے اور انکے منہ سے اسکی تعریف کرانے میں مجھے کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ اور نہ اسکو موثر بنانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ایک روحانی عمل کے لئے اسکے روحانی تخیل کو بھی سمجھا جائے۔ میرا استدلال صرف اسقدر ہے کہ ایک خالص روحانی فعل نہایت آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے اور نہایت آسانی کے ساتھ اسپر عمل کیا جاسکتا ہے۔ روحانیت اگر ممکن العمل نہ ہو تو بیکار ہے یہ بات سمجھنی کچھ دشوار نہیں ہے کہ اگر ہمارے ہاتھ غبار آلود ہوجائیں تو انکو دھولینا چاہیئے اسپر عمل کرنا بھی اتنا ہی آسان ہے جتنا ان کا سمجھنا۔ بایں ہمہ اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو یہ ایک روحانی فعل ہے "پاک جسم کے اندر پاک دل" یہ مقولہ ایک روحانی تعلیم ہے۔ اسکو بھی چھوڑئے۔ اگر ہم صفائی کے روحانی خیال کو نظرانداز کرتے ہوئے میلے ہاتھوں کو صاف کرنا صرف ضروریات ہی تسلیم کرلیں تب بھی ہمیں عملاً بائیکاٹ کی ناکامی اور موجودہ حالات میں عدم تعاون کی ضرورت کو انکے روحانی پہلو کو نظرانداز کرتے ہوئے ماننا پڑیگا۔

کیا بائیکاٹ ممکن العمل چیز ہے؟ مسٹر بپتستا نے برطانی مال کے بائیکاٹ کو منظور کرلیا ہے۔ میری رائے

یہ ہے کہ جب غیر ملکی مال کو خارج کرنیکے لئے سودیشی کی تحریک جو ملک کے اعلیٰ ترین اور دائمی فائدہ پر مشتمل ہے ہمارے تاجروں کو حرکت میں لانیکے لئے کافی نہیں ہو سکتی۔ تو پھر کیا مجھے یہ کہنے کی اجازت دی جائیگی کہ ان سے یہ اپیل کرنا کہ وہ برطانی باشندوں سے انصاف حاصل کرنے کیلئے عارضی طور پر اپنے کاروبار کو ترک کردیں محض بے سود ہوگا لہذا بائیکاٹ بالکل بے نتیجہ بات ہے۔ بائیکاٹ کے موثر ہونے کیلئے ضروری ہے کہ اسکے نتائج فوری ہوں۔ میری رائے یہ ہے ہم فوری عمل کے لئے کافی طور سے تیار نہیں ہیں بائیکاٹ کا رقبہ اسقدر وسیع ہے کہ کوئی انجمن کچھ دیر پہلے اطلاع دیکر بائیکاٹ پر عمل درآمد کرانے میں کامیاب نہیں ہو سکتی اور مجھے یہ بات مشکل نظر نہیں آتی کہ جسطرح جرمن نے ایک سال کا عرصہ ہوا، انگلستان کے ذریعہ اپنا مال ہندوستان بھیجا تھا۔ اسی طرح انگلستان کے تجار بھی امریکا اور جاپان کے ذریعہ سے اشیا دتجارت کو ہندوستان میں بھیجینگے۔

میں نے سودیشی کا حلف اٹھایا ہے کیونکہ یہ ایک ایسا ارتقائے عمل ہے کہ جوں جوں اسمیں ترقی ہوتی ہے اتناہی یہ قوی تر ہوتا جاتا ہے۔ ایک انجمن اسکا انتظام کر سکتی ہے۔ اسکو برطانی باشندوں یا حکمرانوں کے انصاف یا ناانصافی سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ اپنا انعام خود حاصل کرتی ہے لہذا سودیشی اور بائیکاٹ یکساں نہیں بلکہ ایک دوسرے سے اتنے متضاد ہیں جتنا کہ قطب شمالی سے قطب جنوبی۔

بائیکاٹ کی غایت چونکہ تعزیرانہ ہے اسلئے عدم تعاون میں اسکی گنجایش نہیں

اشیاء کا بائیکاٹ اور عدم تعاون، از قلم مہاتما گاندھی۔ ینگ انڈیا ۲۵ اگست ۱۹۲۰ء

مسٹر کستوری رنگا آینگر کی عنایت تھی کہ انھوں نے میرے ان دلائل کا جواب مرحمت فرمایا جو میں نے ساحل مدراس کے جلسہ میں عدم تعاون کے پہلے مرحلہ کی تفصیلات کے متعلق پیش کئے تھے۔ انھوں نے بجز ترک خطابات میری تمام باتوں سے اختلاف کیا ہے۔ تمام دیگر دفعات کی بجائے انہوں نے تجویز کیا ہے کہ غیر ملکی مال کے بائیکاٹ کو رکھا جائے۔ ینگ انڈیا کے ناظرین جن دلائل سے آشنا ہیں مجھے بائیکاٹ کے مسئلہ پر روشنی ڈالنے کی غرض سے ان کا اعادہ کرنا پڑیگا۔

پہلی بات یہ ہے کہ برطانی مال کا بائیکاٹ بطور سزا کے ذہن میں آیا ہے۔ اور لہذا عدم تعاون میں اسکی گنجایش نہیں۔ کیونکہ عدم تعاون میں ذاتی قربانی کا خیال متصور ہے اور وہ ایک مقدس فرض ہے۔

دوم یہ کہ سزا دہی کی ہر تجویز کیلئے ضروری ہے کہ وہ مبنی الاثر یقینی اور کافی ہو۔ لہذا اگر چیدہ افراد اسمیں پیش پیش ہوجاویں تو وہ نتیجہ خیز نہیں ہو سکتا۔ اور جبتک بائیکاٹ نتیجہ خیز نہ ہو اسوقت تک وہ قابل اطمینان

نہیں۔ برخلاف اسکے عدم تعاون کا ہر عمل بذات خود اطمینان بخش ہے۔ تیسرے یہ کہ برطانی مال کا بائیکاٹ قطعًا ناممکن العمل ہے کیونکہ اسمیں کروڑپتی لوگوں کو اپنے کروڑہا روپئے قربان کرنے پڑینگے۔ میری رائے میں نسبتًا یہ آسان ہے کہ وکیل اپنی وکالت ترک کر دے یا ایک خطاب یافتہ اپنے خطاب سے دست کش ہو جائے یا ایک باپ اگر ضرورت ہو تو اپنے بچوں کی تعلیم کو قربان کر دے اور اسکے مقابلہ میں یہ بہت مشکل امر ہے کہ ایک سوداگر اپنے کروڑہا روپئے پر پانی پھیر دے مزید براں اس اہم واقعہ کو بھی فراموش نہ کرنا چاہئے کہ تاجروں نے حال ہی میں سیاست سے دلچسپی کا اظہار کیا ہے لہذا وہ ہنوز کمزور اور چوکنے ہیں لیکن وہ جماعت جسکے لئے عدم تعاون کا پہلا مرحلہ تجویز کیا گیا ہے یہ ایک سیاسی جماعت ہے جو سالہا سال سے اپنے اوقات کو سیاست کیلئے وقف کرتی چلی آئی ہے اور دماغی لحاظ سے جماعتی قربانی کے لئے غیر مستعد نہیں ہے۔

برطانی مال کا بائیکاٹ صرف اس صورت میں نتیجہ خیز ہو سکتا ہے کہ تمام ملک بیک وقت اسپر عمل پیرا ہو ورنہ اس مسئلہ کو چھیڑنے کی ضرورت ہی نہیں۔ بائیکاٹ بالکل ایک محاصرہ کے مشابہ ہے۔ آپ محاصرہ میں صرف اُس وقت کامیاب ہو سکتے ہیں جبکہ آپکے پاس ہی کافی آدمی اور ضروری تباہ کن آلات موجود ہوں، اگر کوئی فرد واحد اپنے ناخنوں سے فصیل کو کھرچنے لگے تو وہ اپنی انگلیوں کو مجروح کریگا اور فصیل پر اسکا شمہ برابر بھی اثر نہ ہوگا۔ برخلاف اسکے ایک خطاب یافتہ اپنے خطاب کو واپس کر کے یہ اطمینان قلب محسوس کرتا ہے کہ اس نے خطاب عطا کنندہ کے جرم سے اپنے ہاتھوں کو پاک کر لیا۔ اور اگر اسکے احباب اپنے خطابات واپس کرنے سے انکار کر دیں تو اسپر اسکا کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ بائیکاٹ کی غایت چونکہ تعزیرانہ ہے لہذا اسمیں وہ امکان عمل نہیں جو عدم تعاون میں پوشیدہ ہے۔ سزا دہی کی اسپرٹ کمزوری کا نشان ہے اور اس اسپرٹ کو زیادہ مضبوط کرنے سے حیات جدید پیدا کرنیوالے لایحۂ عمل میں روڑے اٹک جائینگے برخلاف اسکے قربانی کی ایک ایسا عزم ہے جو ہماری کمزوریوں سے ہمکو نجات دلائیگی۔ لہذا یہ طریقہ عمل ہمارے اندر قوت پیدا کر دیگا اور ہمارے دلوں کو پاک و صاف بنا دیگا۔ نیز اس سے ہمکو و نیز اُس فریق کو جو ہمارے اندر قربانی کی اسپرٹ پیدا کرانیکا باعث ہوا ہو دونوں کو فائدہ پہونچیگا۔ ان تمام باتوں سے بڑھکر یہ ہے کہ اگر ہندوستان کسی خاص مشن کا دعویدار ہے تو یہ مشن مغرب کی مشتبہ مثال کی تقلید کر کے اور بے داغ قربانی کے بجائے اپنی قربانی کو مادّی مطلب پرستی بنا کر پورا نہیں کیا جا سکتا۔

تمام بدیشی کپڑا اسطرح ضائع کر دینا چاہئے جسطرح ایک آدمی پرہیزگاری کا عہد کر کے شراب کو ضائع کر دیتا ہے

(بدیشی کپڑے کے بائیکاٹ کا طریقہ) ۲۰ جولائی ۱۹۲۱ء ینگ انڈیا۔ مہاتما گاندھی کے قلم سے

اسوقت یہ ظاہر کرنیکی ضرورت نہیں کہ بدیشی کپڑے کا مجوزہ بائیکاٹ کوئی انتقامی تدبیر نہیں ہے بلکہ قومی وجود کیلئے یہ اتنا ہی ضروری ہے جتنا زندگی کے لئے سانس، لہذا جسقدر جلد اسکو عملی جامہ پہنایا جائیگا اتنا ہی ملک کے لئے زیادہ مفید ثابت ہوگا اسکے بغیر سوراج حاصل نہیں ہو سکتا اور اگر حاصل ہو بھی جائے تو برقرار نہیں رکھا جا سکتا اسامر کا جاننا نہایت ضروری ہے کہ یکم اگست سے پیشتر کس طرح اسکو عملی جامہ پہنایا جا سکتا ہے۔

بائیکاٹ کو کامیاب بنانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اوّل کارخانہ دار اپنے منافعہ کو مناسب اور باضابطہ بنائیں۔ دوئم غیر ممالک سے مال منگانیوالے تجار بدیشی مال کی خریداری بند کر دیں۔ (حال میں تین بڑے سوداگروں نے اسکی شروعات کر دی ہے) سوئم خریدار بدیشی کپڑا خریدنے سے انکار کر دیں اور جہاں سے دستیاب ہو سکے محض کھدر خریدیں۔ چہارم خریدار صرف کھدر کا لباس استعمال کریں اور مشین کا تیار کردہ کپڑا ان غریب لوگوں کے لئے چھوڑ دیں جو سودیشی اور بدیشی کپڑے میں امتیاز نہیں کر سکتے پنجم جب تک سوراج قائم ہو اور کھدر کی پیداوار میں اضافہ ہو خریدار صرف تن ڈھکنے کے موافق کپڑا استعمال کریں ششم۔ خریدار تمام بدیشی کپڑے کو اسی طرح ضائع کر دیں جسطرح وہ پرہیزگاری کا حلف اٹھا کر شراب کو ضائع کر دیتے ہیں یا غیر ممالک کے استعمال کے لئے فروخت کر دیں۔ اور یا تمام میلے اور گندے کاموں میں انکا استعمال کریں۔

یہ امید کیجاتی ہے کہ وہ تمام جماعتیں جنکا اوپر حوالہ دیا گیا ہے فوراً اس تجویز پر لبیک کہینگے لیکن انجام کار کامیابی کا انحصار محض کپڑے استعمال کرنیوالے کے عزم بالجزم پر ہے اسکو صرف اتنا کرنا ہوگا کہ غلامی کا نشان زیب تن کرنے سے انکار کر دے۔

ہندوستان میں بدیشی کپڑے کا استعمال اتنا ہی بُرا ہے جتنی کہ شراب نوشی کی عادت

(بدیشی کپڑا اور آتش) مہاتما گاندھی کے قلم سے ینگ انڈیا ۲۸ جولائی ۱۹۲۱ء

نکتہ چینوں کے اعتراضات نے بدیشی کپڑے کو جلانیکے متعلق ملامت سے مجھے پریشان کر دیا ہے۔ اس سلسلہ میں جتنے دلائل پیش

کئے گئے ہیں انپر غور وخوض کے بعد بھی مجھے یہی کہنا پڑتا ہے کہ بدیشی کپڑے کو جلا دینا ہی اس سے رستگاری حاصل کرنے کا بہترین طریقہ ہے۔ صوبہ کانگریس کمیٹی نے یہ امر عطا کنندگان کی مرضی پر چھوڑ دیا ہے کہ خواہ وہ اپنے کپڑوں کو جلا دیں خواہ سمرنا یا کسی دوسرے مقام پر بھیجدیں۔ لہذا اس صورت میں کہ بدیشی کپڑوں کو محض ضائع کر دینا ہی ایک واحد طریقہ متعین نہیں کیا گیا ہے اس مسئلہ کی اہمیت کم ہو جاتی ہے۔

بدیشی کپڑے کو تباہ کرنیکی موزونیت کا انحصار تمامتر ہر اس شخص کے استحکام پر ہے جو غیر ملکی کپڑے کو ترک کرنیکی ضرورت پر یقین رکھتا ہے جسطرح وہ شخص جس نے شراب نوشی سے توبہ کر لی ہو اپنے میخانہ سے کسی حاجتمند ہمسایہ کو ایک جرعہ شراب دینے کے لئے تیار نہو گا، اسی طرح ایک سودیشی کا ماننے والا بھی اپنے لباس کو غریبوں میں تقسیم کرنے سے انکار کر دیگا۔ میری رائے ہے کہ ہندوستان میں بدیشی کپڑے کا استعمال اتنا ہی مذموم ہے جتنا کہ شراب نوشی کی عادت یہ امر میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ بعض اعتبارات سے یہ شراب نوشی سے بھی زیادہ برا ہے گذشتہ ڈیڑھ سو سال سے ہندوستان اپنی گھریلو صنعت یعنی چرخہ کا گلا گھونٹ کر بدیشی کپڑے کی درآمد کر رہا ہے۔ مسٹر ر[illegible] چندر دت نے چرخے کی تباہی کی تاریخ کا مطالعہ کر کے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ 'بہار' جو کسی زمانہ میں ہندوستان کا سب سے زیادہ مالدار صوبہ تھا چرخہ کاتنے اور کپڑا بننے کی ترقی پذیر صنعت کو باقاعدہ اور ظالمانہ طریق پر تباہ کرنیکے بعد بالکل مفلوک الحال بنا دیا گیا۔ اگر ہم محض اس نقصان کا ہی اندازہ کرتے جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھوں ہمیں پہونچا ہے یا اس گناہ کا احساس کرتے جسکا ارتکاب ہم نے کمپنی مذکور کے گماشتوں کی ایذا رسانی کے سامنے سر خم کر کے یا ان کی ترغیبوں میں پھنس کر کیا ہے، تو آج ہمیں ندامت کی وجہ سے پانی پانی ہو جانا چاہیئے۔ اگر ہم سودیشی کو برقرار رکھتے تو ہماری قومی صنعت تباہی کے ہم کنار نہوتی۔ ہماری عورتوں کو شارع عام پر محنت و مزدوری نہ کرنی پڑتی اور کروڑہا انسان سال بھر میں ایک مدت کثیر تک بیکار اور کاہل رہنے پر مجبور نہوتے۔ میری ناچیز رائے میں وہ کپڑا جو ہماری بدبختیوں کی یاد تازہ کرتا ہے اور ہماری ذلت و پستی کا ایک نشان ہے بیشک اس قابل ہے کہ اسکو تباہ کر دیا جائے یقیناً ایسا لباس غربا میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ ہمیں ہرگز یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ وہ چیز جسے ہم اپنے لئے غلامی کا نشان تصور کرتے ہیں غربا میں تقسیم کر کے انکی کوئی خدمت انجام دے رہے ہیں بلکہ ہمیں اپنے غربا کے جذبات اور ان کے قومی تمدن کا اس سے کہیں زیادہ احترام کرنا چاہیئے۔ کیا ہندوستان کے غربا میں حب الوطنی کا احساس ضروری نہیں ہے کیا انہیں بھی ہماری طرح اپنی عزت اور خودداری کے جذبات نہونے چاہئیں؟ میں تو کم از کم ایک ذلیل ترین ہندوستانی کو بھی جذبہ حب الوطنی سے نادار دیکھنا پسند نہ کرونگا جسطرح ہم غربا کو خراب غذا دینے سے پرہیز کرتے ہیں یا کم از کم پرہیز کرنا چاہیئے اسی طرح بدیشی کپڑا بھی انکو نہ دینا چاہیئے۔ تھوڑا سا غور کرنے سے یہ معلوم ہو جائیگا کہ بہت سے نفیس اور عمدہ لباس جن کو ہم پھینک رہے ہیں غربا کے لئے بالکل بیکار ہیں۔ میلی کچیلی ٹوپیاں جو ہمارے پسینہ سے بدبودار ہو چکی ہیں۔ یا ریشم کی قیمتی ساڑیاں اور باریک ململیں انکے کس کام کی ہیں؟ ان کی قدر صرف وہی اصحاب کر سکتے ہیں جن کو ان سے محبت تھی۔ قحط زدہ لوگ اس پوشش کو استعمال نہیں کر سکتے؟ ان کے لئے

جو چیزیں ضروری ہیں وہ درحقیقت معدودے چند ہیں لیکن بدیشی کپڑے کے تباہ کرنے کے متعلق میں اپنے دلائل کی بنیاد اس کپڑے کے بیکار ہونے کو قرار دینا نہیں چاہتا میرا استدلال اس سے بھی کہیں زیادہ گہرا ہے۔ اسکی کیا وجہ ہے کہ انگریز ایک پھٹے ہوئے جھنڈے کی بیحرمتی کو غم وغصہ کی نظر سے دیکھتا ہے؟ لیکن وہ ایسا کہتا ہے اور اسکا یہ خیال بالکل بجا و درست ہے کہ اسکو ایسا کرنا چاہیئے۔ اگر میں ایک لمحہ کے لئے اپنے مذہب کو چھپا لوں اور اس طرح لاکھوں روپیہ حاصل کر لوں تو اس میں کیا حرج واقع ہوگا لیکن اگر دنیا کی بادشاہت بھی مجھے دیجاوے تب بھی میں ایسا نہیں کرونگا پس اسی نوعیت کے اسباب کی بنا پر ہم میں ہندوستان کے غریب طبقہ میں بدیشی کپڑے کو استعمال نہیں کر سکتے۔

کل جو آگ روشن کیگئی وہ اِک سچی اور قربانی کی آگ تھی

(بمبئی میں بدیشی کپڑا نذر آتش) مہاتما گاندھی کے قلم سے ینگ انڈیا ۴ راگست ۱۹۲۱ء

۳۱؎ رجولائی ۱۹۲۱ء کو بدیشی کپڑے کا بائیکاٹ سرگرمی کے ساتھ شروع ہوگیا اور اُسی دن بمبئی میں بیش قیمت اور نفیس کپڑوں کے ایک زبردست انبار میں آگ لگائی گئی، دوسرے دن بال گنگادھر تلک کی برسی کی رسم ادا کرنیکے لیے ایک عظیم الشان اجتماع ہوا، اور مہاتما گاندھی کا حسب ذیل خطبۂ صدارت تقسیم کیا گیا)

یہ لوکمانیہ تلک کے سحر آمیز نام کا اثر تھا کہ کل مسٹر "سبحانی" کی ارتھی پر دو لاکھ مرد اور عورتوں کا اجتماع ہوا۔ میرے لیئے یہ روح کو ایک تحریک پیدا کرنیوالا نظارہ تھا۔ خوشنما شہر بمبئی نے کل ایک ایسی آگ روشن کی جو ابد الآباد تک پارسی مندر کی آگ کے مانند مشتعل رہیگی۔ اور ہماری ناپاکیوں کو اسی طرح ہمیشہ جلاتی رہیگی جس طرح کل ہم نے اپنی ظاہری ناپاکی کو جلایا ہے۔ خدا کرے ہمارے عزم کا یہ نتیجہ ہو کہ آئندہ کبھی ہم بدیشی کپڑے کو ہاتھ نہ لگائیں۔ ہر ہندو، مسلمان، جین، سکھ، پارسی، عیسائی اور ہر اُس مذہبی جماعت کو جسنے ہندوستان کو اپنا وطن بنالیا ہے اپنا فرض سمجھنا چاہیئے کہ بدیشی کپڑے کو اچھوت خیال کریں۔ ہندوستان کی تمام مذہبی جماعتوں کا ایک ضروری جزو مشترک ہونا چاہیئے۔ بدیشی کپڑے کو اچھوت سمجھنا ہم سب کیلئے اتنا ہی نیکی کا کام ہے جتنا ایک سچے ہندو کا ادنیٰ طبقوں کو اچھوت سمجھنے کا گناہ ہے۔ لہذا کل ہم نے جو کچھ کیا وہ ایک اعلیٰ درجہ کی قربانی تھی بمبئی نے لوکمانیہ کی یاد پر یہ ظاہرہ کر کے اپنے آپ کو قابل ستائش بنالیا۔ آنجہانی

؎ ۳۱ رجولائی کا دن ہندوستان بھر میں مقدس رسم کیلئے مقرر کیا گیا اور بمبئی کی طرح ہندوستان کے ہر شہر، قصبہ اور گاؤں میں بدیشی کپڑوں کا انبار لگا کر آگ روشن کی گئی اور اس طرح سارے ملک نے سودیشی تحریک کی ابتدا کی۔

کی زبردست قربانیوں کی یاد، اُنکی بے خوف جرأت اور سادگی کا گنجینہ ہمارے حافظہ میں جمع رہنا چاہیئے۔ لوکمانیہ نے سوراج کا جو خواب دیکھا تھا اسکے احساس کے لئے ہمیں اپنی زندگیوں کو وقف کر دینا چاہیئے۔ اُنکی یاد کو مستقل کرنے کے لئے حصول سوراج سے زیادہ مناسب اور کوئی یادگار نہیں ہو سکتی۔

اور جیسا کہ کل میں نے اپنی تقریر میں کہا تھا حقیقی سودیشی کے بغیر ہندوستان کی نجات ناممکن ہے۔ کل جو آگ روشن کی گئی ایک سچی اور ضروری قربانی کی آگ تھی۔ جو حالت بیرونی آگ کی ہے وہی اندرونی حرارت کی بھی ہے۔ میرے نزدیک کل کی ظاہری آگ اس حرارت کی ایک نشانی ہے جو ہمارے دل و دماغ کی کمزوریوں کو جلا کر خاکستر کر دیگی ہماری صیقل شدہ عقل سودیشی کی اقتصادیات کو ہم پر روشن کر دیگی۔ اور ہمارے مجلّٰی قلوب ہمیں اتنا مضبوط کر دینگے کہ ہم بدیشی کپڑے کی تمام تحریصات کے سامنے سرنگوں ہونے سے انکار کر دیں۔ بیرونی ہند میں بدیشی کپڑا خواہ کتنا ہی پسندیدہ کیوں نہو ہندوستان کے لئے یہ بالکل نفع رساں نہیں

کل جو آگ ہم نے روشن کی تھی اگر وہ حقیقی آگ تھی اور آج لوکمانیہ کی یاد میں جو ہدیۂ احترام ہم پیش کر رہے ہیں اگر یہ صداقت پر مبنی ہے تو مجھے امید ہے کہ ہم یہ خیال رکھینگے کہ اپنی ذات کو و نیز قوم کو دھوکہ نہ دیں۔ کھدر ملبوس حکومت بننے کے قابل ہو گیا ہے اب ایسا نکرنا چاہیئے کہ ہم مبارک موقعوں پر غیر ملکی ململ سے اپنے بدن کو آراستہ و پیراستہ کریں بلکہ مقدس کھدر کو رواج دیں۔ اور اگر اسی مقام پر جہاں بارہ ماہ کا عرصہ گذرا ہے ہمارے متوفی ہم وطن کی نعش جلائی گئی تھی کل کی رسم مقدس اور آج کا مظاہرہ عظیم کوئی اہمیت رکھتا ہے تو ہمیں اپنی قرارداد و سے روگردانی نکرنی چاہیئے اور اسکو محض نمود و نمائش ہی تک محدود نہ ثابت کرنا چاہیئے۔ ہمارا فرض ہے کہ بدیشی کپڑے کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ترک کر دیں۔ ہمیں یہ بھی محسوس کرنا چاہیئے کہ جسطرح نہایت قیمتی دودھ کو جو جراثیم سے متاثر ہو چکا ہو محض اس قابل ہے کہ پھینکدیا جائے اسی طرح بدیشی کپڑا بھی ہمارے پاس بالکل بیکار ہے۔ اگر ہم بدیشی کو استعمال کرنا ترک کر دیں تو کیا پھر اسکو صندوقوں میں مقفّل رکھنا ایک بار گراں نہوگا؟ جب یورپ والے فیشن کے چنگل سے رہائی پاتے ہیں تو کیا وہ اپنی نہایت بیش بہا چیزوں کو خیرباد نہیں کہدیتے؟ میں ان الفاظ کو محض اس غرض سے ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ ان لوگوں کو متنبہ کر دوں جنہوں نے اس امید میں جزدی طور پر اپنے بدیشی کپڑوں کو اُتار ڈالا ہے کہ ممکن ہے ایک دن ایسا آئے جب وہ اپنے محفوظ کپڑوں کو استعمال کر سکیں۔ بدیشی کپڑوں کا فراہم کرنا سرمایہ جواہرات و زیورات کی فراہمی کی مانند نہیں ہے کیونکہ موخر الذکر کے محض ایک جزو کے حاصل کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ بلکہ بدیشی کپڑے کی فراہمی کوڑے کرکٹ کی فراہمی کی مانند ہے جسکا ایک ایک ذرہ ایک ہوشیار محنتی گھرستن کوڑے پر ڈالتی ہے۔ اس سب کا انحصار ہماری اس قابلیت پر ہے کہ ہم زرق برق گوٹے کناری کے متعلق اپنے مذاق میں انقلاب عظیم پیدا کر دیں۔ ہمیں نقلی اشیاء کی بھی خواہش نکرنی چاہیئے۔ اگر ہم ایسا کرینگے تو ممکن ہے کہ غیر ملکی منڈی کے نقلی کھدر سے دھوکا کھا جاویں۔ فی الحال اور اس دوران امتحان میں موٹا اور بے دھلا کھدر سب سے بہتر ہے۔

میں نے کھدر کا حلف اٹھایا ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ اسمیں ہمیں یہ موقعے حاصل ہیں کہ اپنی تمام قوتوں کو

کافی طور پر استعمال کر سکیں اور لاکھوں مرد و عورت ضعیف اور نوجوان کی آزمائش کر سکیں۔ سودیشی صرف اس حالت میں کامیاب ہو سکتی ہے جبکہ تمام ہندوستان ایک جان اور ایک قالب ہو کر کوشش کرے اور اگر ہندوستان نے سودیشی کا معاملہ ایسا کر دکھایا تو وہ سوراج کے اسرار سے واقف ہو جائیگا۔ اسوقت وہ تعمیر اور تخریب دونوں ہنروں میں بطریق سائنس کمال حاصل کر لیگا۔ ہمارے لئے وہ سرزمین جہاں کل ہم نے اپنے گناہوں کے ایک جزو کو نذر آتش کیا ہے مقدس بنگئی ہے۔ مجھے امید کرنی چاہئے کہ مسٹر سبحانی جنھوں نے اس تحریک میں فراخدلی کے ساتھ چندہ عطا فرمایا ہے۔ اور اپنا ایک بیٹا بھی تحریک ہذا کو سونپ دیا ہے اس زمین سے دست بردار ہو جائینگے جہاں کل مقدس آگ روشن کیگئی تھی اور قوم کو موقع دینگے کہ وہ اس مقدس واقعہ کی یاد تازہ رکھنے کے لئے ایک مناسب حال یادگار قائم کرے اسی طرح ہمیں اس اراضی کو بھی حاصل کرنا ہے جہاں آج ہم جمع ہوئے ہیں اور جہاں گذشتہ سال ہم نے لوکمانیہ کے شریر کو بھسم کیا تھا۔ اس جگہ لوکمانیہ آنجہانی کی خاک پس ماندہ سے عدم تعاون طاقت نے ظہور کیا تھا۔ گذشتہ سال ماہ اگست کی یکم تاریخ تھی جب عدم تعاون کا افتتاح کیا گیا اور کل مسٹر سبحانی کی اراضی پر بمقام پرل قوم نے اس کام کا آغاز کیا جو میرے نزدیک راہ سوراج کی آخری منزل ہے۔ خدا کرے کہ آئندہ ۳۰ ستمبر کو ہندوستان کسی کام میں فاتح ہو۔ رضاکاروں کے متعلق چند الفاظ کہنے کے بعد میں اپنے بیان کو ختم کرتا ہوں۔ ہم پر بار بار یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ ہم میں تنظیمی قابلیت موجود نہیں۔ باینہمہ کل نہ تو پولیس کی ضرورت پڑی اور نہ کوئی حادثہ ہی پیش آیا۔ بدیشی کپڑوں کو جمع کرنے اور آگ لگانیکا تمام کام رضاکاروں نے انجام دیا۔ اس خوش اسلوبی کے سلسلہ میں رضاکار اور انکے معاون ہمارے شکریہ اور احترام کے مستحق ہیں، اس قسم کی تحمل آمیز خاموشی اور پر امن جد و جہد کے ذریعہ ہم جنگ آزادی فتح کرنیکی توقع کرتے ہیں۔

مجھے اس خیالی تصویر نے صدمہ پہونچایا کہ کپڑوں کا ایک انبار عظیم ہے اور آپ اسکو آگ دے رہی ہیں

(آتش زنی کا اخلاقی پہلو) مہاتما گاندھی کے قلم سے ینگ انڈیا یکم ستمبر ۱۹۲۱ء

مسٹر اینڈریوز نے حسب ذیل ہمدردانہ اور فصیح و بلیغ مراسلہ بھیجا ہے مجھے یقین ہے کہ ناظرین اسکی تحسین آفرین میں میرے ہم نوا ہونگے۔ مسٹر اینڈریوز کا مراسلہ:-

"میں جانتا ہوں کہ بدیشی کپڑے کو جلانے میں آپ کو غربا کی امداد منظور ہے لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ یہی آپ کی لغزش ہے، اگر آپ تمام بدیشی کپڑے یا اسکے ایک بڑے جزو کو بائیکاٹ کرنے میں کامیاب ہوگئے تو یہ امر بالکل بدیہی ہے کہ کلوں کے تیار کردہ کپڑے کی قیمت میں اضافہ ہو جائیگا جس سے غربا کو نقصان پہونچے گا۔ علاوہ ازیں اس لفظ "بدیشی" میں نسلی جذبات بھڑکانے کی دلیل پوشیدہ ہے۔ اور میرے نزدیک یہ ضرورت دن بدن بڑھتی جاتی ہے کہ اس اسپرٹ

کو بھڑکانے کے بجائے اسکی روک تھام کیجاوے۔ مجھے آپکی اس خیالی تصویر نے سخت صدمہ پہونچایا کہ ایک انبار عظیم ہے جسمیں نہایت خوبصورت ملبوسات بھی شامل ہیں اور آپ انکو آگ دے رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس خوبصورت اور طول طویل کرۂ ارض پر ہم بستے ہیں اسکا منظر ہماری نظروں سے اوجھل ہوتا جارہا ہے اور ہم نے خودغرضانہ طریق پر اپنی تمام توجہ ہندوستان پر مرکوز کردی ہے۔ مجھے خوف ہے کہ اس طرز عمل سے خودغرضانہ قوم پرستی کی وہی دیرینہ بُرائی دوبارہ عود کر آئے۔ اگر ایسا ہوا تو ہم پھر اسی شیطانی حلقہ میں پھنس جائینگے جس سے آزاد ہونیکے لئے یورپ اتنی جانفشانی کر رہا ہے لیکن میں اسپر بحث ومباحثہ نہیں کرسکتا۔ صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اس سے مجھے سخت صدمہ پہونچا اور میں اسکو تشدد کی ایک شکل خیال کرتا ہوں گو کہ میں جانتا ہوں کہ آپ تشدد سے کتنی نفرت کرتے ہیں۔ میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ بدیشی کپڑے کے مسئلہ کو مذہب میں داخل کردیا جاوے۔

جب آپ اخلاق کی عظیم الشان بنیادی برائیوں یعنی شراب خوری، استعمال مسکرات، اچھوت اور نسلی فخرو مباہات پر ضرب شدید لگا رہے تھے اور بڑے تعجب خیز اور خوشنما لطف وکرم کے طوائف بازاری کی مکروہ معصیت کے انسداد کی کوشش کررہے تھے تو میرا دل انتہائی مسرت سے لبریز تھا لیکن بدیشی کپڑوں کو نذر آتش کرنا اور عوام الناس سے یہ کہنا کہ ان کا پہننا مذہبی گناہ ہے نیز ایک شخص کے ہموطن مرد وعورت اور بہن بھائیوں کی باکمال صنعت کو یہ کہکر تباہ کرنا کہ اسکی پوشش باعث بے حرمتی ہے ایک ایسا امر ہے جسکے متعلق میں نہیں کہہ سکتا کہ مجھے اس سے کتنا اختلاف ہے۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ میں اس کھدر کو پہنتے ہوئے گھبراتا ہوں جو آپنے مجھے عطا کیا ہے۔ مبادا میں بھی دوسرے لوگوں کو 'فراسیوں' کی مانند یہ کہتے ہوئے نظر حقارت سے دیکھنے لگوں کہ "میں تم سے زیادہ مقدس ہوں" اس سے قبل میں نے کبھی اس طرح محسوس نہیں کیا۔"

"آپ جانتے ہیں کہ جب آپکے کسی فعل سے مجھے تکلیف پہونچتی ہے تو میں کس طرح چلا اٹھتا ہوں اور آپکے اس فعل سے مجھے تکلیف پہونچی ہے۔ میں نے 'ماڈرن ریویو' کے مضامین خود تحریر کئے ہیں جن کو میں بے انتہا خوشی کیساتھ ملفوف کرتا ہوں کیونکہ میں نے یقین کے ساتھ محسوس کیا تھا کہ میں آپ کی زندگی کا مطلب جانتا ہوں لیکن میرا قلب آپسے اس امر کی فریاد کرتا ہے کہ آپ ایک ایسا کام کررہے ہیں جو تشدد آمیز، بُرا، اور خلاف قانون قدرت ہے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ اسوقت میرا رشتہ محبت آپسے ہمیشہ کے مقابلہ میں زیادہ مضبوط ہے اور اسکی حالت بجنسہ ایسی ہی ہے جیسا کہ آپ کی محبت اپنے بھائی سے اسوقت زیادہ مضبوط ہوگئی تھی جبکہ آپنے محسوس کیا تھا کہ وہ کسی غلطی کا مرتکب ہورہا ہے مہربانی فرماکر مجھے بتائیے کہ اس تمام کارروائی سے آپ کا کیا مطلب ہے؟ آتش زنی کے متعلق ینگ انڈیا میں آپ نے جو کچھ تحریر کیا ہے اس سے میری تسکین نہیں ہوئی"

مسٹر اینڈریوز جیسے شخص سے واقعی اسی قسم کے مراسلہ کی امید تھی۔ جب کبھی ان کو میرے کسی فعل سے تکلیف پہونچی (اور یہ اس قسم کا پہلا ہی موقعہ نہیں ہے) تو وہ جواب کا انتظار کئے بغیر خطوط کا طومار باندھ دیتے ہیں لیکن یہ کسی قسم کا بحث ومباحثہ اور منطقی دلائل کا طوفان نہیں ہوتا بلکہ ایک محبت بھرے دل کی گفتگو ہوتی ہے محبت سے لبریز دل کے کتا

ہوتی ہے۔ یہ ایک بے چین دل کی فریاد ہے۔ بدیشی کپڑوں کی آتش زنی بھی اسی نہج سے ہے۔

مسٹر اینڈریوز نے جو کچھ محبت آمیز الفاظ میں تحریر کیا ہے اسکو نامہ نگاروں نے نہایت بھدے، غصہ آمیز اور برے لفظوں میں پیش کیا ہے۔ مسٹر اینڈریوز کے الفاظ چونکہ محبت اور غم سے بھرے ہوئے ہیں اسلئے میرے دل پر ان کا گہرا اثر ہوا ہے اور مجھے انکا مکمل جواب دینا ہے۔ برخلاف اسکے وہ مراسلات جو غصہ کے جذبات سے لبریز ہیں ان کو میں نے برطرف کردیا ہے اور محض کبھی کبھی ان کا حوالہ دیدیتا ہوں۔ مسٹر اینڈریوز چونکہ عدم تشدد کے پابند ہیں اور دل میں محبت رکھتے ہیں لہذا ان کا اثر ہوتا ہے دوسرے صاحبان تشدد پسند ہیں اور ان کے قلوب بغض و کینہ سے سرشار ہیں لہذا مجھپر ان کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور اگر میں سوال وجواب کا سلسلہ جاری رکھنے کی قابلیت رکھتا ہوتا یا میرا میلان طبع اس طرف ہوتا تو غالباً غصہ سے بھرے جواب میں بھی دیتا۔ مسٹر اینڈریوز کا مراسلہ ایسے عدم تشدد کو ظاہر کرتا ہے جسکی ہمیں جلد سوراج حاصل کرنے میں ضرورت ہے۔

یہ تو جملہ معترضہ تھا، مجھے ہنوز بدیشی کپڑوں کے جلا دئے جانے پر پورا یقین ہے۔ آتش زنی کے طریقہ عمل میں نسلی جذبات بھڑکانے پر کسی قسم کا زور نہیں دیا گیا ہے اگر ضرورت پڑے تو میں بجنسہ یہی طریقہ عمل ایک مقدس اور چیدہ خاندان یا احباب کے حلقوں میں بھی اختیار کرونگا۔ جو کچھ میں کرتا ہوں یا جن باتوں کا میں مشورہ دیتا ہوں پہلے ان تمام کو اس کسوٹی پر جانچ لیتا ہوں کہ آیا اس خاص عمل کو میں اپنے عزیز ترین اور محبوب ترین لوگوں پر بھی اگر ضرورت پڑے تو چسپاں کرسکتا ہوں یا نہیں۔ جس مذہب کو میں محبوب رکھتا ہوں اس معاملہ میں اسکے احکام ناقابل تردید اور بالکل واضح ہیں، مجھے دوست اور دشمن کے ساتھ بالکل یکساں عمل اختیار کرنا چاہئے۔ یہی وہ شواش ہے جس نے مجھے میرے بہت سے افعال کے متعلق اس قدر پختہ بنا دیا ہے اور میرے اکثر احباب ان پیچیدگیوں میں پڑجاتے ہیں۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ ایک مرتبہ میں نے دو خوردبینیں محض اسوجہ سے سمندر میں پھینکدیں کہ وہ مجھ میں اور میرے ایک محبوب دوست کے درمیان باعث تفرقہ بن گئی تھیں۔ اول اول میرے دوست کو ان خوردبینوں کے ضائع کرنے میں پس و پیش ہوا لیکن بالآخر اس قیمتی اور خوبصورت چیز کو غرقاب کرنا ہی اسکے نزدیک بھی ایک مناسب اور صحیح فعل ثابت ہوا۔ تجربہ بتاتا ہے اگر قیمتی سے قیمتی تحفہ جات بھی کسی شخص کی اخلاقی ترقی میں مانع ہوں تو ان کو بغیر کسی معاوضہ یا تذبذب کے برباد کردینا چاہئے۔ کیا ہر شخص کا یہ ایک مقدس فرض نہیں ہے کہ اس تمام جدی مال و اسباب کو نذر آتش کردے جو جراثیم طاعون سے اثر پذیر ہوچکا ہو؟ مجھے یاد پڑتا ہے کہ عالم شباب میں میں نے ایک مرتبہ اپنی پیاری بیوی کی محبوب چوڑیوں کو صرف اسوجہ سے ٹکڑے ٹکڑے کردیا کہ وہ ہمارے درمیان اختلاف کا باعث تھیں اور اگر میرا حافظہ صحیح ہے تو غالباً وہ چوڑیاں میری بیوی کی والدہ کا عطیہ تھیں۔ میرا یہ فعل نفرت پر مبنی نہ تھا بلکہ محبت سے لبریز تھا، اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے زیادہ پیار کرنے لگے۔

اگر تمام بدیشی چیزوں کے بائیکاٹ پر زور دیا جاتا تو اسوقت یہ کہنا صحیح تھا کہ یہ تحریک نسلی جذبات بھڑکانیوالی اور شرارت آمیز ہے لیکن اب تو صرف بدیشی کپڑے پر زور دیا جارہا ہے۔ میں انگریزی گھڑیوں یا جاپانی دارنش پر ہندوستان

کے دروازے بند کرنا نہیں چاہتا لیکن یورپ کی تمام چیدہ شرابوں کو خواہ وہ کتنی ہی حفاظت اور توبہ کے ساتھ تیار کیوں نہ کیگئی ہوں میں تباہ کرنا چاہتا ہوں۔ شیطان بڑے مکر کے ساتھ اپنا جال بچھاتا ہے اور جب برائی اور بھلائی میں امتیاز پیدا کرنیوالی حدود اسقدر باریک ہوں کہ ظاہری نظریں انکے دیکھنے سے قاصر ہوں۔ تو اسوقت شیطان کا دام تزویر بہت زیادہ تحریصات کا باعث ہوتا ہے لیکن اُسکے معنی یہ نہیں کہ برائی اور بھلائی کے درمیان حد فاصل نہیں ہوتی۔ حد فاصل ہوتی ہے اور نہایت مضبوط اور مستحکم ہوتی ہے جو شخص اس حد فاصل کو عبور کریگا وہ کسی نہ کسی ہلاکت میں پڑجائیگا۔

ہندوستان میں آج نسلی امتیازات موجود ہیں۔ بڑی جد و جہد اور جانفشانی کے بعد میں آپ کو اس قابل پاتا ہوں کہ عوام الناس کے برے جذبات کی روک تھام کرسکوں۔ عوام الناس چونکہ کمزور ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ کسطرح اپنی کمزوری کو دور کریں لہذا انکی اکثریت عدم اعتماد کے جذبات سے پر ہے میں اس نفرت کو جو انسانوں کے ساتھ ہے اشیاء سے نفرت کرنے میں تبدیل کررہا ہوں۔

بدیشی کپڑے کی محبت نے غیر ملکی تسلط غربت و افلاس اور ان سب سے زیادہ قبیح یہ کہ بہت سے گھرانوں میں ندامت و جہالت کا بیج بویا ہے۔ شاید ناظرین کو علم ہو کہ کچھ زیادہ مدت نہیں گذری جب کاٹھیاواڑ کے سیکڑوں اچھوت جلاہے اپنے پیشہ کو فنا ہوتے دیکھ کر بمبئی میونسپلٹی کے خاکروب بنگئے اور ان لوگوں کی زندگی اسقدر دشوار ہوگئی ہے کہ ان میں سے اکثر کے بچے ضائع ہوجاتے ہیں اور یہ لوگ اخلاقی و نیز جسمانی اعتبار سے بالکل بیکار ہوجاتے ہیں انہیں سے بعض اپنی لڑکیوں اور بیویوں کی عصمت دری کی زندہ شہادت ہیں۔ غالباً ناظرین اس امر سے بھی آگاہ ہونگے کہ گجرات کے اس فرقہ کی بہت سی عورتوں نے گھریلو مشاغل کی عدم موجودگی میں شارع عام پہ کام کرنا اختیار کرلیا جہاں بوجوہ چند در چند وہ اپنی عصمت فروخت کرنے پر مجبور ہوتی ہیں۔ ناظرین کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ پنجاب کے خود دار جلاہوں نے بیکار ہونے کی وجہ سے چند سال گذرے تلوار اٹھائی اور اپنے ملک کی خاطر نہیں بلکہ معاش کی خاطر اپنے افسران کی فرمانبرداری میں بے گناہ اور خود دار عربوں کا خون بہانے میں ممد و معاون ہوئے ان گم کردہ راہ اجیروں سے کوئی کامیاب اپیل کرنا یا ان کو اس خونی پیشہ سے باز رکھنا بہت دشوار کام ہے جو پیشہ کسی زمانہ میں باعزت سمجھا جاتا تھا اب اسکو یہ لوگ اپنے لئے باعث شرم خیال کرتے ہیں۔ ڈھاکہ کے نوربافت جب شہرۂ آفاق شبنم تیار کیا کرتے تھے تو ان کا پیشہ باعث شرم خیال نہیں کیا جاسکتا تھا۔

پھر اب اسمیں تعجب کی کونسی بات ہے اگر میں بدیشی کپڑے کو ایک گناہ تصور کروں؟ کیا اُس شخص کے لئے جسکا معدہ کمزور ہو عمدہ اور نفیس غذاؤں کا استعمال گناہ نہیں ہے؟ کیا اسکے لئے یہ امر ضروری نہیں کہ وہ ان غذاؤں کو یا تو ضائع کردے اور یا کسی شخص کو دیدے۔ اگر میرا بیٹا صاحب فراش ہو اور عمدہ غذاؤں کا استعمال اسکے لئے ممنوع ہو لیکن وہ خوشی کے ساتھ ان کے کھانے کے لئے تیار ہو تو آپ کو معلوم ہے کہ مجھے ایسی غذاؤں کے ساتھ کیا کرنا چاہئے۔ میرا فرض ہے کہ گو میں بذات خود ان نفیس غذاؤں کو ہضم کرسکتا ہوں تاہم اپنے بیٹے کی خواہش کو روکنے کیلئے ان غذاؤں کو اسکے

سامنے کھانے سے پرہیز کروں اور انکو ضائع کردوں تاکہ اسپر کافی اثر نہ ہو سکے۔

اگر بدیشی کپڑے کی تباہی کو اعلیٰ ترین اخلاقی نقطۂ نگاہ سے مناسب و موزوں تسلیم کر لیا جاوے تو پھر ہمیں سودیشی کی قیمتوں میں اضافہ ہوجانے پر خوفزدہ نہ ہونا چاہیئے۔ جدید پیداوار میں سرعت کے ساتھ ترقی کرانیکا سب سے عمدہ ذریعہ یہ ہے کہ بدیشی کپڑوں کو فنا کردیا جائے۔ ایک سرگرم کوشش ہندوستان کو ان کی کاہلی اور بےحسی سے بیدار کردیگی۔ آسام گزٹ کے مصنف مسٹر این نے کامروپ کے متعلق ۱۹۰۵ء میں تحریر کیا تھا۔

"زمانہ حال میں باہر سے آیا ہوا کپڑا پسندیدہ نظروں سے دیکھا جارہا ہے۔ یہ ایک ایسی ابتدا ہے جو قابل سفارش نہیں کیونکہ گذشتہ ایام میں جو وقت کرگوں پر صرف کیا جاتا تھا اب کسی مشغلہ میں صرف نہیں کیا جاتا۔"

آسام کے باشندے جن سے گفتگو کرنیکا مجھے اتفاق ہوا ہے ان الفاظ کی صداقت کا احساس کرتے ہیں ہندوستان کے لئے بدیشی کپڑا ایسا ہی ہے جیسے جسم کیلئے بیرونی مادہ۔ اول الذکر کا تباہ کرنا ہندوستان کیلئے اتنا ہی ضروری ہے جتنا جسم کی تندرستی کے لئے موخرالذکر کا رواج ہے۔ اگر آپ سودیشی کی ضرورت کو تسلیم کرلیں تو پھر اسکی آتش زنی پر شک و شبہ کی گنجایش نہیں۔

ہمیں اس امر سے بھی خوفزدہ ہونیکی ضرورت نہیں کہ اگر سودیشی کی اسپرٹ مکمل طور پر پھیل گئی تو اس سے تنگ خیالی اور تنہا پسندی کی اسپرٹ میں ترقی ہو جائیگی۔ اس سے قبل کہ ہم دوسروں کی تقدیس اور پاکی کی حفاظت کریں ضروری ہے کہ عیاشی سے خود ہمارا جسم جن امراض میں گرفتار ہو جائے ان کا دفعیہ کریں۔ ہندوستان اسوقت ایک جسم بےجان ہے جو دوسروں کی جنبش سے حرکت کرتا ہے اسکو تزکیۂ نفس کے ذریعہ دوبارہ زندہ کرنا چاہیئے۔

سودیشی پر پختہ یقین رکھنے والے کو کھدر پہنکر فراسیوں کی سی خوداعتمادی کی ضرورت نہیں۔ فراسی نیکی کا نگراں ہوتا ہے لیکن سودیشی نقطۂ نگاہ سے کھدر کا استعمال ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنے پھیپھڑوں کو استعمال میں لاوے ایک ایسا فعل جو قانونِ قدرت کے حسب منشا اور مذہبی فرض ہو اسپر عملدرآمد کرنا ضروری ہے، خواہ دوسرے لوگ اسکو ناپاک اغراض کو مدنظر رکھتے ہوئے انجام دیں یا اسپر عملدرآمد کرنے سے بالکل مجتنب رہیں۔

دیہاتیوں کیلئے چرخہ کاتنا اور کپڑا بننا غلہ پیدا کرنیکے مقابلہ میں زیادہ آسان ہے

کامیابی کے لوازمات) مہاتما گاندھی کے قلم سے۔ ینگ انڈیا ۱۱ اگست ۱۹۲۱ء

آئندہ ۳۰ ستمبر سے پہلے بدیشی کپڑے کے بائیکاٹ کے پروگرام کو مکمل کرنیکے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے پوشش پر نظرثانی کریں اور سادہ لباس اختیار کرکے اپنی ضروریات کو کم سے کم درجہ کا کردیں۔ کوئی حامی عدم تعاون

تین کپڑوں کے علاوہ جو تھا زائد کپڑا استعمال کرنیکا تحمل نہیں ہو سکتا۔ ہمیں مزید اور کے نفیس پارچہ جات کی خواہش نہ کرنی چاہیئے۔ بلکہ موٹے سے موٹے کھدّر سے مطمئن ہو جانا چاہیئے لیکن یہ امر تو محض ابتدائی مرحلہ ہے اگر سودیشی کو تجارتی اصول پر قائم نہ کیا گیا تو اسکے یہ معنی ہونگے کہ تحریک سودیشی ناکام رہی۔ ہم نے تا ایندم طلبا پر سودیشی کا امتحان کیا ہے اور انہوں نے ہر ممکن طریقہ پر اسپر لبیک کہا ہے۔ بہت سے عدم تعاونی طلبا نے بحیثیت پہرہ دار اور پروپگنڈا کرنیوالوں کے نہایت دلیرانہ کام انجام دئیے ہیں۔ ایک عدم تعاونی اسکول تمام پبلک سرگرمی کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے لیکن محض اسکول طلبا کے ذریعہ سے ہی ہم سودیشی کو پورے طور سے کامیاب نہیں بنا سکتے ہیں ہندوستان کے جلاہوں کے دلوں کو بھی ٹٹولنا چاہیئے۔ انکی تنظیم کرنی چاہیئے۔ ان جلاہوں کو جنہوں نے صنعت مذکور کی کمی وسعت کی وجہ سے اس پیشہ کو ترک کر دیا ہے، بارِ دگر اس پیشہ کی طرف مدعو کیا جاوے۔ ہمیں انکے جلسے منعقد کرانے چاہئیں اور انہیں بتانا چاہیئے کہ کیوں انہیں ہاتھ کا کتا سوت خواہ وہ ناہموار ہی کیوں نہو استعمال کرنا چاہیئے اور بدیشی سوت کو ہاتھ لگانا ایک گناہ سمجھنا چاہیئے۔ دھنوں کو اس امر پر مائل کرنا چاہیئے کہ وہ چرخہ کاتنے کے لئے پونے تیار کریں نیز سوداگران پارچہ کو بھی یہ رغبت دلانی چاہیئے کہ وہ اپنی تجارت میں حب الوطنی کو جگہ دیں اور محض ہاتھ کا کتا ہاتھ کا بنا کپڑا فروخت کریں اور غیر ملکی پارچہ کی فروختگی بالکل بند کر دیں ہمیں سودیشی دوکانوں کے لئے ایسے ماہرین یا انسپکٹران مقرر کرنے چاہئیں جو سودیشی اور بدیشی اور ہاتھ کے کتے ہوئے سوت اور مشین کے سوت کے درمیان امتیاز کرنے کی مہارت رکھتے ہوں۔ یہ کام اُسوقت تک انجام پذیر نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ ہم ایک بڑے پیمانہ پر اپنی تنظیم نہ کرلیں اور ہماری تنظیم اُسوقت تک ناممکن ہے جبتک کہ کانگریس کی ہر انجمن سودیشی پر اپنی تمام توجہ مبذول نہ کرے یعنی تمام سرگرمیوں کو پس پشت ڈالکر بائیکاٹ اور سودیشی کپڑوں کی تیاری میں منہمک نہو جائے۔

اس میں شک نہیں کہ ہر گانوں کے لئے اصول تو صرف ایک ہی ہے یعنی یہ کہ ہر گاؤں بذات خود سوت کاتے اور کپڑا بُنے جیسا کہ آج کل کاشت کے مقابلہ میں ہو رہا ہے۔ ہر گانوں کے لئے چرخہ کاتنا اور کپڑا بننا غلہ پیدا کرنیکے مقابلہ میں زیادہ آسان ہے۔ ہر گانوں چاول اور گیہوں کی کاشت نہیں کر سکتا لیکن کافی روئی جمع کر سکتا ہے اور بغیر کسی دقت کے سوت کات سکتا ہے اور کپڑا بن سکتا ہے لیکن کسی مسرت انگیز حالت پر پہونچنے کیلئے ہمیں کچھ عرصہ درکار ہے اس اثنا میں وہ صوبہ جات جو اس کام کیلئے بالکل منظم ہو چکے ہیں جیسے پنجاب، تو وہ صرف اپنے منڈیوں سے تمام بدیشی کپڑے ہی کو خارج کر دیں بلکہ ہندوستان کے ان حصص میں جہاں ضرورت ہو اپنی ضرورت سے زائد کھدّر کو بھیجدیں۔ گجرات، پنجاب، (آندھرا) اور بہار کھدّر کی پیداوار کے لئے بہترین منظم صوبے ہیں۔ اور ان صوبہ جات کو اپنے کام میں یہ خیال کرتے ہوئے مصروف رہنا چاہیئے کہ گویا انہیں آیندہ قحط کا مقابلہ کرنا ہے۔

اگر ہم اس زبردست اور شاندار کام کو پایۂ تکمیل کو پہنچانا چاہتے ہیں تو ہمیں چاہیئے کہ لفظی جمع خرچ کو ترک کر دیں اور اگر بات چیت کریں بھی تو وہ بھی کاروباری طریقے پر ہونی چاہیئے۔ ہمیں بحث و مباحثہ اور بات بات پر اعتراض کرنے سے بھی مجتنب رہنا چاہیئے اور جو لوگ اس قسم کی بحث و تمحیص کو چھیڑیں ان کی باتوں میں بھی دلچسپی نہ لینی چاہیئے

اب کانگریس ان قابل وکلا کی مجلس بنا ناظرہ ہونی چاہیئے جو اپنی وکالت ترک نہیں کرتے بلکہ کپڑا تیار کرنیوالوں پر مشتمل ہونی چاہیئے۔ وہ وکلا جنہوں نے وکالت ترک نہیں کی ہے خاموش کام اور چندے کے ذریعہ امداد کر سکتے ہیں، مجھے ان لوگوں کے ساتھ ہمدردی ہے کیونکہ وہ بھی رفتار زمانہ کے ساتھ چلنے کی خواہش رکھتے ہیں لیکن میں تاکیداً ان سے کہتا ہوں کہ وہ اپنے حدود کو ملحوظ رکھیں۔ ایک دن آئیگا جب قوم اس قابل ہو جائیگی کہ عدالتوں میں مقدمات لیکر جائے اور مجالس قانون ساز کے ذریعہ انصاف طلب کرے۔ موجودہ زمانہ میں قوم ان ہر دو انجمنوں پر یقین نہیں رکھتی کیونکہ انکی خرابیاں ناگفتہ بہ ہیں۔ جب حکومت اور رعایا کا سوال آتا ہے تو قانون اور قانونی عدالتیں انصاف کرنے میں قاصر رہتی ہیں۔ ان عدالتوں کی فائدہ رسانی کا امتحان اس سے نہیں کیا جاسکتا ہے کہ وہ رعایا کے دو مختلف حصوں میں قانون کا نفاذ کریں بلکہ ان کا امتحان اس امر سے ہوتا ہے کہ وہ دو فریق میں مساوی طور پر انصاف کرنیکی قابلیت رکھتی ہوں۔ اول الذکر انصاف کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کوئی شیر ایسے بھیڑوں کے معاملہ میں دخل انداز ہو جو ایک دوسرے کو کھا نیکے درپے ہوں یا بیماری کی وجہ سے دم توڑ رہی ہوں تاکہ ان سب کا اپنا لقمہ بنا کر انکا قصہ پاک کردے۔

میری نظر سے کسی عورت کی ایسی مثال نہیں گذری جسنے اپنے بچے کو اس خیال سے پھینکدیا ہو کہ وہ غیروں کی نظروں میں بدصورت معلوم ہوتا تھا

(خواتین ہند کے نام کھلی چٹھی) مہاتما گاندھی کے قلم سے ینگ انڈیا ۔ ۱۱ اگست ۱۹۲۱ء

پیاری بہنو!

آل انڈیا کانگریس کمیٹی اس عظیم الشان فیصلہ پر پہونچی ہے کہ ۳۰ اگست ۱۹۲۱ء بدیشی کپڑوں کے بائیکاٹ کو مکمل کرنیکی آخری تاریخ ہو۔ یہ بائیکاٹ لوکمانیہ تلک کی یادگار میں ایثار اور قربانی کی ایک زبردست آگ سے شروع کیا گیا تھا۔ مجھے ان قیمتی ساڑیوں اور دوسرے لباسوں کے ڈھیر وغیرہ میں آگ لگانیکا شرف حاصل ہے جنکو ابتک آپ خواتین خوشنما اور نفیس خیال کرتی تھیں۔ میرا خیال ہے کہ میری بہنوں نے اپنے قیمتی کپڑوں کو نذر آتش کیلئے دیکر نہایت مناسب اور دانشمندانہ کام انجام دیا ہے۔ ان کپڑوں کا جلانا اقتصادی حیثیت سے اسقدر مفید تھا جسقدر زمانہ طاعون میں ان اشیاء کا جلانا جن میں طاعون کے جراثیم اپنا اثر کرچکے ہوں۔ یہ فعل جسم سیاست میں آنیوالے نہایت خطرناک امراض کو روکنے کیلئے ایک عمل جراحی تھا۔

گذشتہ بارہ ماہ کے عرصہ میں خواتین ہند نے مادر وطن کی حیرت انگیز خدمات انجام دی ہیں خاموش

کام کرکے تم رحمت کی دیوی ثابت ہوئی ہو۔ تم نے اپنے روپیوں اور زیورات سے جدائی اختیار کی۔ تم چندہ جمع کرنیکے لئے دربدر پھرتی رہی ہو۔ تم میں سے بعض نے شرابخانوں پر پہرہ داری میں مدد دی ہے اور تم میں سے بعض ایسی بھی ہیں جو نفیس لباس مختلف رنگوں سے رنگ کر پہنا کرتی تھیں اور اتنا ہی نہیں بلکہ دن بھر میں کئی مرتبہ ساڑھیاں تبدیل کیا کرتی تھیں لیکن اب انہوں نے کھدر کی سفید ساڑیوں کا استعمال شروع کر دیا ہے جس سے ہر دیکھنے والے کو عورت کی فطری عصمت یاد آجاتی ہے۔ تم لوگوں نے یہ سب باتیں ہندوستان، خلافت اور پنجاب کیلئے کی ہیں۔ تمہارے الفاظ اور خدمات میں ریا و چالاکی کا ادنیٰ شائبہ بھی موجود نہیں۔ تمہاری قربانی نہایت پاکیزہ اور غصہ یا نفرت سے بالکل غیر آلودہ ہے۔ میں تم سے اس امر کا اقرار کرانا چاہتا ہوں کہ تمام ہندوستان میں تمہاری پرجوش اور محبت آمیز بیداری کو دیکھ کر مجھکو یہ یقین ہو گیا ہے کہ خدا ہمارا حامی ہے۔ ہم کو اس امر کے ثابت کرنیکے لئے کہ ہماری تحریک تزکیہ نفس کے اصول پر مبنی ہے محض اتنا بتا دینا کافی ہے کہ ہندوستان کی لکھوکھا عورتیں اس تحریک میں عملی کام کر رہی ہیں

تم نے بہت کچھ کیا لیکن ابھی اور کام کرنیکی ضرورت ہے۔ تلک سوراج فنڈ جمع کرنے میں مردوں نے خاص طور پر حصہ لیا تھا مگر سودیشی پروگرام کی تکمیل محض اس طرح ہو سکتی ہے کہ تم اس میں سب سے زیادہ حصہ لو۔ اگر تم نے اپنے تمام بدیشی کپڑوں کو علیحدہ نہ کر دیا تو بائیکاٹ غیر ممکن ہو جائیگا۔ جب تک بدیشی استعمال کا مذاق باقی ہے اسوقت تک مکمل بائیکاٹ ناممکن ہے۔ خدا ہمیں جیسے بچے دیتا ہے ہم انہی پر شکر کے ساتھ قانع ہو جاتے ہیں اسی طرح ہم کو ان کپڑوں پر قناعت کرنی چاہئیے جو ہندوستان میں تیار ہوتے ہیں۔ میری نظر میں کسی عورت کی ایسی مثال نہیں گذری جسنے اپنے بچہ کو اس خیال سے پھینکدیا ہو کہ وہ غیروں کی نظروں میں بدصورت معلوم ہوتا ہے۔ ہندوستان کی محب وطن عورتوں کو سودیشی کپڑوں کے متعلق بھی ایسا ہی خیال رکھنا چاہئے اور تم کو چاہئیے کہ محض ہاتھ کے کاتے اور ہاتھ کے بُنے ہوئے کپڑوں کو سودیشی سمجھو۔ اس زمانۂ انقلاب میں تمہیں محض بھدّا کھدر نصیب ہو سکتا ہے۔ تم ذاتی مذاق یا ضرورت کے لحاظ سے اسکی خوبی و خوشنمائی میں اضافہ کر سکتی ہو اور اگر چند مہینوں تک تم خالص کھدر پر قناعت کر سکو تو وہ وقت دور نہیں جیسا کہ ہندوستان میں پھر اسی دَور کا آغاز ہوگا جبکہ بیش قیمتی اور خوشنما کپڑے ہندوستان میں سے جاتے تھے اور جن پر دنیا رشک کرتی تھی۔ اور مقابلہ کی جرأت نہ کرتی تھی۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ چھ ماہ کے ایثار سے یہ حقیقت رونما ہو جائیگی کہ جسکو آج ہم نفیس پوشاک تصور کرتے ہیں وہ درحقیقت ایسی نہیں ہے۔ ہنر کی نفاست محض ظاہری خوبیوں کا نام نہیں ہے بلکہ اس میں باطنی خوبیوں کا بھی لحاظ ہونا چاہئیے، کوئی صنعت پیغام موت لاتی ہے اور کوئی تازہ زندگی بخشتی ہے۔ مغرب یا مشرق بعید سے جو سوت ہم منگا لیتے ہیں اس نے درحقیقت ہمارے لاکھوں بھائی بہنوں کو موت کے گھاٹ اتارا، اور ہزاروں بہنوں کی زندگیوں کو شرمناک بنانیکا باعث ہوا۔ حقیقی صنعت وہی ہے جس سے صانع کی مسرت، قناعت اور پاکیزگی کا ثبوت ملے۔ اگر تم لوگ ان صفات کو اور ان صنعتوں کو زندہ رکھنا چاہتی ہو تو موجودہ وقت میں کھدر کا استعمال بہترین عورت کے لئے بھی ضروری ہے

لیکن سودیشی پروگرام کی کامیابی کے لئے کھدر کا استعمال ہی کافی نہ ہوگا بلکہ تم میں سے ہر ایک روزانہ فرصت

کے وقت چرخہ بھی کاتنا چاہئے ۔ میں نے لڑکوں اور مردوں سے بھی چرخہ کاتنے کی سفارش کی ہے ۔ اور میں جانتا ہوں کہ ہزارہا آدمی اس کام کو کر رہے ہیں لیکن جیسا کہ پرانے زمانہ کا رواج تھا آج بھی کاتنے کا زیادہ تر بار تمہارے ہی کندھوں پر پڑیگا ۔ دوسو برس کا زمانہ گذرا جب عورتیں صرف اتنا ہی سوت نہیں کاتا کرتی تھیں جو ملک کی ضروریات کیلئے کافی ہو بلکہ وہ غیر ممالک کی ضروریات بھی پورا کیا کرتی تھیں اور عورتیں محض موٹا سوت نہیں کاتا کرتی تھیں بلکہ ایسا باریک سوت طیار کیا کرتی تھیں جس سے بہتر دنیا میں ابتک طیار نہو سکا ۔ آئندہ دو مہینہ کے اندر ملک و قوم کو کھدر کی جسقدر ضرورت پیش آئیگی اور اسکے بعد بھی کھدر کی جسقدر مانگ رہیگی اگر ہم کو ان سب کا فراہم کرنا منظور ہے تو لازم ہے کہ ہم چرخہ کلب قائم کریں ۔ سوت کاتنے میں مقابلہ اور انعام کے اصول بتائیں اور ہندوستان کے بازاروں کو ہاتھ سے کاتے ہوئے سوت سے بھر دیں ۔ اسکے لئے یہ بھی ضرورت ہے کہ تمہاری جماعت کی چند عورتیں سوت کاتنے ، روئی دھننے چرخہ بنانے اور درست کرنے میں کامل دستگاہ پیدا کرلیں ۔ اور ان سب باتوں کا مطلب یہ ہے کہ بلا تھکے یا بلا رکے برابر محنت اور کوشش جاری رہے ۔ تم اسکو اپنی معاش پیدا کرنیکا ذریعہ خیال نہ کرنا متوسط درجہ کے خاندانوں میں اسکی وجہ سے آمدنی میں اضافہ ہو جاویگا اور بہت سی مفلس عورتیں اس سے اپنی روزی بھی حاصل کر سکتی ہیں ۔ چرخہ تمہیں اتنا عزیز ہونا چاہئے جسقدر کہ ایک بیوہ عورت کو یہ ایک محبت کرنیوالا ساتھی معلوم ہوتا تھا اور اسلئے اسکو عزیز تھا کبھی اس خط کو پڑھنے والیوں کے سامنے چرخہ بطور ایک فرض یا دھرم کے پیش کیا جاتا ہے ۔ اگر تمام مالدار عورتیں روز مرہ ایک مقررہ مقدار میں سوت تیار کرنا اپنے اوپر فرض کرلیں تو اسکی وجہ سے سوت بہت سستا ہو جائیگا اور بہت جلد کپڑوں میں نفاست بھی پیدا ہو جائیگی ۔

الغرض ہندوستان کی اقتصادی اور روحانی نجات کا انحصار محض تمہارے اوپر ہے ۔ ہندوستان کا مستقبل تمہارے قدموں کے نیچے ہے کیونکہ آئندہ نسلوں کی پرورش اور نشو و نما تم ہی کروگی ۔ تمہارے بس میں ہے کہ ہندوستان کے بچوں کو ایسی تربیت دو کہ بڑے ہو کر وہ سچے خدا پرست اور بہادر مرد و عورت بنیں یا ایسے بزدل و کمزور ہو جائیں کہ حیات کے طوفانی تموج کا مقابلہ کرنے کے قابل نہوں اور ان کو نفیس بدیشی کپڑوں کی اسقدر چاٹ پڑ جائے کہ بڑے ہو کر ان کا ترک کرنا انکے لئے ناممکن ہو جائے ۔ آئندہ چند ہفتوں میں یہ ظاہر ہو جاویگا کہ ہندوستان کی عورتیں کیسا قلب و جگر رکھتی ہیں ۔ مجھکو اچھی طرح معلوم ہے کہ مذکورہ بالا دو باتوں میں تم کونسی بات اختیار کروگی اس سلطنت سے جسنے ہندوستان کے وسائل و ذرائع کو اس قدر پامال کردیا ہے کہ ہندوستان کو اپنے اندر خود اعتماد باقی نہیں رہا ۔ تمہارے ہاتھوں میں ہندوستان کی قسمت کہیں زیادہ محفوظ اور آباد رہیگی ۔ عورتوں کے ہر جلسہ میں میں نے تم سے درخواست کی ہے کہ اس قومی جد و جہد کیلئے بیدار رہنا کرو اور میری یہ درخواست اسلئے ہے کہ مجھکو یقین ہے کہ تم معصوم ، نیک اور فرشتہ صفت ہو ۔ تمہاری دعاؤں کا اثر ضرور پڑیگا اگر تم ولایتی کپڑوں کو خیرباد کہدو اور فرصت کے وقت قوم کیلئے سوت کاتنے میں برابر مشغول رہو تو تمہاری دعاؤں کا اثر یقینی ہو جاوے ۔

بطور اظہار غم میں اپنے لئے لباس کا ترک کرنا ضروری سمجھتا ہوں

(غریب آدمی کی راہِ عمل) مہاتما گاندھی کے قلم سے۔ ینگ انڈیا ۲۹ ستمبر ۱۹۲۱ء

مسٹر گاندھی نے پبلک کے سامنے حسب ذیل اپیل شائع کی ہے:۔

آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے جس بائیکاٹ کا حکم صادر فرمایا تھا اسکی تکمیل کے کچھ دن باقی رہ گئے ہیں اگر کانگریس کا ہر کارکن اس طرف اپنی تمام توجہ مبذول کردے تو اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ اگر ہر شخص یہ محسوس کرتا ہے کہ سودیشی کے بغیر سوراج حاصل نہیں ہوسکتا اور بغیر حصول سوراج خلافت اور پنجاب کے مسائل کا تصفیہ نہیں ہوسکتا تو مطلوبہ بائیکاٹ اور منزوکہ کپڑے کی فراہمی میں کوئی دقت نہیں ہونی چاہیئے۔

میں جانتا ہوں کہ بہت سے حضرات اپنے تمام بدیشی کپڑے کو سودیشی سے مبدل کرتے وقت دشواری محسوس کرینگے۔ لکھو کھا آدمی اسقدر غریب ہیں کہ ضائع کردہ کپڑے کی جگہ کافی کھدر نہیں خرید سکتے۔ میں ان لوگوں کے سامنے اس مشورہ کو دُہراتا ہوں جو میں نے ساحل مدراس[1] پر پیش کیا تھا۔ اس ملک کی آب و ہوا کا لحاظ کرتے ہوئے موسم گرما میں شاذ و نادر ہی ہمیں اپنا بدن ڈھکنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ لباس میں بناوٹ کی ضرورت نہیں۔ ہندوستان کے تمدن میں مردوں کے تمام بدن چھپانے کیلئے زور نہیں دیا۔

میں پوری پوری ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے مندرجہ بالا مشورہ دیتا ہوں لہذا مثال قائم کرنیکے لئے میں کم از کم ۳۰ اکتوبر تک اپنی ٹوپی اور کرتہ ترک کرتا ہوں اور محض ایک لنگوٹی اور جب کبھی ضرورت پڑی تو ایک چادر پر قناعت کرونگا۔ میں وہ تبدیلی اختیار کرتا ہوں کیونکہ اب تک ایسا مشورہ دینے میں پس و پیش کیا ہے جس پر میں خود عمل کرنے کیلئے تیار نہ ہوں۔ اس طرح رہنمائی کرکے میں اُن لوگوں کے لئے اس کام کو آسان کرنا چاہتا ہوں جو بدیشی کپڑے کو علیٰحدہ کرنیکے بعد جدید کپڑوں کے متحمل نہیں ہوسکتے کپڑوں کو ترک کرنا میں اپنے لئے بطور اظہار غم کے ضروری سمجھتا ہوں اور میرے وطن میں ننگے سر اور عریاں ہونا اظہار غم کا ایک نشان ہے۔ مجھے سال کا ختم قریب ہے اور ہمیں ہنوز سوراج

[1] مہاتما جی ساحل مدراس پر ایک جلسہ میں تقریر فرما رہے تھے اور کھدر پہننے کی تلقین کر رہے تھے، دوران تقریر میں ایک غریب آدمی نے مہاتما جی سے سوال کیا کہ اگر کسی کو کھدر دستیاب نہ ہو تو وہ کیا کرے؟

آپنے فوراً اپنی ٹوپی اور کرتہ اتار کر اور یہ مثال بن کر ارشاد فرمایا کہ وہ اس طرح رہے (یعنی برہنہ رہے) لہذا آپنے عمر بھر کے لئے سوائے ایک دھوتی اور ایک چادر کے تمام لباس ترک کر دیا۔ آپ جس بات کے لئے دوسروں کو کہتے ہیں پہلے خود اُسے اختیار کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج دنیا اُن کی پرستش کر رہی ہے۔

حاصل نہیں ہوا۔ لہذا مجھے روز افزوں یقین ہوتا جاتا ہے کہ ہم لوگ ماتم کی حالت میں ہیں۔ میں اپنے ساتھیوں کو صاف طور پر بتانا چاہتا ہوں کہ اگر وہ اپنے لئے ضروری نہ سمجھیں تو ہرگز ٹوپی اور کرتے کو ترک نہ کریں۔

مجھے قطعی یقین ہے کہ ہر ایک ضلع اگر وہاں کافی کارکن موجود ہوں تو ایک ماہ کے عرصہ میں اپنی ضروریات کے موافق کافی کپڑا تیار کر سکتا ہے اور اس مقصد کے حصول کیلئے میں مشورہ دیتا ہوں کہ ایک ماہ تک سودیشی کے علاوہ تمام سرگرمیاں ملتوی کر دی جاویں۔ میں یہ اعتماد کرتے ہوئے کہ ہنوز اراس جدید تزکیہ نفس کی اسپرٹ کو پہچان لیں گے شراب خانوں سے پہرہ داری کو بھی بند کر دونگا۔ میں ہر پیرو عدم تعاون کو مشورہ دونگا کہ وہ قید ہو جانے کو محض ایک معمولی بات سمجھے اور اسکا زیادہ فکر نہ کرے۔ اگر ہم ماہ اکتوبر میں کپڑا تیار کرنے اور بدیشی کپڑے کو جمع کرنے میں کامیاب ہو گئے تو ایسی پرسکون فضا پیدا ہو جائے گی جو ضرورت پڑنے پر سول نافرمانی کے لئے بھی کافی ثابت ہو گی۔ میرا پختہ یقین ہے کہ اگر ہم نے مستقل عزم، قابلیت تنظیم اور غیر معمولی تحمل و برداشت کا اظہار کیا جو مکمل سودیشی کے لئے ضروری ہیں تو ہمیں سوراج کسی مزید قربانی کے حاصل ہو جائیگا۔

سودیشی ہماری خلافت ہے اور یہی نعمتوں کا خزانہ ہے

۳۰ ستمبر۔ مہاتما گاندھی کے قلم سے ینگ انڈیا ۶ اکتوبر سنہ ۱۹۲۱ء

آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے پورے بحث و مباحثہ کے بعد ۳۰ ستمبر کو بدیشی کپڑے کے مکمل بائیکاٹ کے لئے مقرر کیا ہے۔ ۳۰ ستمبر اور ۳۰ اکتوبر پر بحیثیت تنی ستمبر کی موافقت میں جو استدلال کیا گیا وہ یہ تھا کہ اگر بائیکاٹ اکتوبر میں مکمل ہو سکا تو وہ ستمبر میں بھی ممکن الوقوع ہو سکتا ہے۔ اس امر کا اعتراف کرنا پڑیگا کہ ہم اپنی تجویز کو عملی جامہ پہنانے میں قاصر رہے۔ اسمیں شک نہیں کہ بہت کچھ کام کیا گیا۔ کھدر بہت زیادہ ہر دلعزیز اور فیشن ایبل ہو گیا۔ بعض مقامات پر کپڑے کی صنعت میں بھی ترقی ہوئی ہے۔ بلاشبہ آج چرخے بہت زیادہ تعداد میں کام کر رہے ہیں۔ گو بہت سے جدید کپڑے بنائے گئے ہیں اور بادی النظر میں جو ترقی ہوئی ہے وہ قابل اطمینان ہے لیکن حالت جنگ کے اعتبار سے ترقی بالکل ناکافی ہے۔

بایںہمہ کامیابی کا مدار کپڑا پہننے والوں پر ہے۔ باہر سے کپڑا منگانے والوں نے درحقیقت ہماری امداد کی لیکن کپڑا پہننے والوں نے صرف جزوی بائیکاٹ پر قناعت کی۔ انھوں نے زیادہ تر اپنی ٹوپیوں کو ترک کر دیا۔ بعضوں نے کرتوں کو بھی علیحدہ کر دیا اور بہت قلیل تعداد ایسی ہے جنہوں نے اپنی دھوتیوں کو بھی چھوڑا ہو۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ کپڑے کے خریداروں نے مکمل تغیر کا احساس ہی نہیں کیا۔ انہوں نے اس تصویر کو پیش نظر نہیں رکھا جو سوراج کے ماتحت ہونی چاہئے۔ ہم صرف زمانہ سازی کر کے کامیاب نہیں ہو سکتے ایک مکمل تبدیلی موجودہ معاملہ میں ضروری ہے۔

بنگال اور مدراس میں میں نے دیکھا کہ خواہش تو موجود ہے بہت سے لوگ امید کرتے ہیں کہ کچھ مزید عرصہ میں وہ بغیر کسی دشواری کے کپڑا تیار کرنے کے کام کی تنظیم کر لینگے۔ سودیشی کے معاملہ میں عورتوں نے زیادہ دشواریاں پیدا کی ہیں وہ اتنی جلدی میں کردوں کی طرح راضی نہیں ہوئیں لیکن ان دشواریوں پر قابو پانے سے ہی ہم میں ہمت، امید، تحمل اور سب سے بڑھ کر ہندوستان کی صحیح حالت کا علم ہوگا۔ سودیشی کے معنی یہ ہیں کہ دنیائے صنعت میں ایک جدید دور کا آغاز ہو اور ہندوستان کی روز افزوں دریوزہ گری کا انعدام ہو جائے۔ اور جب ہم بغیر حکومت کی امداد کے اپنی ضروریات کے لئے کپڑا مہیا کرنیکی قابلیت پیدا کر لینگے اور اس مسئلہ کو حل کر لینگے جو ہندوستان کے افلاس کا ایک ناقابل مسئلہ تصور کیا جاتا ہے تو پھر اس وقت اپنے معاملات کے انتظام کرنے کی قابلیت پر ہمیں پورا پورا بھروسہ ہو جائیگا۔

آج سر ولیم ونسنٹ اپنے نغمہ سے ہمیں ناچ نچاتے ہیں، وہ رعایا کے خود ساختہ نمائندگان کو یقین دلاتے ہیں کہ قلیل التعداد جماعتوں کی حفاظت صرف برطانی طاقت ہی کر سکتی ہے، وہ آپ کو یہ یقین دلاتے ہیں کہ اس طول طویل عرصہ میں ہندوستان نے ایک بھی ایسا افسر پیدا نہ کیا جو اسکی سرحدوں کو بیرونی حملہ آوروں سے محفوظ رکھ سکے لیکن یہ تمام باتیں تبدیل ہو جائینگی اور جب یہ معلوم ہو جائیگا کہ برطانی طاقت کے بغیر ہم اپنی ضروریات کیلئے تمام بیرونی امداد کو ترک کرنے کے قابل ہو گئے ہیں تو سر ولیم ونسنٹ پھر ایک بالکل مختلف راگ آلاپینگے۔

سودیشی ہماری خلافت ہے یہی نعمتوں کا خزانہ ہے۔ اگر ہم نے سودیشی کو محفوظ کر لیا تو پھر ہم محسوس کرینگے کہ ہم میں خلافت کی حفاظت کرنیکی بھی طاقت موجود ہے اور اپنے معاملات کا انتظام کرنیکی بھی اہلیت ہے۔

اگر تیس کروڑ انسان چاہیں اور اگر ایک کروڑ ممبران کانگریس چاہیں تو اس مہینہ کے دوران میں ہم بدیشی کپڑے کا بائیکاٹ کر سکتے ہیں اور اپنی ضروریات کے لئے کافی کپڑا تیار کر سکتے ہیں تین شرطیں ضروری ہیں۔ ہم تمام بدیشی کپڑوں کو برطرف کر دیں۔ اس دور آزمائش میں کم سے کم مقدار میں کپڑا استعمال کریں اور جسقدر بھی ضرورت ہو اسکا سوت خود کات کر یا اپنے ہمسایہ سے کتوا کر گاؤں کے جلاہے کے پاس بھیجدیں تاکہ وہ کپڑا تیار کر کے ہمارے پاس بھیجدے۔

نہ لینگے نہ لینگے ولایت کا کپڑا

قبا میں اگر لاکھ پیوند ہوں گے

اگر قوم نے میر ہمت نہ ہاری

ضرور ایک دن ہم فتح مند ہوں گے

قومی اتحاد

توڑ والیں آؤ سب مل کر قفس کی تیلیاں
ظلم ہم سے اب سہا جاتا نہیں صیاد کا

ازلغمۂ وطن

ہندوؤں کو چاہئے کہ اسلام کی عزت بحال کرنے میں مسلمانوں کے ساتھ فنا ہو جائیں

(ہندو مسلم اتحاد) از قلم مہاتما گاندھی۔ ینگ انڈیا ۱۱ مئی۔ سنہ ۲۱ء

یہ بات کہ اتحاد ایک ایسی طاقت ہے جو محض کوئی کتابی مقولہ ہی نہیں بلکہ قانون زندگی ہے بہ نسبت اور کہ ہندو مسلم اتحاد کے مسئلہ سے واضح ہوتی ہے اور کسی مسئلہ سے نہیں ہوتی۔ نفاق سے ہماری شکست لازمی ہے جب تک ہم ہندو اور مسلمان ایک دوسرے کا گلا کاٹنے کے لئے تیار رہیں، تیسری طاقت نہایت آسانی کے ساتھ ہندوستان کو غلام بنا سکتی ہے۔ ہندو مسلم اتحاد کے یہ معنی نہیں ہیں کہ صرف ہندوؤں اور مسلمانوں میں اتحاد ہو جائے بلکہ اُن تمام فرقوں میں اتحاد ہو جو ہندوستان کو اپنا وطن خیال کرتے ہیں خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں۔ مجھے پورے طور سے اس بات کا علم ہے کہ ہمارے اندر ابھی ایسا اتحاد قائم نہیں ہوا ہے جو اپنے اندر کوئی زور یا قوت رکھتا ہو۔ یہ ایک روزانہ بڑھنے والے پودے کے مانند ہے جسکی ابھی ابتدا ہے اور جسکے لئے خاص توجہ اور غور و پرداخت کی ضرورت ہے۔ بیتیا میں جب یہ مسئلہ ایک حقیقی شکل میں میرے سامنے پیش ہوا تو اسکی حقیقت بالکل صاف ہو گئی۔ ہندو اور مسلمانوں کے تعلقات خوشگوار تھے۔ دو سال ہوئے جب ان میں ایک ایسے معاملہ پر لڑائی ہوئی تھی جو میرے نزدیک نہایت معمولی بات تھی۔ یہ مسجدوں کے سامنے گذرتے وقت باجہ بجانے کا سوال تھا۔ میری رائے میں یہ مناسب نہیں کہ ہر معمولی بات کو ہم بڑھا کر چڑھا کر گہری مذہبی اہمیت دیدیں۔ لہذا ایک ہندو کو مسجد کے سامنے گذرتے وقت باجا بجانے پر اصرار نکرنا چاہئے اسکے لئے یہ کوئی اہم بات نہیں ہے کہ اگر مسجد کے سامنے سے گذرے تو باجا بھی ضرور بجائے۔ ہر شخص مسلمانوں کے اُن جذبات پر آسانی کے ساتھ تحسین و آفرین کر سکتا ہے جو انھوں نے مکمل چوبیس گھنٹے تک ایک مسجد کے قرب میں پوری خاموشی کے ساتھ ظاہر کئے ایک بات جو ایک ہندو کیلئے ضروری نہیں ہے ممکن ہے کہ مسلمان کیلئے وہ ضروری ہو لہذا ان تمام امور میں جو غیر ضروری ہیں ایک ہندو کو چاہئے کہ وہ خواست کرنے پر اپنا سر تسلیم خم کر دے۔ نہایت معمولی باتوں پر لڑائی جھگڑا کرنا ایک مجرمانہ حماقت ہے جس اتحاد

ہم خواہشمند ہیں وہ صرف اُسوقت قائم ہو سکتا ہے جبکہ ہم ایک دوسرے کی بات کو ماننے اور فراخدلی سے کام لینے کا مادہ اپنے اندر پیدا کر لینگے۔ ہندو گائے کو اپنی جان کی برابر محبوب رکھتے ہیں لہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ خوشی کے ساتھ اپنے ہندو بھائیوں سے موافقت کریں۔ نماز کے وقت ایک مسلمان کے لئے خاموشی اور سکون ایک بیش بہا چیز ہے۔ لہذا ہر ایک ہندو کو چاہئے کہ خوشی کے ساتھ اپنے مسلمان بھائی کے جذبات کا احترام کرے لیکن یہ تو عقلمند لوگوں کا مشورہ ہے۔ بہت سے فتنہ انگیز ہندو مسلمان ایسے ہیں جو بلا وجہ فتنے برپا کرتے رہتے ہیں۔ اسکے انسداد کے لئے ہمیں راستباز اور مستقل مزاج لوگوں کی پنچایتیں قائم کرنی چاہئیں۔ جن کا فیصلہ دونوں فریق کیلئے لازمی قرار دیا جاوے، ان پنچایتوں کی موافقت میں رائے عامہ حاصل کیجاوے تاکہ پھر انکے فیصلوں پر کسی قسم کا اعتراض نہ ہو سکے۔

میں جانتا ہوں کہ ہندو مسلمانوں میں ایک دوسرے پر ہنوز بے اعتمادی موجود ہے۔ بہت سے ہندوؤں کو مسلمانوں کی راستبازی پر بھروسہ نہیں وہ سمجھتے ہیں کہ سوراج کے معنی مسلمان راج کے ہیں اور اسپر دلیل پیش کرتے ہیں کہ برطانیہ کی عدم موجودگی میں مسلمانان ہند بیرونی مسلم طاقتوں کی امداد کرینگے تاکہ وہ ہندوستان میں ایک اسلامی سلطنت قائم کر لیں۔ برعکس اسکے مسلمان خوفزدہ ہیں کہ ہندوؤں کی زبردست اکثریت انکا گلا گھونٹ دیگی۔ ہندو مسلمانوں کے خیالات اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ یہ دونوں بزدل ہیں۔ روشن خیالی کو بھی چھوڑئے محض امن امان کی زندگی بسر کرنیکی خواہش ان دونوں فریق کو باہمی اعتماد اور باہمدگر رواداری کی پالیسی اختیار کرنے پر مجبور کر دیگی۔ ان دونوں قوموں کے مذاہب میں کوئی ایسی بات موجود نہیں جو ایک دوسرے سے ترک تعلقات کی تعلیم دیتی ہو جبریہ تبدیل مذہب کرانے کا زمانہ گذر گیا۔ گائے کے سوا اور کوئی ایسی وجہ نہیں جسکی بنا پر ہندو مسلمانوں سے معرکہ آرائی کریں۔ موخر الذکر (مسلمان) پر گائے کا ذبح کرنا مذہبا فرض نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہم نے اس سے پیشتر کبھی ایک دوسرے سے گلے ملنے، اختلافات کو مٹانے اور ایک ہی مقدس سرزمین کے فرزند ہو کر دوستانہ زندگی بسر کرنے کی خواہش ہی نہیں کی۔ اب ہمیں تمام عمر میں ایک موقعہ ملا ہے۔ خلافت کا مسئلہ آئندہ ایک صدی تک دربیش نہوگا اگر ہندو مسلمانوں کے ساتھ دائمی محبت قائم کرنا چاہتے ہیں تو ان کو چاہئے کہ اسلام کی عزت بحال کرنے میں مسلمانوں کیساتھ فنا ہو جائیں

ہندو اپنے مذہب پر اور مسلمان اپنے مذہب پر قائم رہ کر آپس میں اتحاد کریں

(ہندو مسلم اتحاد) مہاتما گاندھی کے قلم سے ینگ انڈیا ۶ اکتوبر ۱۹۲۱ء

اس امر میں مطلق شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ عدم تعاون کی کامیابی کا انحصار ہندو مسلم اتحاد پر اتنا ہی ہے جتنا کہ عدم تشدد پر۔ ان دونوں باتوں کے خلاف انتہائی زور لگایا جائیگا لیکن اگر ہندو مسلم اتحاد اور عدم تشدد اس فریبے

جاں بر ہو گئے تو پھر کامیابی یقینی ہے۔

آگرہ میں ہندو مسلم اتحاد پر ایک ضرب شدید لگائی گئی تھی اور جب فریقین حکام کے پاس گئے تو اُن سے کہا گیا کہ وہ مولانا شوکت علی اور مجھ سے جاکر فریاد کریں۔ خوش قسمتی سے اُسوقت ہم دونوں سے کہیں زیادہ بہتر آدمی دستیاب ہو گیا۔ حکیم اجمل خاں ایک پکے مسلمان ہیں اور اُن کو ہندو اور مسلمان دونوں کا اعتماد و احترام حاصل ہے وہ مع اپنے کارکنان کے بعجلت آگرہ کی طرف روانہ ہو گئے اور وہاں پہونچکر تنازعہ کو رفع دفع کردیا۔ اور دونوں فریق ایک دوسرے کے ایسے دوست بنگئے کہ اس سے پیشتر کبھی نہ تھے۔ ایک حادثہ دہلی کے نواح میں پیش آیا۔ اور اسی اثر نے وہاں بھی کامیابی کے ساتھ ایک ایسے جھگڑے کا تصفیہ کر دیا جو ایک فتنہ کی صورت اختیار کرنیوالا تھا لیکن حکیم اجمل خاں ہر جگہ ٹھیک وقت پر فرشتۂ امن بنکر ظاہر نہیں ہو سکتے اور نہ مولانا شوکت علی یا میں ہر جگہ جا سکتا ہوں۔ باینہمہ دونوں قوموں میں افتراق پیدا کرنیکی جد و جہد کے باوجود مکمل امن و امان قائم رکھنا ضروری ہے

آگرہ میں کیا ضرورت لاحق ہوئی تھی کہ حکام گورنمنٹ سے اپیل کی گئی؟ اگر ہم عدم تعاون کو کامیابی کے ساتھ چلانا چاہتے ہیں تو ہم میں اتنی قابلیت ہونی چاہیئے کہ اپنے باہمی تنازعات کے بارے میں گورنمنٹ کی حفاظت کو برطرف کردیں۔ اگر باہمی فسادات کا تصفیہ کرانے یا مجرم کو سزا دلانے میں ہمارا آخری اعتماد برطانی مداخلت پر رہا تو عدم تعاون کی تمام اسکیم ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیگی۔ ہر گاؤں اور گڑھی میں کم از کم ایک ہندو اور ایک مسلمان ضرور ایسا ہونا چاہیئے جسکا کام یہ ہو کہ دونوں فرقوں کے لڑائی جھگڑوں کو رفع کرے بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ سگے بھائی ایک دوسرے سے برسر پیکار ہو جاتے ہیں۔ ابتدائی منازل میں ہمیں متعدد مقامات پر اس قسم کا انتظام کرنا پڑیگا بدقسمتی سے ہم کارکنان نے عوام الناس اور ان میں بالخصوص سرکش عوام الناس کی ذہنیت کو سمجھنے اور ان پر اپنا اثر ڈالنے کی بہت کم کوشش کی ہے۔ عوام الناس کی نگاہوں میں رسوخ پانے اور سرکش لوگوں پر قابو حاصل کرنے تک ہمیں تند مزاج لوگوں کے کرتوتوں کا نظارہ مختلف مقامات پر دیکھنا پڑیگا۔ ایسے موقعوں کے لئے ہمیں سبق حاصل کرنا چاہیئے کہ گورنمنٹ کی مداخلت کے بغیر کس طرح تنازعات کا سدباب کریں۔ حکیم اجمل خاں نے اسکی مثال قائم کردی ہے۔ ہم جس اتحاد کے متمنی ہیں وہ کوئی پیوند سازی نہیں بلکہ دلوں کا اتحاد ہے جسکا انحصار اس ناقابل تردید کلیہ کو تسلیم کرنے پر ہے کہ ہندو مسلمانوں کے درمیان ایک ناقابل شکست اتحاد قائم کئے بغیر سوراج کا حصول ایک ناممکن الوقوع خواب ہے۔ یہ محض عارضی صلح نہونی چاہیئے اور نہ اسکی بنیاد ایک دوسرے سے خوفزدہ ہونے پر قائم کیجا سکتی ہے بلکہ یہ اتحاد دو برابر والوں کے اشتراک پر مبنی ہونا چاہیئے جو ایک دوسرے کے مذہب کا احترام کریں۔ اگر قرآن مجید میں مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ ہندوؤں کو اپنا قدرتی دشمن تصور کریں یا ہندو دھرم دونوں قوموں میں دائمی خصومت کی تعلیم دیتا ہے تو میں بلا تکلف ایک سچے اتحاد کے حصول سے مایوس ہو جاؤنگا

اگر ہم اس نتیجہ پر پہونچ جائیں کہ چونکہ زمانہ ماضی میں ہم ایک دوسرے سے برسرپیکار رہے ہیں لہذا اس جنگ کا جاری رہنا لازمی ہے حتی کہ برطانیہ کی طرح کوئی مضبوط طاقت ہمارا بیچ بچاؤ کرے تو اسکے یہ معنی ہیں کہ ہم اپنی تاریخ

کا غلط مفہوم سمجھے ہیں لیکن میں دعوے سے کہتا ہوں کہ اسلام یا ہندو دھرم ہرگز اس قسم کے اعتقاد کی اجازت نہیں دیتا۔ حقیقت یہ ہے کہ خود غرض متعصب اور مذہبی لوگوں نے دونو قوموں میں جھگڑے ڈلوائے ہیں۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ عیسائی حکمرانوں کی طرح مسلمان حکمرانوں نے بھی اپنے مذہب کی اشاعت و تبلیغ میں تلوار کو استعمال کیا ہے لیکن موجودہ زمانہ کی بہت سی سیہ کاریوں کے باوجود دنیا جسطرح جبریہ بردہ فروشی کی متحمل نہیں ہوسکتی اسی طرح جبریہ تبدیل مذہب کو بھی برداشت نہیں کرسکتی۔ غالبًا یہ زمانۂ موجودہ کی سائینس کا سب سے زیادہ مؤثر ہیہ ہے یہی سائینس کی اسپرٹ ہے جسنے عیسائیت کے سلسلہ میں بہت سے غلط خیالات میں انقلاب پیدا کردیا ہے۔ میں اسلام کے ایک بھی ایسے مصنف سے واقف نہیں جو زبردستی تبدیل مذہب کے طریقہ کو حق بجانب ثابت کرتا ہو۔ ہمارے زمانہ میں جن اثرات کو کام میں لایا جارہا ہے وہ تلوار کے مقابلہ میں بہت زیادہ دانشمندانہ ہیں۔

واقعی یہ بات درست ہے کہ میں و نیز مولانا محمد علی اتنے کافی ہوشیار رہیں کہ ایک دوسرے کی کھیتی کو پامال کرنے سے پرہیز کریں لیکن جس صاف دلی کے ساتھ ہم ایک دوسرے کے ساتھ برتاؤ کرتے ہیں وہ عدیم المثال ہے جیساکہ مضمون نگار نے ظالمانہ انداز میں چٹکی لی ہے ہمارے نزدیک اتحاد "تماش خانہ نہیں" بلکہ ایک ایسا امر واقعی ہے جسکو قائم رکھنے کے لئے ہم اپنی جانوں کو بھی قربان کردینگے۔ میں ناظرین کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ تمام سفر کے دوران میں ہمارے درمیان کبھی کسی قسم کی رنجش یا دلوں میں غبار پیدا نہیں ہوا لیکن ماڈرن ریویو کے مضمون زیر بحث میں سب سے زیادہ ظالمانہ چٹکی یہ لی گئی ہے کہ "ان دونوں حضرات (مسٹر گاندھی اور مسٹر محمد علی) کی تقریروں کو پڑھ کر یہ معلوم کرنا دشوار نہیں ہے کہ ان میں سے ایک کا خاص مدعا دور دراز ٹرکی کے متعلق مسئلہ خلافت کا غمناک الجھاؤ ہے اور دوسرے کا مقصد اصلی ہندوستان میں سوراج قائم کرنا ہے"۔ میں دعوی سے کہتا ہوں کہ ہم دونوں کے نزدیک مسئلہ خلافت مرکزی اہمیت رکھتا ہے۔ مولانا محمد علی کا تو یہ مذہب ہے اور میرے نزدیک اسکی مرکزی حیثیت اسوجہ سے ہے کہ خلافت کی خاطر میں اپنی جان پیش کرکے گائے کو جو میرا دھرم ہے مسلمانوں کی چھری سے محفوظ کرسکونگا۔ ہم دونوں سوراج کو مساوی طور پر محبوب رکھتے ہیں اسلئے کہ ہم دونو کے مذہبوں کی حفاظت سوراج میں مضمر ہے۔ ممکن ہے کہ اسکو ایک ادنی درجہ کا نصب العین تصور کیا جائے لیکن اسمیں کوئی پوشیدہ بات نہیں ہے۔ میرے نزدیک ہندوستان کی طاقت کے ذریعہ خلافت کی بحالی حصول سوراج کے مترادف ہے۔ ہماری دوستی کی بنیاد محبت پر ہے اور محبت ہی کے ذریعہ میں مسلمانوں کی دوستی حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اور اگر محض ایک فریق محبت پر استحکام کے ساتھ قائم ہوجائے تو پھر ہماری قومی زندگی میں اتحاد ایک امر مسلمہ ہوجائیگا۔ یہ کہنا بالکل بیجا ہے کہ مولانا محمد علی بہت فصیح و بلیغ اردو میں تقریر کرتے ہیں جسکو بنگالی مسلمانوں کی اکثریت سمجھنے سے قاصر ہے میں جانتا ہوں کہ مولانا مذکور اپنی اُردو کی تقریر کو آسان سے آسان الفاظ میں ادا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

بدقسمتی سے یہ بات سچ ہے کہ ہنوز ایسے ہندو اور مسلمان موجود ہیں جو ایک دوسرے سے خوفزدہ ہونیکی بنا پر بیرونی تسلط کو ضروری خیال کرتے ہیں اور ہمارے مقصد میں جو ہنوز کامیابی نہیں ہوئی اور دیر ہو رہی ہے اسکی سب سے بڑی وجہ یہی ہے۔ ہم لوگ ابھی تک اس امر کو صاف طور پر محسوس نہیں کرتے کہ دو فرقوں میں جنگ و جدل کا احتمال

غیر ملکی حکومت کے وجود سے کہیں کمتر درجہ کی برائی ہے۔ اور اگر ہمیں ایک دوسرے کا سر پھوڑنے میں برطانی گورنمنٹ کی
مداخلت مانع آتی ہے تو جس قدر جلد ہمیں لڑائی جھگڑے کے لیے آزاد چھوڑ دیا جائیگا اُسی قدر ہماری شان مردانگی اور ہمارے
مذاہب اور ملک کے لئے زیادہ اچھا ہوگا۔ انگریزوں کو پُرامن ہوکر کام کرنیکا موقع بیس سال کی خونخوار جنگ کے بعد نصیب
ہوا تھا۔ فرانسیسیوں میں ایسی وحشیانہ خانہ جنگی ہوئی تھی جسپر ابتک کوئی ابتدائی سبقت نہیں لیجا سکی۔ دولت مشترکہ قائم
کرنے سے پہلے امریکہ میں بھی خانہ جنگیاں ہوئیں تھیں۔ ہمیں اس خوف سے کہ مبادا ہمارے اندر خانہ جنگی کا آغاز ہو جائے، بزدلی
اختیار نہ کرنی چاہیئے۔ مذکور الصدر انشا پرداز اتحاد کے رستے ہی سامنے نہیں دیتا کہ ہم سے کوئی شخص ہو سکتا ہے اور یہ تجویز کرتے
ہیں کہ "از اول تا آخر تبدیلی ہونی چاہیئے اور عمارت کو بنیادوں سے دوبارہ تعمیر کرنا چاہیئے"۔ لیکن اسکا علاج انہوں نے
محض ناظرین کے قیاس پر چھوڑ دیا ہے۔ زیادہ بہتر ہوتا کہ وہ کچھ عملی تجاویز پیش کرتے غالباً وہ ہمیں شروعات کیلئے یہ بتائینگے
کہ ہم آپس میں بیاہ شادیاں کریں اور ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر کھانا کھاویں۔ اگر فی الحقیقت اس قسم کا تغیر چاہتے
ہیں اور اگر حصول سوراج کی شرط اول وہ اسی کو قرار دیتے ہیں تو مجھے خوف ہے کہ شاید ہمیں ایک صدی تک انتظار کرنا پڑیگا
یہ اس امر کے مترادف ہے کہ ہندوؤں سے کہا جائے کہ وہ اپنے مذہب کو ترک کر دیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ایسا کرنا غلط ہے
بلکہ میرا خیال ہے کہ یہ ایک قسم کی اصلاح ہے جو عملی سیاست کے احاطہ سے باہر ہے۔ اور اگر اس قسم کا تغیر معرض وجود
میں آگیا تو یہ ہندو مسلم اتحاد کے نام سے موسوم نہیں کیا جائیگا۔ موجودہ تحریک کا منتہائے نظر یہ ہے کہ مسلمان اپنے
مذہب پر اور ہندو اپنے مذہب پر پختگی کے ساتھ قائم رہ کر آپس میں اتحاد قائم کریں۔ میں نے اپنی تقریروں میں حاضرین
سے بارہا کہا ہے کہ علی برادران اور میں تمام ہندوؤں اور مسلمانوں کو ہندو مسلم اتحاد کے متعلق ایک سبق دے رہے ہیں ہم
دونوں اپنے اپنے مذہب پر پختگی سے قائم رہنے کا دعوٰی کرتے ہیں۔ علی برادران کی اسقدر عزت کرنیکے باوجود میں ان کے
بیٹوں سے ہرگز اپنی لڑکی کی شادی کرنیکے لئے تیار نہونگا اور میں جانتا ہوں کہ وہ اپنی لڑکی میرے بیٹے کو نہ دینگے میں انکی
گوشت کی غذا میں شریک نہیں ہوتا اور وہ میرے اس تعصب کا (اگر اسکو تعصب کہا جائے) احترام کرتے ہیں۔ بایں ہمہ میں ایسے
تین آدمیوں سے واقف نہیں جن کے دل ایک دوسرے سے ایسے وابستہ ہوں جیسے کہ ہمارے ہیں۔ میں ناظرین کو یقین دلانا
چاہتا ہوں کہ ہندو مسلم اتحاد کوئی دھوکے کی ٹٹی نہیں ہے بلکہ یہ ایک ایسی دیرپا دوستی ہے جو باہمی رواداری اور ایک دوسرے
کے جذبات کا احترام کرنے پر مبنی ہے۔ مجھے اس امر سے خوفزدہ ہونیکی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ اگر برطانیہ کا حفاظت کرنیوالا
ہاتھ میرے سر پر سے اٹھا لیا گیا تو علی برادران یا انکے احباب میری آزادی کو چھین لینگے یا میرے مذہب پر کوئی حملہ کرینگے
میری اس بیخوفی کا انحصار اول تو خدا کی ذات پر ہے کیونکہ اُس نے وعدہ کیا ہے کہ اسکی مخلوقات میں سے جو شخص اسکا خوف
دل میں رکھتے ہوئے راہ عمل میں جدوجہد کریگا وہ اسکا نگران ہوگا اور دوسرے علی برادران اور انکے احباب کے باعزت طرز عمل
پر اگرچہ میں جانتا ہوں کہ جسمانی لحاظ سے اُن میں سے ہر شخص مجھ جیسے بارہ شخصوں پر بھی بھاری ہے۔ اس طرح میں نے ایک تجربہ
لیکر تمام ہندوستان کے لئے ایک کلیہ قائم کر لیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ اگر ہم میں باہمی رواداری اور اپنی ذات پر بھروسہ
ہو تو ہندو مسلم اتحاد ممکن ہو سکتا ہے۔

میں اُس طشت میں کھانا اور اُس گلاس میں پانی ہرگز نہ پیونگا جسکو میرے بیٹے کے ہونٹ مس ہوئے ہوں

(ہندو مسلم اتحاد) مہاتما گاندھی کے قلم سے۔ ینگ انڈیا۔ ۲۵ فروری ۱۹۲۰ء

پچھلے دنوں مسٹر کینیڈی نے اپنی ایک خیالی ملاقات میں مجھ سے سوال کیا تھا کہ اگر میرے ہندو مسلم اتحاد کے دعوے میں صداقت ہے تو کیا میں ایک مسلمان کے ساتھ کھانا کھا سکتا ہوں؟ یہی سوال دوسرے دوستوں نے دوسری شکل میں پیش کیا ہے۔ کیا ہندو مسلم اتحاد کیلئے یہ ضروری ہے کہ باہمی خورد و نوش اور بین الاقوامی شادی بیاہ کو رواج دیا جاوے؟ سوال کرنیوالے کہتے ہیں کہ اگر مذکورہ بالا دونوں باتیں ضروری ہیں تو حقیقی اتحاد کبھی قائم نہیں ہو سکتا کیونکہ کروڑہا شادی بیاہ تو بڑی چیز ہوتی ہے۔ باہم کھانے پینے پر بھی کروڑہا سناتنی ہندو تیار نہونگے۔ میں اُن لوگوں میں سے ہوں جو ذات سسٹم کو بُرا خیال نہیں کرتے۔ ابتدا میں یہ ایک بہت مفید رواج تھا جس سے قومی فلاح کو ترقی ہوئی تھی میری رائے میں باہمی خورد و نوش اور بین الاقوامی شادی بیاہ قومی نشو و نما کے لئے ضروری نہیں۔ یہ ایک ایسا وہم ہے جسکو مغرب سے اخذ کیا گیا ہے۔ کھانا پینا اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ زندگی کی دوسری ضروریات صحت ہیں اور اگر انسان کھانے پینے کے معاملات میں عقل نہ بچاتے اور عیش پسندی سے کام نہ لیتے تو اسکو بھی اسی طرح پوشیدہ طور پر انجام دیا جاتا جسطرح کہ زندگی کے اور بہت سے ضروری کام پردہ میں کئے جاتے ہیں اور درحقیقت ہندو دھرم کا اعلیٰ ترین تمدن کھانے پینے کو اُسی روشنی میں دیکھتا ہے اور اس زمانہ میں بھی ہزارہا ہندو ایسے موجود ہیں جو کسی شخص کی موجودگی میں کھانا نہیں کھاتے۔ بین الاقوامی شادی بیاہ اس سے بھی زیادہ مشکل سوال ہے۔ اگر بھائی اور بہن ایک دوسرے کے ساتھ شادی کرنیکا ذرا سا بھی خیال کئے بغیر دوستانہ انداز میں زندگی بسر کر سکتے ہیں تو مجھے اس امر میں کوئی دقت نظر نہیں آتی کہ میری لڑکی ہر مسلمان کو اپنا بھائی تصوّر کرے اور اسکے برعکس مسلمان لڑکیاں ہندوؤں کو اپنا بھائی خیال کریں مذہب اور شادی بیاہ کے متعلق میرے خیالات بہت مضبوط ہیں۔ ہم کھانے پینے اور شادی بیاہ کے معاملہ میں جسقدر زیادہ اپنی طبیعتوں پر قابو رکھینگے مذہبی نقطۂ نگاہ سے اُسی قدر زیادہ ہماری حالت بہتر ہو جائیگی۔ اگر مجھے یہ تسلیم کرنا پڑے کہ ایک نوجوان شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ میری لڑکی سے شادی کرنیکی درخواست کرے یا اسکو اتنا ہی ضروری سمجھے جسطرح ہر شخص کے ساتھ ملکر کھانا پینا تو میں دنیا کے ساتھ دوستانہ اتحاد قائم کرنے سے مایوس ہو جاؤنگا۔ میرا دعویٰ ہے کہ میں تمام دنیا سے دوستانہ تعلقات رکھتا ہوں اور کبھی آج تک کسی مسلمان یا عیسائی سے فساد نہیں کیا تاہم سالہا سال گذرے کہ میں نے عیسائی اور مسلمان گھرانوں میں بجز پھلوں کے اور کوئی چیز استعمال نہیں کی۔ میں ہرگز اُس طشت میں کھانا یا اُس گلاس میں پانی نہ پیونگا جسکو میرے بیٹے کے ہونٹ مس ہوئے ہوں اور اُس کو

دھویا نہ گیا ہو لیکن اس پرہیز نے میرے مسلمان یا عیسائی دوستوں یا میرے عزیز ترین ساتھیوں یا میرے بیٹے بیٹیوں پر کوئی بُرا اثر نہیں ڈالا۔

مجھے یقین ہے کہ تمام حیلہ سازیوں، مکاریوں اور خونریزیوں کے درمیان جو مغرب میں ایک بڑے پیمانہ پر جاری ہیں، دنیا نہایت خاموشی کے ساتھ بہتر زمانہ کی طرف پیشقدمی کر رہی ہے۔ اور ہندوستان ناقابل شکست ہندو مسلم اتحاد اور عدم تشدد کے ذریعہ آزادی حاصل کر کے موجودہ ظلمت سے نکلنے کا راستہ بتا سکتا ہے۔

مسلمان ہمارے حقیقی بھائیوں کی مانند ہیں اور ہم دونوں ایک ہی بھارت ماتا کے فرزند ہیں

ریاضِ ہستی کے ذرّہ ذرّہ میں ہے محبت کا جلوہ پیدا
حقیقتِ گل کو تو جو سمجھے تو ایک پیماں ہے رنگ بُو کا
اقبال

(ہندو مسلم اتحاد) از قلم مہاتما گاندھی۔ ینگ انڈیا ۲۸ جولائی ۱۹۲۱ء

ہر شخص جانتا ہے کہ ہندو مسلم اتحاد کے بغیر قوم کوئی ترقی نہیں کر سکتی۔ اس میں شک نہیں جو جوڑنا ان دونوں قوموں کو جوڑنے والا ہے وہ ہنوز ڈھیلا ڈھالا ہے۔ ابھی تک ایک دوسرے کے ساتھ عدم اعتماد کی اسپرٹ موجود ہے۔ رہبرانِ قوم نے اس بات کو تسلیم کر لیا ہے کہ ہندوستان اسوقت تک کسی قسم کی ترقی نہیں کر سکتا تاوقتیکہ دونوں قومیں باہمی اعتماد اور اشتراکِ عمل کی ضرورت کو محسوس نہ کر لیں۔ اور گو کہ عوام الناس میں ایک زبردست تغیر ہو گیا ہے۔ تاہم ابھی تک اسکی کوئی مستقل صورت نہیں ہے۔ اسلامی پبلک سوراج کی اتنی ضرورت محسوس نہیں کرتی جتنا کہ ہندو کرتے ہیں مسلمان جلسوں میں اتنے شامل نہیں ہوتے جتنے کہ ہندو شامل ہوتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ مسلمانوں میں قومی دلچسپی پیدا کرنیکے لئے ابھی کافی وقت نہیں دیا گیا۔ درحقیقت یہ امر تعجب خیز ہے کہ ابھی ایک سال ہی ہوا کہ مسلمان بحیثیت مجموعی کانگریس کے معاملات میں مشکل سے کوئی دلچسپی رکھتے تھے لیکن اب ہزارہا کی تعداد میں مسلمان اپنا نام ممبری کے لئے درج کرا رہے ہیں فی نفسہ یہ بھی ایک زبردست فائدہ ہے۔

لیکن ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے اور یہ بقیہ کام ہندوؤں کو انجام دینا ہے جس جگہ کے مسلمان بالکل بے حس ہوں وہاں ان کو کانگریس میں شامل ہونیکی دعوت دی جائے۔ اکثر اوقات ہندوؤں کو یہ کہتے ہوئے سُنا جاتا ہے کہ مسلمان کانگریس میں شامل نہیں ہوئے یا سوراج فنڈ میں چندہ نہیں دیتے لیکن قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مسلمانوں کو مدعو کیا گیا ہے؟ ہر ضلع میں ہندوؤں کو چاہئے کہ اپنے مسلمان ہمسایوں کو میدانِ عمل میں لانیکی خاص طور پر کوشش کریں

جبتک ہم ایک دوسرے کو کمتر یا بدتر سمجھتے ہیں اُسوقت تک حقیقی مساوات قائم نہیں ہو سکتی۔ برابر والوں میں فوقیت کوئی جگہ نہیں رکھتی۔ مسلمانوں کو کمی تعلیم یا قلت تعداد پر ہرگز خیال نہ کرنا چاہیئے۔ تعلیم کی کمی تعلیم حاصل کرنے سے دور کیجا سکتی ہے۔ قلیل تعداد میں ہونا اکثر باعث رحمت ہوتا ہے۔ کثرت تعداد اکثر سنگِ راہ ثابت ہوئی ہے۔ انجام کار جس چیز پر خیال کیا جاتا ہے وہ ذاتی چال چلن ہے۔ میں نے یہ مضمون اسلیئے شروع نہیں کیا ہے کہ بطور السنان کامل پند و نصائح پیش کروں یا آئندہ زمانہ کیلئے طریقۂ عمل بتاؤں۔ میرا اصل مدعا یہ ہے کہ جو کام ہمارے سامنے موجود ہے اُسپر فوراً غور و فکر کریں۔ بقر عید عنقریب آنیوالی ہے لہذا اُن کوششوں کو جو ہندو اور مسلمانوں کے درمیان جنگ و جدل کے لئے کیجاوینگی شکست دینے کیلئے ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ صوبہ بہار میں صورت حالات میں اگرچہ بہت کچھ اصلاح ہوگئی ہے تاہم ہنوز تشویش سے خالی نہیں۔ حد سے زیادہ جوشیلے اور غیر متحمل مزاج ہندو تنازعہ کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ لوگ فتنہ پرداز لوگوں کی تحریکات کا آسانی سے شکار ہو جاتے ہیں۔ گائے کی حفاظت ہندوؤں کے دلوں کو سب سے زیادہ عزیز ہے۔ لہذا ممکن ہے کہ ہم اُسکی خاطر اپنے سر کٹوا دیں اور اس طرح نادانستگی میں اس اہم مسئلہ کو صدمہ پہونچائیں جسکے حصول کے ہم متمنی ہیں۔ ہمیں اس امر کو تسلیم کرنا چاہیئے کہ ہمارے مسلمان بھائیوں نے اپنے ہندو بھائیوں کی خاطر گائے کی حفاظت کے لئے بہت کوشش کی ہے۔ اس کوشش کو بے وقعتی کے ساتھ دیکھنا بڑی زبردست کمزوری ہے۔ ہم نے اس تمام عرصہ میں گائے کشی کو یا تو بغیر کسی اعتراض کے برداشت کیا ہے اور یا اسکے خلاف غیر مؤثر تشدد آمیز احتجاج کئے ہیں۔ ہم نے کبھی اس بات کی کوشش نہیں کی کہ اپنے مسلمان بھائیوں سے دوستانہ تعلقات قائم کر کے اس معاملہ کو انہیں پر چھوڑ دیں۔ جو طریقہ ہم نے اختیار کیا وہ ناممکن العمل تھا۔

لیکن اب ہم غور و خوض کے بعد اُنکی ضرورت کے وقت اُنکے دوش بدوش کھڑے ہوئے ہیں لہذا جو کچھ ہدیہ ہم نے پیش کیا ہے اسکو سودا بنا کر ہمیں تباہ نکرنا چاہیئے۔ دوستی ہرگز ٹھیکہ پر نہیں کیجا سکتی۔ خدمتگزاری ایک فرض ہے اور فرض قرض ہوتا ہے اور قرض کا ادا نکرنا ایک گناہ ہے۔ اگر ہم اپنی دوستی ثابت کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے بھائیوں کی امداد کرنی چاہیئے۔ خواہ وہ گائے کی حفاظت کریں یا نہ کریں۔ ہمارے متعلق جو کچھ ذمہ داریاں ان پر عائد ہوتی ہیں انکو ہم انہیں کے کندھوں پر ڈالتے ہیں۔ ہم کوئی شرط قائم کر کے اُنکی امداد کرنیکی جرأت نہیں کرتے اس طرح کی امداد محض کرایہ کی ہوگی۔ جسکو اگر مسلمان مسترد کر دیں تو انپر کوئی الزام نہیں لگایا جاسکتا۔ لہذا میں امید کرتا ہوں کہ نہ صرف صوبۂ بہار کے ہندو بلکہ تمام ہندوستان کے ہندو تحمل و برداشت کی اہمیت کا احساس کرینگے۔ اور اس بات کی مطلق پروا نکرینگے کہ بقر عید کے موقعہ پر مسلمانوں کا کیا طرز عمل رہتا ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ مسلمان جس راستہ کو اختیار کرنا چاہیں اس میں مزاحم نہوں۔

مسلمانوں پر جسقدر زیادہ دباؤ ڈالا جائیگا اُسی قدر گائے کشی زیادہ ہوگی۔ ہمیں مسلمانوں کو انکے احساس احترام و فرائض پر چھوڑ دینا چاہیئے اور اسی طرح ہم گائے کی سب سے بڑی خدمت ادا کر سکتے ہیں۔ گائے کو بچانیکا طریقہ یہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کو جان سے مارا جائے یا اُن سے جھگڑا و فساد کیا جائے۔ گائے کو بچانیکا طریقہ یہ ہے کہ گائے کا ذکر کئے بغیر ہندو خلافت کی حفاظت میں اپنی جانیں قربان کر ڈالیں۔ گائے کی حفاظت تزکیہ نفس کا ایک طریقہ ہے۔ یہ ایک قسم کی تپسیا ہے

جب ہم خوشی کے ساتھ مصائب برداشت کرتے ہیں اور کسی معاوضہ یا انعام کی طمع نہیں رکھتے تو اس قربانی کی آواز آسمانوں تک پہونچتی ہے اور خدائے برتر و بزرگ اس آواز کو سنتا ہے اور اسپر لبیک کہتا ہے۔ یہ دھرم کا راستہ ہے اور جس کسی نے بھی اسکو اختیار کیا ہے پورے طور پر اس سے فائدہ اُٹھایا ہے۔ میں بلا خوف تردید جرأت کے ساتھ کہتا ہوں کہ گائے کو بچانیکے لئے کسی انسان کا خون بہانا ہندو دھرم نہیں ہے۔ ہندو دھرم اپنے ماننے والوں سے اس بات کا طلبگار ہے کہ وہ اپنے دھرم کی خاطر اپنی جانوں کو قربان کر ڈالیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ایسے ہندو کتنے ہیں جو اپنے دھرم کی خاطر یا مسلمانوں کی خاطر بغیر کسی معاوضہ کے مرنیکے لئے تیار ہیں؟ اگر ہندو اس سوال کا جواب مذہبی اسپرٹ میں دے سکتے ہیں تو وہ نہ صرف مسلمانوں کی دائمی دوستی ہی حاصل کر لینگے بلکہ ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کے ہاتھوں سے گائے کو بھی بچا لیں گے ہمیں مسلمانوں کے بڑے سے بڑے شخص سے بھی قسم نہ لینی چاہئے وہ صرف امداد کر سکتے ہیں وہ ان کروڑ ہا انسانوں کے دلوں کو بدلنے کا وعدہ نہیں کر سکتے جنھوں نے ابتک اس طرف مطلق دھیان نہیں دیا ہے کہ جب وہ گائے کو ذبح کرتے ہیں تو انکے پڑوسی ہندو بھائیوں کے جذبات کی کیا کیفیت ہوتی ہے لیکن قادر مطلق خدا ایک لمحہ میں دلوں کو بدل سکتا ہے اور انکے دلوں میں رحم ڈال سکتا ہے جس دعا کے ساتھ قربانی بھی ہو وہ قلبی دعا ہوتی ہے اور خدا کے نزدیک ایسی ہی دعا باوقعت ہوتی ہے۔ اپنے مسلمان بھائیوں سے میں صرف چند الفاظ کہونگا۔ انکو چاہئے کہ وہ غیر ذمہ دار جاہل لیکن متعصب ہندوؤں کے افعال سے مشتعل نہوں۔ جو شخص حالت اشتعال میں اپنے نفس پر قابو رکھتا ہے وہی جنگ کو فتح کر لیتا ہے مسلمانوں کو معلوم ہونا چاہئے اور یقین کے ساتھ اس حقیقت کو محسوس کر لینا چاہئے کہ کوئی ذمہ دار ہندو کسی معاوضہ کی طمع سے اِس دورِ آزمائش میں انکا شریک نہیں ہوا ہے وہ صرف اسوجہ سے امداد کر رہے ہیں کہ چونکہ وہ جانتے ہیں کہ خلافت کا ایک سچا معاملہ ہے اور ایک سچے معاملہ میں مسلمانوں کی امداد کرنا ہندوستان کی خدمتگزاری کے مترادف ہے مسلمان حقیقی بھائیوں کی مانند ہیں کیونکہ ہندو مسلمان ایک ہی ماں یعنی بھارت ماتا کے فرزند ہیں۔

ہندو مسلم اتحاد کیلئے باہمی خورد و نوش اور بین الاقوامی شادی بیاہ ضروری نہیں

(ہندو مسلم اتحاد) مہاتما گاندھی کے قلم سے ینگ انڈیا ۲۰ ؍ اکتوبر ۱۹۲۰ء

"ماڈرن ریویو" کی تازہ ترین اشاعت میں ہندو مسلم اتحاد کے متعلق روشنی ڈالتے ہوئے بعض ایسے اڈیٹوریل نوٹ درج کئے گئے ہیں جنکا جواب دینا ضروری ہے۔ لائق اڈیٹر نے وضو کے کی نفی اسکا عنوان قائم کیا ہے۔ اور اس نتیجہ کا اظہار کیا ہے کہ اتحاد محض تام نہاد ہے۔ بہر کیف میری رائے میں یہ صرف اتحاد ہی نہیں بلکہ بڑی سرعت کے ساتھ ایک مستقل حقیقت بنتا جا رہا ہے۔ ینگ انڈیا کے صفحات میں میں نے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ ہندو مسلم اتحاد ہنوز

ایک پودا ہے جسکو آبپاشی کی ضرورت رہتا ہے۔

بدقسمتی سے یہ بات بالکل سچ ہے کہ فرقہ وارانہ اسپرٹ کا ہنوز غلبہ ہے۔ باہمی بے اعتمادی ہنوز موجود ہے۔ پرانے واقعات کی یاد ہنوز ذہن میں تازہ ہے۔ یہ بھی سچ ہے کہ انتخابات کے موقعوں پر ہنوز موزونیت یا غیر موزونیت کے مقابلہ میں مذہب کا خیال غالب ہے لیکن ان واقعات کو تسلیم کرنیکے یہ معنی ہیں کہ اتحاد کی مشکلات کو تسلیم کیا جائے۔ جب دونوں فریق ان مشکلات سے واقف ہیں اور اسکے باوجود ایمانداری کے ساتھ اتحاد کے متمنی ہیں تو پھر اس جدو جہد کو یا اس سلسلہ میں جو قلیل کامیابی ہوئی ہے اسکو لفظ دھوکہ سے معنون کرنا مشکل سے حق بجانب کہا جا سکتا ہے۔

یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ گائے کشی کے خلاف خلافت کمیٹیوں نے جو اپیل کی ہے اسکو مسلمانان ہند نے سرد مہری سے سُنا ہے یا مسلمان اسپر لبیک کہنے کے لئے تیار نہیں۔ اول یہ کہ کارکنان خلافت جو خود مسلمان ہیں اور گائے کشی کو بند کرنیکی کوشش کر رہے ہیں۔ دویم اڈیٹر صاحب مذکور کو تقریبًا ہندوستان کے تمام حصوں میں حیرت انگیز کامیابی ہوئی ہے۔ کیا یہ کوئی معمولی بات ہے کہ تحفظ گاؤ کا تمام کام مسلمان کارکنان نے اپنے ہاتھوں میں لے لیا ہے؟ کیا یہ واقعہ روح کو جنبش میں لانیوالا نہیں ہے کہ بمبئی کے مسٹر چھوٹانی اور کھتری نے اپنے ہم مذہبوں سے سینکڑوں گایوں کو بچایا اور ان کو ہندؤں کی خدمت میں پیش کر دیا۔

باہمی خورونوش یا بین الاقوامی شادی بیاہ نے نا اتفاقی یا جھگڑوں کا کبھی سدباب نہیں کیا۔ کوروں پانڈؤں نے اگرچہ ایک دوسرے کے ساتھ کھانا پینا روا رکھتے تھے اور اُن میں آپس میں شادی بیاہ بھی ہوا کرتے تھے تاہم انہوں نے بڑی بیرحمی کے ساتھ ایک دوسرے کے گلے کاٹے۔ انگریزوں اور جرمنوں کے درمیان کشیدگی ہنوز دور نہیں ہوئی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اتحاد اور دوستی کے لئے باہمی کھانا پینا یا بین الاقوامی شادی بیاہ لازمی چیز نہیں ہے اگرچہ بسا اوقات یہ اسکے آثار ہو جاتے ہیں لیکن اگر ان میں سے کسی ایک پر بھی اصرار کیا جائے تو یہ ہندو مسلم اتحاد کے لئے ایک رخنہ ہو سکتے ہیں۔ اگر ہم یقین کرنے لگیں کہ ہندو مسلمان اُسوقت تک ایک نہیں ہو سکتے تاوقتیکہ باہمی خورونوش اور بین الاقوامی شادی بیاہ کی رسم انکے اندر رائج نہ ہو جائے تو ہم ایک مصنوعی فصیل اپنے درمیان حائل کر لینگے جسکا ہٹانا ناممکن ہو جائیگا۔ مثلاً اگر نوجوان مسلمان ہندو لڑکیوں سے تعشق جائز خیال کرنے لگیں تو اس سے روز افزوں ہندو مسلم اتحاد میں زبردست رخنہ پڑیگا۔ اگر ہندو والدین کو ذرا سا بھی شبہ ہو جائے۔ تو جسطرح وہ آجکل مسلمانوں کو آزادی کے ساتھ اپنے گھروں میں آنے دیتے ہیں آئندہ ہرگز آنیکی اجازت نہ دینگے۔ میری رائے میں ہندو اور مسلمان نوجوانوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ ان حدود کو تسلیم کر لیں۔

میری رائے میں یہ امر ہندو اور مسلمانوں کے لئے قطعًا ناممکن ہے کہ آپس میں شادیاں کریں اور پھر ہر ایک اپنے اپنے مذہب پر مستحکم رہے اور ہندو مسلم اتحاد کی حقیقی خوبصورتی اس امر میں مضمر ہے کہ ہر شخص اپنے مذہب پر قائم رہے اور آپس میں وفادارانہ برتاؤ کرے۔ کیونکہ ہم کٹر سے کٹر قسم کے ہندو اور مسلمانوں کو اس طرف مائل کرنا چاہتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کو اپنا قدرتی دشمن خیال کرنیکی بجائے قدرتی دوست خیال کرنے لگیں۔

پھر ہندو مسلم اتحاد کس بات پر مشتمل ہے اور اسکو ترقی دینے کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ اسکا جواب بالکل آسان ہے۔ ہندو مسلم اتحاد، مشترک غرض، مشترک منزل مقصود اور مشترک خوشی اور رنج پر مشتمل ہے۔ اسکو ترقی دینے کی بہترین شکل یہ ہوسکتی ہے کہ مشترک منزل مقصود کو حاصل کرنیکے لئے آپس میں تعاون کیا جائے، ایک دوسرے کی مصیبت میں شریک ہوں اور باہمی رواداری سے کام لیں۔ ہماری منزل مقصود واحد ہے، ہماری آرزو ہے کہ ہمارا وسیع ملک اور بھی زیادہ عظیم الشان ہوجائے اور اپنے اوپر آپ حکومت کرنے لگے۔ ایک دوسرے کے شریک حال ہونیکے لئے ہمارے پاس کافی درد اور غم موجود ہے اور آج یہ دیکھتے ہوئے کہ خلافت کے مسئلہ میں جو بالکل حق بجانب مسئلہ ہے مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس لگی ہے۔

ہندوؤں کو اس سے زیادہ عمدہ اور کوئی موقعہ نہیں مل سکتا کہ وہ مسلمانوں کے مطالبات کی دلی تائید کرکے انکی دوستی حاصل کرلیں۔ ایک ہی پیالے میں پانی پینا یا ایک ہی رکابی میں کھانا کھانا ایک دوسرے کو آپس میں اتنا وابستہ نہیں کرسکتے جسقدر کہ مسئلہ خلافت میں امداد دینے سے ہوسکتا ہے۔

باہمی رواداری تمام نسلوں کے لئے ہمہ وقت ضروری ہے، اگر ہندو، مسلمانوں کے طریقۂ عبادت یا انکے رسم ورواج کو تحمل کے ساتھ برداشت نکریں یا مسلمان ہندوؤں کی بت پرستی یا گائے پرستی پر بے صبر ہوجائیں تو ہم امن و امان کے ساتھ زندگی بسر نہیں کرسکتے۔ رواداری کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ جس چیز کا میں متحمل ہوں اسکو میں جائز بھی سمجھتا ہوں۔ میں شرابخواری، گوشت خوری اور تمباکو نوشی کو بے انتہا ناپسند کرتا ہوں لیکن میں ان تمام باتوں کو ہندوؤں، مسلمانوں اور عیسائیوں میں دیکھتا ہوں اور انکا متحمل ہوتا ہوں جیسا کہ مجھے امید ہے کہ یہ لوگ جو میرے اس پرہیز کو ناپسند کرتے ہوں وہ میرے طریقۂ عمل کے متحمل ہوں۔ ہندو اور مسلمانوں میں یہ تمام جھگڑے اور قضیئے صرف اس وجہ سے پیدا ہوتے ہیں کہ ان میں ہر ایک دوسرے کو اپنے خیالات منواتے پر مجبور کرتا ہے۔

جبکہ کسی امداد کو مشروط کردیا جائے تو اُس کا حُسنِ شرافت زائل ہوجاتا ہے

(گائے کی حفاظت) مہاتما گاندھی کے قلم سے۔ ینگ انڈیا ۷ اگست ۱۹۲۰ء

گائے کی حفاظت ہندو دھرم کے عقائد کا ایک جزو ہے مذہبی تقدس کے علاوہ یہ ایک ممتاز بنیادی عقیدہ ہے لیکن اس زمانہ کے ہندوؤں کو گائے اور اسکی نسل کا بہت ہی کم خیال ہے۔ دنیا کے کسی ملک میں مویشی ایسی بُری طرح نہیں رکھے جاتے جیسا کہ ہندوستان میں رکھے جاتے ہیں۔ انگلستان میں جہاں گائے کا گوشت کھایا جاتا ہے مشکل سے کوئی مویشی ایسا ملیگا جسکی ہڈیاں گوشت سے باہر نکلی ہوئی ہوں۔ مویشیوں کے اکثر استھان بری طرح رکھے

جاتے ہیں اور ان کا انتظام نہایت درجہ خراب ہوتا ہے۔ بجائے اسکے کہ یہ استھان جانوروں کی نسل کے لئے مفید ہوں غالباً اُن کو ایسی جگہ باندھا جاتا ہے جو جگہ مرتے ہوئے جانوروں کے لئے مخصوص ہوتی ہے۔ ہم ہندوستان کے انگریزوں سے جو روزانہ سینکڑوں گائے ذبح کرتے ہیں کچھ نہیں کہتے۔ ہمارے راجہ و مہاراجہ اپنے انگریز مہمانوں کی خاطر گائے کا گوشت مہیا کرنے میں بالکل پس و پیش نہیں کرتے۔ ہمارے نزدیک تو گائے کی حفاظت محض اسقدر ہے کہ اُسکو مسلمانوں کے ہاتھوں سے بچایا جائے۔ تحفظ گاؤ کے اس غلط طریقہ نے ہندو اور مسلمانوں کے درمیان نہ ختم ہونے والے جھگڑے اور کشت و خون تک نوبت پہنچا دی۔ غالباً اس برعکس طریقہ نے زیادہ گائیں ذبح کرائیں ورنہ اگر ہم صحیح طریقہ پر پروپگنڈا شروع کرتے تو نتیجہ اسکے خلاف ہوتا۔ ہمیں اس کام کو خاص اپنی ذات سے شروع کرنا چاہیئے تھا۔ تمام ملک میں یہ مفید پروپگنڈا پھیلایا جاتا کہ مویشیوں کے ساتھ رحمدلانہ سلوک کیا جائے۔ مویشی خانوں کے انتظام کے متعلق سائنٹفک معلومات حاصل کیجائیں وغیرہ وغیرہ۔ ہمیں اپنی توجہ انگریزوں میں پروپگنڈا پھیلانے کی طرف مبذول کرنی چاہیئے اور اسکی شکل یہ ہو کہ انہیں ترغیب دلائی جائے کہ وہ برضا و رغبت گائے کا گوشت ترک کر دیں اور اگر وہ ایسا نہیں کر سکتے تو کم از کم باہر کے آئے ہوئے گوشت پر ہی قناعت کریں۔ ہمیں ہندوستان سے باہر مویشی بھیجنے کے متعلق احکام امتناعی حاصل کرتے چاہئیں اور ایسی تدابیر عمل میں لانی چاہئیں کہ دودھ کی مقدار میں اضافہ ہو اور زیادہ صاف دودھ دستیاب ہو سکے۔ مجھے اس امر میں ذرہ برابر شک و شبہ نہیں کہ اگر ہم ایسی معقول تدابیر اختیار کرینگے تو ہم مسلمانوں کی پوری تائید حاصل کر سکینگے اور جب ہم تہواروں کے موقعوں پر انھیں گائے کشی کرنے پر مجبور نہ کرینگے تو ہم دیکھینگے کہ مسلمانوں کو گائے کشی پر اصرار کرنیکا موقعہ ہی نہ رہیگا اور اگر ہم نے جبر و تشدد کا اظہار کیا تو اس سے انتقامی جذبات موجزن ہو جائینگے۔ ہمیں مسلمانوں یا کسی دوسرے شخص کو اپنے مذہبی یا دیگر جذبات کا احترام کرانے پر مجبور نکرنا چاہیئے۔ ہمارے جذبات کا احترام محض ایک صورت سے ہو سکتا ہے کہ ہم انکی ہمدردی حاصل کریں۔

لہذا یہی وجہ ہے کہ میں مسئلہ خلافت کو لین دین بنانے پر رضامند نہیں ہوا اور مجھے یقین ہے کہ میں نے یہ دانشمندانہ فعل کیا ہے میں اپنے آپ کو سخت ترین ہندوؤں میں خیال کرتا ہوں گائے کو میں مسلمانوں کی چھری سے بچانیکا اتنا ہی خواہشمند ہوں جتنا کہ کوئی دوسرا ہندو۔ لیکن اسی بنا پر میں مسلمانوں کے مطالبہ خلافت میں امداد دینے کیلئے تحفظ گائے کو مشروط کرنا پسند نہیں کرتا۔ مسلمان میرا ہمسایہ ہے وہ اسوقت تکلیف میں ہے اسکی شکایات بالکل جائز ہیں یہ میرا فرض ہے کہ ہر جائز ذریعہ سے اسکی تلافی کراؤں حتی کہ اگر میری جان اور مال بھی اسمیں کام آجائے تو میں دریغ نکرونگا یہ طریقہ ہے جس سے میں مسلمانوں کی دائمی دوستی حاصل کر سکتا ہوں میں فطرت انسانی کو مشتبہ نظروں سے نہیں دیکھتا یہ ہمدردانہ اور شریفانہ فعل پر قدرتاً لبیک کہتی ہے۔ اگر کسی امداد کو مشروط کر دیا جائے تو اسکا حسن شرافت زائل ہو جاتا ہے۔ دوستی کا امتحان محبت اور قربانی کی ایک اسپرٹ ہوتی ہے جو صلہ کی توقعات سے بالکل پاک ہوتی ہے۔

لیکن ہندوؤں میں بے صبری کی اسپرٹ پائی جاتی ہے تحفظ گاؤ کی ہوس میں ہم میونسپل بورڈوں کے ذریعہ اسکا قانون بنوانا چاہتے ہیں اور مسلمانوں کے جلسوں میں اس مضمون کی قرارداد پاس کرانا چاہتے ہیں۔ میں اپنے

ہندو ہموطنوں پر زور ڈالونگا کہ وہ برداشت سے کام لیں۔ ہمارے مسلمان ہموطن اس سلسلہ میں نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ کام لے رہے ہیں۔ میں مولانا عبدالباری کا وہ اعلان دُہرانا چاہتا ہوں جسمیں انھوں نے ظاہر کیا ہے کہ جبتک انکے مقلدین گائے کی حفاظت کیلئے تیار ہوجائینگے وہ مسئلہ خلافت میں برادران وطن کی کوئی پیش کردہ امداد کو قبول نہ کرینگے۔ انھوں نے اپنے الفاظ کی پابندی کی ہے۔ وہ گائے کی حفاظت کے تعلق ہمدردانہ اور سود مندانہ نوعیت کی تعلیم دے کر ایک موافق فضا پیدا کرنیکی برابر کوشش کررہے ہیں۔

حکیم اجمل خانصاحب بحیثیت صدر مسلم لیگ باوجود سخت مخالفت کے یہ ریزولیوشن پاس کرایا کہ تہواروں کے موقعہ پر گائے ذبح نہ کیجائیں یعلی برادران نے اپنے گھرانہ میں گائے کا گوشت بند کردیا ہے۔

ہمیں ان شریف دل مسلمانوں کا ممنون ہونا چاہیئے کہ انھوں نے بغیر کہے سُنے یہ طرز اختیار کیا۔ ہمیں چاہئے کہ اس اہم مسئلہ کو انپر چھوڑدیں تاکہ وہ اپنے طریق پر اسکو حل کرلیں۔ ہندو بھائیوں کو میرا مشورہ یہ ہے کہ وہ معاوضہ کا خیال کئے بغیر فیاضانہ طریق پر محض مسلمانوں کی مدد کریں نتیجہ میں گائے کی حفاظت خود بخود ہوجائیگی۔ اسلام ایک شریف مذہب ہے اُسپر اور اُسکے پیروکاروں پر اعتبار کرو۔ ہمیں ہر ہندو کے لئے یہ بات حرام خیال کرنی چاہئے اگر وہ خلافت کی جنگ کے ہوتے ہوئے گائے کی حفاظت یا اور کسی مذہبی معاملہ میں امداد کا طالب ہو۔

برہمن غیر برہمن کیساتھ بالکل ایساہی برتاؤ کرتے ہیں جیساکہ انگریز ہندستانیوں کے ساتھ

(برہمن غیر برہمن) از قلم مہاتما گاندھی ینگ انڈیا ۱۰ ارنومبر ۱۹۲۰ء

جب میں نے ینگ انڈیا میں مہاراسٹر کے غیر برہمن مسئلہ کے متعلق مضمون لکھا تھا تو اُسوقت مجھے اس بات کا احساس نہ تھا کہ غیر برہمنوں کا معاملہ اگر قطعی طور پر نہیں تو زیادہ تر ایک سیاسی مسئلہ تھا و نیز یہ کہ غیر برہمنوں کو برہمنوں کے خلاف بحیثیت جماعت اتنی شکایت نہ تھی جتنی کہ بعض تعلیم یافتہ غیر برہمنوں کو برہمن قوم پرستوں کے خلاف تھی۔ غیر برہمنوں میں لنگائی، مرہٹھہ، جین، اور اچھوت شامل ہیں۔

برہمن دیگر غیر برہمنوں کے خلاف ایک جداگانہ شکایت رکھتے ہیں یعنی یہ کہ غیر برہمنوں نے بھی اُن کو اپنے سے اُسی قدر جدا کر رکھا ہے جسقدر برہمنوں نے غیر برہمنوں کو۔ علاوہ ازیں تعلیم یافتہ غیر برہمنوں کا معاملہ سب میں مشترک نہیں ہے بہرکیف انکی تفصیل حسب ذیل الفاظ میں بیان کی جاسکتی ہے:-

(۱) تعلیم یافتہ غیر برہمنوں کو وہ سیاسی قوت حاصل نہیں ہے جو برہمنوں کو حاصل ہے۔ برہمن سب سے زیادہ تعداد میں سرکاری ملازمتوں پر مامور ہیں۔ اگرچہ غیر برہمنوں کی تعداد آبادی کے لحاظ سے بہت زیادہ ہے لیکن نمائندہ مجالس میں برہمنوں

کو سب سے زیادہ نسبتیں ملی ہوئی ہیں۔

(۲) بعض برہمن لنگائتوں کو مندروں کے اندر جانے سے منع کرتے ہیں حالانکہ لنگائت مدعی ہیں کہ وہ مندر انہیں کے ہیں اور عام طور سے برہمن لنگائتوں کے اس دعوے کی تائید کرتے ہیں۔

(۳) برہمن تمام غیر برہمنوں کے ساتھ شودروں کا سا سلوک کرتے ہیں اور ان کا یہ برتاؤ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ انگریزوں کا ہندوستانیوں کے ساتھ۔

میری رائے میں غیر برہمنوں کا معاملہ بہت کمزور ہے اگر قوم پرست جماعت سے تعلق رکھنے والے برہمن گانگرس کے پروگرام عدم تعاون پر اول سے آخر تک عمل کریں تو یقین ہے کہ یہ سوال مہاراسٹر کی پبلک زندگی سے بالکل نیست نابود ہو جائیگا۔

برہمن اور غیر برہمن تحریک کسی مذہبی یا معاشرتی ناقابلیت پر منحصر نہیں ہے بلکہ یہ برہمنوں کے سیاسی عروج کی رہین منت ہے جو بلا شک وشبہ بوجہ ذاتی قابلیت کے برہمنوں کو حاصل ہے۔

لہذا اگر قوم پرست برہمن سوراج کے متعلق زیادہ وسیع خیالات پیدا کر کے تمام سرکاری نوکریوں سے اجتناب کریں، کونسلوں اور میونسپلیٹیوں کی نامزد نشستوں کا بائیکاٹ کر دیں تو یہ شکایت فوراً دور ہو جائیگی۔

یہ بات مجھپر بالکل واضح ہے کہ گورنمنٹ اپنی مسلمہ پالیسی کے مطابق غیر برہمنوں کو برہمنوں کے خلاف بھڑ رے پر چڑھائیگی خواہ اول الذکر کو اسکا علم ہو یا نہو، وہ اپنی زندگی کے پٹہ کو طویل کرنے کیلئے دونوں فرقوں میں تنازعات پیدا کرنے کی کوشش کرے گی۔

یہ بات بھی بالکل روشن ہے کہ برہمن لوگ حکومت کی ہر ایک سرپرستی کو چھوڑ کر غیر برہمنوں کے اس دعوے کو باطل ثابت کر دینگے اور اس مخالفت کو بالکل بے وجود بنا دیں گے۔

اس مسئلہ نے جو اس قدر نازک شکل اختیار کر لی ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ غیر برہمن لیڈر حلقہائے انتخاب کو اپنے موافق بنانے کی کوشش کر رہے ہیں اور انتخاب کنندگان کو یہ سمجھا رہے ہیں کہ چونکہ وہ کمزور ہیں لہذا ان کو گورنمنٹ سے متحد ہو جانا چاہیئے۔ برہمن بھی انھیں انتخاب کنندگان پر اپنا اثر ڈال رہے ہیں اور رائے دینے سے منع کر رہے ہیں اس سے ایک ناگوار فضا پیدا ہو گئی ہے لیکن صورت حالات کا سب سے زیادہ تکلیف دینے والا یہ حصہ ہے کہ غیر برہمن رہنما جو عوام الناس کے نمایندے ہونیکے مدعی ہیں گورنمنٹ کے ساتھ تعاون کر کے یا اپنی حالت کو بہتر بنانے میں گورنمنٹ امداد حاصل کر کے عوام الناس پر حکومت کے پنجہ کو اور مضبوط کر دینگے اور گورنمنٹ کی حمایت کر کے مظالم پنجاب اور خلافت کے تدارک کو اور زیادہ مشکل بنا دینگے۔

لہذا غیر برہمنوں کی پالیسی کھلم کھلا خودکشی کے مترادف ہے انکی شکایات برہمنوں یا قوم پرستوں کے خلاف خواہ کچھ ہوں تاہم یہ یقینی بات ہے کہ ان کا علاج اک ایسی گورنمنٹ سے اتحاد کر کے حاصل نہیں ہو سکتا جسکا نصب العین عوام الناس کی اقتصادی ہلاکت اور ان کو بزدل بنانا ہو۔ کیونکہ مظالم پنجاب اور جزوی طور پر خلافت کے انسداد سے انکار کرنا

گورنمنٹ کی اس پالیسی پر منحصر ہے کہ عوام الناس پر برطانی اقتدار بہمہ وجوہ قائم رکھا جائے۔ ایک لاکھ انگریز تیس کروڑ انسانوں کو محض بہیمانہ طاقت کے بھروسہ پر غلام نہیں بنا سکتے لیکن یہ لوگ نہایت چالاکی کے ساتھ ہندوستانیوں کو بے بس کر کے اپنی طاقت کو مضبوط کر سکتے ہیں اور فی الواقع ایسا کرتے ہیں۔

لہذا میں غیر برہمن رہنمایان کو گورنمنٹ سے تعاون کرنے کے خطرات سے خبردار کرتا ہوں جس سے لازمی طور پر اس مقصد کو کاری ضرب لگے گی جسکے حصول کی وہ تلاش میں ہیں گورنمنٹ کی چند ملازمتوں کو حاصل کر کے یا کونسلوں میں منتخب ہو کر وہ (غیر برہمن) عوام الناس کی اقتصادی حالت کو بہتر نہیں بنائیں گے۔ اقتصادی کسوٹی پر جانچ کر معلوم ہوگا کہ ہماری تیس سالہ جد و جہد کا نتیجہ محض تباہی ہوا ہے۔

ہندوستان کے عوام الناس قحط سالی اور وبائی امراض کا مقابلہ آج اتنی اچھی طرح نہیں کر سکتے جتنی کہ پچاس سال پیشتر کر سکتے تھے قوم کی تاریخ میں کوئی زمانہ ایسا نہیں گذرا ہیں ہیں کہ ہندوستانی ایسے بزدل ہوئے ہوں جیسے کہ آج کل ہیں

غیر برہمن لیڈر اپنی سیاسی حالت کی بہتری کے لئے آغوش حکومت کو تلاش کر کے آئندہ جو ایک خطرہ پیدا کرنیوالے ہیں اسکو اولوالعزم برہمن جماعت آسانی کے ساتھ منقلب کر سکتی ہے۔ وہ مضبوط ہے، ذکی الفہم ہے اور روایتی اقتدار کی مالک ہے وہ فتح حاصل کرنے کے لئے جھک سکتی ہے۔

اور عدم تعاون کے پروگرام کو دل سے منظور کر کے یہ مسئلہ خود بخود حل ہو جائیگا لیکن صرف اتنا ہی کافی نہیں ہے برہمن جب تک ان لوگوں کی جانب دست اخوت دراز نہ کرینگے جو کہ اپنے آپ کو مظلوم اور کمزور خیال کرتے ہیں، اُس وقت تک یہ کشیدگی باقی رہے گی۔

شکایات پیش کی گئی تھیں کہ کرناٹک میں قومی اخبارات غیر برہمنوں کے خلاف دل آزار اور سخت و سست الفاظ استعمال کرتے ہیں اور قوم پرست برہمن ان کو بہ نظر حقارت دیکھتے ہیں اور ان کی توہین کرتے ہیں۔ جاہل غیر برہمن ہموطنوں کو حق حاصل ہے کہ وہ نسبتاً زیادہ روشن خیال برہمنوں سے رواداری اور اخلاق کی توقع کریں۔ غیر برہمنوں کا عام طبقہ ہنوز برہمنوں کے خلاف تعصبات سے متاثر نہیں ہوا۔ مجھے مہاراشٹر کے برہمنوں پر کافی بھروسہ ہے کہ وہ غیر برہمن سوال کو ایسے پیرایہ میں حل کر دیں گے جو ہندو روایات کے (جن کا کہ وہ عامل ہیں) شایان شان ہے۔

تیرے علم و محبت کی نہیں ہے انتہا کوئی
نہیں ہے تجھ سے بڑھ کر ساز فطرت میں نوا کوئی

اقبال

ہندو دھرم جو ورن آشرم کا ذمہ دار ہے وہ اس بات کا بھی ذمہ دار ہے کہ نہ صرف انسانوں بلکہ تمام جانداروں کے درمیان اخوت کی تعلیم دے

(ورن آشرم) از قلم مہاتما گاندھی ینگ انڈیا ۸ دسمبر ۱۹۲۰ء

دکن کے دورے میں میں نے ورن آشرم کے سلسلہ میں جو الفاظ استعمال کئے ہیں ان کے متعلق بعض خطوط خشم آلود موصول ہوئے ہیں۔ میں ان خطوط کو شائع نہیں کرونگا کیونکہ ان میں طعن تشنیع کے سوا اور کچھ نہیں اور جس جگہ طعن و تشنیع نہیں وہاں بھی دلائل بہت کم ہیں۔ میں ینگ انڈیا کے کالموں کو ایسے آراء کے واسطے کھولنے کیلئے مضطرب ہوں جو اخبار مذکور کے خیالات سے اختلاف رکھتے ہوں لیکن مضمون کو اختصار اور دلچسپی سے کام لینا چاہئے۔ الفاظ کی سختی کسی بات کی دلیل نہیں ہوا کرتی ہیں یہ الفاظ کہنے پر مجبور ہوں کہ کم از کم دو مضمون نگار ایسے ہیں جن کے خطوط اگر طول طویل اور مہمل نہ ہوتے تو ضرور ینگ انڈیا میں شائع کر دیئے جاتے تاہم میرے نامہ نگاروں نے جو سوال اٹھایا ہے وہ توجہ کے قابل اور جواب کا مستحق ہے۔ وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ "ذات سسٹم ہندوستان کی تباہی کا باعث ہوا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہندوستان غلامی کی حد تک پہونچ گیا ہے"۔

میری رائے میں ہماری موجودہ حالت کا باعث ذات سسٹم نہیں ہے بلکہ ہماری حرص، طمع اور نیک خصائل جو ہر شخص کے لئے ضروری ہیں اُنکے فقدان نے ہمیں غلام بنا دیا ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ ورن آشرم نے ہندو دھرم کو منتشر ہونے سے محفوظ رکھا ہے لیکن دیگر رسم و رواج کی طرح اس میں بھی افراط تفریط پیدا ہوگئی۔ میں صرف چار ورنوں[1] کو بنیادی قدرتی اور ضروری سمجھتا ہوں۔ باقیماندہ لاتعداد ذات و رذات بعض اوقات آسانی بہم پہونچاتی ہیں اور اکثر اوقات رکاوٹ پیدا کرتی ہیں جسقدر جلد ان میں آمیزش ہو جائے اُسی قدر اچھا ہے۔ ذات و رذات طبقے ہمیشہ بگڑتے رہے ہیں اور ہمیشہ بنتے رہینگے۔ معاشرتی ضروریات اور رائے عامہ پر اس مسئلہ کے حل کرنے میں اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ لیکن میں ان چار بنیادی ورنوں کو تباہ کرنے کے بالکل خلاف ہوں۔ ورن آشرم عدم مساوات پر مبنی نہیں اور نہ ان میں کمتری اور برتری کا سوال ہے۔ مدراس، مہاراشٹر اور دیگر مقامات میں جو اس قسم کا سوال اُٹھ رہا ہے بلاشبہ اسکا دروازہ بند کرنا چاہئے لیکن ان خرابیوں کی بنا پر ذات سسٹم کو ترک کرنے کا کوئی مضبوط سبب معلوم نہیں ہوتا اس میں آسانی سے اصلاح کی جا سکتی ہے۔

---

[1] برہمن۔ چھتری۔ ویش۔ شودر۔

جمہوریت کی لہر جو ہندوستان کے طول عرض اور تمام دنیا میں دوڑ رہی ہے بلاشبہ اس سسٹم کو تفوق اور تحکومیت کے خیال سے پاک و صاف کردیگی۔

جمہوریت کی اسپرٹ کوئی مجسم شے نہیں ہے جسکو شکل و صورت بگاڑ کر درست کیا جائے۔ اسمیں ضرورت ہے کہ دلوں کو تبدیل کیا جائے۔ ذات پات اگر جمہوریت کی اسپرٹ کے لئے سنگ راہ ہے تو میرے خیال میں ہندوستان کے پانچ مذاہب یعنی ہندو دھرم[۱]۔ اسلام[۲]، عیسویت[۳]۔ زرتشت[۴]۔ اور یہودیت[۵] کا وجود بھی مساوی طور پر جمہوریت کے راستہ میں ایک روڑا ہے۔

جمہوریت کی اسپرٹ بھائی بندی کی اسپرٹ کی تعلیم دیتی ہے اور جیسے ایک مسلمان یا عیسائی کو بالکل اپنے سگے بھائی کی طرح بھائی سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی اور ہندو دھرم جو ورن آشرم کا ذمہ دار ہے وہ اس بات کا بھی ذمہ دار ہے کہ نہ صرف انسانوں کے اندر بلکہ تمام جانداروں کے درمیان اخوت کی تعلیم دے۔ میرے نامہ نگار مجھے یہ صلاح دیتے ہیں کہ ہمیں ذات پات کا قضیہ توڑا دینا چاہئے اور اسکی بجائے یورپ کا کلاس سسٹم اختیار کرلینا چاہئے۔ جسکے میرے خیال میں یہ معنی ہوتے ہیں کہ ذات سسٹم میں نسلاً بعد نسلاً کا خیال علیحدہ کردیا جائے لیکن میرا خیال ہے کہ نسلاً بعد نسلاً کا قانون ایک دائمی قانون ہے اور اس قانون میں کسی قسم کی تبدیلی کی کوشش انتشار پیدا کردیگی جیساکہ اس سے پہلے ہوتا آیا ہے۔ اگر ایک برہمن مدت العمر برہمن ہی بنا رہے تو میری رائے میں اس میں کثیر فوائد ہیں۔ اگر اس کا طرز عمل ایک برہمن کا سا نہیں رہیگا تو قدرتاً وہ اس عزت و احترام کو حاصل نہ کرسکیگا جو ایک حقیقی برہمن کے لئے ضروری ہے اگر کوئی شخص سزا و جزا، ترقی و تنزل کی عدالت قائم کرے تو آسانی کے ساتھ اس امر کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس کو کس قدر لاتعداد دشواریوں کا مقابلہ کرنا پڑیگا۔

اگر ہندو عقیدۂ تناسخ (آواگون) پر یقین رکھتے ہیں تو انھیں معلوم ہونا چاہئے کہ قدرت بغیر غلطی کئے کمی کو اسطرح پورا کردیگی کہ اگر کوئی برہمن بُرے کرم کریگا تو اُسکو نیچ ذات میں پیدا کرکے اُسکا مرتبہ گھٹادیگی۔ اور جو شخص موجودہ دور حیات میں برہمن کی سی زندگی بسر کرتا ہے اُسکو دوسرے جنم میں برہمن کے طبقہ میں پیدا کردیگی

میری رائے میں باہم کھانا پینا یا آپس میں شادی بیاہ کی رسم جمہوریت کی اسپرٹ کو ترقی دینے کیلئے ضروری نہیں ہے میں نہیں سمجھتا کہ کسی جمہوری دستور کے ماتحت خورد و نوش یا شادی بیاہ کے رسم و رواج میں یکسانیت پیدا ہوسکتی ہے۔ اگر کوئی شخص کسی شخص کے ساتھ یا ہر شخص کے ساتھ ملکر کھانے پینے میں احتراز کرے تو میرے نزدیک اسمیں کوئی گناہ کی بات نہیں۔ ہندو دھرم میں ایک بھائی کی اولاد کی دوسرے بھائی کی اولاد سے شادی نہیں ہوسکتی۔ یہ ممانعت تعلقات اور خلوص باہمی میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کرسکتی بلکہ تعلقات میں مزید خوشگواری پیدا ہو جاتی ہے۔ بہت سے ویشنو گھرانوں میں، میں ایسی ماتاؤں کو جانتا ہوں جو ایک چوکے میں کھانا نہیں کھاتیں ورنہ ایک برتن میں پانی پیتی ہیں لیکن اسکے باوجود اُن میں نہ تو علیحدگی کی عادت پڑتی ہے نہ کسی قسم کا غرور ہوتا ہے اور نہ انکی محبت میں کوئی کمی واقع ہوتی ہے۔ یہ محض انتظامی یا تبدیلیاں ہیں جو فی نفسہ بری نہیں۔ ہاں

---

۵ پارسی۔

اگران کو بھی جادۂ اعتدال سے بڑھا دیا جائے تو پھر یہ ضرر رساں صورت اختیار کرینگی اور اگر فوقیت اور برتری کا غرور ان کا غرض ومنشا ہو تو پھر یہ پابندیاں نفس پرستی میں شمار ہونگی اور ان سے نقصان پہونچے گا لیکن جوں جوں زمانہ ترقی کرتا ہے نئی ضروریات اور موقعے پیدا ہوتے ہیں اُسی قدر یا ہی کھانے پینے اور شادی بیاہ کے رسم ورواج میں ہمیں ہوشیاری کے ساتھ تبدیلیاں کرنی ہونگی اور بار دگر ترتیب دینا ہوگا۔

باایں ہمہ میں ہندؤں کے چاروں ورنوں کی حمایت کرنے کو تیار ہوں جیسا کہ میں نے بارہا ینگ انڈیا کے کالموں میں لکھا ہے۔ تاہم اچھوت مسئلہ کو میں انسانیت کے خلاف ایک شدید جرم خیال کرتا ہوں۔ اس میں خودداری کا نام ونشان تک نہیں۔ البتہ بیجا تفوق کا ایک متکبرانہ خیال ہے۔ اس سے اب تک کوئی مفید کام انجام نہیں پایا بلکہ نسل انسانی کے اُن کثیر التعداد انسانوں کو جو نہ صرف ہماری مانند عمدہ خصائل کی قابلیت ہی رکھتے ہیں بلکہ زندگی کی ہر ایک رفتار میں ملک کی ضروری خدمات انجام دے رہے ہیں انکو اس درجہ پستی میں ڈالدیا کہ جسکی مثال ہندو دھرم کے کسی شعبہ میں نہیں پائی جاتی یہ اک گناہ ہے اگر ہندو دھرم دنیا کی نظروں میں اپنے آپ کو ایک باعزت اور بلندی پر پہونچا نیوالا مذہب تسلیم کرنا چاہتا ہے تو جسقدر جلد اس آلودگی سے اپنے آپ کو پاک کرے اُسی قدر بہتر ہے۔ اچھوت پن برقرار رکھنے کیلئے کوئی دلیل میرے علم میں نہیں اور اگر ایک گناہ آلود دستور کی حمایت میں مشتبہ اسناد مذہبی پیش کی جاویں تو ان سے انکار کرنے میں میں ذرہ برابر بھی پس وپیش نکرونگا۔ درحقیقت میں ہر اُس سند کو ماننے سے انکار کرونگا جو ضمیر اور عقل کے خلاف ثابت ہوگی اسناد اگر معقولیت پر مبنی ہوں تو وہ کمزور کی حفاظت کرتی ہیں اور اسکو نیک بناتی ہیں لیکن اگر یہ عقل سلیم کے خلاف ہوں تو پھر یہ کمزوروں کو پستی کے گڑھے میں ڈھکیل دیتی ہیں۔

ہندوستان کو جس چیز کی ضرورت ہے، وہ یہ نہیں ہے کہ کل سرمایہ چند نفوس کے پاس جمع کردیا جائے

(پارسیوں کے نام خط) ینگ انڈیا ۲۳ رمارچ ۱۹۲۱ء

پیارے دوستو!

میں جانتا ہوں کہ آپ صاحبان بڑی دلچسپی کے ساتھ تحریک عدم تعاون کو مطالعہ کر رہے ہیں میں آپ کو یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ تمام ذمہ دار حامئ عدم تعاون بڑی بے چینی کے ساتھ انتظار کر رہے ہیں کہ تزکیہ نفس کی اس کارروائی میں جسکے نیچے ہو کر آج تمام ملک گذر رہا ہے آپ صاحبان کتنا حصہ لیتے ہیں۔ ذاتی طور پر مجھے پورا پورا بھروسہ ہے کہ جب فیصلہ کن نتیجہ پر پہونچنے کا سوال آپکے سامنے آئیگا تو آپ صحیح بات کو اختیار کرینگے۔

میں یہ چند سطور آپ کی خدمت میں اسوجہ سے پیش کر رہا ہوں کہ غالباً ایک نتیجہ پر پہونچنے کا وقت اب آگیا

ہے۔ میں آپ کا ہموطن ہونیکے علاوہ بہت سے دیگر مقدس رشتوں کی بنا پر آپسے وابستہ ہوں۔

دادابھائی سب سے پہلا محب وطن تھا جس نے میرے دل میں روح پھونکی۔ جسوقت میں کسی دوست کے رہنما سے واقف نہ تھا اُسوقت اس شخص نے میری رہنمائی کی اور مجھکو امداد دی۔ ابھی میرا لڑکپن ہی تھا کہ میں دادابھائی کے پاس تعارف کا خط لیکر آیا۔ یہ آنجہانی بمبئی کے بے تاج بادشاہ ہی کا دم تھا جس نے سنہ ۱۸۹۶ء میں میری رہنمائی کی اور کام کرنے کا راستہ دکھایا۔ جب سنہ ۱۸۹۲ء میں میں پولیٹیکل ایجنٹ کے خلاف لڑائی لڑنا چاہتا تھا تو یہی شخص تھا جس نے میری جوانی کے جوش کو روکا اور پبلک زندگی میں اہنسا کا سب سے پہلا سبق سکھایا۔ اس نے مجھے تعلیم دی کہ اگر میں ہندوستان کی خدمتگزاری کرنا چاہتا ہوں تو مجھکو ذاتی مظالم پر غم و غصہ کا اظہار نہیں کرنا چاہئے۔ ڈربن کا ایک پارسی سوداگر رستم جی جنوبی افریقہ میں میرا بہت گرانقدر موکل اور دوست تھا اُس نے آزادی کے ساتھ پبلک کا ساتھ دیا اور جیل خانہ میں میرا سب سے پہلا ساتھی وہ اور اُسکا بہادر بیٹا تھا۔

جب مجھکو خلاف آئین سزائیں دی جارہی تھیں تو اُس شخص نے ہی مجھے پناہ دی اور اتبک وہ بڑی دلچسپی کیساتھ سوراج کی تحریک پر عملدرآمد کر رہا ہے اور حال ہی میں اُس نے اسکے لئے چالیس ہزار روپے کا گرانبہا عطیہ مرحمت فرمایا ہے۔ میری ناچیز رائے میں آج ہندوستان میں سب سے زیادہ عظیم الشان عورت ایک پارسی عورت ہے جو بھیڑ کی مانند حلیم اور منکسر المزاج ہے اور اُسکا دل انسانی ہمدردی سے سرشار ہے۔ اس خاتون کی دوستی حاصل کرنا زندگی کے نایاب اور نادر ترین فوائد میں سے ہے۔ میں ان مقدس ہستیوں کی یاد تازہ کرنے کے لئے اس قسم کی مثالیں پیش کرنے کو عزیز رکھتا ہوں لیکن اس خط کی غرض و غایت کو سمجھانے اور اسکو بنظر استحسان دیکھنے کیلئے میں نے کافی سے زیادہ تحریر کر دیا ہے۔

آپ کی جماعت ایک دور اندیش جماعت ہے آپ لوگ آپس میں زیادہ پیوستہ ہیں اور کسی تحریک میں شامل ہونے سے پہلے آپ صاحبان اس تحریک کی مضبوطی اور اخلاقی حالت کے کافی ثبوت بہم پہونچانے پر اصرار کرتے ہیں اور اگر آپ صاحبان ضرورت سے زیادہ دور اندیشی سے کام لیں تو اس میں کوئی خطرہ کی بات نہیں۔

ٹاٹا ہاؤس پر راک[1] فیلر کا غلبہ ہوتا جاتا ہے اور میں اس سے خوفزدہ ہوں۔ میں اُن نتائج سے بھی ڈرتا ہوں، جو ہندوستان کو صنعتی ملک بنانیکے مشتبہ فوائد کی خاطر غریب لوگوں کی املاک پر قبضہ جمانے سے ظہور پذیر ہو کر رہیں گے۔ آپ کی دانشمندی اس کاروبار کی خودکشانہ نوعیت کو ظاہر کر دیگی۔ نیز آپکی زود فہمی جلد آپ کو بتا دیگی کہ ہندوستان کو جس چیز کی ضرورت ہے وہ یہ نہیں ہے کہ کل سرمایہ چند نفوس کے پاس جمع کر دیا جائے بلکہ اس سرمایہ کو اس طرح تقسیم کیا جائے کہ ۷ لاکھ گاؤں جنھوں نے اس بر اعظم کو ۱۹۰۰ میل لمبا اور ۱۵۰۰ میل چوڑا بنایا ہے آسانی کیساتھ دسترس رکھتے ہوں

میں جانتا ہوں کہ آپ بحیثیت جماعت اُن مصلحین کے کب شریک حال ہونگے جو ہندوستان کو ایک ایسی شہنشاہیت سے آزاد کرانے کیلئے پریشان ہیں جو ملک کا خون چوس رہی ہے اسمیں سوال صرف وقت کا ہے۔

لیکن ایک چیز ایسی ہے جسکا انتظار کرنا جرم میں داخل ہے۔ ہندوستان میں انسداد شراب نوشی کی لہر

---

[1] امریکہ کا سب سے بڑا دولتمند۔

دوڑ رہی ہے۔ عوام خوشی کے ساتھ شراب جبری ترک کرنے کیلئے تیار ہیں۔ سوسائٹی بڑی سرعت کے ساتھ ایسی رائے عامہ کو حاصل کر رہی ہے جو شراب نوشی کو ناقابل معافی گناہ تصور کریگی۔ بہت سے پارسی شراب خانوں کے ذریعہ معاش حاصل کرتے ہیں۔ آپ صاحبان کی دلی امداد اور تعاون اُن طاعون زدہ مقامات کے وجود کو احاطہ بمبئی سے نیست و نابود کر دیگا۔ تمام ہندوستان کی لوکل گورنمنٹیں اس تحریک کو دبانے کی ناجائز کوششیں کر رہی ہیں۔ کیونکہ تحریک غالباً آبکاری کی تمام آمدنی کو مسدود اور تباہ کرنے میں کامیاب ہوتی نظر آتی ہے۔ لہذا آپ اس کام میں گورنمنٹ کی مدد کرینگے یا عوام الناس کی؟ اس سلسلہ میں آپ کو فوراً کسی نتیجہ پر پہونچ جانا چاہیئے۔ مجھے معلوم نہیں کہ شراب کے متعلق آپ کی مذہبی کتاب کیا کہتی ہے تاہم میں قیاس کرتا ہوں کہ آپکے پیغمبر نے نیکی کو برائی سے جدا کیا اور اول الذکر کی موخرالذکر پر فتح پانے کے گیت گائے اسکے متعلق کیا ارشاد فرمایا ہوگا۔

لیکن مذہبی عقائد کے علاوہ آپ کو اس امر کا فیصلہ کرنا ضروری ہے کہ آیا آپ انسداد شراب نوشی کو تقویت پہنچائینگے یا خاموشی اور فیلسوفیانہ طریق پر اس سلسلہ میں جو ترقیات ہونگی اُن کا مطالعہ فرمائینگے۔

مجھے اُمید ہے کہ آپ بحیثیت ہندوستان کی ایک عملی جماعت کے انسداد شراب نوشی کی زبردست تحریک میں بہمہ وجوہ سرگرمی کے ساتھ شریک ہو جائینگے۔

میں ہوں آپ کا وفا شعار دوست

ایم۔ کے۔ گاندھی

غلط قدم پیچھے ہٹانا یقیناً ترقی کا نشان ہے

(پارسیوں کو کیا کرنا چاہیئے؟) از قلم مہاتما گاندھی۔ ینگ انڈیا ۲۲ جون ۱۹۲۱ء

"آبزرور" "ٹائمز آف انڈیا" کے ذریعہ حسب ذیل سوال کرتا ہے:۔

"ایسی حالت میں جبکہ پارسیوں کی خاص ضروریات کو پورا کرنے کے لئے قومی مدارس کی کوئی شق نہیں رکھی گئی کیا پارسی اپنے بچوں سے کہیں کہ وہ گورنمنٹ مدارس یا گورنمنٹ کے امدادی مدارس کو چھوڑ دیں؟ کیا پارسی وکلا عدالتوں کا بائیکاٹ کر کے اپنے خاندان والوں کو بھوکا ماریں؟ کیا پارسی اپنے کثیر المنافع مشاغل کو چھوڑ کر صرف تین آنہ یومیہ کی خاطر چرخہ چلانے لگیں؟ تین آنہ یومیہ تو انکے سوڈا واٹر کے بل کو بھی ادا نہیں کر سکتا چہ جائیکہ وسکی اور سوڈا کیا پارسیوں کو اپنا موجودہ لباس جو ایشیائی طرز کے پوشاک کے مقابلہ میں زیادہ یورپین ساخت کا ہوتا ہے ترک کر دینا چاہیئے اور اپنے آباؤ اجداد کے عہد کا لباس اختیار کر لینا چاہیئے جو ایسے چوڑے چوڑے پائنچوں کے پاجامے استعمال کرتے تھے کہ ان میں ایک درجن پرند سما جائیں؟ کیا اس طرح رفتار زمانہ کو پیچھے لوٹانا ممکن ہے؟ کیا مسٹر گاندھی مہربانی فرما کر مذکورہ بالا سوالات کا اطمینان بخش جواب مرحمت فرمائینگے۔"

تعلیمی معاملات میں پارسی سب سے آگے ہیں۔ موجودہ مدارس میں سے انہیں ایک لڑکے کو بھی واپس بلانیکی ضرورت

نہیں، ان کیلئے صرف اتنا ضروری ہے کہ وہ اپنے دماغوں سے ڈگریاں حاصل کرنے کا خبط نکالدیں اور پھر آج ہی وہ اپنے تمام مدارس کا الحاق گورنمنٹ سے علیحدہ کر سکتے ہیں۔ اُن کے پاس اتنا کافی روپیہ موجود ہے کہ اپنی تمام تعلیم کا بندوبست کر سکیں، پارسی وکیلوں کا مجھے علم ہے کہ اگر وہ عدالتوں کا بائیکاٹ کر دیں تو انکے پاس ایسے ذرائع اور وسائل موجود ہیں کہ اگر وہ قومی خدمات میں شریک ہونا بھی نہ چاہیں تو تجارت کیطرف متوجہ ہو سکتے ہیں جو پارسیوں کی خصوصیت ہے
قابل پارسی وکیلوں کے ترک وکالت کرنے سے انکی و نیز قوم کی حالت اور بہتر ہو سکتی ہے۔ کسی شخص اور خصوصاً کسی پارسی سے یہ نہیں کہا جاتا اور نہ یہ امید کیجاتی ہے کہ وہ اپنے کثیر المنافع پیشہ کو ترک کر دے بشرطیکہ یہ پیشہ حکومت کے اقتدار کو مضبوط کرتا ہو اور اسکی بجائے چرخہ کاتنا اختیار کر لے لیکن ہر پارسی مرد اور عورت سے یہ امید کیجاتی ہے کہ وہ قوم کی خاطر اپنی فرصت کے گھنٹے چرخہ کاتنے پر صرف کرے۔ لہذا اب یہ سوال بھی پیدا نہیں ہوتا کہ پارسی اپنا سوڈا واٹر ترک کر دیں۔ لیکن جو لوگ شراب کا استعمال کرتے ہیں وہ اگر اسے بالکل ترک کر دیں تو اس سے ان کو و نیز قوم کو بہت فائدہ ہوگا۔ پارسیوں کو اپنا طرز لباس بھی بدلنے کی ضرورت نہیں ہے بشرطیکہ کپڑا ہاتھ کا کتا اور ہاتھ کا بُنا ہوا ہو۔ تاہم اگر وہ اپنے باپ دادا کی قدیم سادگی کو اختیار کر لیں تو اس میں بھی کوئی ہرج نہیں ہوگا۔ پُرانا پارسی لباس ہندوستان کی آب ہوا کے مطابق وضع کیا گیا تھا۔ یورپین طرز بالکل بھدّا اور ہندوستان کے حالات کے لحاظ سے قطعًا ناموزون ہے اور گو کہ انگریز اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ ان کا لباس ہندوستانی آب وہوا کے لحاظ سے بہت ہی تکلیف دہ ہے تاہم ایک جزیرے کے باشندے ہونیکی وجہ سے وہ ہندوستان میں یورپین لباس کو برقرار رکھتے ہیں۔

میں یہ خیال کرنیکی جرأت کرتا ہوں کہ بغیر سوچے سمجھے کسی کی نقل کرنا ترقی کی نشانی نہیں ہے اور نہ قدیم عادات کی طرف ہر ایک رجعت موجودہ زمانہ کی ترقیات کو پس پشت ڈالنے کے مساوی ہے۔ جلد بازانہ اور غلط قدم کو پیچھے لوٹانا یقینًا ترقی کا نشان ہے۔ اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ گذشتہ سو سال کے عرصہ میں ہم نے بہت سے غلط قدم اُٹھائے ہیں۔ لہذا پیشقدمی کرنے سے پہلے ہمیں صحیح راستہ معلوم کرنیکے لئے ضروری ہے کہ اپنے قدموں کو پیچھے ہٹائیں۔ ہم گم کردہ راہ ہیں اور میں آئیزر رور و نیز تمام پارسیوں کو دعوت دیتا ہوں کہ جس مقام پر ہم نے صحیح راستہ کو چھوڑ دیا تھا نہایت تیزی کے ساتھ دوبارہ اسی مقام پر واپس جائیں۔

دُنیا میں کوئی مذہب جھوٹا نہیں

(عدم تعاون اور عیسائی) از قلم مہاتما گاندھی۔ ینگ انڈیا ۲۲ ستمبر ۱۹۲۱ء

ایک عیسائی طالب علم رقمطراز ہے:۔

"ہم اگرچہ عیسائی طالب علم ہیں لیکن آپ ہمارے قومی رہنما ہیں اور ہم اس بات کو محسوس کرتے ہیں کہ ہمیں آپ سے

یہ سیکھنا چاہئے کہ ہندوستان کس مقصد کیلئے کھڑا ہوا ہے اور اسکا روحانی ورثہ کیا ہے؟ کیا آپ مہربانی فرماکر مغربی عیسویت پر اپنی تنقید اور طریق عبادت تنظیم اور تبلیغ کے متعلق تعمیری تجاویز ارسال فرمائینگے؟"

غالباً سائل کو یہ معلوم نہ تھا کہ وہ مجھکو میرے حدود سے باہر گھسیٹ کر لیجا رہا ہے۔ تاہم اس امر سے مسرت ہوئی کہ ہندوستانی عیسائی قومی تحریک میں روزافزوں دلچسپی لے رہے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ سینکڑوں غریب عیسائیوں نے بمبئی میں اپنی حیثیت کے مطابق تلک میموریل سوراج فنڈ میں چندہ دیا ہے۔ مجھے اس بات کا بھی علم ہے کہ بعض تعلیم یافتہ عیسائی اپنی زبردست قابلیتوں کو قومی کام میں صرف کر رہے ہیں۔ لہٰذا میں نامہ نگار کو ان کے مطلوبہ طرز میں نہیں بلکہ صرف اپنے واحد طریق پہ مطمئن کرنا چاہتا ہوں۔

مستقبل قریب کا ہندوستان جملہ مذاہب سے مکمل رواداری برتنے کا مقصد اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے ہے، اس کا روحانی ورثہ سادہ زندگی اور اعلیٰ خیالات پر مشتمل ہے۔ مغربی عیسائیت کو جہانتک کہ عمل کا تعلق ہے میں حضرت عیسیٰ کی تعلیم کے برخلاف خیال کرتا ہوں میں نہیں سمجھ سکتا کہ اگر وہ مع گوشت پوست ہمارے درمیان زندہ ہوتے تو موجودہ عیسوی تنظیم، عام عبادات اور جدید طریقہ تبلیغ کو نظر استحسان دیکھتے۔

اگر ہندوستانی عیسائی فقط پہاڑ والے وعظ پر ہی نظر کریں جو نہ صرف شاگردوں اور مریدوں کے لئے مخصوص تھا بلکہ تمام بھیجن دنیا اسمیں مخاطب کی گئی تھی، تو وہ غلط راستہ پر نہ جائینگے اور ان کو معلوم ہو جائیگا کہ کوئی مذہب جھوٹا نہیں ونیز یہ کہ اگر تمام لوگ خدا کا خوف کرتے ہوئے اپنے اپنے عقائد کے بموجب زندگی بسر کریں تو پھر انہیں تنظیموں، عبادتوں اور طریق تبلیغ کے متعلق پریشانیاں اٹھانی نہ پڑیں گی۔ فرانسیس لوگوں میں بھی یہ تمام باتیں موجود تھیں لیکن عیسیٰ نے ان کو ناجائز ٹھہرایا کیونکہ یہ لوگ مکاریوں اور اس سے بھی زیادہ بری باتوں کے لئے اپنے مقدس عہدوں کو آڑ بنائے ہوئے تھے۔ نیک اور پاک زندگی کے لئے خواہ آدمی ہندو ہو یا مسلمان یا عیسائی، دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ یعنی نیکی کی طاقتوں کے ساتھ تعاون اور بدی کی طاقتوں کے ساتھ عدم تعاون۔

ہمارے قومی جھنڈے پر چرخہ کا نشان ضرور ہو

(قومی جھنڈا) از قلم مہاتما گاندھی۔ ینگ انڈیا ۱۳ اپریل سنہ ۱۹۲۱ء

تمام قوموں کے لئے جھنڈا ایک ضروری چیز ہے، لاکھوں آدمی اسکی خاطر شہید ہوتے ہیں۔ اسمیں شک نہیں کہ یہ ایک قسم کی بت پرستی ہے لیکن اسکو تباہ کرنا زبردست گناہ ہے کیونکہ جھنڈا ایک نصب العین کو ظاہر کرتا ہے۔ یونین جیک کی حرکت انگریزی سینوں میں ایسے جذبات موجزن کرتی ہے جسکا اندازہ کرنا ناممکن ہے۔ امریکہ والوں کے لئے ستارہ اور دھجی (اسٹار اور اسٹرائپ) میں دنیا بھر کی عزت پنہاں ہے۔ چاند اور ستارہ اسلام کے بہترین بہادروں کو میدان میں لاکر کھڑا کردینگے۔

لہذا تمام ہندوستانیوں کو (یعنی ہندو، مسلمان، عیسائی، یہودی، پارسی، اور تمام وہ فرقے جن کا وطن ہندوستان ہے) ایک مشترک جھنڈا منظور کرنا ہوگا جسکی حفاظت کیلئے وہ زندہ رہیں اور جسکی خاطر اپنی جانیں دیدیں۔

نیشنل کالج موسلی پٹم کے پروفیسر مسٹر پی ڈین کا یا، چند سال سے ایک چھوٹی سی کتاب پبلک کے سامنے پیش کر رہے ہیں جس میں دوسری قوموں کے جھنڈوں پر روشنی ڈالی ہے اور ہندوستانی قومی جھنڈے کی وضع کو بھی ظاہر کیا ہے۔ اگرچہ میں نے مسٹر ڈین کا یا کے اس جوش و خروش کی ہمیشہ تعریف کی ہے جو وہ چار سال سے کانگریس کے سالانہ اجلاس میں جھنڈے کے متعلق ظاہر کرتے ہیں تاہم وہ میرے اندر اس سلسلہ میں کوئی جوش پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے اور جو وضع انہوں نے تیار کی ہے اس میں کوئی بات بھی ایسی نہیں جس سے قومی جذبات میں حرکت پیدا ہو۔ یہ فخر ایک پنجابی کیلئے محفوظ تھا جسکی تجویز نے تمام توجہات کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ لالہ ہنسراج نے چرخہ کے امکانات پر بحث کرتے ہوئے تجویز پیش کی کہ چرخہ کو ہمارے سوراجی جھنڈے پر جگہ دیجائے۔ میں اس تجویز کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکا۔

میں نے بمقام بیزواڑہ مسٹر ڈین کا یا سے درخواست کی کہ وہ ایک ایسا خاکہ تیار کریں جسمیں سرخ (ہندو رنگ) اور سبز (مسلم رنگ) زمین پر چرخہ کا نشان بنا ہو۔ انکی پرجوش اسپرٹ نے تین گھنٹہ میں ایسا نقشہ تیار کر دیا لیکن دیر ہوجانے کی وجہ سے یہ خاکہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی میں پیش نہ کیا جاسکا لیکن میں خوش ہوں کہ دیر ہوئی کیونکہ مزید غور و خوض کے بعد میں اس نتیجہ پر پہونچا کہ جھنڈے کے زمین پر دوسرے مذاہب کے رنگ بھی شامل ہونے چاہئیں۔ ہندو مسلمان ایسی اصطلاح نہیں ہے جو دیگر فرقوں کے اتحاد کو خارج کرتا ہو، بلکہ اس میں تمام فرقوں کا اتحاد مضمر ہے۔ یہ اُن تمام مذاہب کے اتحاد کو ظاہر کرتا ہے جو ہندوستان میں مستقل طور سے موجود ہیں۔ اگر ہندو مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ رواداری سے کام لے سکتے ہیں تو ان کا فرض ہے کہ متفقہ طور سے دیگر مذاہب کے ساتھ بھی رواداری کا برتاؤ کریں۔ یہ اتحاد ہندوستان کے دیگر مذاہب یا دنیا کیلئے کوئی دھمکی نہیں ہے۔ لہذا میں تجویز کرتا ہوں کہ جھنڈے کی زمین سفید، سبز اور سرخ ہونی چاہئے۔

سفید رنگ دیگر تمام مذاہب کی نمائندگی کرتا ہے۔ سب سے کم تعداد والے فرقے کا رنگ سب سے اول ہے۔ اسکے بعد اسلامی رنگ آتا ہے اور سب سے آخر میں ہندو سرخ رنگ ہے اور اس ترتیب میں یہ تخیل پوشیدہ ہے کہ زیادہ مضبوط فرقہ کمزور ترین فرقہ کیلئے سپر کا کام کرے۔ مزید براں سفید رنگ پاکیزگی اور امن کو ظاہر کرتا ہے اور ہمارے قومی جھنڈے کیلئے ضروری ہے کہ امن اور پاکیزگی کا مفہوم ظاہر کرے۔ علاوہ ازیں تینوں رنگوں کو قومی جھنڈے میں برابر برابر حصہ دیا گیا ہے تاکہ کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ تعداد والے فرقوں میں مساوات کا اظہار ہو۔

لیکن ہندوستان صرف چرخہ کی خاطر زندہ رہ سکتا ہے یا مر سکتا ہے۔ ہندوستان کی ہر عورت تعجب کرنے والے کو بتائیگی کہ چرخہ کے متروک ہونیکی وجہ سے ہندوستان کی حقیقی خوشی اور سرسبزی زائل ہوگئی اب چرخہ کی آواز سے ہندوستان کی عورتیں اور عوام اسقدر بیدار ہوگئے ہیں کہ اس سے پیشتر ایسی مثال نہیں ملتی۔ سب لوگ تسلیم کرتے ہیں کہ چرخہ نئی زندگی بخشنے والی چیز ہے۔ عورتیں اسکو اپنی عصمت کا محافظ سمجھتی ہیں۔ میں جس بیوہ سے ملا اُس نے یہی کہا کہ چرخہ کے اندر اسکا بھلا یا ہوا پیارا دوست پوشیدہ ہے۔ چرخہ کا دوبارہ رواج ہی لاکھوں بھوکے انسانوں کا پیٹ

پھر سکتا ہے صنعتی ترقی کی کوئی اسکیم ہندوستانی کسانوں کے روز افزوں افلاس کو دور نہیں کر سکتی۔ ہندوستان کوئی چھوٹا سا جزیرہ نہیں ہے بلکہ ایک برا اعظم ہے جو انگلستان کی طرح صنعتی ملک میں تبدیل نہیں کیا جا سکتا ہمیں دنیا کی ہر اُس کارروائی کے خلاف متوجہ ہو جانا چاہئے جو صنعتی لوٹ مار کے سلسلہ میں ہندوستان میں جاری کیجائے ہماری امیدیں صرف اس مرکز پر جمع ہونی چاہئیں کہ ملک کی دولت کو بڑھانے کے لئے گھروں میں بیٹھ کر روئی کو کپڑے کی صورت میں تبدیل کریں۔ لہذا چرخہ ہندوستانی زندگی کے لئے اتنا ہی ضروری ہے جسقدر کہ پانی اور ہوا۔

مزید براں مسلمان بھی ہندوؤں کی طرح چرخہ چلانے کی قسم کھائیں۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ آج کل مسلمان ہندوؤں کے مقابلہ میں چرخہ کو زیادہ آمادگی کے ساتھ اختیار کر رہے ہیں مسلمان عورت پردہ نشین ہوتی ہے اور اسکا شوہر خاندان کیلئے جو کچھ کما کر لاتا ہے وہ اُنہیں چند پیسوں کا اضافہ کر سکتی ہے۔ لہذا چرخہ جسطرح ایک نہایت ضروری اور اہم چیز ہے اسیطرح قومی زندگی کا ایک سب سے بڑا قدرتی جزو مشترک ہے اسکے ذریعہ ہم تمام دنیا کو بتا سکتے ہیں کہ جہانتک ہمارے کھانے اور کپڑے کا تعلق ہے ہم نے ارادہ کر لیا ہے کہ ہم غیروں کے محتاج نہ رہینگے۔ جو صاحبان میرے ہمخیال ہیں میں امید کرتا ہوں کہ وہ بہت جلدی اپنے اپنے گھروں میں چرخہ کو رائج کر دینگے اور جس طرز کا قومی جھنڈا تجویز کیا گیا ہے اُسکو خرید لینگے۔

ان تمام باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ جھنڈا کھدر کا ہونا چاہئے کیونکہ اسی موٹے کپڑے کے ذریعہ ہم ہندوستان کو غیر ملکی منڈیوں کے پارچہ جات سے نجات دلا سکتے ہیں۔ وہ تمام قومی انجمنیں جو میری دلیل سے اتفاق کرتی ہیں میرا انکو مشورہ دونگا کہ وہ اپنے مذہبی جھنڈوں میں اوپر کی جانب بائیں گوشہ میں قومی جھنڈے کی ایک چھوٹی تصویر بنا لینگے۔

بندے ماترم کا نعرہ قومی خواہش کا اظہار کرتا ہے

(قومی نعرے) از قلم مہاتما گاندھی۔ ینگ انڈیا ۸ ستمبر ۱۹۲۰ء

مدراس کے دورہ میں بمقام بیزواڑہ مجھے قومی نعروں کے متعلق چند باتیں کہنے کا موقع ملا میں نے تجویز کیا کہ اگر ذاتیات کے مقابلہ میں نصب العین کو ملحوظ رکھکر قومی نعرے لگائے جائیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ میں نے حاضرین جلسہ سے درخواست کی کہ وہ مہاتما گاندھی کی جے اور مولانا محمد علی شوکت علی کی جے کے بجائے ہندو مسلمانوں کی جے کے نعرے لگایا کریں۔ اسکے بعد بھائی شوکت علی نے اسکا خاص قانون بنا دیا۔ انہوں نے اس سے پہلے کہا تھا کہ ہندو مسلم اتحاد کے باوجود اگر ہندو بندے ماترم کا نعرہ لگاتے ہیں تو مسلمان اللہ اکبر کہتے ہیں۔ مولانا نے ٹھیک کہا تھا کہ نعروں کا اس طرح استعمال کانوں کو گراں گزرتا ہے اور یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ تمام لوگ ابھی ایک دل ہو کر کام میں سرگرم نہیں ہیں۔ لہذا صرف تین نعرے قابل تسلیم خیال کئے جاویں۔ اوّل اللہ اکبر جسکو ہندو اور مسلمان ملکر نہایت خوشی اور مسرت کے ساتھ یہ ظاہر کرنیکے لئے بلند کریں کہ بجز خدا اور کوئی بزرگ و برتر نہیں۔

دوسرا نعرہ بندے ماترم (یعنی اے مادر وطن ہم تیرے سامنے سر جھکاتے ہیں) یا بھارت ماتا جی کی جے (یعنی

مادرِ وطن فتحیاب ہو) کا ہونا چاہیئے۔

تیسرا نعرہ ہندو مسلمانوں کی جے کا ہونا چاہیئے جسکے بغیر ہندوستان کی فتح اور خدا کی بڑائی کا سچا اظہار نہیں ہو سکتا۔ میری دلی تمنا ہے کہ ملک کے اخبار اور پبلک آدمی مولانا کی تجویز پر عملدرآمد کریں اور لوگوں کو محض ان تینوں نعروں کے استعمال پر مائل کریں۔ یہ نعرے بہت پُر معنی ہیں۔ پہلا نعرہ ایک قسم کی دُعا ہے اور اپنی بے بضاعتی کا اقرار ہے۔ اور اسلیئے عاجزی و انکساری کا نشان ہے۔ یہ ایک ایسا نعرہ ہے جسمیں ہندو مسلمان دعا اور احترام پر نظر رکھتے ہوئے متحد ہونے چاہئیں۔ ایسی حالت میں کہ اس نعرہ کا مطلب نہ صرف غیر تکلیف رساں ہو بلکہ بلند خیال بناتا ہو ہندوؤں کو عربی الفاظ سے ہچکچانا نہ چاہیئے، خدا کسی خاص زبان کی عزت نہیں کرتا۔

بندے ماترم کا نعرہ ایک قومی خواہش کا اظہار کرتا ہے یعنی یہ کہ ہندوستان اپنی اعلیٰ ترین بلندی پر پہونچ جائے۔ میں "بندے ماترم" کو "بھارت ماتا کی جے" پر ترجیح دیتا ہوں کیونکہ اس کے ذریعہ سے بنگال کی دماغی، اور جذباتی فوقیت تسلیم ہو جائے گی۔

تیسرا نعرہ "ہندو مسلمانوں کی جے" ایک ایسا نعرہ ہے جسے ہم کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔

ان نعروں میں اختلاط نہ ہونا چاہیئے۔ جونہی ایک شخص ان میں سے کوئی نعرہ لگائے باقی ماندہ تمام اشخاص کو چاہیئے کہ اُسکے ہم آواز ہو جائیں اور اپنے مرغوب طبع نعرہ سے اس نعرہ کی صدا کو لپیٹ کرنیکی کوشش نکریں۔ جو لوگ اسمیں شامل نہونا چاہیں وہ خاموش رہیں لیکن جو نعرہ بلند ہو چکا ہو اُسکے مقابلہ میں دوسرا نعرہ لگانا خلاف تہذیب سمجھیں۔ بہتر تو یہ ہوگا کہ ہمیشہ ترتیب کے مطابق مذکورہ بالا نعرے بلند کئے جائیں۔

مزید براں نعرے پیہم نہ لگائے جائیں۔ کیونکہ جب کوئی ہر دل عزیز لیڈر کسی اسٹیشن پر سے گذرتا ہے تو دیکھا گیا ہے کہ عوام متواتر زور زور سے چلاتے رہتے ہیں۔ اس طرح چلانے سے قوم کو ذرہ برابر فائدہ نہیں پہونچتا البتہ پھیپھڑوں کی بے قاعدہ ورزش ہو جاتی ہے۔

علاوہ اسکے ہمیں اپنے رہنما کی طبیعت اور وقت کا خیال کرنا بھی ضروری ہے کسی لیڈر کو ایک مجمع کی طرف محض دیکھنے میں اور پورے تیس منٹ تک مداحیہ نعروں کے سُننے میں مشغول رکھنا قومی کام میں نقصان پہونچانا ہے۔ ہمیں تناسب اور توازن کی عادت ڈالنی چاہیئے۔

اچھوت

تعصّب چھوڑ ناداں دہر کے آئینہ خانہ میں
یہ تصویریں ہیں تیری جنکو سمجھا ہے بُرا تو نے

اقبالؔ

تم بھی دوسروں کیساتھ ویسا ہی سُلوک کرو جیسا کہ تم چاہتے ہو کہ وہ تمھارے ساتھ کریں!

(اچھوت کا باپ) از قلم مہاتما گاندھی ۔ ینگ انڈیا ۔ ۱۹ ؍ جنوری ۱۹۲۱ء

یہ واقعہ نوٹ کرنیکے قابل ہے کہ سبجکٹ کمیٹی نے بغیر اختلاف اچھوت کے گناہ کی (دفعہ) کو منظور کر لیا یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ قومی انجمن نے وہ ریزولیوشن پاس کر دیا جسمیں بیان کیا گیا ہے کہ حصول سوراج کیلئے ضروری ہے کہ اس داغ کو ہندو دھرم کے دامن سے دور کیا جائے۔

شیطان اپنے مقلدوں کے ذریعہ سے ہمیشہ کامیاب ہوتا ہے۔ ہمارے اوپر پورے طور سے قابو پانے کیلئے وہ ہماری طبیعتوں کے کمزور پہلوؤں سے فائدہ اٹھاتا ہے بجنسہ گورنمنٹ بھی ہماری کمزوریوں اور خامیوں کے ذریعہ ہم پر قابو یافتہ ہے۔ لہٰذا اگر ہم انکی حیلہ سازیوں کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنی کمزوریوں کو دور کر دینا چاہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے عدم تعاون کو آتم شدھی کے عمل کے نام سے موسوم کیا ہے جسوقت کہ میرا طریقہ عمل مکمل ہوا گورنمنٹ ضروری فضا کے نہ ملنے کے باعث بالکل اسطرح ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیگی جسطرح بھڑ اس جگہ کو چھوڑ دیتے ہیں جس جگہ کے نابدان مٹی سے پاٹ کر خشک کر دئے جاتے ہیں۔

کیا اچھوت کے جرم کا بدلہ لینے کیلئے انتقام کی دیوی نے ہمارا گلا نہیں دبا رکھا ہے؟ جو کچھ ہم نے بویا تھا کیا ہم نے وہی نہیں کاٹا؟ کیا ہم نے اپنے بھائیوں کے پوست و خون پر ڈائر اور او ڈوائر کی مشق ستم نہیں کی؟ ہم نے پنچ ذاتوں کو برادری سے خارج کر دیا اور آج ہم خود برطانوی نوآبادیوں میں سے باہر نکال دیئے گئے۔ ہم اچھوتوں کو پبلک کنوؤں پہ پانی بھرنے نہیں دیتے۔ ہم اپنا جھوٹا کھانا ان کے آگے ڈال دیتے ہیں اور ان کا سایہ تک ہم کو ناپاک کر دیتا ہے۔ پھر کسطرح ہندو دھرم کے دامن سے یہ داغ مٹایا جائے؟ "تم بھی دوسروں کیساتھ ویسا ہی سلوک کرو جیسا کہ تم چاہتے ہو کہ دوسرے تمھارے ساتھ کریں"! میں نے اکثر انگریز افسروں سے کہا ہے کہ اگر وہ ہندوستان کے نوکر اور دوست ہیں تو انکو چاہیئے کہ سرپرستی کا خمار دماغوں سے نکالدیں اور تخت فوقیت سے نیچے اُتر آئیں اور اپنے محبت آمیز کارناموں سے یہ ظاہر کر دیں کہ ہر حیثیت سے وہ ہمارے دوست ہیں اور ہمیں اسی طرح

اپنا ہمیا یہ خیال کرتے ہیں جسطرح دوسرے انگریزوں کو پنجاب اور خلافت کے تجربوں کے بعد میں ایک قدم اور آگے بڑھ گیا ہوں اور اب انگریز افسروں سے کہتا ہوں وہ اپنے کارناموں پر اظہار تاسف کریں اور اپنے دلوں کو بدل دیں۔ ایسی حالت میں تمام ہندؤں کیلئے ضروری ہے کہ جن لوگوں کو ہم نے پامال کر رکھا ہے انکے ساتھ اب اپنے برتاؤ میں تبدیلی کریں اور اپنے گذشتہ مظالم پر اظہار افسوس کریں کیونکہ یہ سسٹم بھی اتنا ہی شیطانی ہے جتنا کہ ہم انگریزی سسٹم کو خیال کرتے ہیں ہمیں چند خراب خستہ اسکول انکے لئے نہ کھولنے چاہئیں اور فوقیت کا غرور رکھتے ہوئے انکے ساتھ برتاؤ نہ کرنا چاہئیے بلکہ سگے بھائیوں کی طرح انکے ساتھ سلوک کرنا چاہئیے کیونکہ حقیقت میں برادرانہ خون ہمارے اور انکے اندر ملا ہوا ہے جو حقوق ہم نے ان سے چھین رکھے ہیں وہ ان کو واپس دیدینے چاہئیں ہمیں صرف چند انگریزی داں کارکنوں ہی کو حصہ نہیں لینا چاہئیے بلکہ تمام لوگ خوشی کے ساتھ اس کام کو مکمل کرنیکی کوشش کریں۔ اس اصلاح کے لئے قیامت کے انتظار کی ضرورت نہیں یہ ایک ایسی اصلاح ہے جو کہ سوراج کے بعد نہیں بلکہ اس سے پیشتر عرصہ ظہور میں آجانی چاہئیے۔

اچھوت مذہبی حکم نہیں ہے بلکہ شیطان کی فریب کاری ہے۔ شیطان ہمیشہ مذہبی کتابوں کا حوالہ دیا کرتا ہے لیکن مذہبی کتابیں عقل و صداقت سے متجاوز نہیں ہوسکتیں۔ ان کا منشا و مقصد ہی یہ ہے کہ عقل کو صیقل کریں اور صداقت کو جلا دیں۔

میں صرف اسوجہ سے کہ ویدوں نے اس قسم کی قربانی کی اجازت یا مشورہ دیا ہے بے داغ[1] گھوڑے کو آگ میں ڈالنے کیلئے تیار نہ ہونگا میرے نزدیک وید خدا کا کلام ہے اور یہ غیر ملفوظ[2] ہیں "حروف[3] مارنے والے ہوتے ہیں" البتہ اسپرٹ ہوتی ہے جو روشنی پہنچاتی ہے۔ اور ویدوں کی اسپرٹ، صفائی، صداقت، بے گناہی، عصمت، انکساری، سادگی، عفو، خدا ترسی اور ہر اس چیز پر مشتمل ہے جو مرد عورت کو شریف اور بہادر بناتی ہے۔

قوم کے بے زبان بھنگیوں پر تھوک کر یا نفرت کرکے ان کے ساتھ کتوں سے بھی زیادہ برا سلوک کرنے میں نہ بہادری ہے اور نہ شرافت کی شان ہے۔ ایشور ہم کو عقل اور طاقت دے کہ جسطرح نیچ ذات والے مجبور کئے گئے ہیں اسیطرح ہم بھی خوشی اور رضامندی کیساتھ اپنی قوم کے بھنگی بن جائیں۔ آجین[4] کے کافی اصطبل ہمارے لئے موجود ہیں کہ ان میں صفائی کی جائے۔

ہمنے ادنےٰ قوموں کو پامال کیا اور بالآخر خود پامال ہوگئے

(ادنیٰ قومیں) از قلم مہاتما گاندھی ۔ ینگ انڈیا ۲ ؍ اکتوبر سنہ ۱۹۲۰ء

"وویکانند" پنچم لوگوں کو پامال شدہ طبقہ کہا کرتا تھا اسمیں شک نہیں کہ وویکانند نے ان لوگوں کیلئے جو اسم صفت (یعنی پامال شدہ)

---

[1] اشومیدھ یگ سے مراد ہے [2] مہاتما جی ویدوں کو خدا کا کلام مانتے ہیں لیکن وہ کہتے ہیں کہ یہ غیر ملفوظ ہیں یعنی لکھے ہوئے نہیں ہیں۔

[3] مہاتما جی کا منشا یہ ہے کہ خود غرض لوگ اپنے مطلب کے لئے ان سے کچھ معنی نکال لیتے ہیں اسلئے وہ کہتے ہیں کہ "حروف مارنے والے ہوتے ہیں" کیونکہ وہ اسکے قائل نہیں کہ ویدوں نے اشومیدھ یگ میں گھوڑے کی قربانی کی اجازت دی ہے۔

[4] اجین یونانی علم الاصنام میں ایک بادشاہ مانا گیا ہے جسکے اصطبل میں تین ہزار بیل بندھے تھے ۳۰ سال کی جمع شدہ غلاظت کی صفائی کا کام یونانی علمدار کے ہیرو ہرقل کے سپرد کیا گیا اور ہرقل نے اسکو صاف کردیا۔

اس سے مہاتما جی کا اشارہ ہندوستان کی لاتعداد برائیوں کی طرف ہے۔ ہندوستان انکا اصطبل ہے لہذا اسکی جاروب کشی ہر فرد قوم کے لئے باعث فخر ہونی چاہئیے۔

استعمال کیا ہے وہ بہت زیادہ موزوں ہے ہم نے ان جماعتوں کو پامال کیا ہے اور بالآخر خود پامال ہو گئے ہیں یہ بات کہ ہم سلطنت کے خضر راہ بن گئے ہیں گو کھلے کے الفاظ وہ انتقامی انصاف ہے جو خدائے عادل نے ہمارے ساتھ کیا ہے۔ ایک نامہ نگار نے درد بھرے خط میں مجھ سے دریافت کیا ہے کہ انکے لئے کیا کر رہا ہوں۔ میں نے خط کو اسی عنوان کے ساتھ درج کر دیا ہے جو خط بھیجنے والے نے قائم کیا ہے۔ کیا اس سے پہلے کہ ہم انگریزوں سے کہیں ہم ہندوؤں کیلئے یہ ضروری نہیں ہے کہ اپنے خون آلودہ ہاتھوں کو صاف کریں؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جو برمحل اٹھایا گیا ہے اگر ایک غلام قوم کا فرد ادنیٰ قوموں کو اپنی آزادی حاصل کئے بغیر غلامی سے نجات دلا سکتا ہے تو میں وہ شخص ہوں جو ایسا کرنے کو آج ہی تیار ہوں لیکن یہ بالکل ناممکن ہے۔ غلام کو اتنی بھی آزادی نصیب نہیں ہوتی کہ وہ صحیح کام کر سکے۔ میرا صحیح راستہ یہ ہے کہ بدیشی مال کی درآمد قطعاً بند کر دوں۔ لیکن مجھ میں ایسا کرنیکی طاقت اور اختیار نہیں۔ مولانا محمد علی کا یہ فعل بالکل صحیح تھا کہ وہ ترکی جاتے اور بذات خود ترکوں سے کہتے کہ حق وصداقت کی جنگ میں ہندوستان انکے ساتھ ہے لیکن وہ ایسا کرنیکے لئے آزاد نہ تھے۔ اگر آج میرے قبضہ میں قومی انجمن قانون ساز ہوتی تو میں ہندوؤں کی اس بیباکی کا جواب صرف ادنیٰ قوموں کیلئے خاص اور زیادہ عمدہ کنوئیں اور تعداد میں زیادہ تر مدارس قائم کرا کے دیتا یہاں تک کہ ادنیٰ طبقوں کا کوئی ایک آدمی بھی ایسا نہ ہوتا جسکے بچوں کی تعلیم کیلئے مدرسہ موجود نہ ہو۔ لیکن اس مبارک دن کیلئے مجھے انتظار کرنا چاہیئے۔

تاہم اس عرصہ میں کیا ادنیٰ قوموں کو محض انکے ہی ذرائع اور وسائل پر چھوڑ دیا جائے؟ نہیں ایسا نہیں کیا جا سکتا میں نے اپنے خاص انداز میں پنچم بھائیوں کیلئے ہر ممکن خدمت انجام دی ہے اور انجام دے رہا ہوں۔

قوم کے ان پامال شدہ افراد کیلئے تین راستے کھلے ہوئے ہیں۔ اپنی بے صبری کی وجہ سے وہ غلام رکھنے والی حکومت سے امداد طلب کر سکتے ہیں اور یہ مدد انکو مل بھی سکتی ہے لیکن اس صورت میں وہ جلتی ہوئی کڑاہی میں سے نکلکر آگ میں جا پڑینگے آجکل وہ غلاموں کے غلام ہیں لیکن گورنمنٹ کی اعانت حاصل کر کے وہ اپنے ہی عزیز رشتہ داروں کو کچلنے میں استعمال کئے جاوینگے آجکل انکے خلاف گناہ کا ارتکاب ہو رہا ہے لیکن پھر وہ خود گنہگار بنجائینگے مسلمانوں نے بھی اس قسم کی کوشش کی تھی لیکن وہ ناکام رہے۔ انھوں نے معلوم کر لیا کہ انکی حالت بد تر سے بدتر ہو گئی۔ اپنی کم فہمی سے سکھوں نے بھی یہی رویہ اختیار کیا تھا لیکن وہ بھی منزل مقصود تک نہ پہونچ سکے نتیجہ یہ ہوا کہ آج ہندوستان میں سکھوں سے زیادہ کسی قوم میں بے چینی نہیں پائی جاتی معلوم ہوا کہ حکومت کی امداد اس مسئلہ کو حل نہیں کر سکتی۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ یہ لوگ ہندو دھرم کو چھوڑ دیں اور عام طور پر عیسائی یا اسلام مذہب اختیار کر لیں۔ اس حالت میں اگر تبدیلی مذہب انکی دنیاوی فلاح بہبود کیلئے مفید ثابت ہو تو میں بلا پس و پیش ایسا کرنیکا انھیں مشورہ دونگا لیکن مذہب کا تعلق دل سے ہے جسمانی تکلیف ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ کوئی شخص اپنا مذہب تبدیل کر دے۔

اگر پنچما لوگوں کے ساتھ بدسلوکی کرنا ہندو مذہب کا جزو ہے تو ایسے مذہب کا ترک کرنا انکے لئے اور نیز مجھ جیسے شخص کیلئے جو مذہب کو آڑ بناتا اور اسکے مقدس نام پر بدی سے چشم پوشی کرنا روا نہیں رکھتا سب سے بڑا فرض ہے لیکن میرا عقیدہ ہے کہ اچھوت ہندو دھرم کا جزو نہیں ہے بلکہ ہر ممکن کوشش سے اس پھوڑے کا دور کرنا ہندو دھرم کا جزو ہے۔ اور ہندو ریفارمرو

کی ایک پوری فوج موجود ہے جنھوں نے اس دھبّہ کو ہندو دھرم کے دامن سے دور کرنیکا ارادہ کرلیا ہے۔ لہٰذا میں سمجھتا ہوں کہ تبدیل مذہب انکا علاج نہیں ہے۔ اب آخر کا صرف ایک علاج رہ گیا ہے یعنی یہ کہ اپنی مدد خود کیجائے اور اپنی ذات پر بھروسہ کیا جاوے۔ غیر پنچاما لوگوں کی امداد بحیثیت سرپرستی نہیں بلکہ بحیثیت فرض خاص انکی اپنی تحریک سے اسمیں شامل ہو۔ اس موقع پر عدم تعاون کا استعمال ضروری ہے۔ میں اس مسئلہ برائی کے مقابلہ میں باضابطہ عدم تعاون اختیار کرنے کی رائے دیتا ہوں لیکن عدم تعاون کے یہ معنی ہیں کہ بیرونی امداد سے آزاد ہو کر اندر سے جد و جہد کیجائے۔ ممنوعہ رقبوں برآمد و رفت کیلئے اصرار کرنا عدم تعاون نہیں بلکہ یہ سول نافرمانی ہے۔ بشرطیکہ پُرامن طریقہ پر کیجائے لیکن تجربہ نے مجھے بتایا ہے کہ سول نافرمانی کیلئے بہت زیادہ ابتدائی تعلیم و تربیت اور تحمل کی ضرورت ہے۔ عدم تعاون تو ہر شخص کر سکتا ہے لیکن بہت تھوڑے ایسے آدمی ہیں جو سول نافرمانی کر سکتے ہیں۔ لہٰذا جب تک یہ مخصوص شکایتیں باقی ہیں پنچاما لوگ یقیناً بطور احتجاج دوسرے ہندوؤں کے ساتھ جملہ تعلقات اور ربط و ضبط منقطع کر سکتے ہیں لیکن اسمیں دانشمندانہ منظم جد و جہد کی ضرورت ہے اور جہانتک مجھے معلوم ہے پنچاما طبقہ میں کوئی ایسا لیڈر موجود نہیں ہے جو فتحیابی تک عدم تعاون کے ذریعہ رہنمائی کر سکے۔ لہٰذا پنچاما لوگوں کے لئے سب سے بہتر یہی طریقہ ہے کہ اس قومی تحریک میں شامل ہو جائیں جو موجودہ گورنمنٹ کے طوق غلامی کو اُتار کر پھینکنے کیلئے سرگرمی کے ساتھ جاری کی گئی ہے۔ پنچاما لوگ آسانی سے معلوم کر سکتے ہیں کہ اس خراب حکومت کے خلاف جو عدم تعاون کیا گیا ہے اسمیں ہندوستانی قوم کے تمام مختلف فرقوں کے درمیان تعاون کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ ہندوؤں کو محسوس کرنا چاہئے کہ اگر وہ حکومت کے خلاف عدم تعاون کو کامیاب بنانا چاہتے ہیں تو انکے لئے ضروری ہے کہ جسطرح مسلمانوں کیساتھ اتحاد کیا ہے اسی طرح پنچاما لوگوں کے ساتھ بھی اشتراک عمل کریں۔ عدم تعاون جب تشدد سے معرّا ہو تو پھر وہ حقیقت میں ایک زبردست روحانی تحریک ہوتی ہے۔ اسکا نفاذ ہو چکا ہے اور اب خواہ پنچاما طبقہ اسمیں شریک ہو یا نہ ہو بہر حال دیگر ہندوؤں کو چاہئے کہ اپنی ترقی کو الجھن میں ڈالے بغیر اپنے ذہن سے ان لوگوں کو بھی نظر انداز نہ کریں یہی وجہ ہے کہ پنچاما لوگوں کا مسئلہ گو کہ مجھے اپنی زندگی کیطرح عزیز ہے تاہم بغیر قومی تحریک عدم تعاون پر رجوع ہونیسے میں مطمئن ہوں مجھے یقین ہے کہ بڑی تحریکوں میں چھوٹی تحریکیں شامل ہوتی ہیں۔

اچھوت ایک رواج ہے نہ کہ ہندو دھرم کا جزو لاینفک

(مزید مشکلات) ازقلم مہاتما گاندھی۔ ینگ انڈیا ۲۴ نومبر ۱۹۲۰ء

کہا جاتا ہے کہ گجرات نیشنل یونیورسٹی کے ملحقہ اسکولوں میں ادنیٰ اقوام کے لڑکوں کے داخلہ کے متعلق مسٹر اینڈریوز کے سوال کے سلسلہ میں یونیورسٹی مذکور کی سینٹ نے جو ریزولیشن پاس کیا ہے اسپر احمد آباد میں بہت کچھ چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں۔ اس گھبراہٹ سے ٹائمز آف انڈیا کا نامہ نگار نہ صرف مطمئن ہی ہوا ہے بلکہ اسکو سینٹ کے دستور آئینی میں اس نقص کے انکشافات کا موقع بھی مل گیا کہ سینٹ مذکور میں ایک بھی مسلمان ممبر نہیں۔

میں ناظرین کو بتانا چاہتا ہوں کہ یہ انکشافات ہرگز اس بات کی دلیل نہیں کہ یونیورسٹی میں قوم پرستی کی کمی ہے۔

ہندو مسلم اتحاد محض زبانی لپالپی نہیں اور نہ اسکے ثبوت میں مصنوعی دلیلوں کی ضرورت ہے ۔ سینٹ میں کسی مسلمان نمائندہ کی عدم موجودگی کا سبب محض اسقدر ہے کہ کوئی مسلمان اعلیٰ تعلیمیافتہ جو اپنا وقت صرف کر سکے قومی تحریک میں دلچسپی لینے کیلئے دستیاب نہو سکا ۔ میں نے یہ معاملہ محض یہ ظاہر کرنیکے لئے تحریر کیا ہے کہ تحریک مذکور کو غلط بیانیوں کے ذریعہ سے جو نقصان پہنچایا جاوے ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اسکو بھی نظرانداز نہ کریں ۔ یہ مشکل باہر کی جانب سے ہے اسلئے آسانی کیساتھ اسکا مقابلہ کیا جاسکتا ہے

لیکن ادنیٰ اقوام کے سلسلہ میں جو دشواری پیدا ہوئی ہے وہ اندرونی ہے اور اسلئے بہت زیادہ نازک ہے کیونکہ اس سے پھوٹ پڑنے اور تحریک کے کمزور ہونیکا اندیشہ ہے جس تحریک میں اندرونی مشکلات بڑھتی جائیں وہ زندہ نہیں رہ سکتی لیکن محض تفرقوں کو مٹانیکی خاطر اصولوں کو قربان نہیں کیا جاسکتا کسی تحریک کے اہم ترین حصوں کو قربان کر کے آپ ہرگز اس تحریک کو ترقی نہیں دیسکتے ۔ ادنیٰ اقوام کا مسئلہ اس تحریک کا ایک اہم حصہ ہے جسطرح ہندو مسلم اتحاد کے بغیر سوراج کا خیال کرنا فضول ہے اسی طرح ادنی قوموں کی حالت کا پورا پورا تدارک کئے بغیر بھی سوراج کو وہم و گمان میں لانا فعل عبث ہے ۔ میری رائے میں چونکہ ہمنے پیریہ[1] طبقہ قائم کیا ہے اسلئے ہم خود "سلطنت کے پیریہ" بن گئے ۔ بردہ فروش کو غلام کے مقابلہ میں زیادہ تکلیف اٹھانی پڑتی ہے جبتک ہم ہندوستان کی ⅕ آبادی کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑے رہینگے اسوقت تک ہرگز سوراج کے قابل نہیں ہوسکتے ۔ کیا ہم نے پیریہ کو پیٹ کے بل نہیں چلایا ہے ؟ کیا ہم نے اسکو برادری سے خارج نہیں کیا ہے ؟ اور اگر پیریہ کے ساتھ ایسا سلوک کرنا دھرم ہے تو پھر سفید اقوام کا بھی یہی دھرم ہے کہ ہم لوگوں کو برادری سے خارج کردیں ۔ اور اگر سفید اقوام کا یہ مقولہ کہ ہندوستانی اپنی ذلیل حالت پر قانع ہے ۔ اگر یہ مقولہ معقول نہیں تو ہمارے لئے بھی یہ کہنا ہرگز قابل تسلیم نہیں ہوسکتا کہ پیریہ اپنی موجودہ حالت سے مطمئن ہے ۔ ہماری غلامی اُس وقت مکمل ہوجاتی ہے جب ہم اس سے محبت کرنے لگتے ہیں ۔

گجرات سینٹ نے جب اس طوفان کے سامنے سر جھکانے سے انکار کردیا تھا تو وہ پہلے ہی اپنے نقصانات کا اندازہ لگاچکی تھی ۔ تحریک عدم تعاون ایک روحانی عمل ہے ۔ سوراج جیسی پاک نعمت کا دعویٰ کرتے ہوئے ہمیں گندے رسم و رواج کا گرویدہ نہونا چاہئے میری رائے میں اچھوت ایک رواج ہے نہ کہ ہندو دھرم کا جزو لاینفک ۔

دنیا نے عالم خیال میں ترقی کی ہے لیکن اعمال ہنوز وحشیانہ ہیں ۔ کوئی مذہب جسکی بنیاد اصلی صداقت پر نہو قائم نہیں رہ سکتا ۔ غلطیوں کو سراہنا اور انپر اڑے رہنا مذہب کو بالکل اسی طرح تباہ کردیتا ہے جسطرح کسی مرض کی طرف سے بے اعتنائی جسم کو ہلاک کردیتی ہے ۔

ہماری گورنمنٹ ایک بیدرد جماعت ہے اس نے ہندوؤں اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈلواکر حکومت کی ہے لہذا اس سے کچھ بعید نہیں کہ ہندو دھرم کی اندرونی کمزوریوں سے بھی فائدہ اٹھائے ۔ یہ ادنیٰ قوموں کو بقیہ تمام ہندوؤں کے خلاف اور غیر برہمنوں کو برہمنوں کے خلاف کھڑا کردیگی ۔ گجرات سینٹ کا ریزولیشن مشکل کو ختم نہیں کرتا بلکہ صرف دشواری کی طرف اشارہ کرتا ہے ۔ اس دشواری کا خاتمہ صرف اُسوقت ہوگا جبکہ عوام الناس اور ہندوؤں کے فرقے اچھوت کے گناہ سے نجات حاصل کرلینگے ۔ سوراج سے محبت کرنیوالا ہندو ادنی قوموں کی قسمت کو بہتر بنانیکے لئے اسی قدر استقلال اور محنت سے کام کریگا جتنا کہ

---

[1] پیریہ تامل زبان میں غلام کو کہتے ہیں ۔

وہ ہندو مسلم اتحاد کی خاطر کرتا ہے ہمیں اچھوتوں کو اپنا بھائی سمجھنا چاہئے اور جن حقوق کا ہم دعویٰ کرتے ہیں وہی انکو بھی دینے چاہئیں

جو شخص ہندو دھرم میں پیدا ہوا ہو اسکو اچھوت سمجھنا گناہ ہے

ینگ انڈیا ۲۷ اپریل ۱۹۲۱ء

(مہاتما گاندھی نے اچھوت کانفرنس احمد آباد مورخہ ۱۴ و ۱۵ ماہ رواں کی صدارت کرتے ہوئے ذیل کی معنی خیز تقریر کی)

اس کانفرنس میں شرفائے شہر اور خواتین کا بڑا اجتماع ہوا لیکن اچھوت لوگ اس خوف سے کم تعداد میں شریک ہوئے کہ گورنمنٹ انھیں گرفتار کرلیگی۔

خاکساری کو نہ چھوڑے وہ جسے خدا جسکو عروج
آسماں پر ماہِ تاباں ہے زمیں پر چاندنی
ناسخ

میں نہیں جانتا کہ اُن لوگوں کو جو اس اصلاح کی مخالفت کرتے ہیں کس طرح اس بات کا یقین دلاؤں کہ انھوں نے غلط طریقہ اختیار کیا ہے ونیز ان لوگوں سے کیونکر بحث و مباحثہ کروں جو ادنیٰ قوموں کے ساتھ ہر قسم کے تعلقات کو دائمی نجاست خیال کرتے ہیں اور ضروری اشنان کئے بغیر اپنے آپ کو پاک و صاف نہیں سمجھتے اور اگر اس قسم کے ربط و ضبط کے بعد اشنان نہ کیا جائے تو اُسکو پاپ خیال کرتے ہیں۔ میں صرف انکے سامنے اپنے دلی عقائد پیش کر سکتا ہوں۔

میں اچھوت کو ہندو دھرم کے ماتھے پر ایک زبردست کلنک کا ٹیکا سمجھتا ہوں۔ جنگ جنوبی افریقہ کے دوران میں میرے تلخ تجربات نے اس خیال کو میرے ذہن تک نہیں پہونچایا تھا اور نہ اسکی وجہ یہ ہے کہ میں کسی زمانہ میں ناستک (یعنی منکر خدا) تھا۔ یہ خیال کرنا بھی بالکل غلط ہے کہ میں نے یہ خیالات عیسائی مذہب کی کتابوں سے حاصل کئے ہیں بلکہ یہ خیالات اُس زمانہ کے ہیں جبکہ میں نہ تو انجیل اور نہ پیروان انجیل سے واقف تھا اور نہ ان کا گرویدہ تھا۔

مشکل سے میری عمر ۱۲ سال کی ہوئی جبکہ اس خیال نے اپنا سایہ بکھیر ڈالا۔ اکا نامی بھنگی ہمارے پاخانہ کو صاف کرنیکے لئے ہمارے یہاں آیا کرتا تھا۔ میں اکثر اپنی ماتا سے سوال کیا کرتا تھا کہ اس شخص کو ہاتھ لگانا کیوں بُرا ہے اور اس بھنگی کو چھونے سے مجھے کیوں منع کیا گیا ہے۔ اگر میں کبھی اسکو ہاتھ لگا دیتا تو پھر مجھے اشنان کرنے کا حکم دیا جاتا تھا اور گو کہ میں اس حکم کی تعمیل کرتا تھا لیکن یہ تعمیل تبسم آمیز احتجاج کے بغیر نہ ہوتی جسکا مطلب یہ تھا کہ مذہب نے اچھوت پر عقیدہ رکھنے کا حکم نہیں دیا اور ایسا ہونا ناممکن ہے۔ میں اپنے والدین کا بہت مطیع اور فرمانبردار لڑکا تھا اور باوجود ماں باپ کا ادب

مجھے اجازت دیتا میں اپنے والدین سے اس معاملہ میں بحث ومباحثہ کیا کرتا تھا میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ انکا بھنگی سے کسی قسم کے جسمانی میل کو باعث گناہ ٹھہرانا بالکل غلط ہے۔ اسکول میں بعض وقت اچھوت لوگوں کو ہاتھ لگانے کا مجھے اتفاق ہوجاتا اور چونکہ میں اس واقعہ کو اپنے والدین سے پوشیدہ نہ رکھتا تھا اسلئے میری والدہ کہتی کہ اچھوت کو چھونیکی ناپاکی سے صرف اس طرح شدھ اور پوتر ہوسکتا ہے کہ کسی راہگیر مسلمان کو چھوا جائے تاکہ اچھوت کا میل بیچ میں کٹ جائے۔ بعض اوقات یہ عقیدہ رکھتے ہوئے نہیں کہ یہ کوئی دہارمک فرض ہے بلکہ محض اپنی والدہ کے احترام کو ملحوظ رکھکر میں نے اکثر ایسا کیا ہے۔

کچھ عرصہ بعد ہمارا خاندان منتقل ہوکر پوربندر میں سکونت پذیر ہوا یہاں پہلی مرتبہ مجھے سنسکرت سے واقفیت ہوئی ابھی تک مجھے کسی انگریزی اسکول میں داخل نہیں کیا گیا تھا اور یہاں بھی مجھے اور میرے بھائی کو ایک برہمن کے سپرد کردیا گیا جو رام رکشا اور وشنو پنجر کی تعلیم دیتا تھا "جلئے وشنوا" "استھلے وشنوا" (یعنی زمین اور پانی میں ایشور موجود ہے) کے مضامین ابھی میرے حافظہ سے دور نہیں ہوئے ہیں۔ ایک ضعیفہ مائی ہمارے قریب رہا کرتی تھی۔ میں اس زمانہ میں دل کا بہت کمزور واقع ہوا تھا جسوقت روشنی گل ہوجاتی اور اندھیرا چھا جاتا میرے دل کو بھوت پریت گھیر لیا کرتے تھے ضعیفہ مائی میرے ڈر کو دور کرنیکے لئے کہا کرتی کہ اونچی آواز سے رام رکشا کا پاٹ کرو تمام خبیث روحیں بھاگ جائینگی میں ایسا ہی کرتا اور اسکا بہت اچھا اثر ہوتا۔ اسوقت میں ہرگز یہ یقین نہ کرسکتا تھا کہ رام رکشا میں ایسے اشلوک بھی ہیں جو اچھوت پر اعتقاد رکھنے کو گناہ بتاتے ہیں۔ اسوقت میں اسکا مطلب نہیں سمجھتا تھا یا اگر سمجھتا بھی تھا تو بہت ادھورے لیکن مجھے کامل یقین تھا کہ وہ رام رکشا جو بھوت پریت کے خوف کو دور کرسکے وہ ہرگز اچھوت لوگوں کے چھونیکے خوف کی تائید نہیں کرسکتی۔ رامائن کا ہمارے خاندان میں روزانہ بلاناغہ پاٹ کیا جاتا تھا لدہا مہاراج نامی برہمن اسکو پڑھا کرتا تھا۔ یہ شخص مرض جذام میں مبتلا تھا لیکن اسکو یقین کامل تھا کہ رامائن کا پاٹ اسکی بیماری کو شفا عطا فرمائیگا۔ اور واقعی اسکو شفا ہو بھی گئی۔ میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ" وہ رامائن جسمیں یہ لکھا ہے کہ رام کو ایک ایسے شخص نے کشتی میں بٹھاکر گنگا سے پار اتارا جسے آجکل اچھوت خیال کیا جاتا ہے کس طرح کسی انسان کو اچھوت سمجھنے کے خیال کی تائید کرسکتی ہے اور کیونکر یہ دلیل پیش کرسکتی ہے کہ انکی روحیں ناپاک ہیں۔ ہم نے "ایشور کو اشدھ کا شدھ کرنیوالا" اور اسی قسم کی دیگر صفات سے خطاب کیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو شخص ہندو دھرم میں پیدا ہوا ہو اسکو اچھوت یا اشدھ سمجھنا گناہ اور شیطانی فعل ہے۔ میں اسی زمانہ سے باربار کہتا رہا ہوں کہ اچھوت پر اعتقاد رکھنا گناہ عظیم ہے۔ میں یہ دعوی تو نہیں کرتا کہ بارہ برس کی عمر میں یہ بات بدرجہ یقین میرے دل پر نقش ہوگئی تھی البتہ اتنا ضرور تھا کہ میں اس وقت بھی اچھوت کو پاپ سمجھتا تھا۔ میں نے اس قصہ کو اسلئے بیان کیا ہے تاکہ ویشنوؤں اور کٹر ہندوؤں کو اس سے آگاہی ہوجاوے۔

میں نے ہمیشہ سناتنی ہندو ہونیکا دعوی کیا ہے شاستروں کے متعلق میری معلومات بالکل محدود نہیں میں سنسکرت کا زبردست پنڈت نہیں بلکہ ویدوں اور اپنشدوں کے محض ترجمے دیکھے ہیں لہذا ان کتابوں کے متعلق میرا مطالعہ عالمانہ نہیں کہا جاسکتا، مجھے ان کتابوں کا گہرا علم حاصل نہیں تاہم میں نے انکا ایسا ہی مطالعہ کیا ہے جیسا کہ ایک ہندو کو کرنا چاہیئے اور میں دعوی سے کہتا ہوں کہ میں نے ان کتابوں کی اصلیت کو معلوم کرلیا ہے ۲۱ سال کی عمر تک میں دوسرے مذاہب کے مطالعہ سے فارغ ہوچکا تھا۔

ایک زمانہ تھا جبکہ میں ہندو دھرم اور عیسائیت کے درمیان ڈگمگا رہا تھا لیکن اپنے دل پر قابو پاتے ہی میں نے محسوس کیا

کہ میری نجات صرف ہندو دھرم کے وسیلہ سے ممکن ہے اُسی وقت سے ہندو دھرم میں میرا اعتقاد زیادہ گہرا اور منوّر ہوگیا۔
باینہمہ میرا یہ یقین تھا کہ اچھوت ہندو دھرم کا جزو نہیں ہے اور اگر جزو ہے تو ایسا ہندو دھرم میرے واسطے نہیں ہے
سچا ہندو دھرم اچھوت کو پاپ تصور نہیں کرتا میں شاستروں کے مفہوم کے متعلق بحث ومباحثہ میں پڑنا نہیں چاہتا ممکن ہے کہ
بھگوت اور منوسمرتی کے ذریعہ اپنے دعوے کو ثابت کرنا میرے لئے دشوار ہو لیکن میں دعوے سے کہتا ہوں کہ ہندو دھرم کی اصلیت
کو میں اچھی طرح سمجھ چکا ہوں۔ اچھوت کو جائز کرکے ہندو دھرم نے ایک گناہ کا ارتکاب کیا ہے یہ ہمارے تنزل کا باعث ہوا اور
سلطنت میں ہم کو ایک ادنیٰ قوم بنا دیا مسلمان بھی اس مرض متعدی میں مبتلا ہوئے بغیر نہ رہ سکے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ آج جنوبی افریقہ
اور کناڈا میں ہندو سے کچھ کم نیچ قوموں میں شمار نہیں کئے جاتے۔ یہ تمام خرابیاں اچھوت کے باعث پیدا ہوئی ہیں۔

اب میں اسجگہ اپنے کلیہ کو دُہرانا چاہتا ہوں وہ یہ کہ "جبتک ہندو دیدہ و دانستہ اچھوت کو اپنے مذہب کا جزو خیال کرتے رہینگے
اور جبتک ہندوؤں کا عام طبقہ اپنے بھائیوں کے ایک فرقہ کو ہاتھ لگانا پاپ تصور کرتا رہیگا سوراج کا ملنا ناممکن ہے۔" یدہشٹر اپنے
کُتّے کے بغیر سورگ میں داخل نہ ہوسکا پھر یدہشٹر کی نسل کس طرح یہ اُمید کرتی ہے کہ اچھوت لوگوں کے بغیر سوراج حاصل کریگی؟ وہ کون سے
جرائم ہیں جنکے ارتکاب کا الزام ہم حکومت پر لگاتے ہیں اور خود اپنے اچھوت بھائیوں کے مقابلہ میں ہم انکے مرتکب نہیں ہوئے۔

ہم اپنے بھائیوں کو پامال کرنیکے مجرم ہیں ہم نے انکو پیٹ کے بل چلایا ہے، غصہ سے آنکھیں لال کرکے ہم نے ان سے زمین پر
ناکیں رگڑوائی ہیں، ہم اُن کو دھکا دیکر ریل کے درجہ سے باہر کر دیتے ہیں۔ بتائیے کہ برطانی حکومت نے اس سے زیادہ کیا کیا ہے۔ جو الزام
ہم ڈائر اور ڈوائر کے سر تھوپتے ہیں کیا دوسرے لوگ یہانتک کہ خود ہمارے ملک کے باشندے ہی ہمارے اوپر عائد نہیں کر سکتے؟ ہمارے
لئے ضروری ہے کہ اس آلودگی سے اپنے آپ کو پاک و پوتر کریں۔ جبتک کہ ہم کمزور اور بے یار و مددگار لوگوں کی حفاظت نہیں کرتے
اور جبتک اس بات کا امکان باقی ہے کہ ایک بھی سوراجی کسی شخص کے جذبات کو صدمہ پہونچا سکتا ہے سوراج کا نام لینا بیکار ہے
سوراج کے معنی یہ ہیں کہ کوئی ہندو یا مسلمان ایک لمحہ کیلئے بھی یہ متکبرانہ خیال اپنے دل میں لائے کہ وہ کسی کمزور ہندو یا کمزور مسلمان
کو کچل سکتا ہے۔ جبتک یہ شرط پوری نہوگی اُسوقت تک سوراج کا حصول صرف اسقدر ہوگا کہ اسوقت ہم اسکو حاصل کرلیں اور دوسرے
لمحہ میں ضائع کر دیں۔ جبتک ہم اپنے گناہوں سے پاک نہو جائینگے جو ہم نے اپنے کمزور بھائیوں کے ساتھ کئے ہیں اُسوقت تک
ہماری حالت درندوں سے زیادہ بہتر نہیں کہی جاسکتی لیکن مجھے ابھی اپنے اوپر اعتماد ہے۔ ہندوستان کی سیاحت میں میں اس
بات کا احساس کر چکا ہوں کہ رحم اور نیکی کی وہ تعلیم جسکی تعریف میں تلسی داس کی فصیح شاعری رطب اللسان ہے اور جو ویشنو اور جین
دھرم کا سنگ بنیاد ہے اور بھگوت کا جو ہر اصلی ہے جس سے گیتا کا ہر ایک اشلوک لبریز ہے یہی رحم دلی اور محبت جود اور بخشش
آج اس ملک کے باشندوں میں آہستہ آہستہ لیکن استقلال کے ساتھ جاگزیں ہوتی جا رہی ہے۔

ہندو مسلمانوں کے درمیان فسادات کی داستانیں ابھی سنی جاتی ہیں، انمیں ابتک ایسے لوگ موجود ہیں جو ایک دوسرے
پر ظلم کرنے میں بالکل پیش و پیش نہیں کرتے لیکن اگر مجموعی حیثیت سے نتیجہ پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ رحمدلی اور سخاوت نے ترقی کی ہے۔
ہندو اور مسلمان خدا کا خوف کرنے لگے ہیں۔ اب ہم گورنمنٹ مدارس اور عدالتوں کی سحر کاریوں سے آزاد ہو گئے ہیں میں نے یہ بھی
محسوس کیا ہے کہ جن لوگوں کو ہم جاہل اور ان پڑھ خیال کرتے ہیں وہی لوگ تعلیم یافتہ کہلانیکے مستحق ہیں وہ ہم سے زیادہ مہذب ہیں

اور انکی زندگیاں ہمارے مقابلہ میں زیادہ راستباز ہیں۔ زمانہ حال کے انسانوں کی دماغی کیفیات کا تھوڑا سا مطالعہ اس امر کو روشن کردیگا کہ سوراج کا عام مفہوم رام راج کے مترادف ہے جسکے یہ معنی ہیں کہ کرۂ زمین پر حق و صداقت کی سلطنت قائم کیجائے۔

میرے اچھوت بھائیو! میرے اعلان سے اگر تم کو کسی قسم کی راحت پہونچ سکتی ہے تو میں تم کو بتاؤنگا کہ اب تمھارا مسئلہ اس قدر ہیجان کا باعث نہیں ہوتا جیسا کہ پیشتر ہوا کرتا تھا۔ اسکے یہ معنی نہیں ہیں کہ آپ ہندؤں کیطرف سے اپنے شکوک کو دور کردیں جن لوگوں نے آپکے ساتھ استقدر ظلم کئے ہیں وہ کیونکر اس امر کے مستحق ہوسکتے ہیں کہ انپر بے اعتباری نہ کیجائے۔ سوامی وویکانند کہا کرتے تھے کہ اچھوت ادنیٰ اقوام سے نہیں ہیں بلکہ ہندؤں نے ان کو کچلا ہے اور اُن کو کچل کر اپنے آپ کو پامال کرلیا ہے۔

۶را پریل کو غالبًا میں نیلور میں تھا وہاں میری اچھوت لوگوں سے ملاقات ہوئی اور جیسا کہ آج میں نے دعا کی ہے اسی طرح وہاں بھی کی تھی۔ میں مُوکش حاصل کرنا نہیں چاہتا میں دوسری مرتبہ پیدا ہونا بھی نہیں چاہتا لیکن اگر مجھے دوسری مرتبہ جنم لینا پڑا تو میں اچھوت لوگوں میں پیدا ہونا پسند کرونگا تاکہ انکے رنج وغم انکی مصیبتوں اور ذلتوں میں حصہ لے سکوں جنکا اچھوتوں کو شکار بنایا گیا ہے اور پھر اس خراب و خستہ حالت سے اپنے آپ کو اور نیز تمام اچھوتوں کو نجات دلانیکی کوشش کرسکوں۔ اسی وجہ سے میں نے نیلور میں دُعا کی تھی کہ اگر میں دوبارہ پیدا کیا جاؤں تو برہمن یا چھیتری یا وئیش یا شودر کے گھر میں نہیں بلکہ اتیت کے گھر پیدا کیا جاؤں۔

آج کا دن نیلور کی ہر تاریخ سے بھی زیادہ مقدس ہے کیونکہ اسکو ہزار ہا بیگناہوں کے قتل عام کی یاد نے متبرک کردیا ہے لہذا آج بھی میں نے یہی دعا کی ہے کہ اگر میں اپنی خواہشوں کو پورا کئے بغیر یا اچھوتوں کے متعلق اپنی خدمات کو ناتمام اور اپنے ہندو دہرم کو غیر مکمل حالت میں چھوڑ کر مر جاؤں تو ایشور مجھکو اچھوتوں میں دوبارہ پیدا کرے تاکہ میں اپنے ہندو دھرم کو مکمل کرسکوں میں بھنگی کے کام سے محبت کرتا ہوں۔ میرے آشرم میں ایک اٹھارہ سال کا برہمن کا لڑکا بھنگی کا کام انجام دیتا ہے تاکہ آشرم کا بھنگی صفائی کے متعلق اس سے معلومات حاصل کرے۔ یہ لڑکا کوئی ریفارمر نہیں ہے بلکہ سخت فضا میں پیدا ہوا اور اسی میں اسکی نشو ونما ہوئی۔ یہ روزانہ گیتا کا پاٹھ کرتا ہے اور نہایت سچے دل سے سندھیا وندن کرتا ہے۔ پرارتھنا میں اُسکی شیریں آوازدلوں کو مسخر کرنیوالی ہوتی ہے لیکن اُسنے اس بات کو محسوس کیا کہ اُسوقت تک اُسکی تعلیم کی تکمیل نہیں ہوسکتی جب تک وہ ایک پورا پورا بھنگی نہ بنجائے اور آشرم کا بھنگی صرف اُسیوقت اچھی طرح کام کرسکتا ہے جبکہ وہ خود مثال قائم کرے۔

آپ لوگوں کو محسوس کرنا چاہئے کہ اب آپ ہندو سوسائٹی کی صفائی کر رہے ہیں لہذا ضروری ہے کہ اپنی زندگیوں کو بھی پاک وصاف بنائیں۔ اگر جسم کی صفائی کیلئے صابون دستیاب نہو تو راکھ او مٹی ہی استعمال کیجئے۔ آپ میں سے بعض لوگ شراب پیتے ہیں اور جُوا کھیلتے ہیں اسکو ایک دم ترک کردینا چاہئے۔ آپ کہینگے کہ برہمن بھی تو ان گناہوں میں گرفتار ہیں لیکن بھائیو! آپکے اشد خیال کیا جاتا ہے اور انکو اشدہ خیال نہیں کیا جاتا۔ آپ ہندؤں سے یہ نہ کہیں کہ وہ بطور رعایت آپکو آزاد کردیں ہندؤں کو اپنے فائدہ کیلئے آپکو آزاد کرنا لازمی ہے۔ لہذا آپکو چاہئے کہ اپنی پاکبازی اور صفائی کی عمدہ مثال قائم کرکے انکو شرم دلائیں میں یقین کرتا ہوں کہ آئندہ پانچ ماہ کے اندر اندر آپ اپنے آپکو پاک وصاف بنالینگے۔ اگر میری امیدیں پوری نہوئیں تو میں سمجھونگا کہ اگرچہ میرا کلیہ اصولاً درست تھا لیکن صورت حالات کے اندازہ کرنے میں میں نے غلطی کی۔

آپ لوگ ہندو ہونیکا دعویٰ کرتے ہیں، آپ بھگوت کو پڑھتے ہیں۔ لہذا اگر ہندو آپ کو تکلیف پہونچائیں تو سمجھ لینا چاہئے

۔ ہیں ہندو مذہب کا کوئی قصور نہیں بلکہ اسکے پیروان کی خطا ہے۔ آزادی کیلئے آپکو شستہ اور پوتر بننا پڑیگا بشمول خوار ی جیسی بری عادتوں کو چھوڑنا ہوگا۔ اگر آپ اپنی حالت کو بہتر بنانا اور سوراج حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اپنے اوپر اعتماد کیجئے۔ بمبئی میں مجھے معلوم ہوا تھا کہ آپ میں سے بعض صاحبان عدم تعاون کے مخالف ہیں اور اپنی نجات کا ذریعہ برطانوی گورنمنٹ کو سمجھتے ہیں۔ میں آپکو بتانا چاہتا ہوں کہ ہندو دھرم کو چھوڑ کر اور دیگر فریق کی چاپلوسی کر کے آپ ہرگز ہرگز اپنے مصائب کا تدارک نہیں کر سکتے۔ آپکی آزادی آپکے ہاتھوں میں ہے۔

میں نے تمام ملک کے اچھوتوں سے ملاقات کی ہے اور اس بات کو پرکھا ہے کہ انکے اندر ایسے زبردست امکانات پوشیدہ ہیں جن کا نہ تو خود ان کو علم ہے اور نہ دیگر ہندو ان سے واقف ہیں ان کا دماغ اور ذہن گوہر ناسفتہ کی مانند ہے۔ میں آپسے چرخہ کاتنے اور کپڑا بننے کی درخواست کرتا ہوں اور اگر آپ ان دونوں باتوں کو اپنا پیشہ بنا لیں تو افلاس آپسے کوسوں دور بھاگ جائیگا۔ بھنگیوں کے ساتھ آپکا جو طرز عمل ہونا چاہئے اسکے متعلق میں اپنے وہی الفاظ دہراؤنگا جو گاؤدھرا میں میں نے کہے تھے۔ میں نہیں سمجھتا کہ آپ لوگ ڈھیڈ اور بھنگیوں کے درمیان امتیاز قائم رکھنے کی کیوں حمایت کرتے ہیں۔ ان دونوں فرقوں میں کوئی فرق نہیں بعض اوقات میں بھی اُن کا پیشہ اتنا ہی باعزت ہے جتنا کہ وکیلوں اور دوسرے سرکاری ملازموں کا ہوتا ہے۔

آپکو چاہئے کہ رکابیوں کا پس خوردہ کھانا لینے سے انکار کر دیں خواہ وہ کتنا ہی صاف اور عمدہ کیوں نہ ہو۔ صرف عمدہ اور صاف غلہ قبول کیجئے اور وہ بھی ایسی صورت میں جبکہ اخلاق کے تقاضے پیش کیا جائے۔ اگر آپنے ان تمام باتوں پر عمل کیا جو میں نے آپ کو بتائی ہیں تو چار یا پانچ ماہ کی بجائے آپ چند دنوں میں آزادی حاصل کر لینگے۔

میری زندگی کی دو زبردست آرزوئیں ہیں۔ اچھوتوں کی آزادی۔ اور گائے کی حفاظت۔ اور جب یہ دونوں پوری ہو جائینگی تو سوراج بھی حاصل ہو جائیگا اور میری موکشش بھی ہو جائیگی۔ خدا آپکو آزادی کی جدوجہد کیلئے طاقت عطا فرمائے۔

آہ ان نامحرموں نے تجھکو سمجھا ہے اچھوت
آنچھاؤں میں تجھے آنکھوں پہ بھارت کے سپوت

اپنی خدمت کی بدولت واقعی بہتر ہے تو
سینکڑوں عالی نسب افراد سے بہتر ہے تو

اس فریب بزم انسانی سے مستثنیٰ ہے تو
صاف باطن ہے، بظاہر میں گو میلا ہے تو

اہل عالم کو ہے تیری خدمتوں کا اعتراف
جو لقب تجھ کو ملا ہے اُسکا یہ مطلب ہے، صاف

حیا۔ نہا کر اور تو کپڑے بدل کر، آ یہاں
پھر نہیں کچھ فرق میرے اور تیرے درمیاں

(خیالات درد)

متصدّی لعل ہندی